مذاہب قدیمہ میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ قرآن حکیم کے تناظر میں

(تحقیقی و تقابلی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

فوزیہ بتول

پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر عطاءاللہ فیضی

فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن ۲۰۱۷ء

مذاہب قدیمہ میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ قرآن حکیم کے تناظر میں

(تحقیقی و تقابلی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

فوزیہ بتول

پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر عطاء اللہ فیضی

فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء

انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن ۲۰۱۷ء

©(فوزیہ بتول)

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرستِ عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱.	فہرست عنوانات	III
۲.	مقالہ کی منظوری کا فارم	V
۳.	حلف نامہ	VI
۴.	انتساب	VII
۵.	اظہارِ تشکر	VIII
۶.	رموز واشارات	IX
۷.	ملخص مقالہ	X
۸.	مقدمہ	XI
۹.	**باب اول: مذاہبِ قدیمہ اوران کی کتب کا تعارف**	
۱۰.	فصل اول: مذہب کا تعارف اور تقسیم	۱
۱۱.	فصل دوم: الہامی مذاہب اور کتب کا تعارف	۲۸
۱۲.	فصل سوم: غیر الہامی مذاہب اور کتب کا تعارف	۱۲۱
۱۳.	**باب دوم: الہامی مذاہب کی کتب میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ**	
۱۴.	فصل اول: آنحضرت ﷺ کی آمد تورات اور انجیل کے آئینے میں	۱۵۶
۱۵.	فصل دوم: آنحضرت ﷺ کی فضیلت تورات وانجیل کے آئینے میں	۱۷۵
۱۶.	فصل سوم: ختمِ نبوت تورات اور انجیل کے آئینے میں	۲۱۳
۱۷.	**باب سوم: غیر الہامی مذاہب کی کتب میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ**	
۱۸.	فصل اول: آنحضرت ﷺ کا تذکرہ ہندومت کی کتب کے آئینے میں	۲۵۷
۱۹.	فصل دوم: آنحضرت ﷺ کا تذکرہ بدھ مت کی کتب کے آئینے میں	۲۸۷
۲۰.	فصل سوم: آنحضرت ﷺ کا تذکرہ زرتشتی مذہب کی کتب کے آئینے میں	۳۰۰

۲۱.	فصل چہارم: آنحضرت ﷺ کا تذکرہ عصرِ حاضر کی کتب میں	۳۰۷
۲۲.	**باب چہارم: آنحضرت ﷺ کے خصائص وامتیازات کا قرآن کریم اور دیگر کتب کے مابین تقابلی جائزہ**	
۲۳.	فصل اول: غیر الہامی کتب میں آنحضرت ﷺ کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں	۳۲۸
۲۴.	فصل دوم: الہامی کتب میں آنحضرت ﷺ کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں	۳۷۲
۲۵.	فصل سوم: عصرِ حاضر کی کتب میں آنحضرت ﷺ کے خصائص وامتیازات قرآن کریم کی روشنی میں	۳۸۳
۲۶.	خلاصہ ونتائج بحث	۴۰۸
۲۷.	تجاویز وسفارشات	۴۱۱
۲۸.	فہارس	۴۱۳
۲۹.	مصادر ومراجع	۴۲۹

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: مذاہب قدیمہ میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ قرآن حکیم کے تناظر میں

(تحقیقی وتقابلی جائزہ)

Citation of Holy Prophet(PBUH)In Ancient Religions,
In the Context of Holy Quran (Research and Comparative Analysis)

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: فوزیہ بتول

رجسٹریشن نمبر: 605-Mphil/IS/Jan-11

پروفیسر ڈاکٹر عطاءاللہ فیضی
(نگران مقالہ)
____
دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)
____
دستخط فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) ضیاءالدین نجم
(ریکٹر نمل)
____
دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: _______________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں فوزیہ بتول ولد سید محمد شاہ

رول نمبر: I-66 رجسٹریشن نمبر: 605-Mphil/IS/Jan-11

طالبہ پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد، حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ

مقالہ بعنوان: مذاہب قدیمہ میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ قرآن حکیم کے تناظر میں (تحقیقی و تقابلی جائزہ)

Citation of Holy Prophet (PBUH) In Ancient Religions, In the Context of Holy Quran (Research and Comparative Analysis)

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اور پروفیسر ڈاکٹر عطاء اللہ فیضی کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے۔ نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: فوزیہ بتول

دستخط مقالہ نگار: ____________

انتساب

میں اس تحقیقی کاوش کو اپنے مرحوم و مغفور والد بزرگوار اور شفیق و مہربان والدہ محترمہ (بارک اللہ فی عمرھا) کے نام کرتی ہوں، جن کی بے لوث دعاؤں، محبتوں اور شفقتوں کے باعث آج جذبہ مفتخر حاصل ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ انہیں کی بے حساب دعاؤں نے آج تک زندگی میں مشکلات کا احساس نہیں ہونے دیا ہے۔ خدا ان پر اپنی بے پایاں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

اظہارِ تشکر

بے پناہ حمد و ثناء اللہ رب العزت کے لیے جس کی بے پایاں رحمتیں، برکتیں اور نوازشیں مجھے ہر لمحہ گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص ہے کہ مجھے تحقیقی مقالے کو مکمل کرنے کی توفیق بخشی۔ بے شمار درود و سلام خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جن کی محبت عین ایمان ہے۔ جن کے شب و روز کا ایک ایک لمحہ امت کے لیے اسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اپنے والدین کی بے حد شکر گزار ہوں جن کی دعائیں، محنت اور مدد ہر لمحہ میرے ساتھ رہیں۔ جن دنوں میں تحقیقی مقالہ لکھ رہی تھی میری رحمت و شفقت کا ایک سایہ، دعاؤں کا سائبان جو ہمہ وقت سر پہ سایہ فگن تھا، ایک دم ہٹ گیا اور میں وقت کی کڑی دھوپ میں اس سائے کے بغیر کھڑے ہونے پر مجبور ہو گئی۔ خالقِ کائنات میرے والد محترم کو غریقِ رحمت کرے جن کی وجہ سے آج میں اس مقام پر کھڑی ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے بھائی اور بہن ام رباب کی شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر لمحہ میری رہنمائی کی اور مشکل وقت میں بھی میرا ساتھ دے کر ہمیشہ ہمت بندھائی۔

میں اپنے نگرانِ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر عطاء اللہ فیضی صاحب (فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد) میرے انتہائی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی رہنمائی مجھے ہر قدم پر حاصل رہی۔ انہوں نے شفقت اور محبت سے مسوّدہ کو ملاحظہ فرمایا اور اپنی گراں قدر آراء اور مشوروں سے مستفیض کیا۔

اپنے شفیق اور محنتی اساتذہ پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الحق یوسفزئی، پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری اور ڈاکٹر نور حیات کی شفقت و عنایت ہر موقع پہ شاملِ حال رہی۔ میں ان سب اساتذہ کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

میں نے دورانِ تحقیق، ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری (اسلام آباد)، نذیر لائبریری، (نمل، اسلام آباد) کے علاوہ جامعہ پنجاب لاہور، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد)، جامعہ الصادق لائبریری (اسلام آباد)، اکادمی ادبیات اور مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد کے کتب خانوں سے استفادہ کیا ہے۔ میں ان کتب خانوں کے منتظمین کی شکر گزار ہوں۔ اور خاص طور پر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی (اسلام آباد) کے منتظمین اور جامعہ الصادق لائبریری (اسلام آباد) کے منتظم محترم جناب محسن عباس رضوی صاحب کی خصوصی معاونت پر ان کی احسان مند ہوں۔

مسودہ کی کمپوزنگ کے حوالے سے برادر ابرار اللہ کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری مخلصانہ معاونت فرمائی اور اپنی ہر دم عزیز دوست فاطمہ زہرا کی بھی سپاس گزار ہوں جنہوں نے ہر موقع پر میرا ساتھ دیا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ان تمام معاونین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

وَ مَا تَوفِیْقِی إِلَّا بِاللہِ عَلَیْہِ تَوَکلتُ وَ إِلَیْہِ أُنِیبُ

رموز واشارات

تحقیق کے دوران مندرجہ ذیل رموز واشارات کو مقالہ میں اختیار کیا گیا ہے۔

آیاتِ کریمہ کے لیے	﴿---﴾
احادیث مبارکہ کے لیے	((---))
اقتباسات اور اقوال کے لیے	"---"
سن ہجری کے لیے	ھ
سن عیسوی کے لیے	ء
'سن اشاعت نہیں ہے' کے لیے	سن ندارد/س۔ن
'مقام طباعت نا معلوم' کے لیے	طبع ندارد/ط۔ن
صفحہ اور جلد نمبر کے لیے	جلد نمبر/صفحہ نمبر
علیہ السلام/علیہا السلام کے لیے	ؑ
رضی اللہ عنہ/عنہا کے لیے	ؓ
رحمۃ اللہ علیہ/علیہا کے لیے	ؒ

ABSTRACT

Prophet-Hood is one of the principles of Islam. The designation of prophet-hood is God given that commences right from Adam(a.s) and ends up with Muhammad (PBUH). All the prophets of Allah Almighty were sent to their nations except the last one whoes prophet-hood is universal. This is the reason that Allah Almighty has mentioned his last prophet in all revealed books by describing his personality, charactristis and other signs of his period; so that people may easily distinguish and follow him.

We know that people, who believed on Torah & Gospel, and other sacred books believed that a prophet of mercy will descend with clear signs of prophet-hood. He will lead the world and guide them to the righteous path and will disclose the changes in Gospel. They also believed that the Prophet Muhammad (S.A.W) will reveal the prophet-hood of Jesus and confirm that Jesus is a man of Allah with bestowed miracles.

There is no doubt that the Christians have made changes in this forecast and tried to mix up the correct information with false one, still the unbiased and unprejudiced study of these predictions and the good news about last prophet are not fixing to anyone other than Muhammad (S.A.W).

Besides, in non-revealed books of other religions like Hinduism, Budhism etc, the name of Muhammad (PBUH), his parents, his family, his birth, migration, battels, *Meraj*, and many other signs of his prophacy have been clearly described. None but the only Muhammad (PBUH) can rightly own these attributes.

This research work provides information regarding good news about the last Prophet of Allah, through Old & New Testaments and the sacred books of other religions of the world justified by Holy Quran. It explains how much resemblance is between traits of Holy Propher(PBUH) described in the sacred books of other religions and the Quran. Muhammad is the only common being who can bring all humanity on one point to bring peace, prosperity, brother-hood, justice and love among the individuals and nations of this world.

مقدمہ

(۱) موضوعِ تحقیق کا تعارف اور پسِ منظر

انسان کی کامیابی کے لیے وحی کی رہنمائی لا ینفک ہے، جس کے بغیر نہ تو فرد کی تربیت ہو سکتی ہے نہ ہی قومیں اطمینان و سکون کی زندگی بسر کر سکتی ہیں اور نہ ہی کاروانِ انسانیت اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔ اس رہنمائی اور ہدایت کے لیے مختلف زمانوں اور اقوام کے درمیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آتے رہے۔ حتیٰ کہ قرآن کریم کی شہادت کے مطابق دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں رہی جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول نہ آیا ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾[۱]

ترجمہ: ہر امّت کے لیے ایک رسُول ہے پھر جب کسی امّت کے پاس اُس کا رسُول آ جاتا ہے تو اس کا فیصلہ پُورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور اس پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا۔

ان رسولوں کے ذریعہ کو آسمانی تعلیمات انسانوں تک پہنچائی جاتی ہیں اسے خدا کی کتاب کہا جاتا ہے۔ لہٰذا دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس کی طرف خدا کی کتاب نہ آئی ہو۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾[۲]

ترجمہ: ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، اور اُن کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے۔

جب کوئی رسول اپنی قوم کی طرف خدا کا پیغام پہنچا کر چلا جاتا تو اس کے ماننے والے اس کتاب میں تحریف شروع کر دیتے، کہیں کچھ حذف تو کہیں اضافہ کر دیا جاتا، اس طرح وہ کتاب رفتہ رفتہ انسانی آمیزشوں کا مجموعہ بن کر رہ جاتی۔ لہٰذا خدا نے آخری مرتبہ قرآن مجید کو ایک ضابطہ تعلیم بنا کر نازل کیا جس میں تمام سچائیاں بھی آگئیں اور اس میں ایسے غیر متبدل اصول و

---

(۱) سورۃ یونس: ۴۷/۱۰

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲۱۳/۲

قوانین بھی شامل کر دیے گئے جنہیں ہمیشہ کے لیے انسانی زندگی کا ضابطہ قرار دینا مقصود تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہر طرح سے مکمل کر دیا اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لیا۔ لہٰذا جو شخص یا قوم اللہ کی رہنمائی کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائے اور اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرے۔

اللہ رب العالمین نے حضرت محمد ﷺ کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کا ذکرِ خیر کائنات کی ہر مخلوق میں معلوم و معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نور کو جملہ مخلوقات سے پہلے خلق فرمایا، اسی لیے آپ ﷺ وجہِ تخلیقِ موجودات ہیں اور آپ ﷺ کو سلسلہ رسل میں سب سے آخر میں مبعوث فرمایا، اس لیے آپ ﷺ اول بھی ہیں اور آخر بھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بعثت کو مومنین پر احسان قرار دیا۔ آپ ﷺ کی اس بعثت و ظہور کا ذکر آپ کی بعثت سے پہلے بھی ہوتا تھا۔ قبل از اسلام آسمانی مذاہب اور صحائف میں برابر آپ ﷺ کے ظہور کا ذکر موجود ہے۔ انبیاء و رسل نے اپنے اپنے زمانے میں آنحضور ﷺ کے لیے پیش گوئیاں اور تذکرہ فرمایا ہے اور اپنی امتوں کو حضور پر نور ﷺ کی اس عالم میں تشریف آوری کی خبر دی ہے۔ لہٰذا انجیل و تورات میں تو آپ ﷺ کا تذکرہ ہے ہی ساتھ میں غیر الہامی مذاہب کی کتب جیسے ویدوں میں بھی آپ ﷺ کی آمد کی بشارات دی گئی ہیں۔

(۲) ضرورت واہمیت

جب سے یہ دنیا اور انسان کی تخلیق ہوئی ہے تب سے آنحضرت ﷺ کے نور کے اثرات کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی نبوت کے فیوضات بھی موجود رہے ہیں تو ایسے جلیل القدر پیغمبر اور آپ ﷺ کی نبوت اور منصب کے مظاہر میں سے جہاں دوسرے معجزات بیان کیے گئے ہیں وہاں غالباً اس ایک معجزے پر ابھی تک اتنا غور نہیں کیا گیا کہ حضرت محمد ﷺ کا ذکرِ جمیل اور نام دنیا کے جتنے بھی پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں میں آیا ہے ان میں جتنی بھی تحریفات کیوں نہ کی گئی ہوں مگر ان میں سے خاتم الانبیاء ﷺ کا نام اور ذکر ختم نہیں کیا جا سکا۔ چنانچہ آج دنیا کی لاتعداد قوموں اور ان کے اجداد کے ورثہ میں پیغمبروں، مہادیشوں، اوتاروں، زبانوں اور ریشائین کی جو کتب موجود ہیں ان سب میں محمد عربی ﷺ کا نام اور مقام موجود ہے۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ ان قدیم مذاہب کی کتب میں آنحضرت ﷺ کے تذکروں کو سامنے لایا جائے تاکہ خود نبی کریم ﷺ کو ماننے والے بھی ان حقیقتوں سے آگاہ ہوں اور دیگر کتابوں کو ماننے والے یہ جان سکیں کہ نبی آخر الزمان ﷺ کے امتیازات کون سے ہیں، جو خود ان کی کتب میں مذکور ہیں۔ اس طرح تاریخ کے ایک نہایت اہم باب سے پردہ اٹھے گا اور خود مذہب کی حقانیت لوگوں پر عیاں ہو گی۔ اور حضور ﷺ کی اوصافِ حمیدہ اور خصائص و امتیازات کو قرآن کریم اور

دیگر کتب کی روشنی میں بہتر طریقے سے متعارف ہوگا۔اردو زبان میں اس سے پہلے ان تذکروں اور بشارتوں کا تجزیہ قرآن مجید کی روشنی میں نہیں کیا گیااس لیے میری تحقیق اس ضرورت کو پورا کرے گی۔

(۳)موضوعِ تحقیق کابنیادی مسئلہ

۱۔ کن مذاہب کو مذاہب قدیمہ میں شمار کیاجاسکتاہےاوران کی تقسیم کن بنیادوں پر کی جاسکتی ہے؟

۲۔ قدیم مذاہب کی مقدس کتب میں آنحضرت ﷺ کے حوالے سے موجود بشارات کے متعلق ان مذاہب کے ماننے والوں کا کیانکتہ نظر ہے؟

۳۔قدیم مذاہب کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق موجود بشارتوں اورتذکروں کی حقیقت کیاہے؟

۴۔کیا مذاہبِ قدیمہ کی کتب میں بعض ہستیوں کے اوصافِ حمیدہ اور خصائص وامتیازات کے مصداق رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی ہیں؟ یہ صفات وامتیازات رسول اللہ ﷺ پر کیونکر صادق آتے ہیں؟

۵۔قرآنِ کریم میں موجود نبی آخرالزمان ﷺ کے امتیازات سے مذکورہ بالا مذاہب قدیمہ کی روایات اور عصرِ حاضر کے غیر مسلم علماء کی کتب میں موجود پیغمبرِ اسلام ﷺ کے تذکرے کا تقابلی جائزہ کیونکر ممکن ہے؟

(۴)اہداف ومقاصد تحقیق

میری اس تحقیقی کاوش کابنیادی مقصد رسول اللہ ﷺ کا الہامی و غیر الہامی مختلف مذاہب میں جوتذکرہ آیاہے ان کو مدلل اور واضح انداز میں بیان کرناہے اور ساتھ ساتھ ان صفات و خصائص کا قرآن مجید سے تقابل کرانا بھی مقصود ہے جس سے واقفیت دورِ حاضر میں ہر شخص پر لازم ہے کیونکہ آج ہم ایک ایسے کڑے وقت سے گزر رہے ہیں جس میں اقوام عالم دینِ اسلام کے خلاف ہر طرح کی سازشوں کے جال بُننےاور مسلمانانِ عالم کی جانب انگلیاں اٹھانے میں مصروف ہے،ضرورت اس امر کی ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ کی ذاتِ بابرکت سے مکمل طور پر روشناس کروایاجائےاوراس سلسلے میں قرآن کریم سے پہلے ان کی اپنی مذہبی والہامی کتابوں کے ذریعے سرکارِ دوعالم ﷺ کی شخصیت کواجاگر کیاجائے،کیونکہ ان کی الہامی و مذہبی کتب بذاتِ خود آپ ﷺ کانام، مقام اورآمد کی بشارت دیتی ہیں۔چنانچہ ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے بات چاہے کتنی ہی دلچسپی کا باعث کیوں نہ بنے قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے بارے میں کیاتعلیم دیتاہے؟ مگر یہ بات ان کے لیے کہیں زیادہ دلچسپی کی حامل ہوگی کہ ان کی اپنی الہامی کتب آنحضرت ﷺ کی شخصیت کے بارے میں کیا معلومات رکھتی ہیں؟لہٰذاالہامی و غیر الہامی مذاہب میں آنحضرت ﷺ کاتذکرہ کر کے اس کا تقابل قرآن مجید سے کر کے اس مقصد کو حاصل کیاجاسکتاہے۔

(۵)موضوعِ تحقیق کے مفروضات

۱۔ مذاہب قدیمہ کی اصطلاح نسبتی ہے یعنی ادیان میں بظاہر سب سے آخر میں نازل ہونے والا دین اسلام ہے لہٰذا اس سے ماقبل تمام مذاہب قدیم کہلائیں گے۔ان تمام مذاہب کو بنیادی طور پر سامی اور غیر سامی دو بنیادوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سامی مذاہب، جن کی تعلیمات اور اصول و قوانین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ ہیں، میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ جبکہ غیر سامی مذاہب، جن کی تعلیمات اور اصول و قوانین انسانوں کے اپنے وضع کردہ ہیں، میں ہندومت، بدھ مت اور زرتشت جیسے مذاہب شامل ہیں۔

۲۔ قدیم مذاہب کی مقدس کتب میں آنحضرت ﷺ کے حوالے سے موجود بشارات کے متعلق ان مذاہب کے ماننے والوں بعض علماء ان کو تسلیم کرتے ہیں، جبکہ اکثر علماء ان بشارات کا مرجع اپنے پیشواؤں کو قرار دیتے ہیں۔ان کے ہاں رسول اسلام ﷺ کے متعلق ان بشارات کے انکار کی بظاہر چند وجوہات ہو سکتی ہیں جیسے ان مذاہب کے علماء کی طرف سے ان کی کتب میں وسیع پیمانے پر تحریفات، مسلم علماء کی اس موضوع کے حوالے سے عدم دلچسپی اور ان مذاہب کے پیروکاروں کی ایک غالب اکثریت کا ایسے علاقوں میں رہنا جہاں مسلمان نہیں ہیں، یا بہت کم تعداد میں اور نہایت غیر مؤثر ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اپنے مذہب کی حفاظت کا داعیہ قوی ہونا فطری ہے اور مذہب کی حفاظت کا داعیہ جب پیدا ہو جائے تو دوسرے مذاہب کی بڑائی کا اعتراف نہ کرنا اور اپنے مذہب کے بلند ہونے کا احساس بالکل طبعی ہو جاتا ہے۔

۳۔ حضور ﷺ کے متعلق قدیم مذاہب کی کتب میں جو بشارات دی گئی ہیں وہ بظاہر بعینہٖ آنحضرت ﷺ پر پوری اترتی ہیں۔ان مذاہب کی کتب میں آپ ﷺ کی دنیا میں آمد سے پہلے جن حالات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ بھی آپ ﷺ کی تشریف آوری کے وقت ہی پورے ہوتے نظر آتے ہیں۔

۴۔ مذاہبِ قدیمہ کی کتب میں بعض ہستیوں کے اوصافِ حمیدہ اور خصائص و امتیازات کے مصداق رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ کیونکہ یہ اوصاف و کمالات کسی اور ہستی میں نظر نہیں آتے، نہ ہی کسی اور نے ان کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ اوصاف و کمالات مصطفیٰ ﷺ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اسی طرح ذکر ہوئے ہیں۔اور پھر خاصیت و امتیاز کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ صاحبِ خاصیت و صاحبِ امتیاز کے ساتھ خاص ہو اور اس کے علاوہ کسی دوسرے میں موجود نہ ہو۔ مثلاً نامِ محمدؐ، آپ ﷺ کے بارے دیگر انبیاء سے عہد و میثاق، رحمت عالم، ختمِ نبوت، اسراء و معراج، نام کے بجائے القابات سے خطاب، من جانب اللہ مدافعت، بیک وقت چار سے زیادہ ازواج رکھنے کی اجازت، ان کی زبان پر اپنا کلام جاری کرنا، کوہِ فاران سے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ جلوہ گر ہونا وغیرہ وغیرہ آپ ﷺ کے خصائص و امتیازات ہیں۔

۵۔ قرآن مجید خود سے قبل نازل شدہ تمام صحائف سماویہ کی اصل کی تصدیق کرتا ہے۔ان میں تحریفات کے باوجود اب بھی بعض حصہ اپنی اصل پر باقی ہے۔اگرچہ یہ بہت کم ہے۔اور انہی میں وہ تعلیمات بھی موجود ہیں جن میں آپ ﷺ کا تذکرہ موجود ہے۔اور ان تعلیمات کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار اور کسوٹی ہمارے پاس قرآن وحدیث کی شکل میں موجود ہے۔

(۶)۔ موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ

زیرِ بحث موضوع پر میری نظر سے کوئی تحقیقی مقالہ نہیں گزرا ہے۔البتہ ۲۰۱۳ء میں نور حیات خان صاحب نے پی ایچ ڈی کے لیے 'عصرِ حاضر اور بین الاقوامی مذاہب میں ہم آہنگی' کے عنوان سے مقالہ لکھا۔اسی طرح آسیہ رشید صاحبہ نے ۲۰۱۱ء میں پی ایچ ڈی کے لیے 'الہامی مذاہب میں مشترکہ اقدار: قرآن کریم اور کتابِ مقدس کے تناظر میں علمی جائزہ' کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا۔البتہ میرے اس مقالے کا مقصد مذاہبِ عالم کی کتب کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو واضح کرنا ہے، اور یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ ﷺ کی شخصیت تمام مذاہب کا ایک مشترکہ نکتہ بن سکتی ہے اگر ان کتب کا انصاف اور خلوص کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔اس موضوع کے بعض پہلوؤں پر اردو زبان میں چند کتابیں لکھی گئی ہیں مگر ان سب میں مختلف حوالوں سے جزوی کام بیان کیا گیا ہے۔الگ الگ مذہب کی کتابوں میں جو تذکرے ہیں، جیسے ''محمد ہندوؤں کی کتابوں میں'' کے عنوان سے کتاب ہے جس میں ہندو کتب میں جو آنحضرت ﷺ کے بارے میں تذکرہ ہے وہ بیان کیا گیا ہے۔اسی طرح ''کلکی اوتار نبی کریم ﷺ'' کے نام سے ایک کتاب ہے اس میں بھی صرف ہندومت کی کتابوں میں نبی کریم ﷺ سے متعلق بشارتیں موجود ہیں۔اسی طرح سیرت پر لکھی گئی کتب میں ذکر ہے جو صرف تورات وانجیل کے حوالے سے مذکور ہیں۔جبکہ میرا مقصدِ تحقیق یہ ہے کہ جامع طور پر ان تمام الہامی و غیر الہامی کتب کا جائزہ لیا جائے اور حضور ﷺ کی اوصافِ حمیدہ اور خصائص وامتیازات کو قرآن کریم اور دیگر مذاہب کی کتب کی روشنی میں متعارف کرایا جائے۔

(۷)۔ اسلوبِ تحقیق

تحقیق کے دوران درج ذیل نکات کو اسلوبِ تحقیق کے طور پر اختیار کیا گیا ہے:

۱۔ مقالے کا اسلوب تحقیقی اور تقابلی ہے۔

۲۔ مقالے کو مقدمہ اور چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ہر باب کا عنوان قائم کیا گیا ہے، پھر ہر باب کو فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۳۔ موضوع تحقیق میں پوری کوشش کے ساتھ اصل ماخذ و مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔لیکن موضوع کی ضرورت کے تحت مزید تشریح وتوضیح کے لیے ثانوی مصادر و مراجع سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۴۔ مقالہ کو معیاری اور سلیس اردو میں تحریر کیا گیا ہے۔تمام عربی، فارسی اور انگریزی عبارات کا اردو ترجمہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔

۵۔ تمام ضروری معلومات حوالہ جات کے طور پر حواشی میں دے دی گئی ہیں۔

۶۔ مقالہ میں آنے والے غیر معروف اسماء واماکن وغیرہ کا مختصر تعارف بھی حواشی میں دیا گیا ہے۔

۷۔ احادیثِ نبویہ کے حوالے میں کتاب کا نام، مصنف کا نام، ناشر، مقام اشاعت، سن اشاعت، طبع، کتاب اور باب کا نام، حدیث نمبر اور آخر میں جلد اور صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔

۸۔ دیگر کتب کے حوالہ جات میں کتاب کا نام، مصنف کا نام، ناشر، مقامِ اشاعت، سن اشاعت، طبع، اور آخر میں جلد اور صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔

۹۔ ایک کتاب کا دوبارہ حوالہ آنے کی صورت میں کتاب کا نام، مصنف کا نام، جلد اور صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔

۱۰۔ مقالہ کے آخر میں ضروری فہارس پیش کر دی گئی ہیں۔

باب اول

مذاہب قدیمہ اوران کی کتب کا تعارف

فصل اول: مذہب کا تعارف اور تقسیم

فصل دوم: الہامی مذاہب اور کتب کا تعارف

فصل سوم: غیر الہامی مذاہب اور کتب کا تعارف

فصل اول

مذہب کا تعارف اور تقسیم

مذہب کا لغوی واصطلاحی مفہوم

لغوی معنی

مذہب لغوی طور پر ذھب یذھب ذھاباً وذھوباً ومذھباً سے ماخوذ ہے۔[1] یہ مَفْعَل کے وزن پر اسم ظرف مکان ہے اوراس کی جمع مذاہب ہے، جس کے معنی طریقہ، عقیدہ، اصل، راستہ، مسلک اور دین وغیرہ ہیں۔[2]

انگریزی زبان میں مذہب کے لیے لفظ Religion بولا جاتا ہے جو اصل میں فرانسیسی زبان کے لفظ Religiex اور لاطینی کے لفظ Religio سے مشتق ہوا ہے۔ اس کے معنیٰ امتناع، پابندی، عقیدہ اور عبادات کا ایک نظام ہے۔[3]

مہذب اللغات کے مطابق مذہب (بفتح اول وسوم) کا معنی دین ایمان آئین عقیدہ، راہ، راستہ اور طریق ہے۔[4]

پس لفظ مذہب کے لغوی معنی عقیدہ، راستہ اصول اور زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔ چنانچہ مذہب کا مفہوم وہ راستہ ہے جو کسی بھی قوم کو زندگی گزارنے کا طریقہ مہیا کرتا ہے اور اس راستے پر چل کر انسان دنیا میں کامیابی اور آخرت میں فلاح پا سکتا ہے۔ لفظ مذہب اگرچہ قرآن میں مذکور نہیں، لیکن اس کے مترادف کئی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ملت، سبیل، دین، شریعت، ہدایت، صراط اور طریق وغیرہ۔

اصطلاحی معنی

عام گفتگو میں دین اور مذہب کے الفاظ ہم معنی الفاظ کے طور پر بولے جاتے ہیں۔ ''دین'' مذہب کے لیے اسلامی اصطلاح ہے اور یہ مذہب سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ مسلم مفکرین کے ہاں مذہب وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ شیخ احمد دیدات[5] مذہب یا دین کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(1) لسان العرب، محمد بن مکرم ابن منظور ، داراحیاء التراث العربی بیروت ،۱۹۸۸ء،۱/۳۹۳؛ المعجم الوسیط، مجموعۃ المؤلفین، مجمع اللغۃ العربیۃ قاہرہ،۱۹۷۲ء، ۱/۳۱۶؛ معجم مقاییس اللغۃ، احمد بن زکریا ابن فارس، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی قاہرہ،۱۳۸۹ھ، ۲/۳۶۲

(2) قاموس مترادفات، وارث سرہندی، اردو سائنس بورڈ اپر مال لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۹۸۱(اسی طرح کے الفاظ کے لیے دیکھیے: فیروز اللغات، فیروز الدین، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، ص:۱۰۶۷؛ علمی اردو لغت، وارث سرہندی، علمی کتب خانہ اردو بازار لاہور، اکتوبر ۱۹۸۳ء، ص:۱۳۶۵)

(3) Religion and Society, Ronald Jhonstone, Inc Englewood cliffs, 1975,p.13-20

(4) مہذب اللغات، مہذب لکھنوی، محافظ اردو بک ڈپو منصور نگر نیا محل لکھنو، فروری ۱۹۶۸ء، ۱۲/ ۶۸

(5) شیخ احمد دیدات (۱۹۱۸۔۲۰۰۷ء) عالم اسلام کے بلند پائے کے عالم تھے۔ آپ تقابل ادیان کے عالم اور معلم تھے۔ مصر میں 'الحافظ' یونیورسٹی قائم کی۔ کئی یہود و نصاریٰ سے مناظرے کیے اور دین اسلام کی دیگر ادیان پر فوقیت کو واضح کیا۔(یہودیت، عیسائیت اور اسلام، احمد دیدات، (مترجم: مصباح اکرم) عبداللہ اکیڈیمی اردو بازار لاہور، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۲)

"دین (مذہب) سے مراد جامع نظام زندگی اور کامل ضابطہ حیات ہے۔یہ ہماری پوری زندگی پر محیط ہے۔اس میں تمام شعبہ ہائے زندگی، عقائد و عبادات، اخلاق معاشرت، معیشت اور سیاسی امور شامل ہیں۔" (۱)

فرید وجدی(۱۸۷۸۔۱۹۵۴ء)(۲) نے لکھا ہے کہ مذہب ان معقول خیالات کے مجموعے کا نام ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد انسانی رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدوں سے اس طرح مستفید ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے وہ ہدایت حاصل کرتے ہیں مذہب انسان کے لیے ابدی چیز ہے۔(۳)

البتہ غیر مسلم مفکرین کے نزدیک مذہب کا مفہوم محدود ہے۔چنانچہ غیر مسلم مفکرین نے مذہب کی مختلف الفاظ میں تعریفات لکھی ہیں۔سر ای بی ٹیلر (۱۸۳۲-۱۹۱۳ء) (۴) نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''Religion means the belief in spiritual beings.'' (5)

ترجمہ: مذہب روحانی موجودات پر عقیدے کا نام ہے۔

کانٹ(kant:1724-1804)(۶) کا کہنا ہے کہ ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا مذہب ہے۔

---

(۱) یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص:۲۵

(۲) مصر کے مشہور مفکر، فلسفی اور عالم گزرے ہیں۔انہوں نے جدید افکار اور اسلامی تعلیمات کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ فرید وجدی نے اسلام کی افضلیت پر متعدد کتب اور مقالات لکھے۔دس سال سے زائد عرصہ تک مجلہ الازہر کے چیف ایڈیٹر بھی رہے۔(محمد فرید وجدی، الکاتب الاسلامی والمفکر الموسوعی، محمد رجب البیومی، دار القلم دمشق، ۲۰۰۳ء، طبع اول، ص:۲۳)

(۳) تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ، محمد فرید وجدی، قاہرہ، ۱۹۴۸ء، ص:۱۴

(۴) Sir Edward Burnett Tylor برطانوی مفکر، بشریات کا عالم اور ثقافتی بشریات کا بانی مانا جاتا ہے۔اس نے ثقافت اور بشریات کا سائنسی مطالعہ کیا۔اس کے نزدیک روح یا روحانی چیزوں پر اعتقاد(Animism) مذہب کی ترویج کا پہلا مرحلہ تھا۔
(https://en.wikipedia.org/wiki/Edward_Burnett_Tylor,Retrieved on:13/03/2014, 10:00a.m)

(5) Encyclopedia of Religion and Ethics, Charles Schribner's Sons, First Avenew New York,1908,P:263 ; The New Encyclopedia of Britannica, Inc USA, 1986, V:19, P:103; Encyclopedia Americana, Grolier Incorporated, Inc USA, 1984, V:2,3, P:359

(۶) ایمانوئل کانٹ یورپ کا مشہور ترین جرمن مفکر تھا۔کانٹ نے بہت سی کتابیں لکھیں جو ریاضی، طبیعیات، نجوم و فلکیات، منطق خصوصاً فلسفے کے موضوعات پر ہیں۔انہوں نے کسی چیز کی شناخت کے لیے تجربے اور عقل کے کردار پر زور دیا ہے۔ان کا فلسفہ تنقیدی فلسفے کے نام سے معروف ہے کانٹ کی متعدد کتابوں میں فلسفہ اخلاق کی بنیادیں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ملاحظہ ہو:
https://en-wikipedia-org/wiki/Immanuel_Kant,Retrieved on: 13/03/2014, At 10:00a.m

آرتھر شوپنہار(Schopenhauer:1778-1860)[1] لکھتا ہے کہ مذہب موت کے تصور سے وابستہ ہے۔[2]

پروفیسر برونائیٹ ہیڈ کے نزدیک مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کا باطن پاک ہو جاتا ہے یعنی مذہب ان صداقتوں کے مجموعے کا نام ہے جن میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسان اور انسانی کردار(Character) میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے بشرطیکہ انہیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے۔"[3]

مشہور عالم نفسیات پروفیسر جیمز ایچ لیوبا(James H Leuba) [4] نے اپنی تصنیف میں مذہب کی مختلف تعریفات نقل کی ہیں جو مذہب کے کسی نہ کسی ضروری جزو پر حاوی ہیں ان تعریفات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ مذہب ایک احساس ہے جو کسی مقدس بالاتر اور ان دیکھی ذات کا وجود انسان کے قلب اور دماغ میں پیدا کرتا ہے۔

۲۔ مذہب نام ہے ایک ازلی اور ابدی حقیقت پر ایمان لانے کا جس کی حیثیت اور ارادہ انسانی منشا اور ارادے سے بالاتر ہے جس کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ بہت گہرا ہے۔

۳۔ مذہب ایک روحانی اور نفسی حاسہ ہے جس کی بنیاد یا اصل یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور کائنات میں باہمی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

۴۔ مذہب نام ہے ان مافوق الانسانی قوتوں کی رضاجوئی کا جو انسانی زندگی پر حکمران ہیں۔

۵۔ مذہب نام ہے اس جستجو کا جو انسان زندگی کے حقیقی مقاصد کے ادراک کے لیے کرتا ہے۔[5]

---

[1] آرتھر شوپنہائر ایک جرمن فلسفی تھا۔ وہ اپنی تصانیف میں سے اپنی کتاب The World as Will and Idea اور انسانی فطرت کے قنوطی (Pessimistic) اور منفی خیالات رکھنے کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:
http://www-biography-com/people/arthur-schopenhauer-21219427,Retrieved on: 13/ 03/ 2014 At 10:00a.m

[2] مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، پروفیسر غلام رسول چیمہ، علمی کتب خانہ اردو بازار لاہور، ۱۹۷۸ء، ص:۴۷

[3] امام غزالی کا فلسفہ واخلاق، ڈاکٹر سید حسن، المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی، ۱۹۶۱ء، ص:۱۷۸۔۱۸۴
Scienc and the Modern World, B-N- Head, London, 1933, P:222

[4] جیمز ایچ لیوبا(James H Leuba :1867-1946) ایک مشہور امریکی ماہر نفسیات اور ملحد تھا۔ مذہبی نفسیات (Psychology of Religion) پر اس کا کافی کام ہے۔ اس کے کام میں مذہبی تصوف، یوگا اور منشیات میں مماثلت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس نے مذہب کا سائنسی حوالے سے تجزیہ کیا ہے۔
https://en-wikipedia-org/wiki/James_H-_Leuba, Retrieved on 13/03/2014,At 11:00a.m

[5] مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، پروفیسر غلام رسول چیمہ، ص:۴۷۔۴۸؛ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مذہب اور تجدید مذہب، عبدالمجید صدیقی، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۹۰ء، ص:۲۰۔۲۱؛
God or Man, James H- Leuba, London: 1934, p-43

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیمز ایچ لیو بانے مذہب کی مختلف تعریفات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، اسی لیے ایک مقام پر مذہب کو احساس، یا حاسہ کا نام دیتا ہے تو دوسرے مقام پر اس کو ایک حقیقت قرار دیتا ہے۔ ان دونوں باتوں میں ظاہراً تضاد نظر آتا ہے۔ اور دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اس نے بھی مذہب کو انسان اور خدا یا مافوق الانسان قوتوں کے درمیان ایک تعلق قرار دیا ہے، گویا مذہب کا تعلق انسان کی نجی زندگی تک محدود ہے، اس کی اجتماعی زندگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

جب کہ اسلامی نکتہ نظر کے مطابق مذہب ایک حقیقت کا نام ہے ایک ایسے قانون الٰہی کا نام ہے جو انسان کی نجی اور اجتماعی ہر دو معاملات کے لیے ایک نظام وضع کرتا ہے۔

مذہب کے اصطلاحی مفہوم سے متعلق مختلف مفکرین کے بیانات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اگر مذہب کے متعلق ان تمام تصورات کو یک جا کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں اگر کوئی قدر مشترک ہے تو وہ انسان کے اوپر کوئی بالاتر ہستی کا موجود ہونا ہے۔ الغرض اسلامی و قرآنی نقطہ نظر سے مذہب ان ہدایات اور احکام کا نام ہے جو وقتاً فوقتاً اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعے بندوں کے لیے بھیجے جن پر گامزن ہو کر انسان اس دنیا میں کامیاب اور آخرت میں فلاح پا سکتا ہے اسلامی اصطلاح میں یہی دین ہے۔

دین کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی معنٰی

عام طور پر مذہب اور دین کے الفاظ ہم معنی الفاظ کے طور پر بولے جاتے ہیں ''دین'' مذہب کے لیے اسلامی اور قرآنی اصطلاح ہے اور یہ لفظ مذہب سے کئی زیادہ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان کی یہ خصوصیت ہے کہ مادہ کے اصل معنی کسی نہ کسی شکل و صورت میں اس کے مشتقات فعلیہ اور اسمیہ دونوں میں باقی رہتے ہیں۔

لفظ دین مادہ 'دان' سے مشتق ہے یہ لغت میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے جن میں جزا، اطاعت، قہر و غلبہ، عادت اور خضوع و پیروی وغیرہ شامل ہیں۔ لسان العرب میں دین کے لغوی معنی کچھ اس طرح ہیں کہ لفظ دین اللہ تعالیٰ کی صفت الدیّان ہے۔ یعنی أَلحَکَم، أَلقاضی۔ دِین بمعنی یوم الجزاء بھی ہے۔ ایک مفہوم اطاعت و فرمان برداری ہے۔ اسی سے ہے۔ دَانَ النّاس اَی قَھَرَھُم عَلَی الطّاعۃ۔ ایک مفہوم وہ عادت و طریقہ جس کی انسان پیروی کرے۔ أَلدِّین: أَلْعَادۃ وَالشَّأنُ [1]

کتاب العین میں دین کا معنٰی اس طرح لکھا ہے:

''وَالدِّیْنُ جَمْعُہ الأَدْیَانُ، وَالدّینُ: أَلجَزَاءُ''[2]

ترجمہ: دین کی جمع ادیان ہے اور یہ جزاء کے معنی میں بھی آتا ہے۔

علاوہ ازیں دین میں اطاعت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ کتاب العین میں مرقوم ہے کہ

''أَلدِّیْنُ: أَلطَّاعَۃُ وَ دَانُوْالِفُلَانٍ، أَیْ أَطَاعُوْہ''[3]

ترجمہ: دین کا معنٰی اطاعت ہے، دانوا لفلان یعنی اس کی اطاعت کی۔

الصحاح کے مطابق دین کے معنی اس طرح آئے ہیں:

یُقَالُ: کَمَا تَدین تُدان: أَیْ کَمَا تُجَازِی تُجَازَیٰ بِفِعْلِکَ وَ قَولُہ عزّ وَ جلّ:
﴿أَإِنَّا لَمدِیْنُون﴾[4] اَی مَجزِیُّون مُحَاسَبون[5]

ترجمہ: کہا جاتا ہے انسان جیسا عمل کرتا ہے اسی طرح اس کو بدلہ بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اسی

---

(1) لسان العرب، ۴/۴۵۸

(2) کتاب العین، خلیل بن احمد الفراہیدی، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۲۰۰۳ء، ۱/۶۱۱

(3) ایضاً

(4) سورۃ الصافات: ۳۷/۵۳

(5) الصحاح، اسماعیل بن حماد الجوہری، دار الکتب العربی بمصر، ۵/۲۳۱

سے ارشاد رب العزت ہے: ''أَإِنَّا لَمدِيْنُون''یعنی کیا ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا حساب کیا جائے گا؟

الرائد میں دین کا معنٰی اس طرح درج ہے:

''أَلدِّيْنُ مصدرُ دَانَ يَدِينُ: عبَادَة الله وَ تَقديسه، عبَادَة القوى الطَبعية الحَادقَة وَتَقديسها، أَلمذهَب، السيرَة، العَادَة، الحَال، الشَّان، القَضَاء، الطَاعَة، الوَرع، التَقوى، المعصيَة، القَهر، الغَلبَة، الإِكرَاه، التَدبير، الجَزَاءالمكافَاة، الملک، السلطَان، الحُكم، الذلُّ،الحسَاب، يَوم الدِّين''[1]

ترجمہ: دین صیغہ مصدر ہے، جس کا معنٰی خدائے قادر کی عبادت اور اس کی تقدیس کے ہیں۔اس کا معنٰی سیرت، عادت، شان، اطاعت، ورع و تقویٰ، معصیت، قہر، غلبہ، اکراہ،تدبیر، جزاء ومکافات، ملک، سلطان، حکم، ذل، حساب اور یوم قیامت بھی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد(م ۱۹۵۸ء)[۲] لفظ 'دین' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سامی زبانوں کا ایک قدیم مادہ دان اور دین ہے جو بدلہ اور مکافات کے معنوں میں بولا جاتا تھا اور پھر آئین و قانون کے معنوں میں بھی بولا جانے لگا۔ چنانچہ عبرانی اور آرامی میں اس کے متعدد مشتقات ملتے ہیں۔ آرامی زبان ہی سے غالباً یہ لفظ قدیم ایران میں بھی پہنچا اور پہلوی دور میں ''دینیہ'' نے شریعت و قانون کا مفہوم پیدا کر لیا۔ خورد اوستا میں ایک سے زیادہ موقع پر یہ لفظ مستعمل ہوا ہے اور زردشتیوں کی قدیم ادبیات میں انشاء و کتابت کے آئین و قواعد کو بھی دین دبیرہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں زردشتیوں کی ایک مذہبی کتاب کا نام ''دین کارت'' ہے۔ جو غالباً نویں صدی مسیحی میں عراق کے ایک موبد (زرتشتی آئین کے روحانی پیشوا) نے مرتب کی تھی۔ بہرحال عربی میں 'الدین' کے معنی بدلہ اور مکافات کے ہیں، خواہ اچھائی کا ہو، برائی کا۔[۳]

امام راغب اصفہانی(م ۵۰۲ھ) نے دین کی وضاحت اس طرح سے کی ہے:

'' الدِّينُ هُوَالطَّاعَة والجزَاءوَاسْتُعِيرَ لِلشريْعةِ والدِّيْنِ كَالمِلَّةِ يُقالُ إعتباراً بِالطَّاعَةِ

---

[1] الرائد، معجم لغوی عصری، جبران مسعود، دار العلم للملايين بيروت لبنان، ۱۹۶۷ء، ص:۶۸۸؛ المعجم الوسيط، مجموعة المؤلفين، ۱/۲۰۷

[۲] مولانا ابوالکلام آزاد کا اصل نام محی الدین احمد تھا۔آپ کا تعلق ہندوستان سے تھا۔آپ بیک وقت عمدہ انشاء پرداز، جادو بیان خطیب، بے مثال صحافی، اور ایک بہترین مفسر قرآن تھے۔ اسلام اور جمہوریت، مولانا ابوالکلام آزاد، طیب پبلشرز لاہور، سن ندارد، ص: ۳۱-۴۰

[۳] ترجمان القرآن، ابوالکلام آزاد، اسلامی اکادمی لاہور، ۱۹۳۱ء، ۱/۱۱۴؛ قاموس القرآن قرآنی ڈکشنری، قاضی زین العابدین، دارالاشاعت کراچی، ص: ۲۳۷؛ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اپریل ۱۹۹۲ء، ص: ۱۲۱-۱۳۶

وَالْاِنْقِیادِ لِلشَّرِیْعَةِ''[1]

ترجمہ: دین کے معنیٰ اطاعت و جزا کے ہیں اس کا اطلاق شریعت پر بھی ہوتا ہے دین اور ملت مترادف ہیں۔ شریعت پر اس کا اطلاق ان معنوں میں ہے کہ شریعت کی اطاعت اور اس کے سامنے اپنی گردن خم کرنا لازم ہے۔

اس کی تائید امام بخاریؒ (۱۹۴۔۲۵۶ھ) کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

''اَلدِّیْنُ أَلجزاء فِی الْخَیْرِ وَ الشَّرِّ''[2]

ترجمہ: دین سے مراد اچھائی اور برائی کا بدلہ ہے۔

بقول امام ابو حنیفہؒ لفظ دین کا اطلاق ایمان اسلام اور جملہ احکام شریعت پر ہوتا ہے۔[3] قرآن کریم میں لفظ دین ۹۲ بار آیا ہے اور ایسی آیات موجود ہیں جن میں لفظ دین جزا، شریعت و قانون، اطاعت و بزرگی کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ دین مختلف مواقع پر مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾[4]

ترجمہ: دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اس میں دین سے مراد شریعت ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ﴾[5]

ترجمہ: اور انہوں نے اپنی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دیا۔

اس سے اطاعت مراد ہے یعنی مخلصانہ طریقے سے اللہ کی بندگی و اطاعت کرو۔ اور اپنی اس اطاعت کو فقط اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرو۔ دین کا ایک معنیٰ جزاء بھی ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾[6]

---

[1] المفردات فی غریب القرآن، حسین بن محمد راغب اصفہانی، نور محمد، اصح المطابع، کارخانہ تجارت کراچی، ۱۹۶۱ء، ص: ۱۷۵

[2] الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل بخاری، دار السلام ریاض، ۱۹۹۹ء، کتاب التفسیر، باب ماجاءَ فی فاتحہ الکتاب، حدیث نمبر: ۱، ص: ۷۵۹

[3] الفقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، قاہرہ مصر، ص: ۹۰

[4] سورۃ آل عمران: ۱۹/۳

[5] سورۃ النساء: ۱۴۶/۴

[6] سورۃ الفاتحہ: ۳/۱

ترجمہ: روز جزا کا مالک ہے۔

اس کے علاوہ دین کے لیے قرآن مجید میں دین اللہ [1]، دین الحق اور دین قیم [2] کے الفاظ بھی آئے ہیں۔پس خلاصہ یہ ہے کہ دین کے لغوی معنی اطاعت وبندگی، جزاوسزا، عادت، حساب، بدلہ، قہر وغلبہ، ضابطہ وطریقہ وغیرہ ہوئے۔

دین کا اصطلاحی مفہوم

علامہ شریف جرجانی (م ۱۴۱۳ء) نے دین کی تعریف یوں کی ہے:

''أَلدِّينُ وَضْعٌ إلهِيٌّ يَدعُوأَصحَابَ العُقولِ إلىٰ قبولِ مَاهوَ عِندالرَسول ﷺ''[3]

ترجمہ: دین اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ دستور حیات ہے جو آنحضرت ﷺ کے پیش کردہ لائحہ عمل کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

مولانا مودودی (۱۹۰۳۔۱۹۷۹ء) دین کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ دین کے معنی اس طرز عمل اور اس رویہ کے ہیں جو کسی کی بالاتری تسلیم اور کسی کی اطاعت قبول کر کے انسان اختیار کرے۔ [4]

ڈاکٹر اسرار احمد (۱۹۳۲۔۲۰۱۰ء)[5] نے دین کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''ایک پورا نظام زندگی اور مکمل نظام حیات جس میں کسی ایک ہستی یا ادارے کو مطاع، مقنن اور حاکم مطلق مان کر اس کے جزا کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطا کردہ قانون اور ضابطہ کے مطابق اس ہستی یا ادارے کی کامل اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے۔'' [6]

---

[1] سورۃ النصر: ۲/۱۱۰

[2] سورۃ البقرہ: ۲/۳۳؛ سورۃ الروم: ۳۰/۳۰

[3] کتاب التعریفات، علی بن محمد الجرجانی، قاہرہ، ۱۲۸۳ھ، ص: ۷۲

[4] تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادرہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۹۹ء، طبع ۲۹، ۳۵۶/۴

[5] ڈاکٹر اسرار احمد ایک ممتاز پاکستانی مسلمان سکالر تھے، جو پاکستان، بھارت، مشرق وسطیٰ اور امریکہ میں اپنا دائرہ اثر رکھتے تھے۔ وہ تنظیم اسلامی کے بانی تھے، جو پاکستان میں نظام خلافت کے قیام کے خواہاں ہے۔ وہ مروجہ انتخابی سیاست کے مخالف تھے اور خلافت راشدہ کے طرز عمل پر یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے ۱۰۰ سے زائد کتب بشمول تفسیر قرآن، تحریر کیں جن میں سے کئی کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو: Encyclopedia of Islam,Juan E. Campo, NY: Facts on File, Inc.2009, p. 660

[6] مطالبات دین، ڈاکٹر اسرار احمد، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۲۰۰۲ء، ص: ۷۶

تفسیر المیزان میں دین کے بارے میں کہا گیا ہے:

'' لَيْسَ الدِّيْنُ إلّاسُنّةَالحياةِ والسَّبِيْلُ الّتِي يَجِبُ علىٰ الإنسَانِ أنْ يَسْلُكَهَا حَتّىٰ يَسْعدَفِي حَياتِه فلَاغَايَةَ لِلْإنْسَانِ يَتْبَعُهَاإلّاالسَّعَادَة''[1]

ترجمہ: دین بجز نظام حیات کے کچھ نہیں اور ایسا راستہ ہے جس پر چلنا انسان کے لیے واجب ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں سعادت حاصل کر سکے اور انسان کا اصلی ہدف سعادت کا حصول ہے۔

دین کے بارے میں تاریخ جامع ادیان میں ہے:

'' ألدّينُ هُوَالإعْتِرافُ بِاللِّسَانِ وَالإعْتِقَادُ بِالجنَانِ والعملُ بِالأرْكَانِ''[2]

ترجمہ: دین زبانی اقرار، دل کے اعتقاد اور اسکے ارکان ودستورات پر عمل کرنے سے عبارت ہے۔

لہٰذا دین کی اس تعریف میں اعتقاد اور انسان کے عمل کو مبنی ومعیار قرار دیا گیا ہے۔ دین سے مراد جامع نظام زندگی اور کامل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں زندگی گزارنے کے طریقے، عقائد وعبادات، اخلاق، معاشرت، معیشت اور سیاسی امور شامل ہیں۔ دین کا مقصد انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء ایک ہی دین کے داعی تھے۔ دوسری اقوام نے اصل دین کو بگاڑ دیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیجے تاکہ اصلی ہدایت دوبارہ انسانوں تک پہنچائی جائے یہ دین اپنی آخری اور تکمیلی شکل میں نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچا اور آج بھی اپنی اصلی شکل میں موجود اور محفوظ ہے اور اسلام صرف مذہب نہیں بلکہ اللہ کے ہاں مکمل پسندیدہ، مقبول اور مثالی دین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[3]

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین منتخب کر لیا۔

چنانچہ دین اسلام مکمل دین ہے۔ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اسی صحیح اور برحق نظام زندگی یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا

---

[1] تفسیر المیزان، محمد حسین طباطبائی، دار صادر بیروت لبنان، ۲۰۰۱ء، ۱۲۱/۱۶

[2] تاریخ جامع ادیان، جان بی ناس، (مترجم فارسی) علی اصغر حکمت، انتشارات پیروز تہران، چاپ سوم، ۱۹۸۶ء، ص: ۸۴

[3] سورۃ المائدۃ: ۳/۵

تاکہ اس نظام کو دوسرے نظاموں پر غالب کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَه عَلَى الدِّيْنِ كُلِّه وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ [۱]

ترجمہ: اللہ وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

اگر کوئی شخص دین اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کو اپنائے گا تو وہ پسندیدہ اور قابل قبول نہیں ہیں کیونکہ دوسرے جتنے بھی ادیان و مذاہب ہیں وہ انسانی ضروریات کو پورا نہیں کرتے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَالْاِسْلَامِ دِيْنًافَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَفِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ [۲]

ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین ڈھونڈے گا اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

دوسرے لفظوں میں اسلامی نکتہ نظر سے دین ایک جامع وہمہ گیر اور وسیع مفہوم رکھنے والا نظام فکر و عمل ہے۔ جس کے تحت انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا تفصیلی نقشہ ترتیب پاتا ہے۔اس کی زندگی کے سارے گوشے ہدایت ورہنمائی سے منور ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی واطاعت اور اس کے ساتھ قلبی تعلق کے ذریعے امن وآشتی اور سکون وسلامتی کے سائے میں آجاتا ہے۔ پس دین انسانی زندگی کے عقیدہ و نظریہ اور فکر و عمل کے سارے شعبوں پر محیط ہے۔ جو ایک طرف انسان کو دنیوی، مادی یا جسمانی زندگی کی رہنمائی اور توازن سے مالا مال کرتا ہے اور دوسری طرف اس کے باطنی اور روحانی پاکیزگی کی نشو ونما اور تعمیر کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ فرد کی تعمیر کے ساتھ پورے معاشرے کی اصلاح کا بیڑہ اٹھاتا ہے۔ گویا فرد اور اجتماع کی اصلاح ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ مذہب ودین کی حقیقت ہے۔

مذہب اور دین میں فرق

دین اور مذہب میں یہ فرق ہے کہ 'دین' نام ہے ان اصول و ضوابط کا جو آدمؑ سے لے کر حضور ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک رہے جبکہ 'مذہب' انہی اصول کے فروع کا نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے البتہ مذاہب تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ [۳]

---

[۱] سورۃ التوبہ: ۳۳/۹

[۲] سورۃ آل عمران: ۸۵/۳

[۳] تقابل ادیان، پروفیسر محمد یوسف خان، بیت العلوم لاہور، ص: ۳۱

اس بارے میں ''اسلامی نظریہ حیات''میں ہے کہ دین (یعنی زندگی گزارنے کا طریقہ کا تعلق اللہ تعالیٰ پر ایمان اور پیغمبروں کی دعوت سے ہے۔یعنی اللہ پر ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور احکامات کی بنیاد پر انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں کی تعمیر کرنا۔یہ سوچ انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے اور ان میں آپس میں تعاون اور بھائی چارہ بڑھاتی ہے۔اس کے برعکس مذہب غیر واضح تصورات اور اوہام پر مبنی انسانوں کا بنایا ہوا نظام ہے جو پیغمبروں کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد مذہبی پیشوا الہامی کتابوں کی تعلیمات میں اپنی طرف سے تحریف واختراع کرکے یا ان کی غلط تعبیر و تشریح کرکے وضع کر لیتے ہیں یا پھر گروہی وطبقاتی مفادات رکھنے والے استحصالی عناصر اپنے مخصوص مفادات کے حصول کے لیے مذہبی پیشواؤں کی مدد سے ترتیب دے دیتے ہیں۔[۱]

غیر مسلم مفکرین نے جو مذہب کی جو تعریف کی ہے،اسلامی نکتہ نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔اسلامی نکتہ نظر سے مذہب اور دین دو مختلف چیزیں ہیں جن میں سے دین ایک کل ہے اور مذہب کو ایک شاخ یا جزو کی حیثیت حاصل ہے۔دین ایک مکمل قانون ہے جو انسانی زندگی کے لیے ایک ضابطہ فراہم کرتا ہے۔گویا دین انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔دین ایک ایسا قانون ہے جو انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے آخری پیغمبر ﷺ پر مکمل کیا۔یہ دنیوی واخروی زندگی کے لیے مشعلِ راہ ہے۔اس پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیا وآخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے۔

بالفاظِ دیگر چنانچہ مذہب ایک جزوی حقیقت ہے۔یہ صرف چند عقائد اور کچھ مراسم عبودیت کے مجموعے کا نام ہے جبکہ دین سے مراد ہے ایک مکمل نظام زندگی جو تمام پہلوؤں پر حاوی ہو۔گویا مذہب کے مقابلے میں دین ایک بڑی اور جامع حقیقت ہے۔اگرچہ ہمارے ہاں عام طور پر اسلام کو مذہب کہا جاتا ہے لیکن پورے قرآن مجید اور حدیث کے ذخیرے میں اسلام کے لیے مذہب کا لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا،بلکہ اس کے لیے ہمیشہ ''دین'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾[۲]

ترجمہ: دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

مذہب کا آغاز وارتقاء

مذہب کے آغاز وارتقاء کے بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں،ایک ارتقائی نظریہ اور دوسرا مذہبی نظریہ۔

ا۔مذہب کا ارتقائی نظریہ/تصور

نظریہ ارتقاء سے متاثر ہو کر مغربی محققین اور مستشرقین کی اکثریت نے مذہب کا ارتقائی نظریہ پیش کیا ہے۔مذہب

---

[۱] اسلامی نظریہ حیات،صفدر حسین صدیقی،لاہور،۲۰۰۰ء،ص:۳۲

[۲] سورۃ آل عمران:۱۹/۳

کے ارتقائی نظریہ کی روسے انسان کی ابتداء جہالت اور گمراہی سے ہوئی پھر رفتہ رفتہ انسانوں نے مشرکانہ خداپرستی اور توحید پرستی اختیار کرلی ان ارتقائی مراحل کی تفصیل میں کافی اختلاف ہے مثلاً بعض محققین کا خیال ہے کہ مذہب کی ابتداء آباؤاجداد کی محبت سے ہوئی جبکہ کچھ دوسرے مذہب کی ابتداء مظاہر فطرت مثلاً رعد و برق کے خوف سے کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ انسان نے ابتداء میں اپنی جہالت کی وجہ سے مظاہر فطرت کی پرستش شروع کردی اس لیے کہ ابتداء میں اس کی زندگی و موت کا دارومدار بہت حد تک سیلاب، طوفان، زلزلے اور آتش فشاں وغیرہ پر تھا۔ لیکن جوں جوں اس کا علم بڑھتا گیا اور جہالت دور ہوتی گئی تو اس نے محسوس کیا کہ یہ مظاہر فطرت خدائی قوتیں نہیں رکھتے۔ ابتداء میں لوگوں نے ہر چیز کو دیوتا بنالیا لیکن علمی ترقی کے ساتھ ساتھ خداؤں کی تعداد میں کمی ہونے لگی حتیٰ کہ آخر میں صرف ایک خدا رہ گیا۔ [1]

جولین ہکسلے (Julian Huxley:1887-1975) پہلا مغربی مفکر ہے جس نے نظریہ ارتقاء کو مذاہب کی تاریخ پر چسپاں کیا۔ وہ لکھتا ہے:

> "پہلے جادو پیدا ہوا پھر روحانی تصورات نے اس کی جگہ لے لی۔ پھر دیوتاؤں کا عقیدہ ابھرا بعد ازیں خدا کا تصور آیا۔ اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔" [2]

مذہب کے ارتقائی نظریہ کے حامیوں کے نزدیک مذہب بتدریج مختلف منازل طے کرتا ہوا تکمیل پذیر ہوا۔ اس نظریہ کو "مذہب کا ارتقائی نظریہ" کہتے ہیں اس نظریہ کے مطابق مذہبی ارتقا کے درج ذیل مراحل بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔ پری اینی مزم (Pre Animism)

۲۔ اینی مزم (Animism)

۳۔ ٹوٹم ازم (Totamism)

۴۔ اجداد پرستی (Manism)

۵۔ فرضی دیوتاؤں کی پرستش اور بت پرستی

۶۔ تصور توحید یا توحید الٰہی کا دور

---

[1] اسلامی نظریہ حیات، خورشید احمد، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ جامعہ کراچی، ۲۰۱۲ء، ص: ۵۱

[2] یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص: ۳۴

۱۔پری اینی مزم(Pre Animism)

مذہب کا ارتقائی نظریہ کچھ یوں ہے کہ ابتداء میں انسان کوئی مذہب نہیں رکھتا تھا۔مذہبی لحاظ سے انسان کی ابتداء گمراہی اور جہالت سے ہوئی۔جب انسان پیدا ہوا تو وہ مذہب کے تصور سے بالکل ناآشنا تھا۔اسے مذہب اور مذہبی عبادات سے کوئی سروکار نہ تھا۔وہ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتا تھا،ننگ دھڑنگ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا تھا اور جو کچھ ملتا تھا اس سے پیٹ بھر لیتا۔وہ بالکل سادہ زندگی گزارتا تھا،اس کی ضروریات زندگی نہایت محدود تھیں۔اس لیے اسے زیادہ تگ ودو نہیں کرنا پڑتی تھی۔تاہم وہ درندوں اور جنگلی ماحول سے خوفزدہ رہتا تھا۔گویا انسان ابتدائی مرحلہ میں ''لادین'' تھا۔[1]

۲۔اینی مزم(Animism)

دوسرا مرحلہ مظاہر پرستی تھا۔انسان نے ابتداء میں اپنی کم فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے مظاہر فطرت کی پرستش شروع کردی جب انسان مظاہر فطرت کی طرف راغب ہوا تو ڈر یا محبت کی وجہ سے اس کی پوجا شروع کی جو اسے اچھی لگی اس کے آگے سر جھکادیا جب پرستش شروع کی تو اس کی ابتداء زمین کی پرستش سے ہوئی۔

زمین

معاشرے کا پہلا نظام امہاتی نظام تھا اور عورت کو مرد کے مقابلے میں زیادہ فضیلت حاصل تھی۔زمین کو دھرتی ماتا (mother land) کہا جاتا تھا۔چونکہ زمین پر انسان رہائش پذیر تھا اور وہ ایک ماں کی طرح اس کی پرورش کرتی تھی۔اس کے بعد جب معاشرہ میں مرد کی اہمیت زیادہ ہوئی تو امہاتی نظام کی جگہ ابوی نظام نے لے لی جب دھرتی ماتا کے مقابلے میں 'آسمانی باپ' کی اہمیت بڑھ گئی تو اس سلسلہ میں سورج اور چاند کی پرستش شروع ہوگئی۔[2]

سورج اور چاند

قدیم انسان کے لیے سورج سے زیادہ پرکشش اور کیا چیز ہوسکتی تھی۔اس نے دیکھا ہوگا کہ سورج ایک طرف نکلتا ہے اور دوسری طرف جاکر غائب ہوجاتا ہے۔اس کے نکلتے ہی پہاڑ،درخت،ٹیلے،درند،پرند اور انسان سب نظر آنے لگتے ہیں۔اور سردی کی تکلیف جس کی وجہ سے وہ رات بھر کانپتا رہا بہت حد تک کم ہوجاتی۔اس کی روشنی میں اسے موقع ملتا ہے کہ جانوروں کا شکار کرکے یا درختوں کی پتیاں کھاکر بھوک ختم کرسکے۔لیکن شام ہوئی اور سورج کی روشنی کم ہوجاتی اور آہستہ آہستہ چمکتا ہوا سورج سرخ اور سرخ سے غائب ہوجاتا تھا۔وحشی انسان سوچنے لگا کہ سورج کہاں سے آتا ہے اور کہاں چلا جاتا ہے۔(اسی طرح چاند بھی اس کی توجہ اور اس کے سوالات کا مرکز بنا ہوگا)اور جب بادل وغیرہ کی وجہ سے سورج نمودار نہ ہوتا تو سردی کے مارے

---

[1] تقابل ادیان،ساحر بخاری،عبداللہ برادرز اردو بازار لاہور،ص:۱۲

[2] تاریخ مذاہب،رشید احمد،قلات پبلشرز کوئٹہ،۲۰۱۰ء،ص:۱۸

انسان کا برا حال ہو جاتا۔ اس کے لیے اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ وہ پہاڑ پر چڑھ جاتے تاکہ سورج کے قریب ہو کر اس کی تعریف میں گانے گائے اور اس سے نمودار ہونے کی اپیل کرے۔ اسی طرح آفتاب پرستی کا آغاز ہوا۔ (۱)

سورج اکثر مشرک قوموں کا دیوتا اور معبود رہا ہے اور اب بھی ہے چنانچہ یونان میں اپالو سورج دیوتا تھا جو شفا، موسیقی، اور پیش گوئی کا سرپرست تھا، وقت کا انتظام بھی اس کے سپرد تھا۔ بھارت میں سوریہ دیوتا، مصر کا دیوتا اوسیرز (Osirs) اور ہورس (Horus)، بابل کا شمس، اشوریوں کا اشور سب آفتاب ہی تھے۔ بھارت میں سوریہ دیوتا، ایرانیوں کے ہاں ہور یا خور سورج دیوتا کے مختلف نام تھے۔ جاپان میں بادشاہ میکاڈو کو بھی سورج کا اوتار مانا جاتا تھا۔ جب انسان نے کاشتکارانہ زندگی کا آغاز کیا۔ سورج کی گردش سے غلہ بونے اور کاٹنے کا زمانہ متعین کیا تو آفتاب پرستی کو عروج حاصل ہوا جب کہ چاند کی پرستش سورج کی نسبت کم ہوئی۔ (۲)

اسلام اگرچہ مذہبی تدریج کا قائل نہیں، تاہم مظاہر پرستی کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں لوگ بت پرستی کے علاوہ مظاہر پرستی میں بھی مبتلا تھے۔ قرآن نے تمثیل کے انداز میں مظاہر پرستی کا ابطال کیا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِىٓ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ اِنِّىْ بَرِىٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (۳)

ترجمہ: اور اسی طرح دکھائے ہم نے ابراہیم کو عجائبات آسمانوں اور زمینوں کے تاکہ اس کو یقین آجائے، پھر جب اندھیرا کر لیا اس پر رات نے، دیکھا اس نے ایک ستارہ، بولا یہ ہے میرا رب، پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہو جانے والے کو، پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا، بولا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا، بولا اگر نہ ہدایت کرے گا مجھ کو میرا رب تو میں رہوں گا گمراہ لوگوں میں، پھر جب دیکھا سورج جھلکتا ہوا، بولا یہ ہے میرا رب سب سے بڑا، پھر جب وہ غائب ہو گیا، بولا اے میری

---

(۱) تاریخ مذاہب، رشید احمد، ص: ۱۸

(۲) مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، پروفیسر غلام رسول چیمہ، ص: ۷۰

(۳) سورۃ الانعام: ۶/۷۵-۷۸

قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو۔

ستارہ پرستی

سورج پرستی نے ستارہ پرستی کو جنم دیا۔ میسو پوٹیما[1] میں ستاروں کی پرستش زوروں پر رہی ہے۔ ستارہ سے علم نجوم اور بعد میں علم فلکیات کی بنیاد پڑی اور کائنات کی گردش کو سیاروں کی گردش کے ساتھ ملا دیا گیا۔ یہاں تک کہ قسمت کو لوگ آج بھی ستارہ کہتے ہیں۔ ستاروں میں سب سے زیادہ اہمیت ''قطب ستارے'' کو حاصل تھی کیونکہ وہ آسمان کا مرکز تھا اور سارے ستارے اس کے گرد گردش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مصر قدیم کے دیوتا ہورس کا کہنا ہے:

''میں ہوں جو آسمان کے قطب پر صدر نشیں ہوں اور تمام خداؤں کی طاقتیں میری طاقتیں ہیں۔''[2]

سمیریوں کا بڑا معبود ''انو'' بھی قطب ستارے کا دیوتا تھا۔ ہندوؤں کے برہما کا تعلق بھی قطب ستارے سے ہے۔

پہاڑ

بعض اقوام میں پہاڑوں کی بلندی اور ان سے پہنچنے والے فوائد کی وجہ سے پرستش کی جاتی رہی ہے کیونکہ پہاڑوں کی وجہ سے بارش ہوتی اور پہاڑوں سے دریا نکلتے اور زمین کو زرخیز بناتے ہیں۔ مختلف قوموں میں بعض پہاڑ مقدس سمجھے جاتے تھے مثلاً ہندوؤں میں کیلاش پربت، یہودیوں میں کوہ صیہون[3] اور مسلمانوں میں کوہ طور۔[4]

آگ

عناصر اربعہ میں سب سے زیادہ آگ کی پرستش ہوئی ہے اس پرستش کا آغاز اس وقت ہوا جب انسان نے آگ کو دریافت کیا چونکہ آگ کے بجھ جانے دوبارہ حاصل کرنا مشکل ہوتا، لہٰذا جہاں تک ممکن ہوتا لوگ آگ بجھنے نہیں دیتے تھے۔ قدیم ہند میں آریہ لوگ، اگنی کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے پارسی (قدیم ایران) قدیم زمانے سے آتش پرست رہے ہیں یونان

---

[1] قدیم عراق تاریخ میں میسوپوٹیما کے نام سے مشہور ہے۔ میسوپوٹیما یعنی دو دریاؤں کے درمیان واقع یا دریاؤں کی درمیانی جگہ کیونکہ یہ دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے درمیان واقع ہے، اس لیے اسی نسبت سے اس کو یہ نام دیا جاتا تھا۔ (مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، ایس ایم ناز، غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص: ۷۴)

[2] یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص: ۳۵

[3] کوہ صیہون / جبل صیہون یروشلم کے قریب واقع ہے۔

[4] کوہِ طور (قرآنی نام طوی) جبل موسیٰ یا حورب یا سیناء کی اس بلند چوٹی کا نام جہاں موسیٰؑ کو احکام عشرہ کی الواح ملیں۔ (یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص: ۳۵)

کے ہر شہر میں ایک بڑا آتش کدہ ہوا کرتا تھا جہاں دن رات آگ جلتی رہتی۔ (۱)

پانی

آگ کے بعد پانی کی سب سے زیادہ پرستش کی گئی۔ پانی کی پوجا کا تصور بھی قدیم ہے۔ قدیم زمانے کی تمام مشہور تہذیبوں نے دریاؤں وادیوں میں ہی جنم لیا اور وہیں پھلی پھولیں۔ مصر میں دریا نیل کی پوجا ہوتی تھی ہندوستان میں گنگا اور جمنا کے پانی کو مقدس خیال کیا جاتا تھا۔ دریائے سرسوتی کی دیوی علوم وفنون کی سرپرست خیال کی جاتی تھی دریاؤں کو خوش کرنے کے لیے انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ اور مصر میں ہر سال ایک دوشیزہ لڑکی کو دریا نیل کی نذر کیا جاتا تھا۔ (۲)

ہوا

ساحر بخاری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آگ اور پانی کی نسبت ہوا کی پوجا کم ہوئی ہے۔ ہوا کو ویدک دور میں وابودیوتا کا لقب دیا گیا اور قدیم ہند میں اس کی پوجا کی گئی۔ (۳)

اعضا جنسی

جنسی خواہش ایک فطری تقاضا ہے۔ اس کی تسکین کے دو مقاصد تھے حصول لذت اور افزائش نسل۔ جنسی اعضا بھی پوجے جاتے رہے ہیں جو انسانی گراوٹ کی انتہا ہے۔ ہندوؤں میں شنو کی پوجا مشہور ہے ہندوستان کے علاوہ یونان، روم، مصر، عراق بھی جنسی اعضاء کی پرستش کے مرکز رہے ہیں۔ (۴)

۳۔ ٹوٹم ازم

ٹوٹم ازم سے مراد ایسا نظام ہے جس میں کوئی شخص یا ایک معاشرتی گروہ کسی جانور یا پودے یا غیر جاندار شے اور ان اشیاء سے منسلک عقائد اور رسومات کے ساتھ خصوصی تعلق میں شناخت کیا جاتا ہو۔ (۵)

مظاہر پرستی کے ساتھ ساتھ انسان نے بعض جانوروں کی بھی پرستش کی ہے مثلاً یونان میں سانڈ، ایران میں گھوڑا، ہندوستان و مصر میں گائے کی پرستش ہوتی رہی ہے اور آج بھی تقدس کے باعث ہندوستان میں گائے کو ''گائے ماتا'' کہا جاتا ہے۔ بلکہ ہندوؤں نے تو ہر جانور کی پرستش کی ہے جن میں بچھو، سانپ، کچھوا، ہاتھی اور حشرات الارض شامل ہیں شمالی امریکہ

---

(۱) تقابل ادیان، ڈاکٹر ذاکر نائیک، (مترجم فیضان محمد)، اسلام بک ڈپو لاہور، ص: ۶۳

(۲) ایضاً، ص: ۶۳

(۳) تقابل ادیان، ساحر بخاری، ص: ۱۴

(۴) ایضاً

(۵) فلسفہ مذہب، امور رنجن مہاپتر (مترجم: یاسر جواد)، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۷

میں حیوان پرستی کو ٹوٹم پرستی کہا جاتا ہے۔ قدیم چین اور جاپان میں بھی حیوان پرستی رائج رہی ہے۔ [1]

حیوان پرستی کی ابتدا غالباً جانوروں کے خوف سے ہوئی بعد میں یہ عقیدہ رواج پا گیا کہ مردوں کی روحیں حیوانی قالب اختیار کر کے دنیا کا چکر لگاتی رہتی ہیں جیسا کہ ہندوؤں کے عقیدہ آواگون میں جون بدلنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اسی عقیدے میں انسان اور حیوان ملے ہوئے مرکب دیوتاؤں کا تصور پیدا کیا گیا جیسے ہندوؤں میں وشنو کے اوتار، مصر میں اور ہندوستان میں حیوان پرستی کا بہت زور رہا ہے۔ مصری گبریلے سے لے کر ہاتھی اور شیر تک کی پوجا کرتے رہے ہیں۔ مصر میں حیوان پرستی کا ایک شرمناک پہلو یہ بھی تھا کہ عورتیں اپنے آپ کو مقدس جانوروں کے سامنے پیش کر دیتی تھیں۔ اسی طرح جاپان میں آئنو قوم کے لوگ اپنی عورتوں سے ریچھ کے بچوں کو دودھ پلواتے تھے۔ جب ریچھ بڑا ہو جاتا تو اس کو رسیوں میں باندھ کر میدان میں لایا جاتا اور اس پر تیر اندازی کی جاتی تھی۔ بعد ازاں اس کا گوشت سب مل کر کھاتے۔ ریچھ ان کا معبود یا ''ٹوٹم'' تھا۔ [2] جبکہ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ جادو ٹوٹم ازم ہی کی پیداوار ہے۔ [3]

۴۔ اجداد پرستی (Manism)

اس کے بعد کا دور اجداد پرستی یا اکابر پرستی کا دور کہلاتا ہے۔ اس کا سبب انسان کا یہ تجسس تھا کہ موت کیا چیز ہے؟ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے خیال کیا کہ شاید مرنے والوں کو وفات کے بعد اگلے جہاں میں آرائش وزیبائش اور دوسری ضروریات زندگی کی ضرورت ہوتی ہو گی اس لیے اس نے ضروریات زندگی کو بھی مردوں کے ساتھ دفن کرنا شروع کر دیا کبھی اسے یہ خیال آتا کہ مردوں کی چھوڑی ہوئی اشیا استعمال کرنے سے کہیں وہ ناراض ہو کر نقصان نہ پہنچائیں۔ لہٰذا یہ خوف اور اعزاز کی محبت اکابر پرستی کا سبب بنی۔ [4]

۵۔ فرضی دیوتاؤں کی پرستش

پانچواں دور خود ساختہ فرضی دیوتاؤں کی پرستش کا دور ہے۔ [5] مظاہر پرستی اور اجداد پرستی کے اثرات سے بت پرستی شروع ہوئی یونان، روم، مصر، ایران اور عراق میں کئی فرضی خدا اور دیوتا گھڑ لئے گئے اور ان کی پوجا ہونے لگی۔ عرب جاہلیت

---

[1] فلسفہ مذہب، ص: ۲۷

[2] مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، غلام رسول چیمہ، ص: ۴۷

[3] تاریخ مذاہب، رشید احمد، ص: ۱۷

[4] یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص: ۳۶؛ مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، لیوس مور، (مترجم: یاسر جواد، سعدیہ جواد)، نگارشات پبلشرز لاہور ۲۰۱۳ء، ص: ۳۲-۳۳

[5] بین الاقوامی مذاہب، پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا، یورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص: ۲۲

میں اسے دیوتاؤں کی کمی نہ تھی جنہیں کامل معبود کا درجہ دیا گیا۔اس لئے اس دور کو توحید کا ناقص دور بھی کہتے ہیں۔ [1]

۶۔توحید الٰہی کا دور

انسان مظاہر پرستی،اکابر پرستی اور شرک پرستی سے ہوتا ہوا آخر خالص توحید کی منزل تک پہنچتا ہے۔انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں برطانوی مصنف Edward B Tylor کے حوالے سے یہ بات لکھی گئی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> "پہلے انسان بہت سارے خداؤں پر یقین رکھتا تھا بعد میں یہ کم ہو کر توحید پرستی پر بات ٹک گئی۔" [۲]

کیرن آرمسٹرانگ (Karen Armstrong) [۳] اپنی کتاب A History of God میں لکھتی ہیں کہ Schmidt نے اپنی کتاب The origin of the idea of God جو ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی تھی، میں لکھا ہے کہ:

> "There had been a Primitive monotheism before men and women had started to worship a number of gods- Originally they had acknowledged only one supreme Deity, who had created the world and governed human affairs from a far"[4]
>
> ترجمہ: مردوں اور عورتوں کی طرف سے متعدد خداؤں کی پرستش سے قبل ایک ابتدائی تصور توحید موجود تھا۔بنیادی طور پر وہ ایک عظیم دیوتا کے وجود کو تسلیم کر چکے تھے جس نے انہیں خلق کیا اور دُور سے ان کے امور پر حکومت کر رہا تھا۔

بہر حال مذہب کے ارتقاء کے حوالے سے یہ ایک نکتہ نظر ہے جو عام طور پر مغربی مفکرین کے ہاں مقبول ہے۔ در حقیقت یہ مذہب کا ارتقاء نہیں بلکہ مختلف ادوار میں انسان کے راہ حق سے منہ موڑنے اور جہالت میں پڑ جانے کے ادوار ہیں اور یہ وہی ادوار ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنے دین کے ہمراہ نمائندوں کو بھیجتا رہا تاکہ وہ ان لوگوں کی اصلاح کریں۔اسلامی تعلیمات میں

---

[1] مذاہب عالم ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ،احمد عبداللہ المسدوسی،مکتبہ خدام ملت کراچی،اگست ۱۹۵۸ء،ص:۳۶-۴۰

[2] The New Encyclopedia of Britanica, V: 26, P:539

[۳] کیرن آرم سٹرانگ ایک عالمی شہرت یافتہ مصنفہ ہیں۔وہ برطانیہ میں ویسٹ مڈلینڈ کے علاقے ووسٹر شائر میں ۱۴ نومبر ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئیں۔وہ سات برس تک کیتھولک نن رہیں۔انہوں نے وہاں ۱۹۶۰ء کا عشرہ گزارا۔کیرن کی کتب کا موضوع و مقصد دنیا بھر کے بڑے مذاہب خاص کر اسلام، عیسائیت، اور یہودیت کا ایسا مطالعہ پیش کرنا ہے جس سے ان مذاہب کے ماننے والوں کی آپس میں قربت پیدا ہو۔کیرن آرم سٹرانگ کی اب تک کی تصانیف کی تعداد اکیس ہے۔

https://ur.wikipedia.org/wiki/ کیرن_آرم_سٹرانگ, Retrieved on: 8-10-2016, at 3:30 p.m

[4] History of God, Karen Armstrong , Heineman London,1993, P:9

توانسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ایک دین بھی دیا گیا بلکہ انسان کی سرشت کے اندر دین کو ودیعت کیا گیا ہے، جو کہ انسان کی اصل فطرت ہے، جیسا کہ آیاتِ قرآنی میں اس کی طرف صریح اشارہ کیا ہے۔

اسلام میں دین کا تصور

اسلام کے مطابق دین کسی ارتقائی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ قرآن کے مطابق انسان نے دین فطرت پر اپنی زندگی کا آغاز کیا اور فطرت ہی کو اللہ نے دین قیم کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[۱]

ترجمہ: پس یکسو ہو کر دین پر قائم ہو جا۔ فطرت وہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ یہی صحیح طریقہ اور دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور وحی کے ذریعے دین (اسلام) کے احکام نازل کیے۔ لہٰذا اس نظریے کی رو سے انسان ابتداء ہی سے مؤحد اور توحید پرست تھا بعد میں جب حضرت آدم کی نسل روئے زمین پر پھیلتی چلی گئی تو بعض لوگ گمراہ ہو کر بے دین اور بت پرست ہوتے چلے گئے۔[۲]

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی فلاح و بہبود اور اصلاح کے لیے مختلف اوقات میں مختلف علاقوں میں یکے بعد دیگرے اپنے نبی اور رسول بھیجتا رہا جو لوگوں کو درس توحید دیتے رہے خدا تعالیٰ نے ایک لاکھ اور کئی ہزار پیغمبر مبعوث کئے جو لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بستی اور ہر قوم کی طرف رسول بھیجے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾[۳]

ترجمہ: اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

بیشتر انبیاء علیہم السلام جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے وہ سامی النسل تھے سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ اور سب سے آخری حضرت محمد ﷺ ہیں جن کا دین تا قیامت قائم رہے گا۔

اس نقطہ نگاہ سے انسان اس دھرتی پر اللہ کا نائب ہے جس نے اس کی ہر طرح کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے زندگی

---

[۱] سورۃ الروم ۳۰/۳۰

[۲] اسلامی ریاست، عبدالرشید، علمی کتاب گھر کراچی، اپریل ۱۹۷۳ء، ص: ۹۶

[۳] سورۃ فاطر: ۳۵/۲۴

گزارنے کے اصول بھی اسے بتادیئے اور ہر دور میں ہدایت دیں بلکہ ہر دور میں اس کی ضروریات کے مطابق ہدایات فراہم کی گئیں گویا مذہب کا یہ نظریہ قدیم ہے۔ جن میں خدائے واحد کی عبادت سے مذہب کی ابتداء ہوئی۔اور پھر لوگوں نے گمراہی میں مبتلا ہو کر شرک و کفر کی راہ اختیار کی۔

لہذا جس دن انسان پیدا ہوا اس کا اصل مذہب توحید تھا اور پھر جب لوگ عقیدہ توحید سے پھر گئے اور شرک میں مبتلا ہوئے تو اصلاح کے لئے دنیا میں ہر قوم اور بستی میں پیغمبر آئے اور لوگوں کو توحید کا سبق دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ [1]

ترجمہ: اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی تھا۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْل﴾ [2]

ترجمہ: اور ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجا۔

لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ہر زمانے اور ہر قوم و ملت کی طرف اپنے انبیا علیہم السلام مبعوث فرمائے تاکہ انسان کی ہدایت کا سامان بہم پہنچایا جائے۔اور سب انبیاء علیہم السلام کی دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یَا قَوْمِ اعْبُدُااللہ﴾ [3]

ترجمہ: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔

الغرض مذہب کے آغاز وارتقاء کے سلسلے میں یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی رسالت تک تمام انبیاء علیہم السلام نے ایک ہی مذہب کی تبلیغ فرمائی جسے اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے اس مذہب کی اصل حیثیت کو بگاڑ دیا۔ لہٰذا سب سے آخر میں حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ اہتمام بھی کر دیا گیا کہ اب مذہب کی تکمیل ہو چکی اب اس میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل نہیں کیا جا سکتا جس کی وجہ سے اب قیامت تک انبیاء کا سلسلہ تمام ہوا اور اس مذہب میں ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

---

(1) سورۃ الرعد: ۱۳/ ۷

(2) سورۃ النمل: ۲۷/ ۲۳

(3) سورۃ مؤمنون: ۲۳/ ۲۳

مذہب کی ضرورت واہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اپنی پہچان کرانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا۔ آثار قدیمہ، علم الانسان اور جغرافیائی تحقیقات نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اب تک انسانوں کی کوئی مستقل قومی یا تہذیبی زندگی ایسی نہیں رہی ہے جو مذہب کی کسی نہ کسی شکل سے یکسر عاری رہی ہو یہ چیز اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مذہب انسان کی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی دنیوی زندگی خطرات کا شکار رہتی ہے اور اس کی روحانی سکون کی طلب تشنگی کا شکار رہتی ہے۔

انسان دو چیزوں کا مرکب ہے جسم اور روح، روح کی تسکین اور خوراک کے لئے دین و مذہب کی ضرورت پڑتی ہے انسان کے اندر کے اطمینان کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں بلکہ اس کی فطرت میں یہ چیز داخل کر دی گئی ہے مذہب کے فطری اور ناگزیر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر نسل میں مذہب ایک مشترک امر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ مذہب ایک فطری ضرورت ہے۔ دنیا میں انسان کی دو بنیادی ضرورتیں ہیں پہلی ضرورت میں جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کے لئے مادی اور جسمانی وسائل درکار ہیں اور دوسری ضرورت انفرادی اور اجتماعی زندگی کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اخلاقی و تمدنی اصولوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی دونوں ضرورتوں کو پورا کرنے کا اہتمام کیا ہے مادی اور جسمانی ضرورت کی تسکین کے لیے وسائل کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ زمین و آسمان میں رکھ دیا ہے، اور اخلاقی اور تمدنی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے جنہوں نے انسان کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا زندگی گزارنے کے اس طریقے کا نام مذہب ہے۔ ایک مغربی مفکر پلوٹارک (Plutarch)[۱] کہتا ہے کہ کسی انسان نے ایسی بستی نہیں دیکھی جس میں مذہب نہ ہو۔

فرانس کے مشہور مفکر والٹیئر (Voltaire:1694-1778)[۲] لکھتے ہیں کہ زرتشت (Zoroaster)[۳] سولون (Solon) (یونان کا سیاستدان، شاعر اور قانون دان) اور سقراط (Socrates) سب کے سب ایک ہی پروردگار کی پرستش کرتے تھے اور یہی فطرت ہے۔ مغربی مفکر پروفیسر سیبتر (Sabater) لکھتا ہے:

---

(۱) پلوٹارک، (۵۰ تا ۱۲۰ ق۔م) تاریخ نگاری کے بانیوں میں سے ایک ہے، اس کی کتاب، "زندگیاں" (Lives) کو مارٹن سمتھ نے اپنی کتاب سو عظیم کتابیں میں جگہ دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

https://ur.wikiquote.org/wiki/پلوٹارک, Retrieved on: 8-10-2016, at 8:00 p.m

(۲) والٹیئر ایک روشن خیال فرانسیسی فلسفی تھا۔ انسانی حقوق کے شعور اور انقلاب فرانس کے لیے اس کا کردار بہت اہم ہے۔ وہ ایک شاعر، ناول نگار، ڈرامہ نگار اور تاریخ دان بھی تھا۔ ملاحظہ ہو:

https://en.wikipedia.org/wiki/Voltaire, Retrieved on: 8-10-2016, at 8:30 p.m

(۳) آئندہ صفحات میں اس کی تفصیل ذکر کی جائے گی۔

"میں کیوں پابندِ مذہب ہوں اس لیے کہ میں اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا، پابند مذہب ہونا میری ذاتیات میں ہے مذہب کے شاخ و برگ ہزاروں مرتبہ کاٹ ڈالے گئے لیکن اس کی جڑ ہمیشہ قائم رہی۔ انسانیت کی زندگی مذہب سے قائم ہوئی ہے۔"[1]

دین حنیف اور دین قیم کی ترجمان کتاب قرآن پاک کا بھی یہی دعوی ہے کہ مذہب ایک فطری اور ناگزیر ضرورت ہے مذہب انسانوں کی قوت کو اکٹھا کر کے مقصدیت کے دھارے میں لاتا ہے ان کی سوچ فکر اور صلاحیت کو تعمیری رخ دے کر معاشرے کی تخریبی قوت سے لڑا دیتا ہے۔[2]

ڈاکٹر حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) لکھتے ہیں:

"مذہب عام انسانوں کے لئے نہیں تو کم از کم نیک نہاد افراد کے کے لئے ایک ناگزیر ضرورت ہے انسان کے مختلف النوع سوالات کے جوابات صرف اور صرف مذہب ہی فراہم کرتا ہے میرا خالق کون ہے؟ اس نے مجھے کیوں تخلیق کیا؟ موت کے بعد کی زندگی وغیرہ۔ کوئی ہستی ضرور ہے جس نے اسباب علل کی یہ کائنات تخلیق کی اس حقیقت کے باوجود کہ انسان اسے دیکھ نہیں سکتا مگر اسے واجب الوجود تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔"[3]

لہٰذا مذہب انسان کی اہم ضرورتوں میں سے ایک ہے وہ شروع سے انسان کو معاشرت کے آداب سکھانے اور اس کی زندگی مہذب طریقے سے گزارنے کے لئے اس کے ساتھ ساتھ موجود ہے مذہب کی ضرورت اور اہمیت سے انکار دراصل انسانی تاریخ سے ہی انکار ہے۔ لہٰذا ایک باشعور انسان مذہب کی حقیقت، حقانیت اور قدامت سے سر موانحراف نہیں کر سکتا۔ مذہب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انسان خواہ کوئی بھی ہو مذہب سے لاتعلق نہیں رہ سکتا اور نہ وہ اپنی معاشرتی زندگی میں مذہب کے کردار کو بھول سکتا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے برونائٹ ہیڈ نے کہا تھا کہ مذہب انسانی کردار میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔[4]

مذہب انسانی معاشرے کو ایک بنیادی قانون مہیا کرتا ہے جس کی رو سے انسان ایک رشتے میں منسلک ہو جاتے ہیں اور

---

[1] علم الکلام اور الکلام، شبلی نعمانی، نفیس اکیڈیمی کراچی، ۱۹۷۹ء، ص: ۱۷۰

[2] مذہب انسان کی ضرورت ہے، محمد امانت رسول، طلحہ پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۵۶

[3] محمد رسول اللہ ﷺ، محمد حمید اللہ، (مترجم: نذیر حق)، فرید بک ڈپو دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۸

[4] Science and the Modern World, B-N-Head, P:222

باہم مساوی حقوق بھی حاصل کرتے ہیں۔اس بات کی اہمیت کے پیش نظر فرید وجدی نے لکھا ہے کہ مذہب ان معقول خیالات کے مجموعے کا نام ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد انسانی رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدوں سے اس طرح مستفید ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے وہ ہدایت حاصل کرتے ہیں مذہب انسان کے لئے ابدی چیز ہے۔ (۱)

تہذیب وثقافت کو پروان چڑھانے کے لیے مذاہب لوگوں کے عقائد اور نظریات میں واضح تبدیلی لاتے ہیں اور قانون سازی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو قانون کو اساس فراہم کرتا ہے حاکم اور رعایا کے درمیان تعلقات استوار کرتا ہے جو کسی بھی معاشرے کے انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے۔

مذہب انسان کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔تاریخ انسانی میں کوئی معاشرہ اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو مذہب سے بالکل بے نیاز رہی ہو، مذہب کو ترک کر کے انسان نہ صرف اخلاقی حیثیت سے تباہ ہو جاتا ہے بلکہ مادی وسائل کے استعمال میں بھی وہ توازن برقرار نہیں رکھ سکتا جو فلاح اور خوشحالی کے لئے ناگزیر ہے۔مذہب ایک ایسی سچائی ہے جس کا تعلق انسانی زندگی کی گہرائیوں سے ہے اور جس کی جڑیں انسان کے قلب و دماغ میں پیوست ہیں اور اس کی شاخیں انسانی زندگی کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔مذہب ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے زندگی کے سب رنگ پھوٹتے ہیں اور زندگی کی سمتیں متعین ہوتی ہیں۔معاشرتی معاملات، اخلاق واجتماع، سیاست وآئین، علم فلسفہ، تہذیب وشائستگی، زندگی کے تمام مناظر ومظاہر کسی بھی مذہب کے بنیادی تصور کا عکس ہوتے ہیں۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضرورت کے پیش نظر پوری دنیا کے لئے رہنما اور عالمی نظام کا بندوبست فرمایا، ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً ﴾ (۳)

ترجمہ: کہواے لوگو! میں تم سب لوگوں کے لیے اللہ کی طرف سے پیغمبر ہوں۔

آپ پوری انسانیت کے لئے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمائے گئے اس ابدی حقیقت کی وضاحت قرآن کریم کی اس آیت میں بہ تمام وکمال کر دی گئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (۴)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر

---

(۱) تطبیق الدیانۃ الاسلامیۃ، ص:۱۴

(۲) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص:۵۷

(۳) سورۃ الاعراف: ۱۵۸/۷

(۴) سورۃ السباء: ۲۸/۳۴

بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو صحیح و برحق نظام زندگی یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کے مشن کی غایت یہ ہے کہ اس نظام کو تمام دوسرے نظاموں پر غالب کر کے رہے۔ چنانچہ رسول ﷺ کی رسالت و نبوت کا مقصد و ذمہ داری بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِی اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَه عَلَی الدِّیْنِ کُلِّه وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾[1]

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ یہ بات مشرکین کو کتنی ناگوار کیوں نہ ہو۔

علامہ محمد اسد (۱۹۰۰۔۱۹۹۲ء)[2] اس اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ اہم فائدہ جو مذہب نے انسان کو بخشا ہے یہ ادراک ہے کہ وہ تخلیق کے ابدی نظام میں ایک سوچی سمجھی وحدت ہے اور اس کی یہ حیثیت قائم رہے گی۔"[3]

لہٰذا اس وحدت کو قائم رکھنے کے لئے انبیاء و رسل کے عظیم الشان سلسلہ کا بندوبست کیا گیا جو خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر تکمیل تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِکُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْل﴾[4]

ترجمہ: اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔

---

[1] سورۃ التوبہ: ۳۳/۹

[2] یہودیت سے اسلام میں آنے والے محمد اسد (لیوپولڈ ویز) جولائی ۱۹۰۰ء میں موجودہ یوکرین کے شہر لیویو میں پیدا ہوئے، ۱۹۲۶ء میں جرمنی کے مشہور خیری برادران میں سے بڑے بھائی عبدالجبار خیری کے دستِ شفقت پر قبول اسلام کیا اور پھر آخری سانس تک اللہ سے وفا کا رشتہ نبھاتے ہوئے اسلامی فکر کی تشکیل اور دعوت میں چھیاسٹھ سال صرف کیے اس دوران متعدد کتب لکھیں۔ ملاحظہ ہو:
https://ur.wikipedia.org/wiki/محمد_اسد,Retrieved on:11-10-2016, At 12:30 a.m

[3] اسلام اور مغرب، محمد اسد، (مترجم: محمد جبل)، نفیس اکیڈیمی کراچی، ۲۰۰۵ء، ص:۴۰: ملاحظہ ہو: مذہب کا نظریاتی مطالعہ، خالد محمود، مقبول اکیڈیمی لاہور، اگست ۱۹۸۸ء، ص:۱۹۔۲۳

[4] سورۃ یونس: ۱۰/۴۷

چنانچہ اس سلسلے کو برقرار رکھنے کے لئے نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ جیسے اولوالعزم انبیاء بھیجے گئے۔ چنانچہ مذہب انسان کا ایک فطری تقاضا ہے جس کا پورا نہ ہونا انسانی زندگی کو ادھورا بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن آدم دنیا میں آنے کے بعد موجودہ دور تک کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کے بغیر انسانی فطرت کی تسکین و تکمیل ناممکن ہے انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اور وہ ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے دوسروں کے تعاون کا محتاج ہے اس لئے وہ تنہا زندگی بسر کرنے کے بجائے دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور ہے۔ مل جل کر رہنے سے معاشرہ وجود میں آتا ہے اور معاشرتی زندگی میں مفادات کا ٹکراؤ نزاعات کو جنم دیتا ہے اور نزاعات کے فیصلے کرنے کے لئے قانون کی ضرورت ہوتی ہے اس موقع پر ہر مذہب ایک قانون فراہم کرتا ہے جس سے نزاعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے یہی قانون لوگوں کو متحد کرتا ہے اور یہی قانون معاشرہ میں امن و امان کی فضا پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے اسی قانون کے تحت علوم پیدا ہوتے ہیں اور اسی قانون سے اخلاقیات کا مضمون جنم لیتا ہے، رواداری، مساوات، صلہ رحمی، ہمدردی، امداد باہمی، تقوی، پرہیزگاری، اور انس و محبت کے تمام جذبے اسی قانون کی پیروی کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور یہیں سے نیکی اور بدی میں تمیز بھی پیدا ہوتی ہے، لہٰذا یہ قانون مادی اور روحانی دونوں قسم کے تقاضوں کو پورا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

مذاہب کی تقسیم

ابتدائے انسانیت سے لے کر آج تک دنیا میں کتنے مذاہب وجود میں آچکے ہیں۔ ان کی صحیح تعداد کا کسی کو علم نہیں ہے۔ بے شمار مذاہب وقت کے ساتھ مٹ گئے اور جو باقی رہ گئے تھے یا ہیں ان کا احاطہ تو مشکل ہے تاہم علمائے تحقیق نے مذہب عالم کی تقسیم ان طریقوں سے کی ہے کہ دنیا میں دو طرح کے مذاہب پائے جاتے ہیں۔

۱۔ الہامی/سامی مذاہب ۲۔ غیر الہامی/غیر سامی مذاہب

اوّل الذکر سے مراد وہ مذاہب ہیں جن کی تعلیمات کی بنیاد وحی الٰہی یعنی الٰہی قوانین پر ہو۔ الہامی لفظ الہام سے نکلا ہے اور الہام مصدر ہے لغت میں اس کے معنی اللہ کا انسان کے دل میں ایسا داعیہ پیدا کرنا جو کسی فعل کے کرنے یا چھوڑنے پر آمادہ کرے۔ الہامی مذاہب سے مراد ایسے مذاہب جن کے ماننے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اصول و ضوابط کے تحت زندگی گزارنے کے لئے الہامی کتابیں نازل کی ہیں ان الہامی کتابوں کے ماننے والے لوگ وسیع تر اصطلاح میں اہل کتاب یعنی مسلمان، عیسائی اور یہودی کہلائے ہیں۔ جب کہ مؤخر الذکر سے مراد وہ مذاہب ہیں جن کے ماننے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہیں الہامی کتابیں نازل نہ کی گئی۔ ان میں نمایاں مذاہب ہندومت، بدھ مت، اور پارسی وغیرہ ہیں۔[1]

---

[1] مختلف مذاہب میں تصورِ خدا، ذاکر نائیک، (مترجم: سید خالد جاوید مشہدی)، بیکن بکس اردو بازار لاہور، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۱

الہامی/سامی مذاہب

الہامی یا تبلیغی یاسامی وہ مذاہب ہیں جو سامیوں میں ظہور پذیر ہوئے۔انجیل کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام سام تھااور ان کی نسلیں سامی کہلائیں۔ چنانچہ سامی مذاہب وہ ہیں جو یہودیوں، عربوں اور آشوریوں وغیرہ میں پروان چڑھے ہیں یہودیت، عیسائیت اور اسلام اہم اور بڑے سامی مذاہب ہیں یہ تمام مذاہب پیغمبری مذاہب ہیں۔[1]

اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اسلام کا عقیدہ صرف سامی نسل کے لوگوں تک محدود رہااس لئے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مومن آپس میں بھائی ہیں:

﴿اِنَّمَاالْمُؤمِنُوْنَ اِخْوَۃ﴾[2]

ترجمہ: مؤمن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اسی طرح خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا گیا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى))[3]

ترجمہ:اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے ماں باپ ایک ہیں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں، نہ تو سرخ کو کسی کالے پر نہ ہی کالے کو کسی سرخ فضیلت ہے۔ مگر جو صاحب تقویٰ ہو۔

غیر الہامی/غیر سامی مذاہب

غیر الہامی مذاہب کومزید دو حصوں میں تقسیم کیاجاسکتاہے:

۱۔آریائی مذاہب

۲۔غیر آریائی یا منگولی مذاہب

آریائی مذاہب

آریائی مذاہب وہ مذاہب ہیں جن کی ابتداء آریائی قوم میں ہوئی، یہ لوگ بہت طاقتور تھے اور یورپی زبانیں بولتے

---

(۱) مختلف مذاہب میں تصورِ خدا، ص:۲۱

(۲) سورۃ الحجرات:۱۰/۴۹

(۳) مسند احمد،احمد بن حنبل ابو عبداللہ الشیبانی، مؤسسہ قرطبہ،القاہرہ، حدیث نمبر:۲۳۴۸۹،۱۴۴/۵

تھے۔یہ ۲۰۰۰تا۱۵۰۰قبل مسیح تک ایران سے لے کر شمالی ہندوستان تک پھیل گئے۔آریائی مذاہب کو دواقسام میں تقسیم کیا جا سکتاہے: ۱۔ویدک مذہب ۲۔غیر ویدک

ویدک مذہب جس کو عام طور پر ہندومت اور برہمنیت کے نام سے پکارا جاتاہے اور دوم غیر ویدک جن میں سکھ مت، بدھ مت اور جین مت شامل ہیں۔

غیر آریائی یا منگولی مذاہب

ان مذاہب میں کنفیوشس مت،تاؤمت،اسلاف پرستی اور شنٹومت شامل ہیں۔جن کی ابتداء مختلف جگہوں پر ہوئی کنفیوشزم اور تاؤازم کی سرزمین چین ہے جب کہ شنٹومت جاپان میں پروان چڑھا۔یہ سب مذاہب آریائی مذاہب کی طرح بت پرستی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔دراصل یہ سارے منگولی مذاہب ایک خاندان مشترکہ ہے جس کا منتظم خاندان کنفیوشس مت اور جس کا مرشد یا روحانی گرو تاؤمت ہے۔[1]

اس بحث کی روشنی میں الہامی اور غیر الہامی مذاہب کی درج ذیل امتیازی خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

۱۔الہامی مذاہب اصلاً ایک خدا کے تصور پر مبنی ہیں لیکن غیر الہامی اس کے پابند نہیں۔

۲۔الہامی مذاہب پیغمبروں کے قائل ہیں، غیر الہامی نہیں۔

۳۔الہامی مذاہب کا اصل سرچشمہ و منبع کتب سماوی ہیں، غیر الہامی مذاہب میں یہ ضروری نہیں۔

۴۔الہامی مذاہب اپنی تعلیمات یا عملی تاریخ کے باعث تبلیغی ہیں اور غیر الہامی تبلیغی نہیں۔

۵۔الہامی مذاہب کی تعلیمات کلی اور اپنی اصل کی بنا پر دینی اور دنیاوی زندگی پر کم و بیش حاوی ہیں لیکن غیر الہامی کی تعلیمات جزوی ہیں یعنی یا تو صرف روحانی زندگی سے متعلق ہیں یا دنیوی زندگی سے متعلق۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمام اہم مذاہب عالم میں ہمیں عالم الغیب اور قادر مطلق خدا یا مقتدر اعلیٰ کا تصور ملتا ہے پھر تمام الہامی مذاہب کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ وہ جس خدا پر یقین رکھتے اور جس کی اطاعت کرتے ہیں وہی تمام دوسرے لوگوں کا خدا بھی ہے۔

---

[1] مذاہبِ عالم ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ، ص:۴۸۔۴۹

فصل دوم

الہامی مذاہب اور کتب کا تعارف

یہودیت کالغوی واصطلاحی مفہوم

عربی معاجم و مؤرخین کے ہاں یہود کے لغوی معانی کے حوالے سے اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔ دراصل 'یہود' عبرانی لفظ Yehudim سے ماخوذ ہے۔ اردو میں یہودیت اور انگلش میں Judaism بھی اسی سے ہے۔ عربی لغت کے ماہرین نے ''یہود'' کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لفظ یہود 'ھاد' سے ہے۔ جس کے معنی توبہ کرنا ہے:

''فأمَّا اليَهُود فمِن هاد يَهُودُ، اِذا تاب هَوداً وسُمُّوا به لأَنهم تابُوا عن عبادة العجل''[1]

ترجمہ: جہاں تک یہود اسم کا تعلق ہے تو یہ ھاد یہود سے ہے جس کا معنی ہے توبہ کرنا، لوٹنا۔ ان کا یہ نام بچھڑے کی عبادت سے توبہ کرنے کی وجہ سے پڑا۔

کتاب العین میں مذکور ہے:

''ألهُودُ:التَوْبَةُ، قَالَ اللهُ عَزَّوجلَّ: ﴿إِنَّا هُدْنا إِلَيْكَ﴾[2] أی تُبْنَا اِلیک- والهُود: اليَهُود، هادُوا يَهُودُوْن هَوْداً، وسُمِّيَتِ اليَهُودُ إشتقاقاً مِنْ هَادُوا، أی تابُوا،و يُقَالُ: نُسِبُوا إِلىٰ يهوذا،وهوأكبرُ ولدِ يعقوب، وحوّلت الذّال إلى الدَّالِ حينَ عُرِّبت''[3]

ترجمہ: الھود کا معنی توبہ (پلٹنا) ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنا ھُدنا اِلَیکَ﴾ یعنی ہم آپ کی طرف پلٹ کے آئے، ھادو ایعنی وہ پلٹے، سے مشتق لفظ 'یھود' ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ یھوذا کی طرف منسوب ہے جو کہ حضرت یعقوبؑ کے بڑے بیٹے تھے، لفظ جب معرب ہوا تو ذال دال میں بدل گئی۔

علامہ شہرستانی (۴۷۹۔۵۴۸ھ) یہود لفظ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''أَلْيَهُودُ خَاصَّةً، أَلرَّجُلُ أىْ رَجَعَ وَتَابَ، وَ إِنَّمَا لَزِمَهُمْ هٰذَا الْإِسْمُ لِقَولِ مُوْسىٰ عَليه السّلام ﴿إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ﴾ أَىْ رَجَعنَا و تَضرَّعنَا''[4]

---

[1] معجم مقاییس اللغہ، ۱۸/۶

[2] سورۃ الاعراف: ۱۵۶/۷

[3] کتاب العین، ۳۲۹/۴

[4] الملل والنحل، محمد بن عبد الکریم شہرستانی، مکتبہ الحسین التجاریہ القاہرہ، ۱۹۴۸ء، ۹/۲

ترجمہ: خاص طور پر یہودی، اس نے رجوع کیا اور اس نے توبہ کی، اور ان کا یہ نام موسیٰؑ کے اس قول ﴿انا ھدنا الیک﴾ ہم نے رجوع کیا اور ہم آہ وزاری کرتے ہیں۔

یہاں تک دو اقوال سامنے آگئے یعنی یہود بمعنیٰ توبہ کرنے کے ہیں یا جناب یعقوبؑ کے ایک یہوذا نامی بیٹے کی نسبت سے یہ نام پڑا ہے۔ تاج العروس میں ایک اور احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد ایک قبیلہ ہے:

''أَلتَّوْبَةُ وَ الرجوع إلی الحقِّ، وَهودُ فَهُو هَائِدٌ و قَوْمُ هُوْدٍ وَ فی التنزیل العزیز: ﴿إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ﴾[1] أی تُبْنَا إِلَیک، مَعْنیٰ رَجعْنَا،وَ الْهُودُ بِالضَّمِّ أَلْيَهُود إسم قبيلةٍ وقِيْلَ إِنَّمَا إسْمُ هٰذِه الْقَبِيْلَةِ يَهُود''[2]

ترجمہ: توبہ اور حق کی طرف پلٹنا رجوع کرنا ہے، اس نے رجوع کیا پس وہ رجوع کرنے والا ہے اور رجوع کرنے والی قوم سے ہے قرآن میں ہے ﴿إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ﴾ یعنی ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ جہاں تک ہود کا تعلق ہے پیش کے ساتھ یہ ایک قبیلے کا نام ہے اور کہا گیا کہ اس کا نام یہود بھی ہے۔

لسان العرب میں بھی اس کا معنی توبہ کرنا اور حق کی طرف لوٹنا مرقوم ہے۔[3]

امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) نے لفظ یہود کے متعلق لکھا ہے:

''أَلْهُودُ أَلرَّجُوعُ برِفقٍ وَ مِنْهُ التَهْوِيْدُ و هُو مَشی کَالدَبِيب، و صار الهود فی التعارف التوبة قال تعالیٰ ﴿إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ﴾[4] أیْ تُبْنَا قَالَ بَعَضُهُم يهودُ فی الْأَصْلِ مِنْ قَوْلِهِمْ هُدْنَا إِلَيْکَ، وکان إسْمُ مَدْحٍ ثُمَّ صَارَ بعدُ نَسْخ شَريعتِهم لازمًا لهُم و إنْ لَّمْ يَکُنْ فِيه مَعْنیٰ المدْحِ... هادَ فُلَانٌ إذَا تحرّی طَرِيْقَةَ اليهُودِ''[5]

ترجمہ: الھود کے معنی نرمی کے ساتھ رجوع کرنے کے ہیں اور اسی سے تَھْوِیْدُ (تفعیل)

---

[1] سورۃ الاعراف: ۱۵۶/۷

[2] تاج العروس من جواہر القاموس، محمد مرتضیٰ زبیدی، دار الفکر بیروت لبنان، ۱۹۹۴ء، ۳۳۹/۵

[3] لسان العرب، ۴۳۹/۱

[4] سورۃ الاعراف: ۱۵۶/۷

[5] المفردات فی غریب القرآن، ص: ۵۲۹

ہے جس کے معنی رینگنے کے ہیں۔ لیکن عرف میں ھودٗ بمعنی توبہ کے استعمال ہوتا ہے
چنانچہ قرآن میں ﴿إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ﴾ ہے۔ بعض نے کہا کہ لفظ یہود بھی اناھدنا الیک
سے ماخوذ ہے۔ یہ اصل میں ان کا تعریفی لقب تھا۔ لیکن ان کی شریعت منسوخ ہونے
کے بعد ان پر بطور جنس بولا جاتا ہے نہ کہ تعریف کے لیے۔۔۔ ھَادَ فُلان کے معنی
یہودی ہو جانے کے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) میں ہے کہ 'یہود' تَھُوّدٗ سے بمعنی مؤدۃ اور دوستی کے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود اپنوں کے سواء کسی سے دوستی اور مودت نہیں رکھتے بلکہ یہود کے علاوہ وہ اپنا دشمن اور غیر ہدایت یافتہ اور جاہل سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ تورات پڑھتے وقت ہلتے تھے اب ھود بمعنی حرکت کرنے والے کے ہیں۔ کہ اس کا ایک نام یہود بھی ہے۔[1]

مذکورہ بالا معانی کی روشنی میں یہود کے تین معانی واضح ہوتا ہے یعنی لفظ یہود یا تو توبہ اور رجوع الی اللہ سے منسلک ہے، یا یہ لوگ تورات پڑھتے وقت ہلتے تھے اس وجہ سے یہود کہا گیا یا یہود ایک قبیلے کا نام ہے یا پھر یہود یعقوب کے ایک بیٹے یہودا کی نسبت سے یہودی کہلائے، اور بظاہر تاریخی شہادتوں کی روشنی میں یہی زیادہ راجح قول ہے۔

اصطلاحی مفہوم

یہودی نام سامی النسل لوگوں کو دیا گیا ہے۔ انہیں اسرائیلی اور عبرانی بھی کہا جاتا ہے۔ یہودی لفظ یعقوبؑ کے فرزند یہودا سے مشتق ہے یہ خود کو ابراہیمؑ کی اولاد کہتے ہیں۔ انھوں نے ۲۰۰۰ ق م میں میسوپوٹیمیا (عراق) سے ہجرت کی اور کنعان میں آکر آباد ہو گئے۔ ان دنوں مصر میں خاندان ہاکسوس کی حکومت تھی جب ان کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو مصر پر قبطی النسل خاندان کی حکومت قائم ہوئی اور فرعون رعمیس ثانی نے اسرائیلیوں پر مظالم ڈھائے تب اللہ نے موسیٰ کو بھیجا جو بالآخر چھ لاکھ بنی اسرائیلیوں کو ۱۳۹۱ ق م میں فرعون کی غلامی سے نکال لائے۔[2]

قرآن مجید میں الیہود ﴿أَلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾[3] اور دیگر الفاظ استعمال ہوئے ہیں اگرچہ "یہودی" کی اصطلاح یا تو قدیم سلطنت یہودا کے باشندوں یا یہودا ابن یعقوبؑ کی اولاد یا مذہب یہود پر عامل شخص کے لئے مخصوص ہوتی ہے اور بنی اسرائیل (اولاد یعقوبؑ) کا لفظ وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اسرائیل یعنی یعقوبؑ کے تمام بیٹوں کی اولاد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عموماً اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو ماننے والے ہیں لیکن چونکہ یہودی مذہب کی تعلیمات صرف اولاد یعقوبؑ تک

---

[1] تفسیر القرآن العظیم، اسماعیل بن عمر ابن کثیر، دارالسلام ریاض، ۱۹۹۸ء، ۱۶۵/۱

[2] اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص: ۹۲۱/۲

[3] سورۃ الانعام: ۱۴۶/۶

محدود رہی اس لئے یہ لفظ ایک نسلی گروہ کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا۔[1]

Encyclopedia of Britannica کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"Jew, Hebrew YEHUDI,originally a member of Judah, i-e either of the tribes of Judah (one of the 12 tribes that took possession of the Promised Land) or of the subsequent kingdom of judah (in contrast to the rival kingdom of Israel to the North)- The Jewish people as a whole, initially called Hebrews, were known as Israelites from the time of their entrance into the Holy land to the end of the Babylonian Exile (538 BC)- Therefore, the term yehudi (Latin Judaeus, old french Gyu, modern French Juif, German Jude, and English Jew) was used to signify all adherents of Judaism-"[2]

ترجمہ: جیو، جس کو عبرانی میں یہودی کہتے ہیں بنیادی طور پر یہودا کا رکن یعنی یہود کے بارہ قبائل میں سے جو موعود سرزمین کے قابض یا پھر سلطنت یہود کے (برخلاف شمالی اسرائیلی مخالف سلطنت کے جیو لوگ ابتداء میں عبرانی کہلاتے تھے یا اسرائیلی جو کہ ان کے سرزمین مقدس میں داخل ہونے سے لے کر بابل سے اخراج تک جو کہ (538ق م) میں ہوا، اس کے بعد اصطلاح یہودی جو لاطینی الاصل ہے) تمام (بنی اسرائیل) یہودی قبائل کے لئے استعمال ہونے لگی۔

Encyclopaedia of Religion and Ethics کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"A formal and precise definition of Judaism is a matter of some difficulty, because it raises the question, what is the absolute and irreducible minimum of conformity? The foundation of Judaism rests on two principles the unity of God and the choice of Israel- Judaism denounces idolatry and polytheism. It believes in a universal God"[3]

ترجمہ: یہودیت کی کوئی معین اور معروف تعریف کرنا مشکل ہے کیونکہ اس ضمن میں

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہِ پنجاب لاہور، ۱۹۸۹ء/۱۴۱۰ھ، ص: ۳۵۵/۲۳

[2] The New Encyclopaedia Britannica, V:6, P:544

[3] Encyclopaedia of Religion and Ethics, V:7, P:581

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کم سے کم اور قطعی طور پر کسی چیز کا اقرار ضروری ہے تاہم یہودیت دو اصولوں پر مبنی ہے۔ خدا کی وحدانیت اور بنی اسرائیل کا پسندیدہ اور محبوب امت ہونا۔یہودیت بت پرستی اور متعدد خداؤں کی پوجایعنی شرک کو مسترد کرتی ہیں وہ ایک رب العالمین پر عقیدہ رکھتی ہے۔

رابرٹ وین ڈی ویئر کے مطابق یہودی وہ ہوتا ہے جو یہودی ماں کے بطن سے پیدا ہوا اور وہی یہودی عظیم عبرانی انبیاء حضرت ابراہیمؑ،اسحاقؑ،یعقوبؑ کے مذہبی وراثت کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ [1]

تاہم بنی اسرائیل جو حضرت ابراہیمؑ کی نسل کی دو شاخوں کا خلاصہ اور مجموعہ ہے ایک اولاد اسماعیلؑ جس کا سلسلہ قریش اور دوسرے عرب قبیلوں سے آملتا ہے جبکہ دوسری شاخ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں سے حضرت یعقوبؑ جس کا نام اسرائیل تھا، سے منسوب ہو کر،دوسری قومیں یا تو اس میں ضم ہو گئیں یا اس کی تابع رہیں جب اس شاخ میں فساد پستی اور تنزل آیا تو پہلے یہودیت پیدا ہوئی اور پھر عیسائیت نے جنم لیا۔ [2]

خود یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ موسیٰؑ کے متبعین ہیں حالانکہ ہمیں کتاب وسنت میں یہود کا اطلاق مدح و توصیف کے انداز میں نہیں ملتا جب کہ ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ بالتحدید کسی ایسی تاریخ کا تعین کر سکیں کہ کب اس لفظ کا اطلاق اس گروہ پر کیا گیا لیکن ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ عہد موسوی میں یہ گروہ (اس نام سے) معروف نہ تھا بلکہ اس دور میں بنی اسرائیل کے نام سے مشہور تھا اس طرح ان پر قوم موسیٰؑ کا اطلاق بھی ہوتا تھا۔ [3]

قرآن مجید کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے لئے بنی اسرائیل کا لفظ استعمال کیا ہے جو ان کے لئے ایک مثبت اور درست اصطلاح ہے اور جہاں ان کے لئے یہود کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہاں اس سے ناپسندیدہ اور خود ساختہ مفہوم نکلتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا﴾ [4]

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہودی داخل ہوں گے۔

---

[1] یہودیت، رابرٹ وین ڈی ویئر، (مترجم: ملک اشفاق)، بک ہوم لاہور ۲۰۰۴ء، ص: ۱۱

[2] تفہیم القرآن، ۱۰۸/۱

[3] الادیان والفرق والمذاہب المعاصرۃ، عبدالقادر شیبہ الحمد، (مترجم: ابو عبداللہ محمد شعیب) دارالسلام لاہور، مئی ۲۰۰۷ء، ص: ۳۷

[4] سورۃ البقرہ: ۱۱۱/۲

تاریخ یہود

یہودیت دنیا کے موجودہ مذاہب میں سب سے قدیم ہے، کہا جاتا ہے کہ یہود مذہب ان دو عظیم الشان مذاہب اسلام اور عیسائیت کا پیشرو ہے جو کرہ ارض کے بیشتر حصے پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی تعلیمات میں ابراہیمی مذہب کے وہ اصول و قواعد بھی پائے جاتے ہیں جن پر یہودی مذہب کا بڑی حد تک دارومدار ہے۔[1]

یہود کے اصلی وطن کے متعلق بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔اکثریت کا خیال ہے کہ ان کا قدیم وطن عراق ہے مشہور مؤرخ ای۔ای کیلٹ (E.E Kellett: 1864-1950)اس بارے میں لکھتا ہے کہ اسرائیلیوں کے مصری آثار سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ یہودی فلسطین میں یوشع کی فتح سے پہلے بھی آباد تھے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہودی دریائے فرات کے ساحلی علاقے کے رہنے والے تھے ان کے آباؤاجداد قدیم زمانے میں فرات کے آس پاس رہتے تھے۔[2]

یہودی اپنی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیمؑ سے کرتے ہیں جبکہ قرآن پاک کے مطابق:

﴿ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾[3]

ترجمہ: ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے بلکہ وہ یکسو مسلم تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔

حضرت ابراہیمؑ (۱۸۰۰ق۔م) عراق کے باشندے تھے آپ نے اپنے عہد کی ستارہ پرستی کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو نمرود نے انھیں آگ میں زندہ جھونک دیا تو اللہ تعالیٰ نے نجات دی، بعد میں بڑی مشکلات سے گزر کر وہ کنعان (فلسطین و شام) آبسے اور آدھے کنبے بی بی ہاجرہؑ اور اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ معظمہ میں بسایا، خود بی بی سارہؑ اور حضرت اسحاقؑ کے ساتھ فلسطین میں مقیم رہے۔[4]

حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں۔ایک حضرت اسماعیلؑ کی اولاد، جو عرب میں رہی۔قریش اور عرب کے بعض قبائل کا تعلق اس سے تھا اور ان سے متاثر قبائل بھی اپنا سلسلہ نسب انہی سے جوڑتے ہیں جبکہ دوسری حضرت اسحاقؑ کی

---

[1] مذاہب عالم ایک معاشرتی و سیاسی جائزہ، ص:۲۸۶

[2] A Short History of Religions, Ernest Edward kellett, UK: Penguin, 1962,P:215

[3] سورۃ آل عمران: ۶۷/۳

[4] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳۵۵/۲۳

اولاد جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی اولاد میں بہت سے پیغمبر پیدا ہوئے جیسے حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ وغیرہ۔ ان میں حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل (اللہ کا بندہ) ہے۔ حضرت یوسفؑ کے طفیل ان کو مصر میں بڑا اقتدار نصیب ہوا۔ مصر اور قرب وجوار میں ان کا سکہ رواں تھا۔ حضرت یعقوبؑ کے حضرت یوسف سمیت بارہ لڑکے تھے ان میں سے ایک یہودا تھا۔ بنی اسرائیل پر جب دینِ حنیف کا غلبہ کم ہوا تو نسل پرستی کا بھوت ان پر سوار ہونے لگا پھر یہ مسلم کے بجائے یہودی کہلانا زیادہ پسند کرنے لگے۔ [1]

اصل دین جو حضرت موسیٰؑ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے وہ اسلام ہی تھا۔ ان انبیاء میں کوئی یہودی نہیں تھا یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد جب ان کی سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی تو یہ خاندان اس ریاست کا مالک ہوا جو یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی اور دوسرے قبیلوں نے جو ریاست سامریہ قائم کی تھی اسے ان قبیلوں سمیت نیست ونابود کر دیا۔ یہوداہ اور بن یامین کی جو نسل باقی رہ گئی تھی۔ اس پر یہوداہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے یہود کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا اور اس نسل کے اندر کاہنوں، ربّیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق عقائد ورسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا صد برس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔ [2]

حضرت موسیٰؑ کی آمد سے پہلے بنی اسرائیل دور فراعنہ میں مظالم کا شکار رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا ان پر کتاب نازل فرمائی۔ انھوں نے فرعون کو ایک اللہ پر ایمان کی دعوت دی اور کہا کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف نہ بلائے اور یہ کہ بنی اسرائیل پر ظلم وستم کر کے ان کو نہ ستائے۔ [3]

لیکن فرعون نے نخوت وتکبر سے اس بات کو مسترد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کو نکال کر لے جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو اللہ کے حکم سے راتوں رات لے کر نکلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حَاشِرِیْنَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حَاذِرُوْنَ فَاَخْرَجْنَاهُمْ مِّنْ جَنَّاتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ کَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنَاهَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعَانِ قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ قَالَ

---

(1) قوم یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں، عبدالکریم پاریکھ، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۶۹ء، ص: ۳۸

(2) یہودیت قرآن کی روشنی میں، سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک بک پبلشرز لاہور، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۳

(3) تاریخ المسعودی (ترجمہ: مروج الذہب ومعادن الجواہر)، ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی، نفیس اکیڈیمی کراچی، ۱۹۸۵ء، ص: ۶۶/۱

كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ﴿۱﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل بیشک تم پیچھا کئے جاؤ گے (تمہارا تعاقب ہو گا)۔ پس فرعون نے شہروں میں نقیب بھیجے۔ بیشک یہ لوگ ایک تھوڑی (چھوٹی سی) جماعت ہیں۔ اور وہ بیشک ہمیں غصہ میں لانے والے (غصہ دلا رہے ہیں) اور بیشک ہم ایک جماعت ہیں مسلح، محتاط۔ (ارشادِ الٰہی ہے) پس ہم نے انھیں باغات سے، چشموں سے، اور خزانوں سے، اور عمدہ ٹھکانوں سے نکالا۔ اسی طرح ہم نے ان کا وارث بنایا بنی اسرائیل کو۔ پس انھوں نے سورج نکلتے (صبح سویرے) ان کا پیچھا کیا۔ پس جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے، یقیناً ہم پکڑ لیے گئے۔ موسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں، بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ مجھے جلد (بچ نکلنے کی) راہ دکھائے گا۔ پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تو اپنا عصا دریا پر مار (انھوں نے مارا) تو دریا پھٹ گیا، پس ہر حصہ بڑے بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ اور ہم نے اس جگہ دوسروں (فرعونیوں) کو قریب کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

آپؑ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے ۱۳۹۱ قبل مسیح میں نکال لائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کو بچایا۔ فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کیا۔ عہد نامہ عتیق کے مطابق مصر میں ان کی اقامت کی مدت چار سو تیس (۴۳۰) سال تھی[۲]۔ جبکہ احمد شبلی (۱۹۱۵۔۲۰۰۰ء) کے مطابق مصر میں بنی اسرائیل کی مدت اقامت (۲۱۵) دو سو پندرہ سال تھی۔[۳]

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیلیوں کو لے کر صحرائے سینا میں آئے جہاں یہودیوں کو ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی گئیں لیکن جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو تورات عطا کرنے کے لئے بلایا تو یہود نے مشرکانہ حرکتیں شروع کر دیں پھر جب حضرت موسیٰؑ نے

---

(۱) سورۃ الشعراء: ۲۶/۵۲-۶۶

(۲) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، خروج: ۱۲/۴۰، بائبل سوسائٹی، انار کلی، لاہور

(۳) مقارنۃ الادیان، احمد شلبی، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ القاہرہ، ۱۹۸۴ء، ص: ۶۴

بنی اسرائیل کو فلسطین کی ایک بستی جو وادی سینا کے قریب تھی داخل ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کو کہا لیکن قوم نے جواب دیا کہ پہلے آپ اور آپ کا رب ان سے جا کر لڑیں جب وہ جابر قوم مغلوب ہو جائے تو ہم داخل ہو جائیں گے اس کی سزا کے طور پر ارشاد خداوندی کے مطابق بنی اسرائیل کو ۴۰ سال میدان تیہ میں سر گرداں رہنا پڑا اسی مدت میں حضرت ہارونؑ اور پھر حضرت موسیٰؑ کا بھی انتقال ہو گیا۔[1]

چالیس سال بعد نئی نسل یوشع کی قیادت میں فلسطین کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئی جہاں سے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا مگر شروع میں ان کی حکومت بہت مختصر علاقے میں محدود تھی اس کا سربراہ قاضی کہلاتا تھا یہ قبائلی یا عدالتی نظام تقریباً ۳۰۰ (تین سو سال) تک چلتا رہا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی ایک سلطنت وجود میں آ گئی۔ حضرت سموئیل نے ساول (طالوت) کو ۱۰۵۰ ق م میں بادشاہ مقرر کیا۔ ساول کی حکومت میں بھی فلسطین میں ایک زبردست حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے خصوصاً پہلے تین بادشاہوں صالحؒ، داؤدؑ اور سیلمانؑ کے زمانے میں اسرائیلیوں کو عروج اور ترقی حاصل ہوئی۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں یروشلم کا مشہور ہیکل تیار ہوا ان کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کا اتحاد ختم ہو گیا ان کی حکومت دو حصوں میں بٹ گئی:

ا۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن میں سلطنت اسرائیل ۲۔ جنوبی فلسطین اور ادوم میں سلطنت یہود

شمالی حکومت جو اسرائیلی کہلاتی تھی۔ اس کا دار السلطنت سماریہ تھا دوسری حکومت جو یہودہ کہلاتی تھی اس کا دار السلطنت یروشلم بنا۔ اول الذکر زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ ۷۲۲ ق م میں آشوریوں نے اس کو اس طرح ختم کر دیا کہ آج تک اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ یروشلم کی حکومت البتہ ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ چلی۔ جسے بابلی بادشاہ بخت نصر نے تباہ کر دیا۔ مقدس کتابیں اور ہیکل بھی تباہی سے نہ بچ سکے۔ بخت نصر اپنے ساتھ یہودیوں کو یروشلم سے بابل لے گیا۔[2]

۵۳۹ قبل مسیح ایرانی بادشاہ سائرس نے بابل کو فتح کیا تو انھوں نے یہودیوں کو فلسطین واپس جانے اور ہیکل سیلمانی پھر سے تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ ۵۲۲ ق م میں یہودیوں نے ہیکل کو نئے سرے سے تعمیر کیا تو بیت المقدس کی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔ اس زمانے میں حضرت عزیرؑ نے دین موسیٰؑ کی تجدید کا کام سر انجام دیا۔ تورات کو مرتب کرا کے شائع کرایا یہودیوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا۔

ایرانی سلطنت کے زوال، سکندر اعظم کی فتوحات اور یونانیوں کے عروج سے یہودیوں کو کچھ مدت کے لئے کٹھن حالات سے گزرنا پڑا۔ پھر ۱۷۵ ق م میں سلطنت سلوقی کا فرمانروا اینٹوکس چہارم (Antiochus) تخت نشین ہوا جو یہودیوں سے سخت نفرت کرتا تھا اور اس نے شدید قومی اور مذہبی تعصب کا مظاہرہ کیا اور یہودیوں کے مذہب کو جڑ سے اکھاڑ ڈالنے کی

---

[1] یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص: ۶۹

[2] ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، عبد الرشید، طاہر سنز اردو بازار کراچی، مئی ۱۹۸۸ء، ص: ۲۷۱

کوشش کی تو یہودیوں میں شدید رد عمل کے نتیجے میں ایک تحریک نے جنم لیا جسے مکابی تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس تحریک کے نتیجے میں مذہب سے مخلص اور پکے کٹر یہودیوں نے یونانیوں کو نکال کر اپنی آزاد ریاست قائم کر لی۔ مکابیوں کی تحریک جس دینی واخلاقی روح کے ساتھ اٹھی وہ آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی اور اس کی جگہ خواہشات نفسانی اور دنیا پرستی نے لے لی۔ آخر کار ان میں اختلافات پیدا ہوئے اور پھوٹ پڑ گئی۔ رومی فاتح پومی آئی نے ۶۳ق م میں فلسطین پر حملہ کر کے اسے رومی حکومت کا حصہ بنالیا۔[1]

تاہم رومی فاتحین کی پالیسی تھی کہ وہ مقامی حکمرانوں کے ذریعے کام کرتے تھے انھوں نے ایسی ریاست قائم کر دی جو بالآخر ایک یہودی ہیرود کے قبضے میں آئی اس نے دونوں طرف کے لوگوں کو خوش رکھا اور قیصر کی خوشنودی حاصل کر لی اس وقت یہودیوں کی اخلاقی و دینی حالت انتہائی زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اس عہد میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے۔ ہیرود کے بیٹے اینٹی پاس کو ان تمام علاقوں کا فرمانرواں بنا دیا اس نے ایک رقاصہ کی فرمائش پر حضرت یحییٰؑ کا سر مبارک قلم کروا کے اس رقاصہ کی نذر کر دیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہود نے اپنی دانست میں رومی گورنر پونتس پیلاطس سے پھانسی دلوادی اس کے بعد رومیوں اور یہودیوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی یہودیوں نے رومیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ رومیوں نے اس بغاوت کو کچل دیا اور فلسطین پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگرچہ ۱۳۵ء میں یہودیوں نے رومیوں کے خلاف بغاوت کی ناکام کوشش کی جس کے بعد فلسطین سے یہودی اثر واقتدار ایسا مٹا کہ ہزار برس تک ان کو سر اٹھانے کا دوبارہ موقع نہ مل سکا۔[2]

رومیوں کے ان مظالم سے تنگ آکر یہودیوں نے ترک وطن کیا اور وہ ایشیا اور یورپ کے علاقوں میں جا بسے اور متواتر کئی قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اٹھارویں صدی میں بھی یہود کے خلاف اہل قلم نے آواز بلند کی اس طرح یورپ کے بیشتر ممالک میں ان کے خلاف نفرت قائم ہوئی اور مختلف ممالک میں ان پر ظلم کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا اس پر ایک یہودی ڈاکٹر ہون ہنسکر نے کتاب لکھی اور یہودیوں کو الگ ریاست کا مشورہ دیا جس پر صحافیوں نے یہود کے ارض مقدس پر آباد ہونے کے متعلق مضامین لکھے۔ اسی کے نتیجے تھیوڈور ہرزل (Theodor Herzl:1860-1904) نے ایک تحریک شروع کی جس کو صیہونی تحریک کہتے ہیں اس تحریک نے یہودیوں میں اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دیں۔ یہود فلسطین میں آباد ہونا شروع ہوئے پہلی جنگ عظیم تک ان کی تعداد اسی ہزار تک ہو گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۷ء میں برطانیہ نے اعلان کیا کہ فلسطین میں یہود کا الگ وطن قائم کیا جائے گا اور برطانیہ تعاون کرے گا یہ اعلان سن کر فلسطین کے مسلمانوں اور عرب ممالک

---

[1] دنیا کے بڑے مذاہب، عماد الحسن آزاد فاروقی، بک کارنر شو روم بک سٹریٹ جہلم پاکستان، جون ۲۰۱۳ء، ص: ۳۳۳-۳۳۶

[2] مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، ایس ایم ناز، مطبوعات شیخ غلام علی انار کلی لاہور، ص: ۸۵

میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور اس پر احتجاج ہوا پہلی جنگ عظیم تک فلسطین ترکی کا حصہ تھا جنگ کے بعد اتحادیوں نے برطانیہ کی تحویل میں دینے کا اعلان کیا اس سے یہود کو اطمینان ہوا اور دنیا بھر سے یہود فلسطین میں آکر آباد ہو گئے اس پر ہنگامے ہوئے آخر یہود اور عربوں میں صلح کی کوشش کی گئی جو ناکام ہوئی۔۱۹۳۷ء میں یہود کا عالمی اجلاس ہوا پھر ۱۹۳۹ء گول میز کانفرنس بھی ہوئی لیکن عربوں نے شرکت نہ کی ۱۷ مئی ۱۹۳۹ء کو مسئلہ فلسطین پر برطانوی حکومت نے ''قرطاس ابیض'' شائع کیا جس میں دس سال کے اندر فلسطین میں آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی۔

اسی دوران دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی اور جرمنی سے مزید یہود فلسطین منتقل ہوئے فلسطین میں حالات پھر کشیدہ ہو گئے یہود نے دہشت گردی کی کاروائیاں کیں اور خفیہ فوج بنائی اور ۱۹۴۴ء میں توڑ پھوڑ کی۔آخر مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش ہوا ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو جنرل اسمبلی میں بل پیش ہوا جہاں تقسیم فلسطین کی تجویز منظور ہو گئی جس پر یہود اور عربوں کا بہت خون بہا۔ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے فلسطین سے اپنا تسلط ختم کرنے کا اعلان کیا اور ڈیوڈ بن گوریان (۱۸۸۶۔۱۹۷۳ء) اسرائیل کا پہلا وزیر اعظم تھا جس نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا اس پر تمام عرب ممالک نے اسرائیل پر حملہ کر دیا۔۱۹۴۹ء تک جنگ جاری رہی اسرائیل کو برطانیہ اور امریکہ کی مدد حاصل تھی اس لئے اور فلسطین کے تین چوتھائی پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔[1]

فلسطین میں اسرائیلی مملکت کے قیام کے لئے یورپ کی جدوجہد کے پیش نظر دو عظیم مقصد تھے؛ایک یہ کہ اپنے وطن و مملکت کو یہودیوں کی شرانگیزیوں اور ملک کے اموال پر مکروفریب کے ذریعہ ان کے قبضہ و تصرف سے بچانا کیونکہ یہودی قوم کی یہ فطرت تھی کہ کسی بھی علاقے میں سکونت اختیار کرنے کے فوراً بعد ہی وہاں کے ذرائع آمدن پر قبضہ جما لیتے ہیں۔دوسرا مقصد یہ کہ ملت اسلامیہ کے قلب میں ایک حلیف مملکت کا قیام ہو تا کہ عوام اور حکومتوں کے درمیان اختلاف و انتشار پیدا کیا جاسکے کیونکہ وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ عالم اسلام کے پاس خام مال، معدنیات کے ذخائر اور عالمی فضائی و بحری راستوں کی کمی نہیں ہے۔فلسطین میں یہودیوں کی اس سکونت سے حضور ﷺ کی اس پیشگوئی کی تصدیق ہوتی ہے:

((لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّیٰ تُقَاتِلُوْا الْیَھُودَ حَتیٰ یَقُولُ الحَجَر وَرَاءَہ الیَھودِی:
یَامُسْلِمُ ھٰذَا یَھُودِی وَرَائی فَاقْتُلْہ))[2]

ترجمہ: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ تم لوگ یہودیوں سے وہ جنگ نہ

---

[1] تقابل ادیان، محمد یوسف خان، ص:۱۷۷-۱۸۱

[2] الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب قتال الیھود، حدیث نمبر:۲۹۲۶، ص:۴۸۳؛ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج، دار السلام ریاض، اپریل ۲۰۰۰ء، کتاب الفتن و أشراط الساعة، باب لاتقوم الساعة حتیٰ یمرالرجل بقبرالرجل، فیتمنی أن یکون مکان المیت، من البلاء، حدیث نمبر: ۴۳۰۱، ص:۱۲۵۹

کرلو جس میں وہ پتھر بھی جس کی آڑ میں کوئی یہودی چھپا ہوگا مسلمانوں سے یوں گویا ہوگا کہ اے مسلم! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے اسے قتل کردے۔

ایک دوسری روایت ہے:

((تُقَاتِلُكُمُ الْيَهُودُ فَتَسَلَّطُونَ عَلَيهم حَتىٰ يقول الحَجر: يَا مُسْلم هٰذَا يَهُودِى وَرَائى فَاقْتُلْه))[1]

ترجمہ: یہودی تم سے جنگ کریں گے تو تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہوگا یہاں تک کہ پتھر بھی کہے گا کہ اے مسلم! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے اسے قتل کردے۔

یہ پیشن گوئی برحق ہے کیونکہ ایسی قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جو اللہ کے نزدیک مغضوب ولعنت زدہ ہو۔

یہودیوں کے فرقے

یہودیوں کے چار طبقے تھے اور چاروں گمراہ ہو چکے تھے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ فریسی فرقہ

اس فرقے کے لوگ قیامت، آخرت، جزاوسزا اور حشر ونشر کا قائل تھا لیکن رہبانیت کو ضروری سمجھتے تھے۔

۲۔ کاہنی فرقہ

یہ لوگ دولت کے لالچ میں احکام شریعت میں تحریف کرتے تھے۔

۳۔ صدوقی فرقہ

یہود کا یہ فرقہ جنت، جہنم، قیامت، آخرت، جزاوسزا اور حشر ونشر کا قائل نہ تھا۔

۴۔ احبار فرقہ

یہ مذہب کے اجارہ دار تھے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا ڈالتے تھے۔[2]

یہودی عقائد

یہودی عقائد کی بنیاد خدا کی وحدانیت اور بنو اسرائیل کی فضیلت نیز اس نسل کے ساتھ خدا کے مخصوص تعلق پر ہے، یہودی عقیدہ کی رو سے یہ دنیا خیر ہے اور انسان کو اس خیر کے حصول کا مکمل اختیار دیا گیا ہے۔ یہودیوں کے ہاں عمل کی

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث نمبر: ۳۵۹۳، ص: ۶۰۳

[2] انبیائے قرآن، محمد جمیل، ۳/۳۴۲

اہمیت ایمان سے زیادہ ہے زندگی کے ہر عمل کے لئے ان کے ہاں نہایت تفصیلی احکام موجود ہیں مثلاً روزمرہ کی گفتگو میں ایکمعمولی سامبالغہ یاادنی سی دل آزاری یہودیوں کے نزدیک کسی بڑے گناہ کاموجب بن سکتاہے۔

یہودی عقائد کوایک یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون (۱۱۳۵ـ۱۲۰۴ء)[1] نےاس طرح بیان کیاہے:

1. Belief in the existance of God

اللہ تعالیٰ کی موجودگی کوماننایاوجود کوتسلیم کرنا۔

2. Belief in his unity

اس کی وحدانیت پریقین کرنا۔

3. Belief in the eternity of God

اس کے قائم ودائم ہونے پریقین رکھنا۔

4. Belief in his incorporeality

اس کے غیر مادی ہونے پریقین رکھنا۔

5. Belief that worship is due to Him alone

اس بات پریقین رکھناکہ عبادت صرف اسی کی ہونی چاہیے۔

6. Belief in prophessy from Prophet

پیغمبروں پریقین رکھنا۔

7. Belief that Moses was the greatest of all the Prophets

اس بات پریقین کہ حضرت موسیٰؑ سب سے بڑے پیغمبر تھے۔

8. Belief that the Torah was revealed to Moses on sinai

اس بات پریقین کہ تورات حضرت موسیٰؑ پر سینامیں نازل ہوئی۔

9. That it is immutable

کہ تورات ناقابل تغیر ہے۔

10. That God is Omniscient

کہ اللہ کی ذات علیم وخبیر ہے۔

11. Belief in reward and punishment in this world and in life hereafter

---

[1] یہ بارہویں صدی کے مشہور یہودی حاخام ، فلسفی، طبیب اور تورات کے عالم تھے ۔ان کو رامبام بھی کہا جاتا ہے، جو ان کے عبرانی نام(موشیہ بن میمون) کی مختصر شکل ہے۔موسیٰ بن میمون ہی وہ فلسفی تھاجس نے 'الجھن کا رہنما' لکھاتھا۔ملاحظہ ہو:
http://ur.wikipedia.org/wiki/موسیٰ بن میمون,Retrieved on: 12-10-2016,At 10:00a.m

دنیااور آخرت میں جزاو سزاپر یقین رکھنا۔

12.Belief in the coming of Messiah

حضرت مسیحؑ کی آمد پر یقین رکھنا۔

13.Belief in resurrection of the death- [1]

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر یقین رکھنا۔

یہودیوں کے مذہبی ادب عہد نامہ عتیق میں مختلف عقائد کا بیان اس طرح سے کیا گیا ہے:

شرک کی ممانعت

عہد نامہ عتیق میں اللہ تعالیٰ کے بیسیوں اسماء صفاتی کا ذکر آتا ہے۔ان میں سب سے زیادہ یہوداہ نام کو عظمت اور فضیلت دی گئی۔یہ بائیبل میں ۶۸۳۳ مرتبہ آیا ہے۔ بائیبل نے ایک خدا کی عبادت کے سوا غیر اللہ کی پرستش کو سختی سے منع کیا ہے۔چنانچہ بائیبل میں آتا ہے کہ میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا۔[۲]

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تورات کی تعلیمات کے باوجود یہودیوں میں ثنویت کا عقیدہ اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا کہ قرآن کریم میں بھی ذکر ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾[۳]

ترجمہ: یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

یہ عقیدہ در حقیقت عقیدہ توحید کے خلاف ایک کھلی بغاوت اور اس پر ضرب کاری ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ کی صفات

الٰہی صفات کے حوالے سے جو ان کے ہاں عقیدہ ملتا ہے، وہ اس طرح بیان ہوا ہے:

میں نے خداوند کو اس کی کرسی پر بیٹھے دیکھا اور سارا آسمانی لشکر اس کے پاس اس کے داہنے اور اس کے بائیں ہاتھ کھڑا تھا۔[۴] اسی طرح ذکر ہے کہ خداوند آسمان پر سے دیکھ رہا ہے اور تمام انسانوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے"۔[۵]

---

[1] Encyclopaedia of Religion and Ethics, V:7, P. 581

[۲] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء: ۶/۵، ۷/ ۱۴

[۳] سورۃ التوبہ: ۳۰/۹

[۴] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، سلاطین: ۲۲/۱۹

[۵] ایضاً، زبور: ۲۳/۱۳

تصور خدا

بائیبل میں یہود کے خدا کا تصور قومی ہے۔ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کو خداوند اسرائیل کے نام سے پکارا گیا ہے۔ ان الفاظ سے خدا تعالیٰ کی ذات کا مفہوم محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ گویا اللہ کی ذات کا تعلق صرف یہود کے ساتھ جوڑا جاتا ہے جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ بنی اسرائیل ہی اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم ہے۔ چنانچہ بائیبل میں لکھا ہے:

"اے خداوند اسرائیل کے خدا تیری مانند نہ تو اوپر آسمان میں نہ نیچے زمین پر کوئی خدا ہے۔ تو اپنے ان بندوں کے لئے جو تیرے حضور اپنے سارے دل سے چلتے ہیں عہد اور رحمت کو نگاہ رکھتا ہے۔"[1]

عہد نامہ عتیق میں غضبناک خدا کا تصور پایا جاتا ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے جو انسان کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ پھر غصہ میں آکر نہ صرف ایک قوم بلکہ اس کے ساتھ چرند پرند اور حیوانات کو بھی ہلاک کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر اسے اپنے بندوں پر رحم آجاتا ہے۔ جیسے جلد باز انسان جلد بازی میں کام کرنے کے بعد پچھتاتا ہے۔ کتاب پیدائش میں ذکر ہے:

"اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا انسان سے لے کر حیوانات اور رینگنے والے جانور، جاندار اور ہوا کے پرندوں تک، کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوا۔"[2]

عقیدہ ملائکہ

عہد نامہ قدیم کی روشنی میں یہودیوں میں اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کے متعلق جو تصورات پائے جاتے ہیں انہیں دو طرح سے ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو فرشتوں کو انسانوں سے افضل قرار دیا ہے اور دوسرے یہ کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں، قدوسی اور پاک نام دیا گیا ہے۔ اور پھر ان کی مختلف ذمہ داریاں بتائی گئی ہیں۔ جنہیں وہ شبانہ روز انجام دیتے ہیں۔ مثلاً خدا کے مشاورتی[3]، لشکر خداوندی[4]، خدا کی مرضی انسان پر ظاہر کرتے ہیں۔[5]

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، سلاطین اول: ۲۳/۸

[2] ایضاً، کتاب پیدائش، ۶/۷

[3] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، پیدائش: ۲۳/۳، ۱۱/۷

[4] ایضاً، زبور، ۲۱/۱۰۳، ۲/۱۴۸

[5] ایضاً، دانیال ۱۶/۸-۱۷، ۲۱/۹-۲۳، ۱۱/۱۰، ۶/۱۲-۷

تخلیق عالم

کائنات کی تخلیق کے متعلق یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ دنیا خدا کے حکم سے وجود میں آئی۔ بائیبل میں آتا ہے کہ 'اور خدا نے کہا تو اجالا ہو گیا، خدا نے کہا کہ پانی اڑ کر فضاؤں میں چلا جائے تو ایسا ہی ہو گیا پھر خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کے پانی ایک جگہ جمع ہوں کہ خشکی نظر آئے تو ایسا ہی ہو گیا'۔ [1]

جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ﴿كُنْ فَيَكُونُ﴾ [2] کا اشارہ اسی طرف ہے۔ اسی طرح مکمل کائنات کی تخلیق کے متعلق بیان کیا گیا کہ خداوند نے چھ دن میں آسمان و زمین اور دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اسی لئے ساتویں دن سبت ہے جو آرام کے لئے ہے کیونکہ چھ دن میں خداوند نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔ [3]

عقیدہ آخرت

یہودی قیامت اور جزا و سزا کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ایوب کی اس عبارت سے واضح ہے:

> "کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میرا بدلہ دینے والا زندہ ہے اور وہ روز آخر زمین پر کھڑا ہو گا اور اپنی کھال کے اس طرح برباد ہو جانے کے بعد بھی میں اپنے اس جسم میں سے خدا کو دیکھوں گا"۔ [4]

یہودیوں کے اس عقیدہ کی مزید وضاحت انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس میں اس طرح کی گئی ہے:

> "Man is made in the image of God; therefore he is noble like the rest of the divine works- For this reason all men are equally brothers-Just as they were united in the beginning at the end, so will they be drawn together again at the end of time- They will be brought near to the kingdom of Heaven by the aid of Israel." [5]

ترجمہ: انسان خدا کا عکس ہے، اس لیے وہ مقدسات کی طرح ہے۔ لہٰذا تمام انسان برابری سطح پر بھائی بھائی ہیں، جیسا کہ وہ ابتدا میں ایک تھے اسی طرح وہ برابر آخرت میں

---

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، پیدائش: ۱/۱۳

(۲) سورۃ یٰسین: ۸۲/۳۶

(۳) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، خروج: ۲۰/۱۱، ۳۱/۱۵-۱۷

(۴) ایضاً، ایوب: ۱۹/۲۵-۲۶

(5) Encyclopaedia of Religion and Ethics, V.7, P. 581

لائے جائیں گے۔اسرائیل کی مدد سے وہ جنت کی سلطنت کے قریب لائے جائیں گے۔

احکام عشرہ

احکام عشرہ سے مراد وہ دس احکامات(Ten commandments) ہیں جو حضرت موسیٰؑ کو خداوند عالم کی طرف سے لکھے ہوئے عطا ہوئے۔یہودی زندگی کی بنیاد دس قطعی فرامین پر ہے جن کا ذکر تورات میں ملتا ہے احکام عشرہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔

۲۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔

۳۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا۔

۴۔ تو سبت کا دن یاد کرکے پاک ماننا۔

۵۔ تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا۔

۶۔ تو خون ریزی نہ کرنا۔

۷۔ تو زنا نہ کرنا۔

۸۔ تو چوری نہ کرنا۔

۹۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

۱۰۔تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔[1]

یہ احکامات اسرائیلیوں کے دلوں پر نقش کردئے گئے۔ان احکامات نے یہودیت کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔یہودیوں کو ایک خدا کی عبادت،خاندانی نظام،انصاف،اخلاقیات عالیہ اور انسانی معاشرے کی تنظیم سے منسلک کردیا۔

یہودیوں کے تہوار ور سومات

یہودیوں کے کئی تہوار ہیں جنہیں وہ بڑے اہتمام سے مناتے ہیں۔جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔عید فصح

عید فصح یہودیوں کا اہم تہوار ہے جو کہ سات دن تک منایا جاتا ہے۔اس کے تاریخی پس منظر کے متعلق کئی واقعات ہیں لیکن بنیادی طور پر یہ تہوار یہودیوں کے اہم تہواروں میں سے ایک ہے۔ فصح کا معنی 'چھلانگ مارنے' کے ہیں۔اس تہوار کے منانے کی تاریخ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مصر میں ایک وبا پھیل گئی تھی جس کے تحت چھوٹے بڑے بچے ہلاک ہونے لگے۔ لیکن یہودیوں کے گھر اس سے محفوظ رہے۔اس موقع پر ایک بھیڑ کے بچے کی قربانی دی جاتی ہے اور اس کا بھنا ہوا گوشت تبرک کے

---

[1] کتاب مقدس،عہد نامہ قدیم ،خروج:۲۰/۱-۱۷

طور پر گھر کے تمام افراد کھاتے ہیں اور غیر یہودیوں کو اس قربانی میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اس موقع پر بالغ ہو جانے والے لڑکے اور لڑکیوں کے باقاعدہ یہودی ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ الغرض عید فصح یہودیوں کے شکرانے کا تہوار ہے جو مختلف موقعوں پر شکرانے کے مختلف انداز کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یہودی کیلنڈر کے اعتبار سے یہ تہوار نیسان، اپریل کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ اس تہوار کو کپور بھی کہتے ہیں عبادت کے طور پر اس موقع پر چار روزے رکھے جاتے ہیں۔ [1]

۲۔ جشن نوروز

اس کو ردش حشانہ بھی کہتے ہیں۔ حشانہ کے معنی سال کے شروع ہونے کے ہیں۔ اس دن عبادت کے اختتام پر جو کھانا تناول کیا جاتا ہے وہ سات اشیاء یعنی کھجور، سیب، شلجم، مولی، مچھلی اور بکرے کی سری پر مشتمل ہوتا ہے۔ [2]

۳۔ جشن پیوریم

اس سے مراد وہ تہوار ہے جو یہودی گیارہ فروری کو 'ہامان' کے ہاتھوں سے بچ نکلنے کی خوشی میں مناتے ہیں۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ اشوری بادشاہ اسٹوریس کے وزیر ہامان نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ تمام یہودیوں کو قتل کر کے یہودیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اسی دوران ایک یہودی لڑکی ایتھر کی شادی اسٹوریس سے ہوگئی جب اس خونی ڈرامے کا علم ایتھر کو ہوا تو اس نے جو کہ ملکہ بن چکی تھی بادشاہ کو ایسا نہ کرنے پر رضامند کر لیا جس کے نتیجے میں یہودی اس تباہی سے بچ گئے۔ ہامان نے اپنی ناکامی کی وجہ سے خودکشی کر لی۔ [3]

۴۔ یوم خمیس

یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پچاسواں۔ یہ تہوار عید فصح کے پچاسویں دن منایا جاتا ہے اور اس میں ادا کی جانے والی رسم کی نوعیت دوسری رسوم سے مختلف اور جداگانہ ہوتی ہے۔ اس موقع پر یہودی راہب گندم کی دو خمیری روٹیاں پکواتے ہیں، پھر سات بھیڑیں یا ایک بیل یا دو دنبے ذبح کرتے ہیں جس سے یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کی دعوت کی جاتی ہے۔ [4]

۵۔ یوم ختنہ

کسی یہودی کے گھر میں بچے کی پیدائش ہو تو وہ لوگ آٹھ دن کے بعد اس بچے کے ختنے کروا کر یوم ختنہ مناتے ہیں۔ اور اس دن کو بچے کے بارے میں اللہ سے عہد کا دن قرار دیتے ہیں۔

---

[1] تاریخ مذاہب، رشید احمد، ص: ۲۶۳

[2] بین الاقوامی مذاہب، محمد اکرم رانا، پورب اکادمی اسلام آباد، جنوری ۲۰۰۹ء، ص: ۱۵۱

[3] ایضاً

[4] ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، عبد الرشید، ص: ۲۸۲

۶۔یہودیوں کی نماز

عبادت کا لفظ یہود کے ہاں بہت وسعت رکھتا ہے لیکن بنیادی طور پر تین وقت کی نماز یہودیوں پر فرض ہے جنہیں Morning, Afternoon and Evening Services کہتے ہیں اور یہودیوں کا کہنا ہے کہ تینوں نمازیں ہم تک تین پیغمبروں کی وساطت سے پہنچی ہیں:

1. Abraham introduced the morning prayer
2. Issea introduced the afternoon service
3. Jacoh introduced the evening dedvotions

اس کے علاوہ حضرت موسیٰؑ نے بہت سے موقعوں پر نماز ادا کی مثلاً فرعون سے نجات کے وقت، صحرائے سینا میں پہنچنے کے بعد، ہر تکلیف کے رفع ہونے پر، شکرانے کے طور پر۔ تالمود میں ہر اس عمل کو جو رضائے الٰہی کی خاطر کیا جائے عبادت کا درجہ دیا گیا ہے اور ہر اس فعل کو گناہ قرار دیا گیا ہے جو اللہ یا بندوں کی ناراضگی کا موجب بنے۔[1]

یہودیوں کی عبادت گاہ سیناگاگ (Synagogue) کہلاتی ہے۔ اس عبادت گاہ میں جانے کے کچھ آداب ہوتے ہیں، پہلے سر پر ٹوپی پہن کر جانا ضروری ہوتا تھا، تاہم عصر حاضر میں اس حکم کی پابندی ضروری نہیں سمجھی جاتی۔

۷۔یوم چولوکاہ

اس سے مراد وہ تہوار ہے جو یہودی اپنی اس فتح کی یاد میں مناتے ہیں جس میں ان کے ایک کمانڈر نے شامی افواج پر فتح حاصل کی تھی۔[2]

۸۔رسم قربانی

یہود روزانہ صبح و شام قربانی دینا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے جس کے لئے چوپاؤں میں سے بھیڑ اور بکری، پرندوں میں سے فاختہ اور کبوتر کی قربانی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ گناہ کی تلافی بھی قربانی کے ذریعہ ہی کی جاتی تھی۔[3]

۹۔رسم عقیقہ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عقیقہ کا معنی وہ مخصوص جانور ہوتا ہے جو بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جائے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ عربی میں عقیقہ کا معنی ''نوزائیدہ بچے کے بال'' آتا ہے تاہم مجازی طور پر مذکورہ معنی مراد لینا بھی صحیح ہے۔ عقیقہ کا ثبوت یہودی مذہب سے بھی ملتا ہے اور مدینہ منورہ میں یہودیوں کا عقیقہ کرنا بھی مذکور ہے لیکن ان کے عقیقہ

---

[1] ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، عبدالرشید، ص: ۲۸۳۔۲۸۴

[2] تقابل ادیان، محمد یوسف خان، ص: ۱۸۹

[3] ایضاً

اور ہمارے عقیقہ میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں لڑکے کی پیدائش پر دو اور لڑکی کی پیدائش پر ایک جانور ذبح کیا جاتا ہے جبکہ یہودیوں کے یہاں لڑکے کی پیدائش پر ایک جانور اور لڑکی کی پیدائش پر کچھ بھی ذبح نہ کرنے کا معمول تھا، یہودیوں کے یہاں عقیقہ میں ذبح کئے ہوئے جانور کا خون بچے کے سر پر لگایا جاتا ہے۔ [۱]

۱۰۔یوم سبت

یہودیوں کے نزدیک یوم سبت یعنی ہفتہ کا دن مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ہفتہ وار تہوار ہے جو ہفتہ کے دن ایک جشن کے طور پر منایا جاتا ہے، اس تہوار میں ہر یہودی کی شرکت ضروری ہوتی ہے، اسی لئے ہفتے کے دن یہودی اپنا کاروبار مکمل طور پر بند رکھتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ [۲]

۱۱۔ یوم کفارہ

یہودیوں کے جتنے تہوار اور رسمیں مذکور ہوئیں، ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم، لیکن ایک تہوار ایسا ہے جسے تمام تہواروں میں ایک خصوصی مقام اور تقدس حاصل ہے اور وہ ہے ''یوم کفارہ''۔

یہودی اپنے سال نو کے آغاز میں ایک دس روزہ تہوار مناتے ہیں جس کے اختتام پر اپنے گناہوں کی معافی، سال نو کے لئے خصوصی دعائیں اور صدقہ و خیرات کا عمومی اہتمام کیا جاتا ہے، یوم کفارہ کے موقع پر کھانے پینے کی چیزوں کی طرف توجہ کی بجائے روایتی اعمال کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اسے یہودیوں کے یہاں ''یوم کفارہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ [۳]

یہود قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا لفظ ۴۰ بار آیا ہے ۸ دفعہ یہود اور ۱۸ بار تورات کا ذکر ہے۔ قرآن مجید میں سب سے زیادہ ذکر بنی اسرائیل کا آیا ہے مثلاً بنی اسرائیل کی تاریخ، رویہ، مذہبی عقائد وغیرہ۔ قرآن کریم کے مطابق سب بنی اسرائیل یہودی نہ تھے۔ اس لئے قرآن پاک جب بنی اسرائیل کو مخاطب کرتا ہے تو وہاں بنی اسرائیل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور جہاں مذہب یہود کے پیروکاروں کو مخاطب کرتا ہے تو ان کو ﴿اَلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ [۴] کہتا ہے۔ کیونکہ یہودی مذہب میں بنی اسرائیل کے علاوہ غیر اسرائیلی بھی شامل ہیں۔ لیوس مور کے مطابق ایک یہودی کوئی شخص ہو سکتا ہے، کوئی بھی شخص خود کو یہودی کہلانا پسند

---

[۱] تقابل ادیان، محمد یوسف خان، ص: ۱۹۰

[۲] مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، عبد الرشید، ص: ۴۲۳۔۴۲۴

[۳] تقابل ادیان، محمد یوسف خان، ص: ۱۹۰

[۴] سورۃ البقرۃ: ۶۲/۲

کر سکتا ہے، جدید اسرائیل میں ہمیں یورپی، افریقی، مشرقی ہر نسل کی جسمانی خصوصیات کے حامل لوگ نظر آتے ہیں۔[1]
قرآن انبیاء کا تذکرہ ناموں سے بھی کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ وغیرہ۔ بنی اسرائیل کی تمام دنیا پر فضیلت حاصل ہونے کی بناء پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا بَنِيْ اسْرَائِيْلَ اذْكُرُواْ نِعْمَتِيَ الَّتِيْ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ﴾ [2]

ترجمہ: اے بنی اسرائیل! میری نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور یہ کہ میں نے تمہیں زمانہ والوں پر فضیلت دی۔

یہودی، عیسائی اور مسلمان متفقہ طور پر حضرت ابراہیمؑ کو نبی مانتے ہیں اور ان سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے۔ عیسائیوں کو ان کی عیسائیت کا دعویٰ ہے جب کہ قرآن ان دونوں کے دعوؤں کو باطل قرار دے کر کہتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [3]

ترجمہ: اور انہوں نے کہا تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پالو گے، کہہ دیجئے بلکہ صرف ملت ابراہیمی پر چل کر ہی ہدایت مل سکتی ہے۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

ایک اور مقام پر اس طرح ارشاد ہوا:

﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَه مِنَ اللّٰهِ ومااللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ [4]

ترجمہ: کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب یہودی تھے یا نصرانی۔ کہہ دیجئے کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور کون ہے بڑا ظالم اس سے

---

[1] مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، ص: ۹۲

[2] سورۃ البقرۃ: ۱۲۲/۲

[3] سورۃ البقرہ: ۱۳۵/۲

[4] سورۃ البقرۃ: ۱۴۰/۲

جس نے وہ گواہی چھپائی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس تھی، اور اللہ بے خبر نہیں اس سے جو تم کرتے ہو۔

یعنی یہ انبیاء کرام صرف اسلام کے داعی تھے یہودیت اور نصرانیت سے ان کا کوئی سروکار نہ تھا یہود خود کو خدا کے چہیتے قرار دیتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ اگر ان میں کوئی گناہ گار ہے بھی تو آخرت میں ان کو بس معمولی سا عذاب دینے کے بعد خدا جنت میں داخل کر دے گا۔ قرآن پاک اس دعویٰ کے جواب میں کہتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَه اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِه خَطِيئَتُه فَاُولٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِهُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولٰئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾[۱]

ترجمہ: اور یہود کہتے ہیں ہم کو چند دن سے زیادہ آگ چھو نہیں سکتی۔ تم کہو اے نبی کہ اللہ سے تم نے کوئی اقرار دے رکھا ہے۔ اللہ تو فی الواقع اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا یا تم خود ہی اللہ پر وہ باتیں جوڑ کر کہہ دیتے ہو جس کا تمہیں مطلق علم نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص بھی گناہ کرے گا اور ابدی کے چکر میں گرا رہے گا تو ایسے لوگ آگ میں جائیں گے۔ آگ سے بچ کر جنت میں وہی لوگ جا سکیں گے جو ایمان لائے ہوں گے اور جنہوں نے نیک عمل کیا ہو گا۔

قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ یہود بڑے نافرمان ہیں، احکام الٰہی میں رد و بدل اور انہیں پس پشت ڈالنے میں انہوں نے کبھی شرم محسوس نہیں کی۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی آزمائش کی گئی اس میں یہ کبھی پورے نہیں اترے یہود کی خاص آزمائش یوم سبت پر کی گئی یعنی ہفتے کا دن۔ ہفتہ کے دن انہیں ہر قسم کا کام کاج کرنے کی ممانعت تھی۔ یہود کے لئے پورے دن کاروبار بند کرنے اور عبادت کا حکم تھا۔ قرآن میں یہود کے دریا کے کنارے ایک بستی کا ذکر ہے جس نے یوم سبت کی حرمت کو توڑا، تب ان سے کہا گیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ اور اللہ نے ان کو نشانِ عبرت بنا دیا۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾[۲]

---

[۱] سورۃ البقرۃ: ۲/۸۰-۸۲

[۲] سورۃ البقرہ: ۲/۶۵-۶۶

ترجمہ: اور البتہ تم نے (ان لوگوں کو) جان لیا جنہوں نے تم سے ہفتہ کے دن میں زیادتی کی تب ہم نے ان سے کہا تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔ پھر ہم نے اسے سامنے والوں کے لئے اور پیچھے آنے والوں کے لئے عبرت بنایا، اور نصیحت پرہیزگاروں کے لئے۔

یہودیوں نے نہ صرف انبیاء کرام پر انتہائی بے ہودہ الزامات لگائے بلکہ ان میں سے بعض انبیاء و صالحین کو بے دردی سے قتل بھی کیا جس کی وجہ سے عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی، اور وہ لوٹے اللہ کی غضب کے ساتھ، یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے تھے، یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھتے تھے۔

انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کی سازش بھی کی اور اپنی دانست میں انہیں پھانسی چڑھادیا۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی انہوں نے کئی بار آپ ﷺ کو قتل کرنے کی ناکام کوششیں کیں جس میں کعب بن اشرف اور بنی نضیر کا کردار خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

قرآن کے مطابق یہود انتہائی متعصب واقع ہوئے ہیں نسلی تفاخر میں اس قدر مبتلا ہیں کہ آپ کو تورات کی صریح نشانیوں کے پہچاننے کے باوجود صرف نسلی تفاخر کی وجہ سے وہ آپ پر ایمان نہیں لائے کیونکہ وہ کتاب اور نبوت صرف بنی اسرائیل میں دیکھنا چاہتے تھے۔ حالانکہ وہ آپ کی آمد سے قبل آپ کے منتظر تھے۔ پورے حجاز میں ان کی ہی آواز پر عوام میں حضور ﷺ کی آمد کا چرچا تھا ان کی ہی بتائی ہوئی علامتوں کی وجہ سے انصار مدینہ نے ایمان لانے میں پہل کی اور یہود اپنی نسلی تعصب کی وجہ سے پھر آنے والے نبی کی میلاد پڑھنے لگے قرآن میں ان کی حالت یوں بیان کی گئی ہے:

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ﴾[2]

---

[1] سورۃ البقرہ: ۶۱/۲

[2] سورۃ البقرہ: ۸۹/۲

ترجمہ: اور جب ان کے پاس اللہ کی کتاب آئی، اس کی تصدیق کرنے والی، جو ان کے پاس ہے، اور وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگتے تھے، سو جب ان کے پاس وہ آیا جو وہ پہچانتے تھے وہ اس کے منکر ہوگئے، سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

یہود کی کتب کا تعارف

یہود کا مقدس دینی ادب بنیادی طور پر دو کتابوں پر مشتمل ہے:

۱۔عہد نامہ قدیم (The old Testament)

۲۔تالمود (Talmud)

موجودہ کتاب مقدس (بائیبل) کے دو بڑے حصے ہیں:

۱۔عہد نامہ قدیم یا عہد عتیق (Old Testament)

۲۔عہد نامہ جدید (New Testament)

عہد نامہ قدیم یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک مقدس اور الہامی کتاب ہے جبکہ عہد نامہ جدید انجیل عیسائیوں کی مقدس کتاب ہے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی (۱۸۱۸۔۱۸۹۱ء) لکھتے ہیں:

''يَنْقسِمُ هٰذَا الْكِتٰبُ إِلىٰ قِسْمَيْنِ: قِسْمٌ مِنْهَا يَدْعُونَ أَنَّه وَصَل إِلَيهم بوَاسطَة الأَنْبياءِالَّذِينَ كَانُوْا قَبْلَ عيسىٰ عليه السلام، و قِسْمٌ مِنها يَدعُونَ عنها كتبٌ بِالإلهامِ بَعدَ عيسىٰ عليه السلام، فَمَجْمُوعُ الكُتُبِ مِنَ الْقِسْمِ الأُولىٰ سيمٰى بالعهدِ العَتيقِ والقسمُ الثانى بالعهدِ الجَدِيدِ، و مجموع العهدينِ يُسمّٰى بائيبل و هٰذَا يُونانى بمعنىٰ الْكِتَابِ''[۱]

ترجمہ: عیسائی حضرات ان کتابوں کی دو قسمیں کرتے ہیں: ایک وہ کتابیں جن کی نسبت ان کا دعویٰ ہے کہ یہ پیغمبروں کے واسطہ سے ہمارے پاس پہنچی ہیں جو عیسیٰؑ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ دوسری وہ کتابیں جن کی نسبت وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ کے بعد الہام کے ذریعہ لکھی گئی ہیں۔ پہلی قسم کے کتابوں کے مجموعے کو عہد عتیق اور دوسری قسم کے مجموعے کو عہد جدید کہتے ہیں اور دونوں عہدوں کے مجموعے کا نام بائیبل رکھتے ہیں۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں۔

---

(۱) اظہار الحق، رحمت اللہ کیرانوی، المکتبہ العصریہ بیروت، ص: ۳۰۵/۱

عہد نامہ عتیق کے دو نسخے ہیں ایک عبرانی زبان میں مسودہ یعنی روایتی نسخہ کہلاتا ہے۔ جب کہ دوسرا یونانی جسے سبعینیہ (سیٹپوایجنٹ) کہتے ہیں۔ یہود روایتی نسخہ کو مستند جبکہ عیسائی یونانی نسخہ مانتا ہیں۔ (۱)

محمد شعیب کے مطابق عہد نامہ عتیق میں ۳۸ کتب شامل ہیں۔ (۲) جبکہ چودھری غلام رسول چیمہ کے بقول اس میں ۳۹ کتب شامل ہیں۔ (۳) لیکن ان دونوں کے نزدیک پانچ ابتدائی کتب کا نام توراۃ ہے۔

عہد نامہ قدیم

عہد نامہ قدیم کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ تورات (اسفار خمسہ، اسفار موسیٰ، خمسہ موسوی، صحائف موسیٰ)

۲۔ انبیاء کی کتب (نبییم)

۳۔ متفرق کتب (کتبیم)

عہد نامہ قدیم نہ صرف قانون اور شریعت کی کتاب ہے بلکہ اس میں اعلیٰ درجے کی شاعری، تاریخ اور فلسفے کے نمونے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

۱۔ تورات

توراۃ عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کی اصل ''تورا'' ہے جس کے معنی قانون، شریعت اور تعلیم کے آتے ہیں۔ (۴)

المفردات فی غریب القرآن میں مذکور ہے:

''أَلتَوْراة، أَلتّاءُ فيه مَقْلُوبٌ، أَصْلُه مِنَ الوَرَى وَ بَنَاؤُهَا عِنْدَ الْكُوفيينَ وَوْرأة تَفْعَلة وقَالَ بَعضُهم هِيَ تَفعَل وعِندَ البصريين وَوْرَىَ هىَ فَوْعَلَ نحوحَوْقَلَ'' (۵)

ترجمہ: التوراۃ اس میں 'تاء' مقلوبہ ہے۔ یہ وَرَیٰ سے مشتق ہے اور تاء واؤ سے مبدل ہے علمائے کوفہ کے نزدیک یہ وَوْرَاۃ بروزن تَفْعَلَۃ ہے اور بعض کے نزدیک تَفْعَلُ کے وزن پر ہے۔ علماء بصرہ کے نزدیک یہ وَوْرَی بروزن فَوْعَلَ ہے جیسے حَوْقَل۔

---

(۱) مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، غلام رسول چیمہ، ص: ۳۸۴

(۲) اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کا تقابلی جائزہ، ص: ۵۰

(۳) مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ،، غلام رسول چیمہ، ص: ۳۸۴

(۴) دائرۃ معارف القرآن، محمد فرید وجدی، المکتبۃ الجدید بیروت، ۷۰۲/۲

(۵) المفردات فی غریب القرآن، ص: ۸۴-۸۵ ؛دائرۃ المعارف، پطرس البستانی، دار المعرفۃ بیروت لبنان، ۲۶۴/۶

یہودی روایت کے مطابق صحائف خمسہ اور تمام یہودی تعلیمات دونوں مراد لئے جاتے ہیں یہ لفظ جس مادے سے ماخوذ ہے۔اس کے سادہ ترین مشتق کا مفہوم ہے پھینکنا،ڈالنا۔اس کا ایک مطلب راستہ دکھانا،ہدایت کرنا یا تعلیم دینا بھی ہے عہد نامہ قدیم میں سبھی جگہ لفظ تورات مؤخرالذکر معانی میں استعمال ہوا ہے۔(۱)

تاہم تورات عہد نامہ قدیم کی وہ پانچ کتابیں ہیں جو حضرت موسیٰؑ سے منسوب ہیں اور ان کی مرتب کردہ سمجھی جاتی ہیں ان میں وہ حصہ بھی شامل ہے جو احکام عشرہ پر مشتمل ہے یہود کے نزدیک یہ خدا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی الواح کی صورت میں حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر دیا گیا تھا۔(۲)

مولانا مودودی (۱۹۰۳۔۱۹۷۹ء) نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ تورات سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰؑ کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس سال کے دوران میں ان پر نازل ہوئے۔ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے انہیں دیئے تھے۔باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰؑ نے لکھوا کر اس کی بارہ نقلیں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو دی تھیں اور ایک نقل بنی لاوی کے سپرد کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں اسی کتاب کا نام تورات تھا۔(۳)

تورات نہ تو کل بائیبل ہی ہے اور نہ کل عہد قدیم کیونکہ جیسا اوپر کی تقسیم سے واضح ہو گیا ہوگا کہ تورات کے علاوہ اور بھی صحائف ہیں جو یہودیوں کی کتاب مقدس کے لازمی اجزاء ہیں ان تمام صحائف میں تورات کو خاص اہمیت اور تقدس حاصل ہے۔سرسری طور پر تورات سے مراد کل عہد نامہ قدیم ہوتا ہے اس لیے کہ عہد نامہ قدیم میں اولیت،اہمیت اور حجم کے اعتبار سے تورات کو بہت بڑا رتبہ حاصل ہے۔(۴) عربی میں سِفر سے مراد صحیفہ یا کتاب کے ہیں اور اسفار سِفر کی جمع ہے۔(۵)

تورات پانچ کتابوں یعنی (کتاب پیدائش،کتاب خروج،کتاب احبار،کتاب گنتی،کتاب استثناء) پر مشتمل ہیں جنہیں Five books یا Law of Moses کہتے ہیں۔جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔پیدائش (Genesis)

سفر التکوین، سفر الخلیقہ، (Genesis) خمسہ موسوی یا اسفار مقدسہ میں پہلا سفر ہے جسے پیدائش کہتے ہیں۔یہ آٹھویں صدی قبل مسیح میں تحریری شکل میں آئی اس کے ۵۰ ابواب ہیں۔اس میں تخلیق کائنات، تخلیق آدم اور انبیاء کے حالات کے

---

(1) The New Encyclopedia Britanica, V.22, P.87

(۲) بعثت نبوی پر مذاہب عالم کی گواہی، شریں زادہ خدوخیل، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، فروری ۲۰۰۶ء، ص:۹۱

(۳) سیرت سرور عالم، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۹۶ء، ۶۲۸/۱

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۷۰۳/۶

(۵) کتاب الہدیٰ/کشاف الہدیٰ، یعقوب حسن، شمع ادب اردو بازار کراچی، فروری ۲۰۰۰ء، ص:۷۹

ضمن میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کا قصہ اور ان کی مصر میں وفات کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔[1]

۲۔ کتاب خروج (سِفرالخروج/ Exodus)

خروج جس کے معنی باہر نکلنے کے ہیں اس سے مراد اجتماعی خروج ہے اس میں حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے لے کر ان کی دعوتِ اسلام، فرعون کے غرق اور کوہ سینا پر اللہ سے ہم کلامی کے واقعات اور احکام عشرہ مذکور ہیں اس کے ۴۰ ابواب ہیں۔[2]

۳۔ کتاب احبار (سِفراللاویین/Leviticus)

اس کتاب کو سِفر الاویون بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں ۲۷ ابواب ہیں جن میں موسوی شریعت کے احکام درج ہیں، یعنی اس میں مذہبی احکامات، شرعی قوانین، معاشرتی مسائل، قربانی کی شرائط حلال و حرام اور حضرت ہارونؑ کا بیان ہے۔[3]

۴۔ کتاب گنتی (کتاب اعداد/ Number)

اسے سِفر العدد بھی کہتے ہیں۔ اس میں کل ۳۶ باب ہیں اس میں بنی اسرائیل کے خاندان کے شجرہ ہائے نسب بیان کئے گئے ہیں تاریخ اور حالات کا بھی تذکرہ ہے لیکن بنی اسرائیل کے اعداد و شمار اور شجرے اس کتاب کا موضوع ہے اس کتاب میں مصر سے خروج اور بنی اسرائیل کی مختلف شاخوں کی تقسیم اور چالیس سال تک صحرائے سینا میں بھٹکنا اور ہر قبیلے کے افراد کی مردم شماری (تعداد) بیان کی گئی ہے۔[4]

۵۔ کتاب استثناء (Deuteronomy)

اس کا مفہوم ہے کہ کسی چیز کو دہرانا یا اس کا اعادہ کرنا یعنی اہم چیزوں کا دوبارہ دہرایا جانا۔ بنی اسرائیل کی اہم چیزوں کو دہرایا گیا ہے۔ اس میں حضرت موسیٰؑ کے وعظ، پند و نصائح، خطبات موسیٰؑ ہیں۔ نیز حضرت موسیٰؑ کی وفات تک کے حالات و واقعات اور احکام پر مشتمل ہے اس کے کل ۳۴ باب ہیں۔[5]

۲۔ انبیاء کی کتب یا صحائف انبیاء (نبیم)

یہ انبیاء کی تاریخ اور ابتدائی تاریخی کتابوں پر مشتمل ہیں اس میں بائیس ۲۲ کتابیں شامل ہیں:

---

(۱) یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص: ۹۲

(۲) بائبل سے قرآن تک، رحمت اللہ کیرانوی، (مترجم: اکبر علی)، مکتبہ دارالعلوم کراچی، جولائی ۲۰۱۰ء، ۳۰۶/۱

(۳) بین الاقوامی مذاہب، ص: ۱۴۴

(۴) یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص: ۱۴۴

(۵) بائبل سے قرآن تک، ص: ۳۰۶/۱

انبیائے متقدمین (Former Prophets)

۱۔یشوع (Joshua) ۲۔قضاۃ (Judges)

۳۔سموئیل اوّل(Samuel I) ۴۔سموئیل دوم (Samuel II)

۵۔سلاطین اوّل(King I) ۶۔سلاطین دوم (King II)

انبیائے متاخرین (Last Prophet)

۱۔یسعیاہ (Isaiah) ۲۔یرمیاہ(Jermiah) ۳۔حزقی ایل (Ezekiel)

انبیائے صغیر(Minor Prophets)

۱۔یوایل (Jole) ۲۔ہوسیع(Hosea) ۳۔عاموس (Amos)

۴۔عبدیاہ (Obadiah) ۵۔یوناہ (Jonah) ۶۔میکاہ (Micah)

۷۔ناحوم(Nahum) ۸۔حبقوق(Habakkuk)

۹۔ حجیؔ (Haggai) ۱۰۔صفنیاہ (Zephaniah)

۱۱۔زکریا (Zechariah) ۱۲۔ملاکی (Malachi)[۱]

۳۔متفرق کتب(کتبیم/Ketuvim): اس کے تین حصے کئے جاتے ہیں:

عظیم کتب (مقدس صحائف)

۱۔ زبور[۲] مزامیر (Psalms)

۲۔امثال (Proverbs)

۳۔ایوب (Job)

تاہم تورات اور زبور دو الگ الگ کتابیں ہیں جن میں سے اول الذکر کا نزول حضرت موسیٰؑ پر ہوا اور آخر الذکر حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی۔ یہودی ان دونوں کو مانتے ہیں اور انہیں آپس میں خلط ملط نہیں کرتے یہ الگ بات ہے کہ اب زبور کو بھی عہد نامہ عتیق کا حصہ بنا دیا گیا ہے لیکن کتاب ہونے کی حیثیت وہ اب بھی رکھتے ہیں۔

---

(۱) قاموس الکتاب، ایف ایس خیر اللہ، مسیحی کتب خانہ فیروز پور روڈ لاہور، ص: ۲۲

(۲) زبور جمع زُبُرْ لکھنا، زبور بمعنی مَزْبُور یعنی لکھی ہوئی چیز، اس سے مراد وہ دینی ترانے اور حمدیں ہیں جنہیں یہودی تہواروں کے مواقع پر موسیقی کے آلات کے ساتھ گاتے ہیں۔ یہ کل ۵۰ ترانے ہیں۔ زبور کا لفظ اس آسمانی کتاب کے لئے مخصوص ہو چکا ہے جو حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی تھی۔

مجلات خمسہ (Megilloth)

۱۔روت(Ruth)۲۔نوحہ (Lqmentation)۳۔غزل الغزلات(Song of songs) ۴۔واعظ (Ecclesastes of koheith) ۵۔آستر (Esther)

بقیہ صحائف

۱۔دانیال ۲۔نحمیاہ ۳۔عزرا ۴۔ تواریخ اول ۵۔تواریخ دوم[1]

وہ کتابیں جن کی صحت میں اختلاف ہے یہ کل ۹ کتابیں ہیں:

۱ کتاب آستر ۲ کتاب باروخ

۳ کتاب دانیال کا ایک جزو ۴ کتاب طوبیا

۵ کتاب یہودیت ۶ کتاب دانش

۷ کلیسائی پندونصائح ۸ کتاب المقابین الاول ۹ کتاب المقابین الثانی۔[2]

تورات کی تدوین وتالیف

تورات کے مطابق اس کے بعض احکام وحی کے ذریعہ موسیٰؑ کو دیئے گئے اور بعض احکام کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر موسیٰؑ کو عطا فرمایا۔ پھر موسیٰؑ نے شفوی وحی کو اپنے ہاتھوں سے لکھ کر عہد کے صندوق میں رکھ دیا تاکہ یہ اوراق والواح ضائع نہ ہوں۔[3]

اسی طرح ایک اور جگہ آیا ہے کہ موسیٰؑ کے انتقال کے بعد آپ کے خلیفہ یوشع بن نون نے اس کا ایک نسخہ پتھروں کی تختیوں پر تیار کیا۔ یہاں تک توریت کی تاریخ متصل ہے۔ موجودہ عہد نامہ قدیم کی تدوین وتالیف کے حوالے سے کوئی بھی تاریخ متفقہ طور پر نہیں بتائی جاسکتی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو کئی مرتبہ غیر حکمرانوں کے عتاب کا شکار ہونا پڑا ہے جس میں ان حکمرانوں نے ہیکل سلیمانی اور کتب مقدسہ کو جلا دیا۔ یہودی کتب مقدسہ کسی بھی گذشتہ دور میں زیادہ عرصے تک کتابی صورت میں قائم نہیں رہ سکی بلکہ ان کے مذہبی ادب کا سرمایہ علماء کے حافظوں سے نسلوں تک منتقل ہوتا رہا ہے۔

---

[1] آسمانی صحیفے اور قرآن کریم، مشتاق احمد قریشی، نئے افق پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۱۴ء، ص:۶۸

[2] بائیبل سے قرآن تک، ۳۱۴/۱

[3] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، خروج: ۲۴/۳-۸

عہد نامہ قدیم کی تاریخی حیثیت

تورات اپنی اصلی صورت میں آج موجود نہیں ہے اور اس کا جواب خود تاریخ دیتی ہے کہ تورات کبھی بھی محفوظ نہ رہ سکی اور سات مرتبہ یہ دنیا سے بالکل ناپید ہوگئی اور کئی بار لکھی گئی جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ ۹۷۱ قبل مسیح میں رحبعام شاہ یہود کی سلطنت کے پانچویں سال سیسق شاہ مصر نے جب یروشلم پر چڑھائی کی اور ہیکل اور بادشاہ کے گھر کو لوٹ لیا۔اس وقت توریت ضائع ہوئی اور تین سو برس بعد توریت ناپید رہی کیونکہ جو بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے وہ یہ ہے کہ صرف ہیکل میں ہی ایک نسخہ توریت کا رہتا تھا، اور تمام بنی اسرائیل وہیں آکر سن لیا کرتے تھے اور وہ بھی ہر سال نہیں بلکہ سات سال کے بعد توریت سب کو سنائی جاتی تھی۔

۲۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں بخت نصر (۶۳۴۔۵۲۶ق۔م) جو بابل کا بادشاہ تھا اس نے سلطنت یہود پر حملہ کیا۔اس نے ہیکل کو جلا کر پیوند خاک کر دیا وہ بے شمار یہودیوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ڈاکٹر حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) کے بقول چونکہ اس کا دین یہودیوں کے دین سے مختلف تھا اس لئے اس نے صرف ملک فتح کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان دشمنوں کے ذہن کو بھی دنیا سے نیست و نابود کرنے کے لئے توریت کے تمام قلمی نسخوں کو جمع کر کے آگ لگا دی۔[۱]

اگرچہ اس نسخے کو عزرا (قرآنی نام عزیر) نے دوبارہ لکھا اگرچہ مسیحی علماء کا اس بات پر اختلاف ہے روایت ہے عزرا نے ان تمام کتابوں کو اکٹھا کیا جو اس زمانہ میں مقدس مانی جاتی تھیں انہیں ترتیب دے کر ایک مخطوطہ تحریر کیا بعض کا خیال ہے کہ عزرا نے اپنے حافظہ کی بدولت انہیں تحریر کیا۔

۳۔ ۱۷۰ قبل مسیح انطاکیہ کے یونانی بادشاہ انٹیونیس نے یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے یروشلم پر بار بار حملے کئے ہیکل کی بے حرمتی کی اور مقدس صحیفوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلایا یہودیوں کو بت پرستی پر مجبور کیا، جس نے بت پرستی کی رسوم سیکھنے سے انکار کیا تو اسے بڑی اذیت سے قتل کیا۔ جن لوگوں نے بادشاہ کے اعلان کو نہ مانا ان میں سے جتنے گرفتار ہوئے قتل کئے گئے چالیس ہزار یہودی قتل ہوئے اور اتنے ہی غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔[۲]

مشہور محقق مولانا رحمت کیرانوی "سفر المکابین" سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ہر اس شخص کو قتل کر رہا تھا جس کے پاس عہد نامہ قدیم کا کوئی نسخہ ہوتا یا جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جاتا کہ وہ شریعت کے کسی فریضہ کو انجام دے رہا ہے اور پھر اس نسخہ کو ضائع کر دیتا۔[۳]

---

[۱] خطبات بہاولپور، ڈاکٹر حمید اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ص: ۴۷

[۲] ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، عبد الرشید، ص: ۲۷۴

[۳] بائبل سے قرآن تک، ۱/۳۲۶

۴۔ ۷۰ء میں شہزادہ روم طیطس (Titus:39-81) نے یروشلم پر حملہ کیا اور گیارہ لاکھ یہودیوں کو تہ تیغ کیا اور ہیکل کو آگ لگادی۔ اس قیامت خیز تباہی کی وجہ سے ایک بار پھر توراۃ آگ کی نذر ہو گئی۔ [۱]

۵۔ طیطس کے حملے کے بعد تقریباً ۶۵ سال بعد قیصر بڈرین کے عہد میں یہودیوں کو جمع کر کے رومیوں کے ساتھ مقابلہ کیا مگر شکست کھائی جس کے نتیجے میں بیت المقدس کو پیوند خاک کر دیا گیا۔ پانچ لاکھ یہودی قتل ہوئے بقیہ شہر سے نکالے گئے اس طرح پانچویں مرتبہ تورات نذر خاک ہوئی۔

۶۔ ۴۰۰ء کے قریب جبکہ رومیوں پر شمال کی طرف سے حملہ آور وحشی قوموں نے غلبہ حاصل کر لیا تو موسویت کو تباہ و برباد کر دیا چونکہ یہ اقوام بت پرست تھیں اس وجہ سے جہاں جہاں ان کا غلبہ ہوتا گیا وہاں مکتوبات، صحیفے، مدرسے، عبادت گاہیں، کتب خانے نذر آتش ہوتے گئے۔

۷۔ ۶۱۳ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم پر چڑھائی کے بعد اسے فتح کر کے نوے ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ یروشلم کو تباہ کر دیا اور تمام مذہبی اثاثہ جلا کر راکھ کر ڈالا اس طرح توریت کی ساتویں مرتبہ تباہی ہوئی۔ [۲]

الغرض یہود کے قتل، ان کی عبادت گاہوں کی تباہی اور مقدس صحیفوں کے جلائے جانے کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ عہد نامہ قدیم محفوظ نہ رہ سکا۔ ان پے درپے تباہیوں سے نسخوں کا تواتر ختم ہو گیا اور ہر فرقے نے اپنے مفاد اور نظریات کے مطابق توریت میں کمی بیشی کی، نیز ان کی زبان بھی بدلتی رہی کبھی عبرانی، کبھی رومی اور کبھی یونانی۔ یہ اس کتاب کی تباہیاں تو وہ ہیں جو اغیار کے ہاتھ سے ہوئیں مگر خود یہودیوں نے بھی اپنی کتابوں کو برباد اور تحریف کرنے میں کمی نہیں کی۔

تورات میں تحریف

موجودہ تورات کے متعلق یہود کا عقیدہ ہے کہ یہی وہ تورات ہے جو انسانیت کی ہدایت کے لئے حضرت موسیٰؑ پر نازل کی گئی۔ محققین کے نزدیک یہ تورات تحریف شدہ ہے، تحریف کے معنی بات یا کلام کو بدل دینے کے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَه مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ [۳]

ترجمہ: اور حال یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ اللہ کے کلام کو سنتا ہے اور اس کو سمجھ چکنے کے بعد اس کی تحریف کرتا رہا ہے۔

---

[۱] کتب سماوی پر ایک نظر، ذوقی شاہ، اقبال اکیڈیمی لاہور، ص: ۱۳-۱۴

[۲] دنیا پر کون سا دین غالب آئے گا؟، اختر احمد، گولڈن بکس پشاور روڈ راولپنڈی، دسمبر ۲۰۰۷ء، ص: ۱۰۰

[۳] سورۃ البقرۃ: ۷۵/۲

موجودہ تورات وانجیل وہ کتب مقدسہ نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر نازل کیا تھا۔ انیس سو سال سے عیسائی علماء نے پوری جدوجہد کے باوجود اس کو ثابت نہیں کیا کہ عزرا یا کسی دوسرے بزرگ نے تورات کو الہام سے لکھا ہے تورات کو اول تا آخر مطالعہ کیجئے اس میں الہام اور کتاب الٰہی ہونے کا دعویٰ کہیں دکھائی نہ دے گا۔ (۱)

۲۸۰ قبل مسیح میں تورات کی تمام کتابیں یونانی زبان میں منتقل کر دی گئیں اور رفتہ رفتہ اصل عبرانی نسخہ متروک ہو کر یونانی ترجمہ رائج ہو گیا۔ موجودہ تورات کی سند کسی طرح حضرت موسیٰؑ تک نہیں پہنچتی۔ قرآن کی رو سے تورات کا دین وہی تھا جو خود قرآن کا دین ہے، اور موسیٰؑ اسی طرح اسلام کے پیغمبر تھے جس طرح محمدؐ ہیں۔ بنی اسرائیل نے اصل دین میں اپنی خواہشات کے مطابق بہت کچھ کمی بیشی کر کے ایک نیا مذہبی نظام ''یہودیت'' کے نام سے بنا لیا یعنی موجودہ تورات حضرت موسیٰؑ کے لائے ہوئے اسلام کی نہیں بلکہ اس دین اسلام کی مسخ شدہ صورت ''یہودیت'' کی آئینہ دار ہے۔ (۲)

لہٰذا تورات ان منتشر اجزاء ہی کا نام ہے جو سیرت موسیٰؑ کے اندر بکھرے ہوئے ہیں ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ ''خدا نے موسیٰؑ سے یہ فرمایا، یا موسیٰؑ نے کہا خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے'' وہاں سے تورات کا ایک جزو شروع ہوتا ہے اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہوتی ہے وہاں وہ جزو ختم ہو جاتا ہے بیچ میں جہاں کہیں کچھ بائیبل کے مصنف نے تفسیر و تشریح کے طور پر بڑھا دیا وہاں عام قاری کے لئے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا کہ اصل تورات کا حصہ ہے یا شرح و تفسیر۔ یہی تحریف شدہ تورات یہودیت کا ماخذ بنی۔ (۳)

بقول ڈاکٹر احسان الحق رانا تورات اسفار خمسہ یعنی پانچ کتابوں کا مجموعہ ہونے کے بجائے واحد کتاب ہے جو بائیبل کے اندر استثناء یا تثنیہ شرح کی کتاب کی صورت میں موجود ہے اس کے اندر حضرت موسیٰؑ کی زبانی لکھا گیا بیشتر کلام الہامی یعنی اصل تورات ہے، باقی کلام مثلاً حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد حالات تورات کا حصہ نہیں اور یہ محرف کلام ہے۔ (۴)

پروفیسر فرانس جانسن بائیبل میں تحریف و تخلیط کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بائیبل خدا کی تعریف نہیں کرتی، نہ ہی اس کی موجودگی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ہزاروں برس پہلے بائیبل ذیلی لٹریچر کی حیثیت سے شروع ہوئی، وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں نے کتاب کے کئی حصے لکھے۔ (۵)

---

(۱) بائیبل اور قرآن، سید محمد امین الحق، جامع مسجد قلعہ شیخوپورہ، ۱۹۳۷ء، ۳/۱

(۲) سیرت سرور عالم، ۶۲۹/۱

(۳) ایضاً، ۳۶۰/۱

(۴) یہودیت و مسیحیت، احسان الحق رانا، مسلم اکادمی علامہ اقبال روڈ لاہور، نومبر ۱۹۸۱ء، ص: ۶۲

(5) The World Book Encyclopedia, Prof. Fransis Johnson,1979,New York, V:2, P: 219

موجودہ تورات حضرت موسیٰؑ کی نہیں بلکہ جعلی ہے اس سلسلے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی لکھتے ہیں کہ جو شخص بھی کتاب حزقیال کے باب ۴۶،۴۵ کا مقابلہ کتاب گنتی کے باب ۲۸ اور ۲۹ کے ساتھ کرے گا تو دونوں کو احکام میں ایک دوسرے کے مخالف پائے گا یہ بات چھوٹی سی ہے کہ حزقیال تورات کے تابع تھے اب اگر حزقیال کے زمانے میں یہی تورات تھی تو وہ اس کے احکام میں مخالفت کیوں کر سکتے ہیں۔[1]

اس کے علاوہ تحریف پر بے شمار دلائل موجود ہیں کتب مقدسہ کی تحریف پر کافی مواد موجود ہے جو اناجیل کی تضادات پر یقین کرنے کے لئے کافی ہے۔

عہد نامہ قدیم قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم میں عہد نامہ قدیم کا نہیں بلکہ تورات کا تذکرہ ۱۸ بار آیا ہے اور اسے فیصلے اور روشنی کی چیز، امام اور رحمت اور بنی اسرائیل کے لئے ہدایت اور نصیحت کی کتاب کے نام سے یاد کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾[2]

ترجمہ: ہم نے تورات نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴾[3]

ترجمہ: اور (آپ سے قبل) ہم حضرت موسیٰ کو ہدایت نامہ (یعنی تورات) دے چکے ہیں اور (پھر) ہم نے کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی کہ وہ ہدایت اور نصیحت (کی کتاب) تھی اہل عقل (سلیم) کے لئے۔

سورہ جمعہ میں یہود کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے تورات کو اپنانے میں حق ادا نہیں کیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾[4]

ترجمہ: جس آدمی نے تورات کو اٹھایا پھر اس پر عمل نہیں کیا اس کی مثال اس گدھے کی

---

[1] بائبل سے قرآن تک، ۳۲۸/۱

[2] سورۃ المائدۃ: ۴۴/۵

[3] سورۃ الغافر: ۵۳/۴۰-۵۴

[4] سورۃ الجمعہ: ۵/۶۲

سی ہے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔

گویااس آیت کریمہ میں قرآن کریم یہ گواہی دے رہا ہے کہ یہود کو جو اصل تورات دی گئی تھی یہ لوگ اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے اور انہوں نے اصل تعلیمات کو بھلا دیا۔

تالمود (Talmud)

تالمود یا تلمود عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کے لفظی معنی سکھانا، تعلیم دینا اور تعلیم پانا کے ہیں اس سے عربی لفظ تلمذ بنا ہے۔ جس کے معنی شاگردی یا سبق حاصل کرنے کے ہیں۔ توریت کے زبانی قوانین کا مجموعہ ہے۔ تالمود کو بھی یہود کے ہاں بہت اہمیت دی جاتی ہے تالمود ان روایات کا مجموعہ ہے جو یہود کے ہاں انبیاء اور اکابر سے سینہ بہ سینہ علماء کاتبوں، احبار اور پھر ربیوں تک پہنچا۔[1] تالمود دو ہیں: ۱۔ فلسطینی تالمود ۲۔ بابلی تالمود

فلسطینی تالمود جو ۴۰۰ء میں مکمل ہوئی اور وہ دوسری بابلی تالمود جو ۵۰۰ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ بابلی تالمود فلسطینی تالمود سے حجم میں تین گنا بڑی ہے ان میں دین، قانون اور اخلاق پر مواد نسبتاً بہت مفصل ہے۔[2]

تالمود کے حصے

تالمود کے دو حصے ہیں: ۱۔ مثناء ۲۔ گمارا

۱۔ مثناء

اس کی بنیاد جسے متن کہتے ہیں مثناء کہلاتی ہے۔ مثنا کے معنی علم و آگہی یا بار بار دہرائی ہوئی شریعت کے مثناء کے سات ابواب ہیں: زراعت، تہوار، عورت، معاوضہ، وقف، زراعیم، موعدد، ناشیم، نزیقین، کوداشیم، قربانی، طہارت کے مسائل پر مشتمل ہے اس میں ۳۶ صحیفے ہیں اور یہ ۴۲۵ ابواب ہیں۔ ۲۰۰ء میں مدون ہوئی بعد ازاں اس کتاب پر عمل کرنے کا اصرار کیا گیا اور یہودی علماء نے فیصلہ کیا جو اس پر عمل نہیں کرے گا وہ یہودا کے غصہ کا سزاوار ہوگا۔[3]

۲۔ گمارا

مثناء کے تفسیری مواد کا نام گمارا (تکملہ) ہے جس کا معنی ہے مطالعہ ہدایت (Study of instruction) گمارا میں مثناء کے متن کی تشریح کے علاوہ اس میں طب، نباتات، فلکیات، جیومیٹری اور دوسرے مضامین بھی شامل ہیں۔[4] پس تالمود

---

[1] بین الاقوامی مذاہب، ص:۱۴۷

[2] بائیبل کا تحقیقی جائزہ، بشیر احمد، اسلامک سٹڈی فورم راولپنڈی، ۲۰۰۰ء، ص:۱۲۲

[3] مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، غلام رسول چیمہ، ص:۴۱۹-۴۲۰

[4] یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص:۹۸

مثناء اور گمارا دونوں کا مجموعہ کا نام ہے۔

یہودیت کے دینی ادب کا یہ ایک مختصر سا تعارف ہے۔اس کی تقسیم بظاہر حضرت موسیٰ کے دور کے بعد کی ہے جسے یہودی علماء نے سہولت اور آسانی کے لیے ترتیب دیا۔اگرچہ یہ کتب اب اصل حالت پر تو نہیں ہیں کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں متعدد تحریفات ہو چکی ہیں۔تاہم ان کی اصل پر ایمان وایقان دین اسلام کے بنیادی احکام کا حصہ ہے۔

عیسائیت اور اس کی کتب کا تعارف

عیسائیت کا مفہوم اور تاریخی پس منظر

عیسائیت کا شمار دنیا کے عظیم مذاہب میں ہوتا ہے۔ موجودہ عیسائیت حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب ہے۔ آپؑ سلسلہ انبیاءِ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ آپؑ بنی اسرائیل کے لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھانے آئے تھے۔ لیکن بنی اسرائیل نے اپنی سابقہ روش کے مطابق آپ کو بھی پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح قتل کروانے کی ناپاک کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ اٹھالیا۔

عیسائیت کی تعریف

دی امریکن پیپلز انسائیکلوپیڈیا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

"Christianity: The religion founded by Jesus of Nazareth in the first century A-D and centring in His life mission and message-"(1)

ترجمہ: عیسائیت وہ مذہب ہے جس کی بنیاد پہلی صدی میں مسیح ناصری نے رکھی، اور جس کا محور انکی زندگی، مقصد حیات اور پیغام ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"عیسائیت وہ مذہب ہے جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندہ یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب مانتا ہے۔"(۲)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار الفریڈ، ای، گاروے "عیسائیت" کی تعریف کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی، موحّدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے، جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعے پختہ کر دیا گیا ہے۔(۳)

حضرت عیسیٰؑ کے حالات زندگی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن سے لے کر عہد نبوت تک کے حالات بہت کم معلوم ہیں پیدائش کے بعد سے

---

(1) The American people's Encyclopedia, Chicago,1960, V:5, P:435

(2) The New Encyclopedia of Britannica, USA, 1986, V:5, P:394

(۳) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، ۵۸۱/۳

لے کر نبوت تک آپ کہاں رہے؟ قرآن و حدیث اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ البتہ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی پاکبازی اور پیدا ہونے کی کیفیات کو بیان کیا ہے۔[1]

تاریخ ولادت

عیسائی لٹریچر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ ولادت کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ انجیل سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس رات گڈریے بھیڑوں کو لیے ہوئے بیت اللحم کے کھیتوں میں موجود تھے۔ لیکن انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں کرسمس ڈے کے آرٹیکل پر لکھنے والے نے اس پر ایک نہایت عمدہ تنقید کی ہے کہ دسمبر کا مہینہ تو ملک یہودیہ میں سخت بارش کا مہینہ ہے ان دنوں میں کس طرح بھیڑیں یا گڈریے کھلے آسمان تلے رہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عیسوی سن کی پہلی چار صدیوں تک ۲۵ دسمبر تاریخ ولادت مسیح نہیں سمجھی جاتی تھی۔[2]

۵۳۰ء میں سیتھیا کا ایک راہب ڈایونیس اکسیگز جو منجم بھی تھا تاریخ ولادت مسیحؑ کی تحقیق اور تعین کے لئے مقرر ہوا۔ اس نے حضرت مسیحؑ کی تاریخ ولادت ۲۵ دسمبر مقرر کی۔ کیونکہ مسیحؑ سے پانچ چھ صدی قبل ۲۵ دسمبر ایک مقدس تاریخ تھی۔[3]

بہت سے سورج دیوتا اسی تاریخ پر یا اس سے ایک دو دن بعد پیدا ہونا تسلیم کئے جاتے تھے۔ اسی لئے راہب نے آفتاب پرست اقوام میں عیسائیت کو مقبول بنانے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کی تاریخ ولادت ۲۵ دسمبر مقرر کر دی۔ سورۃ مریم پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مریمؑ کو دردِ زِہ کی تکلیف ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کی کہ کھجور کے تنے کو ہلا، تاکہ ان پر تازہ پکی کھجوریں گریں اور وہ اس کو کھائیں اور چشمہ کا پانی پی کر طاقت حاصل کریں۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾[4]

ترجمہ: پس زچگی کا درد اسے کھجور کے درخت کی جڑ کی طرف لے آیا، وہ بولی، اے کاش! میں اس سے قبل مر چکی ہوتی، اور میں ہو جاتی بھولی بسری۔

---

[1] الادیان والفرق والمذاہب المعاصرہ، ص: ۵۱

[2] دی نیو انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ۳۹۵/۵

[3] کمنٹری آن دی ہولی بائیبل، جے۔ آر ڈمیلو، دی نیدرلینڈ، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۱۷

[4] سورۃ مریم: ۲۳/۱۹

نام

'عیسیٰ' عبرانی یا سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عربی زبان میں ایسے اونٹ کے ہیں جس میں ہلکا ہلکا بھوراپن بھی ہو، جسکی وجہ سے ایسے اونٹ کی خوبصورتی میں اضافہ ہو جا تا ہے۔[1] حضرت عیسیٰؑ کا نام یشوع، عبرانی یسوع اور عربی میں عیسیٰ تھا۔ یسوع کے معنی مبارک اور نجات دہندہ کے ہیں۔ یہی لفظ یونانی، لاطینی زبانوں میں Jesus بنتا ہے۔ آپ اپنے نام کے علاوہ مسیح کے لقب سے بھی مشہور ہیں جس کے معنی کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا اور اس سے برا اثر دور کرنا ہے۔ عام معنوں میں اس سے مراد بیماری دور کرنا ہے، قرآن مجید میں عیسیٰ پچیس (۲۵) مرتبہ، مسیح گیارہ (۱۱) مرتبہ، عبداللہ دو (۲) مرتبہ، ابن مریم کنیت کے حوالے سے تیئس (۲۳) مرتبہ، وجیھاً فی الدنیا والاخرۃ ایک (۱) مرتبہ، کلمۃ اللہ ایک (۱) مرتبہ انگریزی میں اسی کو Christ کہتے ہیں۔ آپ کو یسوع ناصری بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کی رہائش فلسطین کے شہر ناصرہ (Nazareth) میں تھی۔[2] آپ کے کنیت ابن مریم تھی۔ عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق حضرت یسوع مسیحؑ کا ایک نام عمانوایل (Emmanuel) ہے جس کے معنی ہیں: 'خدا ہمارے ساتھ ہے' اس کا ذکر ہمیں یسعیاہ میں ملتا ہے:

''دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی۔''[3]

جائے پیدائش

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بیت اللحم میں ہوئی[4] جبکہ لوقا میں لکھا ہے کہ یسوع کا اپنا شہر ناصرہ تھا، جہاں وہ پیدا ہوا اور پرورش پائی۔[5]

پرورش

آپؑ کے ابتدائی دس بارہ سال حالت اخفاء میں ہیں۔ اور البدایہ والنہایہ وغیرہ کے مطابق اس کے بعد وہ آکر بیت المقدس کے قریب مقام ناصرہ میں جو صوبہ گلیلی میں واقع ہے رہائش پذیر ہوئے۔[6]

کتاب مقدس کی ان آیات سے بھی اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی پرورش ناصرہ میں ہوئی:

---

[1] انبیائے قرآن، ۳/۵۷۴

[2] انبیائے کرام، ابوالکلام آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص: ۲۷۰

[3] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، یسعیاہ: ۷/۱۴

[4] عیسائیت تجزیہ و مطالعہ، ساجد میر، دارالسلام لاہور، ص: ۸۵

[5] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، لوقا: ۴/۱۶

[6] البدایہ والنہایہ، اسماعیل بن عمر ابن کثیر، مکتبۃ المعارف بیروت، ۲/۸۹

"اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے ناصرہ کو پھر گئے اور وہ لڑکا بڑھتا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا۔"[1]

حضرت عیسیٰؑ کی ولادت قرآن پاک کی روشنی میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہ السلام اپنے باپ عمران کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ حضرت مریم علیہ السلام کو ان کی والدہ نے خدا کی نذر کیا ہوا تھا۔ پیدائش کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی کفالت کی ذمہ داری لی۔ حضرت مریم علیہ السلام ہیکل کی محرابوں میں سے ایک میں رہتی تھیں قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[2]

ترجمہ: سو اس کے رب نے اس (مریم) کو اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرما لیا اور اسے اچھی پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا اور اس کی نگہبانی زکریا (علیہ السلام) کے سپرد کر دی، جب بھی زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس (نئی سے نئی) کھانے کی چیزیں موجود پاتے، انہوں نے پوچھا: اے مریم! یہ چیزیں تمہارے لئے کہاں سے آتی ہیں؟ اس نے کہا: یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آتا ہے، بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

چنانچہ یہ آیت اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ وہ باعظمت مقام کی حامل اور برگزیدہ خاتون تھیں، انھوں نے ساری عمر اللہ کی عبادت میں بسر کی۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے خصوصی نشانات کے ظہور کے لئے چن لیا۔ اور انہیں اپنے ایک نبی کی ماں بننے کی سعادت بخشی۔ قرآن پاک میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾[3]

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، لوقا: ۲/۳۹-۴۰

[2] سورۃ آل عمران: ۳/۳۷

[3] سورۃ مریم: ۱۹/۱۷

ترجمہ: پھر اس نے ڈال لیا ان کی طرف سے پردہ، پھر ہم نے اس کی طرف اپنے فرشتہ کو بھیجا، وہ اسکے لئے ٹھیک ایک آدمی کی شکل بن کر آیا۔

جب حضرت جبریلؑ ایک بشر کی صورت میں ان کے سامنے ظاہر ہوئے تو وہ گھبرا گئیں۔ فرشتے نے کہا:

﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾[1]

ترجمہ: اس نے کہا اس کے سوا نہیں کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔

اس پر حضرت مریمؑ نے کہا:

﴿ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾[2]

ترجمہ: وہ بولی میرا لڑکا کیسے ہو گا؟ جبکہ نہ مجھے کسی نے چھوا، اور نہ میں بدکار ہوں۔

فرشتے نے کہا:

﴿قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَه اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾[3]

ترجمہ: اس نے کہا اسی طرح (اللہ کا فیصلہ ہے) تیرے رب نے فرمایا کہ مجھ پر آسان ہے، اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشانی بنائیں، اور اپنی طرف سے رحمت، اور یہ ہے ایک طے شدہ امر۔

خدا کی قدرت سے حضرت مریمؑ حاملہ ہو گئیں۔ وضع حمل کے بارے میں قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے:

﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِه مَكَانًا قَصِيًّا فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّيْ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾[4]

ترجمہ: پس اسے حمل ہو گیا، پس وہ اسے لے کر ایک دور جگہ چلی گئی۔ پھر دردِ زہ اسے

---

[1] سورۃ مریم: ۱۹/۱۹

[2] سورۃ مریم: ۲۰/۱۹

[3] سورۃ مریم: ۲۱/۱۹

[4] سورۃ مریم: ۲۵-۲۲/۱۹

کھجور کے درخت کی جڑ کی طرف لے آیا، وہ بولی، اے کاش! میں اس سے قبل مر چکی ہوتی، اور میں ہو جاتی بھولی بسری۔ پس اس کے نیچے (وادی) سے (فرشتے نے) آواز دی تو گھبرا نہیں، تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ (جاری) کر دیا ہے۔ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، تجھ پر تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔

حضرت مریمؑ بچہ جننے کے بعد جب اسے گود میں اٹھائے اپنے لوگوں میں گئیں تو وہ ان پر تہمت لگانے لگے۔ لوگوں کی تہمت کا جواب نو مولود بچے نے خود دیا قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا يَآ اُخْتَ هَارُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾[1]

ترجمہ: پھر وہ اسے اٹھا کر اپنی قوم کے پاس لائی، وہ بولے اے مریمؑ! تو لائی ہے غضب کی شے۔ اے ہارونؑ کی بہن! تیرا باپ برا آدمی نہ تھا، اور نہ تیری ماں ہی تھی، بدکار۔ تو مریمؑ نے اس (بچہ) کی طرف اشارہ کیا، وہ بولے ہم گہوارہ (گود) کے بچہ سے کیسے بات کریں؟ بچے نے کہا بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی، اور مجھے نبی بنایا ہے۔

درحقیقت یہ وہ مقدس نشانی تھی جسکا مقصد یہ تھا کہ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد جب وہ لوگوں کے سامنے آئیں گے کہ یہی لوگ ان کی گواہی دیں گے کہ یہ بچہ گھوارے میں کلام کی وجہ سے ابتداء میں غیر معمولی حیثیت کا مالک تھا تاکہ لوگوں کے لئے ان کے پیغام کی قبولیت سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ جیسا کہ قرآن پاک نے حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ ولادت کے تفصیل کیساتھ بیان کیا ہے اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی مانند ہے جسکو اللہ نے مٹی سے بنایا پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا: ﴿کن فیکون﴾[2] (ہو جا پس وہ ہو گیا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بائبل کی روشنی میں

انجیل متی میں لکھا ہے یسوع کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان

---

[1] سورۃ مریم: ۱۹/۲۷-۳۰

[2] سورۃ البقرۃ: ۲/۱۱۷، سورۃ آل عمران: ۳/۴۷، سورۃ آل عمران: ۳/۵۹، سورۃ الانعام: ۶/۷۳، سورۃ الاعراف: ۷/۱۴۴، سورۃ الحجر: ۱۵/۹۸، سورۃ النحل: ۱۶/۴۰، سورۃ مریم: ۱۹/۳۵، سورۃ یٰسین: ۳۶/۸۲، سورۃ الزمر: ۳۹/۶۶

کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے پہلے حاملہ پائی گئی۔اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھااور اسے بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ فرشتے نے خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اے یوسف اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے اس کے بیٹا ہوگا اور تو اسکا نام یسوع رکھنا۔[۱]

انجیل لوقا میں ہے کہ وہ بزرگ ہوگا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند اسے تخت دے گا اور وہ یعقوب کے گھرانے پر تاابد بادشاہی کرے گا۔[۲]

جب یسوع، ہیرودیس نامی بادشاہ کے زمانے میں یہودیہ کے بیت اللحم میں پیدا ہوا تو کئی مجوسی، یورپ (اسوقت کے مشرق) سے یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا جو بادشاہ پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟ ہم اس کا ستارہ دیکھ کر اسے سجدہ کرنے آئے ہیں۔[۳] جب یہ مجوسی بیت اللحم سے روانہ ہوئے تو خدا کے فرشتے نے خواب میں یوسف سے کہا کہ اٹھ! بچے اور اسکی ماں کو ساتھ لے کر مصر جا اور جب تک میں نہ کہوں وہیں رہنا کیونکہ ہیرودیس اسے تلاش کر رہا ہے تاکہ اسے ہلاک کر دے۔انجیل متی میں ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ ان دنوں میں قیصر اوگسٹس نامی بادشاہ نے یہ حکم جاری کیا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں، پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت اللحم گیا جو کہ یہودیہ ہے تاکہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو کہ حاملہ ہیں، نام لکھوائے۔[۴]

جب وضع حمل کا وقت آیا تو اس کا پہلا بیٹا پیدا ہوا، جب آٹھ دن گزر گئے اور ختنے کا وقت آیا تو اسکا نام 'یسوع' رکھا گیا پھر حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے مطابق ان کے پاک ہونے کے چالیس دن پورے ہوگئے تو وہ اسے یروشلم لے آئے تاکہ اسے خداوند کے آگے حاضر کریں۔[۵]

منصب نبوت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی فقیرانہ انداز سے بسر ہوئی تیس برس کی عمر تک آپ کے ماموں حضرت یحیٰ بن زکریاؑ کا سکہ نبوت رواں رہا اور ان کے بعد آپؑ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین برس تک آپؑ نبی کی

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، متی: ۱/۱۸-۲۱

[۲] ایضاً، لوقا: ۱/۳۲

[۳] ایضاً، متی: ۲/۱-۲

[۴] ایضاً، متی: ۲/۱-۵

[۵] ایضاً، لوقا: ۲/۲۱-۲۲

حیثیت سے لوگوں میں موجود رہے۔ تیس برس کی عمر میں پہنچنے کے بعد جب آپ نبوت کے منصب پر فائز کیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آپؑ کو نبی منتخب کیا اور آپ پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی۔ ابن کثیر کے مطابق یہ اٹھارہ (۱۸) رمضان کی رات تھی۔ (۱)

انجیل متی کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو روح القدس کبوتر کی شکل میں نظر آئے جو آسمان سے نازل ہو رہے تھے:

"اور یسوع بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا اور دیکھو اس کے لیے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کی روح کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔" (۲)

اس کے بعد آپ نے پورے زور و شور سے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ لوگوں کی رشد و ہدایت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ان کو توحید کی طرف بلایا اور انھیں ایک آسمانی انقلاب کی دعوت دی، اور لوگوں کو متنبہ کیا، ان کی گمراہیوں کی نشاندہی کی، فواحش و منکرات سے بچنے کی ہدایت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔

حضرت عیسیٰؑ کے خلاف یہود کی قتل کی سازش

حضرت عیسیٰؑ نے نہ شادی کی اور نہ بود و باش کے لئے گھر بنایا۔ وہ شہر شہر گاؤں گاؤں خدا کا پیغام سناتے۔ جہاں بھی رات آجاتی وہیں بے سروسامانی کی حالت میں شب بسر کر لیتے۔ چونکہ آپؑ کی ذات سے مخلوق خدا جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی شفا اور تسکین پاتی اسلئے آپکا جس جانب گزر ہوتا خلقت کا انبوہ کثیر عقیدت کے ساتھ جمع ہو جاتا۔ یہود بنی اسرائیل جو دعوت حق کے ساتھ بغض و عناد رکھتے تھے اور انھیں آپ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے انتہائی صدمہ اور خطرہ محسوس ہوا تو ان کے سرداروں اور فقیہوں نے آپ کے خلاف سازش شروع کی اور بادشاہ وقت کو مشتعل کر کے آپؑ کو تختہ دار پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا۔ یہود کے سرداروں اور گورنر پیلاطوس کے اہل کاروں کو اطلاع ملی کہ اس وقت حضرت عیسیٰؑ مع چند حواریوں کے ایک مکان میں بیٹھے ہیں تو انھوں نے موقع کو غنیمت جانا اور فوراً وہاں پہنچ کر مکان کا محاصرہ کر کے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر لیا اور پیلاطوس کے دربار میں پیش کر دیا اور یہود و نصاریٰ کی روایت کے مطابق آپکو سولی چڑھا دیا گیا۔ (۳)

جبکہ قرآن میں ہے کہ:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ

---

(۱) البدایہ والنہایۃ، ۹۲/۲

(۲) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، متی: ۱۶/۳

(۳) تاریخ الانبیاء، مولوی محمد انور، نگارشات لاہور، ص: ۱۸۶

عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴿﴾[1]

ترجمہ: اور انہوں نے اس کو سولی نہیں دی بلکہ ان کے لیے (ان جیسی) صورت بنا دی گئی اور بیشک جو لوگ اس (بارہ) میں اختلاف کرتے ہیں وہ البتہ اس بارہ میں شک میں ہیں، ظن کی پیروی کے سوا انہیں اسکا کوئی علم نہیں، اور اس (عیسیٰؑ) کو انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اسکو اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

رفع اور نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام

دنیا میں یہودیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہو کر دفن ہو گئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے اور ان کے اس خیال کی حقیقت قرآن پاک میں واضح کر دی گئی ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے دشمنوں کے کید کو خود انہی کی طرف لوٹا دیا جو کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کیلئے ان کے مکان کے اندر گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک کی شکل و صورت تبدیل کر کے بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ڈھال دیا اور حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ مقتول و مصلوب تو ہو گئے مگر پھر دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر اٹھالئے گئے موجودہ انجیل بھی رفع آسمانی کی تصدیق کرتی ہے۔[2]

مرقس کے مطابق:

> ''خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوشیاں منا رہے تھے۔ اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰؑ ہیں، اس لئے شُبِّهَ لَهُمْ کے مصداق یہود کی طرح نصاریٰ بھی ہو گئے۔''[3]

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ نجات کے لیے آسمان پر اٹھالیا ان کو قتل نہ کیا جاسکا۔ وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر یہودیوں پر فتح حاصل کر پائیں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پاجائیں گے۔[4]

---

[1] سورۃ النساء: ۴/۱۵۷-۱۵۸

[2] تفسیر القرآن العظیم، ۱/۷۰۸

[3] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، مرقس: ۱۶/۱۹

[4] تفسیر القرآن العظیم، ۱/۷۰۸

اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع واتفاق ہے۔ حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس معاملے میں متواتر ہیں کہ آپ ﷺ نے عیسیٰؑ کے قبل قیامت نازل ہونے کی خبر دی ہے۔ [1]
اس مضمون کو تقریباً تمام کتب حدیث میں آنحضرت ﷺ سے نقل کیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((وَالّذِی نَفسِي بِيَدِہ لَيُوشكنّ أنْ يَنزُلَ فِيكُم إبنُ مَريم حَكَمًا عَدلاً فَيَكسُر الصلبَ ويَقتُلُ الخَنزيرَ وَ يَضَعُ الحربَ ويفيضُ المالَ حَتى لَا يَقبلُه أحَدٌ)) [2]

ترجمہ: اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، ضرور وہ وقت آنے والا ہے جب عیسیٰؑ ابن مریمؑ عادل حاکم بن کر اتریں گے، وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، اور جنگ موقوف کر دیں گے اور مال کی اس درجہ کثرت ہو گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت بھی صفت نبوت ورسالت سے الگ نہیں ہوں گے اور جیسے پہلے ان کی نبوت سے انکار کفر تھا اس وقت بھی کفر ہو گا تو امت مسلمہ جو پہلے سے ان کی نبوت پر قرآنی ارشادات کی بناء پر ایمان لائے ہوئے ہے اگر نزول کے وقت ان کو نہ پہچانے تو انکار میں مبتلا ہو جائے گی۔

تاریخ عیسائیت

عیسائیت پر پہلی تین صدیوں میں نہایت ہی مظالم ڈھائے گئے۔ ان مظالم اور مصائب کا آغاز ۶۵ء میں شہنشاہ نیرو کے ہاتھوں ہوا۔ اس نے عیسائی مذہب کو بذریعہ قانون جرم قرار دے دیا۔ ۱۱۲ء میں تراجن بادشاہ نے عیسائیوں پر مظالم اور مصائب ڈھانے شروع کر دیئے اور مبلغین کو تہ تیغ کر دیا۔ ان مقتولین میں یوحنا کا شاگرد اگناٹیس اور اسکا ساتھی پولی کریپ بھی تھے۔ [3]

تیسری صدی میں ۲۴۹ء سے ۲۵۸ء کا دس سالہ عہد عیسائیت کے لیے دردناک دور ہے۔ جس میں ایذائیں اور ظلم اپنی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ جن دنوں رومی حکومت میں عیسائیوں پر مظالم اور مصائب ڈھائے جا رہے تھے۔ ایران میں عیسائی آزادی سے اپنے مذہب کا پرچار کر رہے تھے۔ صرف ایک شرط تھی کہ زرتشتی مذہب کے کسی فرد کو عیسائی بنانے کی اجازت نہ تھی۔ اس مظلومیت کے دور میں عیسائی ایک خدا کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں ٹھہراتے تھے اور تین خداوں کا عقیدہ مروج نہیں ہوا تھا۔ قرآن مجید نے چند لوگوں کے کہف میں جانے کی غرض ہی صرف یہ بتائی ہے کہ وہ خدا کے سوا اور کسی کو معبود نہیں مان سکتے

---

[1] تفسیر القرآن العظیم، ۷۰۸/۱

[2] الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام، حدیث نمبر: ۳۴۴۸، ص: ۵۸۱

[3] دی کرسچن ریلجن، ایف سی بکٹ، آکسفورڈ پبلی کیشن لندن، ۱۸۹۲ء، ص: ۱۴۹

تھے۔ابتدائی دور کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد اور عبادات ابھی تک مدون نہیں ہوا تھا اس لئے بے شمار فرقے پیدا ہو گئے۔

چوتھی صدی عیسوی میں عیسائیت مظلومیت کے دور سے نکل کر غالب مذہب بن گئی۔ قسطنطین (۲۷۲-۳۳۷ء) پہلا رومی بادشاہ ہے۔ جس نے عیسائیت اختیار کرنے کے بعد ۳۲۵ء میں مذہب تثلیث کو اصل عیسائیت اور سرکاری مذہب قرار دیا۔اس نے اشاعت عیسائیت میں زبردست حصہ لیا۔ نیقیہ (جو آج کل ترکی کا حصہ ہے) میں اس نے ایک کونسل بلوائی جہاں انجیل کو مدون اور مرتب کیا گیا۔اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو عیسائیت کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا۔[۱]

۳۱۳ء سے ۵۳۹ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب سلطنت روما پر غالب آچکا تھا۔ حکومت بھی عیسائیت کی حریف نہ رہی تھی۔اس زمانہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں بٹ گئی ایک سلطنت مشرق میں تھی جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا۔اس میں بلقان، یونان، ایشائے کوچک، مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بطریرک کہلاتا تھا اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی۔ جس کا پایہ تخت روم تھا۔یورپ کا بیشتر علاقہ اس کے زیر نگین تھا وہاں کا مذہبی پیشوا 'پوپ' یا 'پاپا' کہلاتا تھا۔دونوں سلطنتوں میں مذہبی اور سیاسی رقابت شروع ہو گئی۔ان میں سے ہر ایک اپنی برتری چاہتی تھی۔ اس دور کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نے جنم لیا۔اس کو انگریزی اصطلاح میں Monasticism کہتے ہیں یہ رہب سے نکلا ہے لغوی معنی 'خوف'۔جو لوگ رہبانیت اختیار کرتے ہیں وہ Monks کہلاتے۔خواتین جو یہ راستہ اختیار کرتیں Nuns کہلاتی اور اس کا مطلب ہے Sister۔ یہ لوگ جو مراکز یا دربار بناتے وہ Monastry کہلاتے۔پانچویں صدی عیسوی میں برطانیہ اور فرانس میں بہت سی خانقاہیں قائم ہو گئیں[۲] پاکم، باسیلیوس اور سینٹ جیروم (۳۴۷-۴۲۰ء) نظام رہبانیت کے مشہور قائد ہیں۔

۵۹۰ء میں گریگوری اول پوپ بنا تھا۔اس وقت سے لے کر شارلمین ۸۰۰ء تک کا زمانہ تاریک دور کہلاتا ہے اس کے علاوہ اس کو Middle age/Dark age یا دور ظلمت بھی کہتے ہیں۔اس دور میں عیسائیت کے تاریخ میں سیاسی اور علمی زوال شروع ہو گیا تھا۔اسلام عروج پا رہا تھا اس وجہ سے مشرقی علاقوں میں عیسائیت کے اقتدار کی عمارت پیوند خاک ہو رہی تھی۔[۳]

۸۰۰ء سے لے کر ۱۵۲۱ء تک کا زمانہ قرون وسطیٰ کا عہد کہلاتا تھا۔اس زمانے کی بنیادی خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شہنشاہ وقت کے درمیان عرصہ دراز تک جاری رہی۔اس زمانے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

---

[۱] بائبل سے قرآن تک، ۹۰/۱

[۲] عیسائیت کیا ہے، محمد تقی عثمانی، دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی، ص:۶۹

[۳] مطالعہ تقابل ادیان، عبد المجید، تاج بک ڈپو لاہور، ۱۹۸۴ء، ص:۲۸۷

۱۔شارلمین سے لے کر گریگوری ہفتم تک کا زمانہ (۸۰۰ء سے ۱۰۷۳ء) جس میں پاپائیت فروغ پارہی تھی۔

۲۔ گریگوری ہفتم سے بونیفیس تک کا زمانہ (۱۰۷۳ء سے ۱۲۹۴ء) جس میں پوپ کو مغربی یورپ میں پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔

۳۔بونیفیس ہشتم سے عہد اصلاح تک کا زمانہ (۱۲۹۴ء سے ۱۵۱۷ء) جس میں پاپائیت کو زوال ہوا اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں۔[1]

نفاق عظیم تاریخ عیسائیت کی ایک اصطلاح ہے۔اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جسکی وجہ سے مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لیے رومن کیتھولک چرچ سے جدا ہو گئے مشرقی کلیسا نے بدل کر اپنا نام دی ہولی آرتھوڈکس چرچ رکھا نفاق عظیم کے اہم اسباب یہ ہیں:

۱۔اس علیحدگی کی پہلی وجہ تو مشرقی اور مغربی کلیساوں کا نظریاتی اختلاف تھا۔ مشرقی کلیسا کا یہ عقیدہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے۔اور بیٹے کا اقنوم اس کے لئے محض ایک وسیلے اور واسطے کی حیثیت رکھتا ہے۔اور مغربی کلیسا کا یہ نظریہ تھا۔کہ روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے۔ مشرقی کلیسا مغربی چرچ پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انہوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے نیقاوی کونسل کے فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں۔[2]

۲۔دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق اور مغرب کے کلیساؤں میں نسلی امتیاز کی خلیج حائل تھی۔ مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی اور مشرق میں یونان اور ایشیائی نسل تھی۔

۳۔ سلطنت روما دو حصوں میں بٹ جانے کی وجہ سے قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا حریف بن گیا۔

۴۔پاپائے روم اپنا اقتدار اور بالادستی قسطنطنیہ کے بطریرک کے حوالے یا اسے شریک کرنے کو نہ تیار تھا۔

۵۔رومی کلیسا کو اس بات پر ناز تھا کہ پطرس اور پولوس نے روم میں شہادت پائی تھی اس لئے یہ شہر اور کلیسا زیادہ مقدس اور اہم ہے۔ قسطنطنیہ چونکہ رومی حکومت کا پایہ تخت تھا اس لئے وہ کلیسا، رومی کلیسا پر اپنی فوقیت ظاہر کرتا تھا۔

۶۔کلیساؤں میں اختلاف کے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دونوں کی زبانیں مختلف تھیں۔رومی کلیسا میں لاطینی اور قسطنطنیہ میں یونانی دونوں کے تعلیمات کا ترجمہ جب دوسری زبان میں ہوتا تھا تو مفہوم میں اختلاف پیدا ہو جاتا تھا۔[3]

اس دور میں صلیبی جنگیں لڑی گئیں۔۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے کلیر مونٹ کونسل میں یہ اعلان کیا کہ صلیبی

---

[1] ہسٹری آف کرسچنٹی، مل مین، کیمبرج یو۔کے، ۱۹۸۹ء، ص: ۱۶۹

[2] انسائیکلوپیڈیا آف ریلی جن اینڈ ایتھکس، ۵۹۰/۳

[3] عیسائیت کیا ہے؟، ص: ۷۳

جنگ مذہبی ہے۔ جو شخص اس جنگ میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے۔ جو لوگ اس جنگ میں مریں گے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔اس طرح سات صلیبی جنگیں لڑی گئیں۔

صلیبی جنگوں کے بعد پوپ کا اقتدار کافی حد تک کم ہونے لگا تھا۔ لیکن پوپ انوسینٹ چہارم (۱۲۴۳ء) کے زمانے سے اس کا اثر ورسوخ باقاعدہ کم ہونے لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انوسینٹ چہارم نے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ [1] اس زمانے میں مغفرت ناموں کی تجارت عام ہو گئی اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسائی کی انتہا کر دی گئی ۔

جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں۔ بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی کوشش کی۔ ان لوگوں میں ویکلف (متوفی ۱۳۸۴ء) کا نام سرفہرست ہے۔ جو کلیسا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا۔ وہ نیک اور پرہیزگار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی تھا۔ اس نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جو ۱۳۸۵ء میں شائع ہوا۔ حالانکہ اس سے پہلے بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد جان ہس (John Huss:1369-1415) اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے۔ نومبر ۱۴۱۴ء میں کونسٹانس (Konstanz) [2] کے مقام پر کونسل بلائی گئی۔ اس کونسل میں جان ہس کی اصلاحی تعلیمات کو بالاتفاق بدعتی قرار دے دیا گیا جس کے نتیجے میں جان ہس اور اس کے شاگرد جیروم کو زندہ جلا دیا گیا۔ [3]

۱۴۸۳ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر (Martin Luthar) [4] پیدا ہوا جس نے پاپائیت کے تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی۔ اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت کے خلاف آواز بلند کی۔ جب اسے قبول کر لیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کر دی۔ بپتسمہ اور عشاء ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں۔ سوئٹزرلینڈ میں زونگلی (Huldrych Zwingli:1484-1531) نے

---

[1] شارٹ ہسٹری آف چرچ، کلارک، میتھیو اینڈ کو لندن، ۱۹۵۷ء، ص: ۲۰۴

[2] جرمنی کا ایک شہر جو جھیل کونسٹانس کے کنارے آباد ہے۔ یہ شہر جرمنی کے جنوب میں سوئٹزرلینڈ کی سرحد پر واقع ہے۔ اس شہر کا نام رومن بادشاہ کونس ٹین ٹیئس (Constantius) کے نام پر ہے جو عیسائیت قبول کرنے والے پہلے رومن بادشاہ کونسٹینٹائن (Constantine) کا باپ تھا۔ http://ur.wikipedia.org/wiki/کونسٹانس, 1-5-2015, 3:40 p.m

[3] ینابیع المسیحیت، خواجہ کمال الدین، مسلم بک سوسائٹی لاہور، ۱۹۶۲ء، ص: ۷۸

[4] جرمن راہب، پادری اور الہیات دان تھا۔ سولہویں صدی میں پاپائیت کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں میں جس شخص نے انقلابی روح پھونکی، وہ مارٹن لوتھر تھے۔ ملاحظہ ہو:

https://ur.wikipedia.org/wiki/مارٹن_لوتھر, Retrieved on: 21-10-2016, at 11:00 a.m

یہی آواز بلند کی اور ان کے بعد سولہویں صدی کے ابتداء میں جان کالون (John Calvin:1509-1564) اسی تحریک کو لے کر جینوا میں آگے بڑھا۔ یہ آواز فرانس، اٹلی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہو گئی اور بالآخر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک سے متاثر ہو گئے اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کیتھولک چرچ کا مضبوط مدمقابل بن گیا۔ [1]

عقلیت کا زمانہ اس دور کو کہا جاتا ہے جب یورپ نے سائنسی اور تکنیکی ترقی میں دنیا کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا۔ پادریوں اور پاپاؤں کی علم دشمنی اور بدعنوانیوں نے اہل یورپ کے دلوں میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کر دی۔ جو مفکرین عقلیت کا نعرہ لگا کر اٹھے انہوں نے اپنی تنقید میں بائبل کو نہ بخشا اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید، استہزا و تمسخر کا نشانہ بنایا۔ ولیم شلنگ ورتھ (م ۱۶۴۲ء) لارڈ ہربرٹ (م ۱۶۴۸ء)[2] اور تھامس ہوبس (م ۱۶۷۱ء)[3] عقلیت کا نعرہ لگانے میں پیش پیش تھے۔ [4]

عقلیت کی تحریک کا دوسرا ردعمل یہ ہوا کہ مذہبی طبقوں میں خالص رومن کیتھولک مذہب کو از سر نو زندہ کرنے کی تحریک شروع ہو گئی۔ اس تحریک کے علمبرداروں نے عقلیت پسندوں کے خلاف گویا اعلان جنگ کر دیا اور کہا کہ عیسائیت وہی ہے جس کو ہمارے اسلاف نے سمجھا تھا۔ کلیسا کو بڑا صاحب اقتدار ادارہ ہونا چاہئے۔ یہ تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی تھی۔ اس تحریک کے علمبرداروں میں الیگز ینڈر ناکس (م ۱۸۳۱ء)، جان ہنری (م ۱۸۹۰ء) [5] ہیوریل فراوڈ (م ۱۸۳۶ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ [6]

---

[1] اردو تاریخ کلیسا، پادری خورشید عالم، دہلی، ۱۸۷۰ء، ص: ۱۵۴

[2] ایڈورٹ ہربرٹ (Edward Herbert) سترہویں صدی عیسویں میں برطانیہ سے تعلق رکھنے والا شاعر، فوجی، سفیر، تاریخ دان اور مذہبی فلاسفر تھا۔ ملاحظہ ہو:
https://en.wikipedia.org/wiki/Edward_Herbert,_1st_Baron_Herbert_of_Cherbury, Retrieved on: 20-10-2016, at 4:00 p.m

[3] تھامس ہابس (Thomas Hobbes) کا تعلق انگلینڈ سے تھا اور وہ جدید فلاسفہ سیاست کے بانی مانے جاتے ہیں۔ اپنے مشہور معاہدہ عمرانی کے حوالے سے شہرت کے حامل ہیں۔ ملاحظہ ہو:
https://en.wikipedia.org/wiki/Thomas_Hobbes, Retrieved on: 20-10-2016, at 5:15 p.m

[4] الکفارہ، پادری گولڈ سیک، پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور، ۱۹۵۸ء، ص: ۱۱۳؛ مسیحیت، شاہد مختار، شاہد پبلی کیشنز لاہور، ص: ۷-۱۵

[5] جان ہنری نیومن (John Henry Newman) انیسویں صدی میں انگلینڈ سے تعلق رکھنے والا پادری، شاعر اور متکلم تھا۔ مذہبی امور میں انگلینڈ میں اختلافی شخصیت کا حامل تھا۔ ملاحظہ ہو:
https://en.wikipedia.org/wiki/John_Henry_Newman, Retrieved on 12-10-2016, at 4:00 p.m

[6] عیسائیت کیا ہے؟، ص: ۱۰۱

عیسائیت کے فرقے

یوں تو عیسائیت کی تاریخ میں ہمیں کئی فرقے مل جاتے ہیں مثلا یعقوبیہ، ملکانیہ اور نسطوریہ وغیرہ وغیرہ لیکن اس کے تین (۳) بڑے فرقے مشہور ہیں:

۱۔ کیتھولک فرقہ

۲۔ آرتھوڈکس فرقہ

۳۔ پروٹسٹنٹ فرقہ

۱۔ کیتھولک فرقہ

کیتھولک یونانی لفظ ہے جس کے معنی عام یا عالمی کے آتے ہیں، یعنی کیتھولک مسلک ہی عالمی عیسائی مذہب ہے، مغرب میں موجود عام عیسائی اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے کلیسا کو مغربی اور لاطینی کے علاوہ پطرسی کلیسا بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ فرقہ اپنے آپ کو پطرس رسول کا وارث سمجھتا ہے جو حضرت مسیحؑ کے بعد آپ کے جانشین اور مسیحیت کے مقنن تھے رومن کیتھولک فرقہ اٹلی، آسٹریا، فرانس وغیرہ ممالک میں پایا جاتا ہے یہ مریم کو خدا کی ماں ٹھہراتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے مجسمے بنا کر ان سے دعائیں کرتے ہیں۔[1]

۲۔ پروٹسٹنٹ فرقہ

پروٹسٹنٹ فرقہ رومن کلیسا کی منکر جماعت ہے اس فرقہ کے لوگ سوئزرلینڈ، جرمنی اور انگلستان میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ پروٹسٹوں کی رسمیں سادہ ہیں یہ صرف بپتسمہ کے قائل ہیں۔ پروٹسٹنٹ بت پرستی کے خلاف ہیں اور مریمؑ کو خدا کی ماں نہیں مانتے۔ اس فرقہ کے لوگ تقدیر اور نجات بالایمان کے معتقد ہیں۔ یہ فرقہ مارٹن لوتھر کا پیروکار ہے۔

۳۔ آرتھوڈکس فرقہ

آرتھوڈکس یونانی لفظ ہے جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔ پہلا Orhto بمعنی حق اور دوسرا Doxa مسلک یعنی مسلک حق۔ اس فرقہ کے کلیسا کو مشرقی اور یونانی کلیسا کہا جاتا ہے کیونکہ اس فرقہ کے اکثر پیروکار روم کے مشرقی مقبوضات اور مشرقی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ عقائد کے اعتبار سے یہ فرقے اس لیے ممتاز ہے کے ان کا ماننا ہے کہ روح القدس صرف باپ سے پیدا ہوا، بیٹے سے نہیں۔ اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ معبود باپ معبود بیٹے سے افضل ہے۔ یہ اس وقت دنیا میں عیسائیت کا دوسرا بڑا فرقہ ہے۔ بنیادی طور پر بیلاروس، بلغاریہ، قبرص، جارجیا، یونان، روس، سربیا اور یوکرائن کے ممالک میں اس کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، ۶۱۲/۴

عیسائیت کے بنیادی عقائد

۱۔عیسائیت میں عقیدہ توحید

حضرت عیسیٰؑ کے لائی ہوئی تعلیمات خالص توحید پر مبنی تھیں۔انہوں نے ایک ہی رب کی عبادت کی ہدایت کی تھی۔ جیسا کہ کتب مقدس میں ہے:

''پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا کہ اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرئے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اس کی عبادت کر۔ ''[1]

انجیل کی یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے۔اس کا کوئی ہمسر نہیں اور وہی معبود بر حق ہے۔اسی طرح اناجیل کی مختلف آیات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ موحد تھے اور انھوں نے بار بار لوگوں کو وحدت پرستی کی تلقین کی۔عیسائیوں میں خدا کے وجود کا عقیدہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اسلام میں ہے۔یہ خدا تمام صفات سے متصف ہے وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے اسے محسوس کیا جاسکتا ہے۔مگر بعد میں اس کی جگہ تثلیث نے لے لی۔اس کی رو سے موجودہ عیسائی ایک خدا میں تین ذاتوں کے قائل ہیں۔جن میں باپ،بیٹا اور روح القدس یا باپ،بیٹا اور کنواری مریم شامل ہیں۔ یہ عیسائیت میں شرک کا آغاز تھا۔

۲۔عقیدہ تثلیث

تثلیث عیسائیوں کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔جس کے مطابق خدا تین اقانیم سے عبارت ہے لیکن اس اقانیم میں شامل ہستیوں کی نوعیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ایک گروہ کے نزدیک ایک میں خدا، عیسیٰؑ اور مریمؑ شامل ہیں۔امام ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) اس گروہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فَمِنْهُم مَن يَّقُولُ: أَلْمسيحُ وَ مريمُ إِلٰهَانِ مِن دُونِ اللّٰهِ وَهُم المريمانية''[2]

ترجمہ:ان میں کچھ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ اور مریم علیہ السلام دونوں اللہ کے سوا الگ الگ الٰہ ہیں۔ان کو مریمانیہ کہا جاتا ہے۔

جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک اس اقانیم میں خدا عیسیٰؑ اور روح القدس ہیں۔تیسری صدی کے اواخر میں آریوس کا کہنا

---

[1] کتاب مقدس،عہد نامہ جدید،متی: ۴/۸۔۱۰

[2] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح،ابن تیمیہ،دار العاصمہ الریاض، ۱۹۹۹ء، ۴/۲۲۰

تھا کہ باپ کا وجود بیٹے سے پہلے سے تھا جبکہ ثانوی گروہ کا کہنا تھا کہ باپ بیٹا مساوی المرتبت ہیں۔امام محمد الغزالی (۱۰۵۸۔۱۱۱۱ء) اس گروہ کے نظریے کو اس الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''إنّ المسیح یساوی الله فی جوهره و طبعیته''[1]

ترجمہ: عیسیٰؑ اپنی ذات اور طبعیت کے حوالے سے اللہ کے برابر ہیں۔

اس طرح عقیدہ تثلیث وجود میں آیا۔ جس میں باپ، بیٹے اور روح القدس کو برابر ہمیشہ اہمیت دی گئی ہے۔ معروف عیسائی دانشور مسیح غلام ملر رقمطراز ہے کہ دنیا میں حساب کا مشکل ترین سوال یہ ہے کہ خدا ایک میں تین بھی ہے اور تین میں ایک بھی۔[2]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث ان کے اپنے عقائد کی رو سے کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ نہ تو اس کی تعلیم حضرت عیسیٰؑ نے دی اور نہ ہی موجودہ اناجیل میں اس کا کوئی ذکر ہے۔

۳۔عقیدہ حلول و تجسیم

عیسائیوں کا ایک عقیدہ حلول و تجسیم کا بھی ہے یعنی خدا کی صفت کلام انسانوں کی فلاح کیلئے حضرت مسیحؑ کے انسانی وجود میں حلول کر گئی ہے جب تک آپؑ دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے وجود میں حلول کئے رہا۔ انجیل یوحنا میں ہے:

''ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ ''[3]

اس سے آگے لکھا ہے:

''اور کلام مجسم ہوا اور فضل و سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال''[4]

عیسائی مذہب میں 'کلام' خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے جو خود مستقل خدا ہے۔ اس لئے یوحنا کی اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم مجسم ہو کر حضرت مسیحؑ کے روپ میں آگیا۔ مارس ریلٹن اس عقیدے کی تشریح کرتے ہوئی لکھتے ہیں کہ کیتھولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی۔ خدائی صفات کو چھوڑے بغیر انسان بن گئی۔

---

[1] التعصب والتسامح بین المسیحیة والاسلام، محمد الغزالی، دار الکتب الحدیثیہ القاہرہ، ۱۹۶۵ء، ص:۹۹

[2] ایمان و عمل، مسیح غلام ملر، آئی کے ۳۶ فیروز پور، ۲۰۰۵ء، ص:۲۰۱

[3] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، یوحنا: ۱/۱-۲

[4] ایضاً، یوحنا: ۱/۱۴

یعنی اس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کر لیں۔ جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہے اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی۔ (۱)

عیسائیوں کے نزدیک بیٹے کے حضرت مسیحؑ میں حلول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ بیٹا خدائی چھوڑ کر انسان بن گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے خدا تھا اب انسان بھی ہو گیا۔

۴۔ عقیدہ مصلوبیت

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں عیسائی عقیدہ ہے کہ انھیں یہودیوں نے پیلاطس کے حکم سے سولی پر چڑھا دیا تھا۔ عیسائیوں کے نزدیک پھانسی اقنوم ابن کو نہیں دی گئی جو ان کے نزدیک خدا ہے بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیحؑ کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں بلکہ ایک مخلوق ہیں۔ (۲)

۵۔ عقیدہ حیات ثانیہ

جس طرح عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیحؑ مصلوب ہوئے تھے۔ اسی طرح یہ بھی کہ وہ صلیب پر وفات پانے اور قبر میں داخل ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہو گئے۔ حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد پھر آسمان پر تشریف لے گئے۔ مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اٹھا۔ (۳)

۶۔ عقیدہ رہبانیت

عیسائیت مذہب اور دنیا کو الگ الگ قرار دیتی ہے ان کے ہاں نیکو کار بننے کے لئے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا ضروری ہے۔ بظاہر تو حضرت عیسیٰؑ کے دو سو سال بعد تک مسیحیت رہبانیت سے ناآشنا تھی مگر ابتداء ہی سے اس کے عناصر اس میں پائے جاتے تھے اور وہ تخیلات اس کے اندر موجود تھے جو اس چیز کو جنم دیتے ہیں۔ (۴)

۷۔ عقیدہ کفارہ

عقیدہ کفارہ کے مطابق ہر انسان پیدائشی طور پر گناہ میں مبتلا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کا ثبوت دیتے ہوئے انسان کو اس گناہ سے نجات دلانے کے لئے اپنے بیٹے کو اس دنیا میں بھیجا۔ جو تمام گناہوں سے پاک ہے۔ اس نے تمام لوگوں کے گناہوں کو اپنے اوپر لے کر صلیب پر جان دی۔ اس طرح صلیب پر مسیحؑ کی یہ قربانی عیسائیوں کے تمام گناہوں کا کفارہ

---

(۱) اسٹڈیز ان کرسچین ڈاکٹرائن، مارس ریلٹن، پاکستان بائیبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۶۸

(۲) دی سٹی آف گاڈ، سینٹ آگسٹائن، پاکستان بائیبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۰۹ء، ۲۰۵/۲

(۳) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، کرنتھیوں، ۱۵/۳-۴

(۴) دنیا کے بڑے مذاہب، ص: ۴۰۷

ہو گیا۔[1]

پہلی دو صدیوں تک عیسائی اہلِ علم اس عقیدہ کفارہ کی تردید کرتے رہے مگر آخر کار پانچویں صدی عیسوی میں سینٹ آگسٹائن نے اپنی منطق کے زور سے اس عقیدہ کو مسیحیت کے بنیادی عقائد میں شامل کر دیا کہ نوعِ انسانی نے آدم کے گناہ کا وبال وراثت میں پایا ہے اور مسیحؑ کے کفارے کی بدولت نجات پانے کے سوا انسان کے لئے کوئی راہ نجات نہیں ہے۔[2]

الغرض جدید عیسائیت نے عقیدہ کفارہ کی بنیاد جن مفروضوں پر رکھی وہ سرے سے غلط اور ناپید ہیں۔ اول تو آدمؑ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ گناہ نام ہے احکام شرعی کی خلاف ورزی کا، آدمؑ اس وقت دنیا میں نہیں آئے بلکہ عالم بالا میں تھے جہاں شریعت کا کوئی سوال نہ تھا۔ دوسرا اس لغزش کی انھوں نے اللہ سے معافی مانگ لی تھی جو مل بھی گئی تھی۔ یہ تصور ہی غلط ہے کہ اس نے معافی دینے کے بعد اس گناہ کو برقرار رکھا ہو اور اس کی سزا اپنے اکلوتے بیٹے کو پھانسی کی شکل میں دی ہو۔

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات

ا۔ توحید کی تعلیم

مسیحؑ کی تعلیمات دیگر انبیا علیہم السلام کی طرح خالص توحید پر مبنی تھیں۔ انہوں نے اللہ کی توحید والوہت کے ساتھ اپنی عبودیت کو بھی واضح کیا۔ قرآن مجید کا بیان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ﴾[3]

ترجمہ: بیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔

کتاب مقدس کا بیان ہے:

"اے اسرائیل! سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔"[4]

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"یارب معبودوں میں تجھ سا کوئی نہیں، اور تیری صنعتیں بے مثال ہیں۔ سب قومیں
جن کو تو نے بنایا آکر تیرے حضور سجدہ کریں گی اور تیرے نام کی تمجید کریں گی۔"[5]

---

[1] الکفارہ، ص: ۳۲

[2] دی سٹی آف گاڈ، ۶۷۸/۲

[3] سورۃ آل عمران: ۵۱/۳

[4] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، مرقس: ۳۰/۱۲

[5] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، زبور: ۸/۶۸-۹

حضرت مسیحؑ نے ایک ازلی بادشاہ خدائے واحد کی تعلیم دی جو اول اور آخر ہے اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی تمام چیزوں سے صاف نظر آتی ہے وہ قادر مطلق ہے اس کے کام بڑے اور عجیب ہیں، وہی تمجید، عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ اس نے ساری چیزیں پیدا کیں، وہ انسانوں کا روزِ قیامت، میں حساب لے گا، خدا رحم دل ہے۔[۱]

۲۔ نیک اعمال کی تلقین

ہر نبی کی طرح آپؑ نے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر زور دیا۔آپ نے فرمایا:

"جو کوئی میرے پاس آتا ہے اور میری باتیں سن کر ان پر عمل کرتا ہے۔میں تمھیں جتاتا ہو کہ وہ کسی کی مانند ہے وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت گہری زمین کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی جب رو آئی تو دھارا اس گھر پر زور سے گری مگر اسے ہلا نہ سکی کیونکہ وہ مضبوط بنا ہوا تھا لیکن جو سن کر عمل نہیں کرتا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے زمین پر گھر کو بے بنیاد بنایا جب دھارا اس پر زور سے گری تو وہ گر پڑا اور بالکل برباد ہوا۔"[۲]

۳۔ تجدید دین موسوی

دوسرے انبیاء کی طرح مسیحؑ نے تورات کی تصدیق کی جیسا کہ فرمایا:

"یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کو رد کرنے آیا ہوں بلکہ (اسے) پورا کرنے آیا ہوں۔"[۳]

۴۔ تقویٰ اور اطاعت رسول

دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح مسیحؑ کی تعلیمات، پرہیز گاری، نیکی اور اطاعت رسول پر مبنی تھیں۔کتاب مقدس کا بیان ہے کہ اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات کو جانفشانی سے مان کر اس کے ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرلے تو خداوند تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کر سرفراز کرے گا۔[۴]

۵۔ اخلاق حمیدہ کی تلقین اور اخلاق رزیلہ کی ممانعت

آپؑ نے تعلیم دی کہ جو شخص زمین پر لوگوں کے قصور معاف کرتا ہے روز آخرت اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے در گزر

---

[۱] اسلام اور مذاہب عالم، اسرار الرحمان، ایور نیو بک پیلس لاہور، ص:۱۷۰

[۲] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، لوقا:۶/۴۷۔۴۹

[۳] ایضاً، متی:۵/۱۷

[۴] ایضاً، استثناء:۲۸/۱

فرمائیں گے۔ (۱) حضرت عیسیٰؑ نے محض اخلاق حمیدہ کو اپنانے ہی کی تعلیم نہیں دی بلکہ عیب جوئی، زنا، چوری، جھوٹی گواہی کی مخالفت ان الفاظ میں کی کہ عیب جوئی نہ کرو تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے۔ آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے فریب دے کر نقصان نہ کر۔ (۲)

۶۔معاشرتی تعلیمات

حضرت عیسیٰؑ نے والدین، ہمسایوں، مسکینوں حتیٰ کہ دشمنوں کہ ساتھ بھی حسن سلوک کی تلقین کی، والدین کی عزت کے بارے میں فرمایا کہ اپنے باپ کی عزت کر اور ماں کی عزت کر۔ (۳)

آپؑ نے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں تعلیم دی ہے کہ:

"اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو۔" (۴)

آپؑ نے غریبوں اور ضرورت مندوں کو قرض دینے کی تلقین ان الفاظ میں فرمائی:

"جو کوئی تجھ سے قرض مانگے اس سے منہ نہ موڑ" (۵)

الغرض حضرت عیسیٰؑ نے تمام انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کی پیروی کی۔ لیکن عیسائیت جن عقائد اور مخصوص مذہبی تصورات کے مجموعے کا نام ہے وہ حضرت مسیحؑ کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئی۔

عبادات ورسوم

عیسائی مذہب میں درج ذیل دو عبادتیں فرض ہیں:

۱۔ نماز و حمد خوانی ۲۔ روزہ

۱۔نماز و حمد خوانی

ہر روز صبح شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے۔ یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی حصہ ہوتا ہے زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں۔ زبور کے ہر نغمے کے اختتام پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے اور اس دعا کو موقع پر گناہوں کے اعتراف کے طور پر آنسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے۔ یہ طریقہ تیسری صدی

---

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، متی: ۱۴/۶

(۲) ایضاً، مرقس: ۱۹/۱۰

(۳) ایضاً، مرقس: ۱۹/۱۰

(۴) ایضاً، متی: ۴۴/۵

(۵) ایضاً

عیسوی سے مسلسل چلا آرہا ہے۔[1]

۲۔روزہ

عیسائی مذہب میں روزہ صبح سے زوال آفتاب کے بعد تک کھانے سے باز رہنے اور اس کے بعد غیر مرغن غذاؤں کے استعمال کا نام ہے۔ یہ لوگ بدھ کے روز روزہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ اسی دن مسیحؑ کو گرفتار کیا گیا تھا اور جمعہ کے دن کیونکہ اسی دن آپ کو تختہ دار پر لٹکایا گیا تھا۔ عید میلاد مسیح کی مناسبت سے عیسائی مذہب میں ۴۳ دن کے روزہ رکھے جاتے ہیں ان کے علاوہ ایام میں بھی روزہ رکھنے کا رواج ہے۔[2]

رسوم

عیسائی مذہب میں کل سات رسمیں ہیں۔ دو متفق علیہ اور پانچ مختلف فیہ؛ اور چونکہ پانچ رسموں کو پروٹسٹنٹ فرقہ تسلیم نہیں کرتا اور انجیل میں ان کی اصل بھی موجود نہیں ہے اس لئے دونوں متفق علیہ رسموں کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے یہ دونوں رسمیں بپتسمہ اور عشار بانی کے نام سے مشہور ہیں جن کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

۱۔بپتسمہ (Baptism)

بپتسمہ یا اصطباغ عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے۔ یہ ایک قسم کا غسل ہوتا ہے جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جا سکتا۔ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے۔ موت کے ذریعے سے ''اصل گناہ'' کی سزا ملتی ہے اور نئی زندگی سے اسے قوت ارادی حاصل ہوتی ہے۔ بپتسمہ کے عمل کے لئے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے اور اس عمل کے لئے مخصوص آدمی متعین ہوتے ہیں۔ جو سر سے پاؤں تک ایک دم کئے ہوئے تیل سے مالش کرتے ہیں۔ پھر عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو پانی کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے۔ باہر نکل کر عقیدہ تثلیث کا اقرار کرایا جاتا ہے اس طرح یہ رسم پوری ہو جاتی ہے۔[3]

انجیل مرقس میں ہے:

> ''یوحنا آیا اور بیاباں میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کی بپتسمہ کی منادی کرتا تھا۔''[4]

---

[1] پرنسپلز آف کرسچن ورشپ، ریمنڈ ایبا، آکسفورڈ پبلیکیشن، ۱۹۶۰ء، ص: ۳

[2] مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ، مولانا انیس احمد فلاحی مدنی، مکتبہ قاسم العلوم رحمان مارکیٹ لاہور، ص: ۱۶۹

[3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ۸۳/۳

[4] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، مرقس: ۴/۱

ایک اور جگہ آتا ہے کہ خود عیسیٰ مسیحؑ کو یوحنا ہی نے بپتسمہ دیا تھا۔[1] انجیل یوحنا میں ہے کہ البتہ آپ نے کسی کو بپتسمہ نہیں دیا تھا۔[2]

۲۔عشاء ربانی (Eucharist)

عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیحؑ کی مبینہ قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔ حضرت مسیحؑ نے گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا۔ کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع مسیح نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔ پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔[3]

لوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ اور کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے حواریوں سے کہا کہ میری یادگاری کے لیے یہی کیا کرو۔[4]

عشاء ربانی کی رسم اسی حکم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے۔عیسائیوں کے مشہور عالم جسٹن مارٹر (Jastin Martyre:100-165)اپنے زمانے میں اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے۔ شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارک باد دیتے ہیں۔ پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے۔[5]

صدر مجلس اس کو لے کر باپ، بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں۔ پھر کلیسا کے خدام روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔ اس رسم کو شکرانہ، مقدس غذا اور مقدس اتحاد کے

ناموں سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، متی: ۱۳/۳

[2] ایضاً، یوحنا: ۳/۴

[3] ایضاً، متی: ۲۶/۲۶-۲۸

[4] ایضاً، لوقا: ۱۹/۲۲

[5] دی کرسچن ریلجن، ۴۹/۳

تہوار و مقدس ایام

عیسائیوں کے مختلف تہواروں میں تین مواقع انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جن کی مختصر وضاحت حسب ذیل ہے:

ا۔ اتوار کا دن

انگریزی میں اتوار کو ''سن ڈے'' کہتے ہیں اور ''سن'' کا مطلب ''سورج'' ہے تو ''سنڈے'' کا معنی ہوا ''سورج کا دن'' اصل میں یونانی مشرکوں کے یہاں یہ دن سورج کی پوجا کے لیے مقرر تھا اسی طرح ہندو بھی ''اتوار'' کو سورج کی پوجا کے لیے مخصوص رکھتے تھے، ان کی دیکھا دیکھی عیسائیوں نے بھی اسے مقدس سمجھنا شروع کر دیا اور اب یہ ان کے یہاں ایک مقدس دن اور تہوار کا موقع ہوتا ہے۔[1]

۲۔ کرسمس

عیسائی تہواروں میں یہ دن ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسے مسلمانوں میں عید کا دن، کیونکہ یہ عیسائیوں کا سالانہ تہوار ہے جو پچیس (۲۵) دسمبر کو حضرت عیسیٰؑ کی سالگرہ کے طور پر منایا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس تاریخ کو حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی تھی، اس خوشی میں کیک کاٹے جاتے ہیں اور مختلف قسم کے طریقوں سے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔[2]

۳۔ ایسٹر کا تہوار

عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ مرنے کے بعد تیسرے دن اکیس مارچ بروز اتوار کو زندہ ہو گئے تھے۔ احیائے ثانیہ کی خوشی میں عیسائی اکیس مارچ یا اس کے بعد پہلے اتوار کو ایسٹر تہوار مناتے ہیں۔

الغرض عیسائیت کے تہوار ان کے مذہبی دنوں اور مناسبتوں سے منائے جاتے ہیں۔ یہ مقدس ایام ان کے آپس میں پیار و محبت اور جذبہ خیر سگالی کا اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

عیسائیت کے دینی ادب کا تعارف

عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل ہے۔ جو عہد نامہ جدید کے نام سے مشہور ہے۔ یہودی عہد نامہ قدیم کو مانتے ہیں اور عیسائی عہد نامہ جدید کو۔ مسیحی کتاب مقدس بائبل کے دو بڑے حصے ہیں۔ پہلا حصہ پرانا عہد نامہ اور دوسرا نیا عہد نامہ کہلاتا ہے نیا عہد نامہ یا انجیل خالصتاً عیسائیوں کی مقدس کتاب ہے۔ پروٹسٹنٹ عیسائی عہد نامہ قدیم ۳۹ جبکہ کیتھولک، اینگلی کان اور مشرقی کلیسا سے متعلق عیسائی مزید کچھ اور کتابوں کو مانتے ہیں۔[3]

---

(۱) تقابل ادیان، محمد یوسف خان، ص: ۲۱۷

(۲) ایضاً

(۳) عیسائیت کا تجزیہ اور مطالعہ، ساجد میر، دار السلام لاہور، ص: ۲۱۱؛ ملاحظہ ہو: Encyclopedia Americana, V:3, P. 612

انجیل کا تعارف

انجیل کے لیے انگریزی میں گاسپل Gospel کا لفظ استعمال کیا ہے جو پرانی انگریزی میں گڈ سپل Godspel تھا جس کا مفہوم ہے، اچھی خبر۔ یہ لفظ لاطینی کے لفظ Evangeliun کا ترجمہ ہے جو خود یونانی لفظ Anggelos سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی بھی خوش خبری اور بشارت ہے۔[1]

مسیحیوں کے نزدیک آج کل بنیادی طور پر انجیل سے مراد وہ چار کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے حالات زندگی، معجزات اور تعلیمات کے متعلق مختلف وقفوں میں لکھی گئیں اور متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں، لیکن کبھی کبھی پورے عہد نامہ جدید کے لیے بھی انجیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہ موجود بائبل کا حصہ ہے۔ بعض علماء شریعت نے انجیل کو عربی لفظ قرار دے کر اس کا مادہ ''ن ج ل'' بتایا ہے۔ نجل الشیء کے معنی ہے اسے ظاہر اور روشن کیا اور نجل کے معنی اصل، بنیاد اور استخراج کے بھی ہیں۔ چنانچہ مشہور عالم لغت اپنی کتاب جمہرۃ اللغۃ میں لکھتے ہیں:

''إستنجل الماء اذا ظهر فى الوادى و يمكن ان يوكن اشتقاق الانجيل من هذا''[2]

ترجمہ: اِستَنجَلَ المَاء کے معنی ہیں: وادی میں پانی کا نکل آنا، ہو سکتا ہے کہ انجیل اس سے ماخوذ ہو۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''وانجيل إن كان عربياً محضا فاشتقاقه من النجل و هو ظهور الماء على وجه الارض و اتساعه''[3]

ترجمہ: اگر لفظ انجیل خالص عربی ہو تو اس کا اشتقاق نجل سے ہوگا۔ جس کے معنی سطح زمین پر پانی نکل آنے اور پھیل جانے کے ہیں۔

عربی میں انجیل کی ایک قراءت اَنجیل بھی ہے۔ اَنجل کے معنی ہیں عریض و وسیع۔ قرآن کریم کے مطابق انجیل وہ کتاب ہے جو عیسیٰؑ پر نازل ہوئی۔[4]

---

[1] مطالعہ بائبل و قرآن، بشیر محمود اختر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، فروری ۱۹۸۶، ص: ۲۶

[2] جمہرۃ اللغۃ، علامہ محمد بن حسن بن درید الازدی، دار صادر بیروت لبنان، ۱۱۲/۲

[3] ایضاً

[4] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳/ ۳۰۷-۳۰۸ ؛ ملاحظہ ہو: لسان العرب، ۱۱/ ۶۴۶

کیونکہ انجیل کے قدیم ترین تراجم سریانی سے عربی میں ہوئے ہیں۔اس لیے زیادہ قرین قیاس ہے کہ اصل یونانی لفظ سریانی کی وساطت سے عربی میں آیا۔ سریانی اناجیل بھی (Evangelon) کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ لفظ انجیل سریانی الاَصل ہے بقول ابن منظور افریقی عبرانی اسم ہے یا سریانی۔ حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواری نسلاً اور مذہباً اسرائیلی تھے۔ اور ان کی مادری اور مذہبی زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامی، پھر ابتدائی عیسائیوں نے اپنے مذہبی صحیفے اور نیز مقتدائے دین کے لیے جو کتاب لکھی ان کا نام عبرانی کی بجائے یونانی رکھنے کی وجہ کچھ یوں بیان کی گئی ہے کہ جب یہ پتہ چلالیں کہ اناجیل اصلاً کس زبان میں تھیں اگر عبرانی میں تھیں اور بعد میں ان کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا گیا تو ظاہر ہے کہ کتاب کا نام انجیل نہیں ہو گا جو یونانی لفظ ہے لیکن جس طرح ہمارے پاس اصل عبرانی اناجیل کی طرح اس کا اصل نام بھی ناپید ہو چکا ہے۔[۱]

انجیل کو بشارت اسی لیے کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارت دینے آئے تھے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ﴾[۲]

ترجمہ: اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا اس نام احمد ہے۔

پھر یہ کہ خود حضرت عیسیٰؑ کا ظہور قدیم نوشتوں کی بشارتوں کے مطابق ہوا تھا۔[۳] انجیل معرب ہے 'انگلیمول' کا جس کے معنی یونانی زبان میں بشارت اور تعلیم کے ہیں۔انجیل کے جدید نام کے متعلق یہودی انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ انجیل کو عہد نامہ جدید یا (New Testament) کا نام عیسائیوں نے دوسری صدی عیسوی کے اواخر میں دیا۔[۴]

عہد نامہ جدید کے متعلق انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ عہد نامہ جدید کو مقدس اور الہامی کتاب قرار دینے کا تصور عیسائیت میں یہودیت سے آیا۔[۵]

انجیل کا مفہوم

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں انجیل کے مفہوم کی طویل وضاحت میں آتا ہے کہ:

۱۔خوشخبری (خدا کی بادشاہت کی) جو حضرت عیسیٰؑ نے دنیا کو سنائی لہٰذا ان مذہبی اعتقادات کا مجموعہ جو حضرت عیسیٰؑ اور

---

(1) Encyclopedia of Britannica, V:3, P:525

(۲) سورۃ الصف: ۶/۶۱

(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳/۳۰۸

(۴) جیوئش انسائیکلوپیڈیا، ۹/ ۲۴۶

(5) Encyclopedia of Religion and Ethics, V:2, P:588

نیز دیکھیے: تاریخ تہذیب، کرسٹوفر کرین برنٹن۔(مترجم: غلام رسول مہر)، شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۶۵ء، ۱/۱۷۳۔۱۷۴

ان کے حواریوں نے تعلیم کئے مسیحی الہام، مذہب یا دستور۔ چار انجیل نویسوں کی کتابوں میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور تعلیم کے بارے میں بیانات۔ [1]

۲۔ مذہب کے انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ انجیل کا اصل مفہوم خوش خبری لانے والے کا انعام تھا۔ بعد میں اس کا معنی خود خوش خبری کے قرار پایا۔ عہد نامہ جدید اور دیگر ابتدائی مسیحی ادبیات میں اس سے مراد ہے حضرت عیسیٰؑ کی معرفت پیغامِ نجات جس کی تعلیم حواریوں اور ابتدائی کلیسا کے مبلغوں نے دی جب یہ لفظ خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے ادا ہوا جیسا کہ "اور کہا کہ وقت پورا ہو گیا ہے اور خدا کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ توبہ کرو اور خوش خبری پر ایمان لاؤ۔"[۲] تو وہاں بھی اس یہی مفہوم ہے۔ [۳]

۳۔ کولرز انسائیکلوپیڈیا میں بھی یہی بنایا گیا ہے کہ انجیل کا لفظ شروع میں اس پیغام کے بیان کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جس کا اعلان عیسائیت نے کیا تھا۔ بعد ازاں ان کتابوں پر دلالت کرنے لگا جن میں حضرت عیسیٰؑ کے حالات درج ہوتے تھے۔ [۴]

معلوم ہوا کہ انجیل دراصل وہ بشارت تھی جو حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی۔ پھر اس مفہوم میں، ان کی تعلیم کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ان کی تعلیم یا تبلیغ زبانی خطبات و مواعظ کی صورت میں ہوئی تھی جو کبھی بھی گفتگو اور مکالمے کا روپ دھار لیتی تھی رفتہ رفتہ تعلیم کے ساتھ ان کے حالات زندگی بھی اس مفہوم میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ اب مسیحی ادبیات میں انجیل ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے احوال اور ان کی تعلیمات کا تذکرہ ہوتا ہے۔

۵۔ انجیلوں کے بارے میں ایک امریکی کتاب "نیوٹیسٹامنٹ" بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان اقوال اور ان کے حواریوں کی باتیں زبانی شہادت کے طور پر یاد رکھی جاتی تھیں۔ جلد ہی ان اقوال کے تحفظ اور ان کی وضاحت کی بڑی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ پہلی صدی عیسوی کے آخر تک ہماری اناجیل معرضِ تحریر میں آچکی تھیں۔ پھر ان میں بعد کے مرتبین کے ہاتھوں بہت کچھ اضافہ عمل میں آیا کیونکہ یہ عمل معیوب نہیں گردانا جاتا تھا۔ ترتیب و تدوین کے ایسے اضافہ والحاق بلکہ سراسر جعل سازیوں کا مطالعہ مسائل متن کے ضمن میں خاصا الجھا ہوا ہے اور اس سے بائبل کے معاملات کا کوئی ماہر ہی نبٹ سکتا ہے۔ بہر حال یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انجیل کا کوئی ایک بھی اصل قدیم مسودہ موجود نہیں۔ اس وقت جو کچھ ہمارے پاس ہے، وہ اصل دستاویزوں کے قلمی نسخے ہیں۔ عہد نامہ جدید یونانی میں لکھی گئی تھیں اس

---

(1) The oxford English dictionary, 1961, V:4, P:308

(۲) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، مرقس: ۱۵/۱

(3) An Encyclopedia of Religion, the Philosophical library New York, 1945, P:307

(4) Collier's Encyclopedia, 1979, V:II, P:240

زمانے میں یہی دنیا کی زبان تھی اور لکھنے والے یہی چاہتے تھے کہ وہ ایک ایسی زبان میں لکھیں جسے ان کی تحریک میں شامل غیر ملکی بھی سمجھ سکیں، ان کی خواہش تھی کہ ان کی زبان سیاسی حد بندیوں سے بلند ہو اور جسے رومی سلطنت کی اکثریت بولتی ہو۔[1]

تاریخی جائزہ

آج جو کتاب مقدس (عہد نامہ) کے نام سے پائی جاتی ہے۔ اس میں کافی تغیر و تبدل ہو چکا ہے۔ بلکہ اصل انجیل جو عبرانی زبان میں تھی وہ سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ آج انجیل کے سب سے قدیم جو نسخے ملتے ہیں وہ یونانی زبان کے ہیں۔ پھر ترجمہ در ترجمہ کے عمل سے گزرے ہیں اور جس مترجم نے جہاں چاہا وہاں کمی بیشی کو اپنا حق سمجھا۔ اس وجہ سے تحریف کا ایک ایسا دروازہ کھلا جو آج تک بند ہونے میں نہیں آرہا ہے، تاہم موجود کتاب مقدس میں انجیل کے بکھرے ہوئے اجزاء ضرور پائے جاتے ہیں۔ اگر ان منتخب اجزاء کا قرآن پاک سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو بہت کم اختلاف نظر آئے گا۔ اور جو اختلاف نظر آئے گا تو اس وجہ سے کہ قرآن اپنے الفاظ میں ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے محفوظ ہے جب کہ تورات، زبور اور انجیل اصل الفاظ اور مستقل کتاب کی حیثیت سے محفوظ نہ رہے۔ یہود مدینہ کے پاس تورات ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے پائی جاتی تھی اور حضور ﷺ کے زمانہ میں مدینے کے یہودیوں کے پاس اس کا ایک نسخہ محفوظ تھا لیکن انجیل کے بارے میں کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔[2]

عیسائیوں کے ہاں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کے علاوہ اور بھی بے شمار انجیلیں موجود تھیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا نے ۳۴ اناجیل کے نام لکھے ہیں جبکہ نیقیہ کونسل کے انعقاد کے زمانے میں ان کی تعداد ۲۷۰ تک پہنچ گئی تھی۔ ان میں کوئی انجیل دوسرے انجیل کے موافق نہ تھی جبکہ ہر فرقہ خود کو مسیح کا صحیح مقلد اور اپنی انجیل کو صحیح سمجھ رہا تھا جس کی وجہ سے عیسائیت میں شدید مذہبی اختلافات نے جنم لیا۔ ان اختلافات کو مٹانے کے لیے ۲۸ اکتوبر ۳۱۲ء کو بت پرست رومی بادشاہ قسطنطین اعظم کی سربراہی میں نیقیہ کونسل منعقد ہوئی۔ کونسل کے فیصلے کے مطابق تمام ۲۷۰ اناجیلوں کو گڈمڈ کرکے گرجاگھر میں عشائے ربانی کے میز کے نیچے رکھا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ جو کتب الہامی ہوں گے۔ خدا ان کو میز پر رکھ دے گا۔ دوسرے دن صبح ان تمام کتابوں میں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی انجیلیں میز پر پائی گئیں۔ اس طرح یہ الہامی قرار پائیں اور باقی تمام نسخے نامنظور اور مردود پائے۔ اس فیصلے کو خدائی فیصلہ قرار دے کر حکم بنایا گیا کہ باقی تمام کو جلا دیا جائے اور اگر کسی کے پاس ان اناجیلوں کے علاوہ کوئی اور انجیل پائی گئی یا تبلیغ کرتے ہوئے دیکھا گیا تو وہ واجب القتل ہوگا۔ اس کے بعد بھی کونسلیں منعقد ہوئیں۔

---

[1] New Testament Monarch Notes and Study Guides, New York: , Unicoi J-Violi, 1964, p.25-26

[2] تعارف مذاہب عالم، ص: ۴۴۰

موجودہ بائبل عہد نامہ قدیم وجدید کا مجموعہ ہے یہ ۶۳۳ء کی ٹولیڈو کونسل کا ترتیب دیا ہوا ہے۔[1]

قرآن مجید میں انجیل کا تذکرہ

قرآن مجید میں جس طرح گزشتہ انبیاء وامم کا تذکرہ ملتا ہے، اسی طرح اس میں سابقہ صحف سماوی بھی موجود ہے۔ چنانچہ توریت اور زبور کے ذکر کی طرح اس میں انجیل کے بارے میں اشارات ملتے ہیں جن سے انجیل کے اوصاف اور اس کی حیثیت کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ قرآن نے ہمیں اس بات سے آگاہ کر دیا ہے کہ اصل انجیل کیا تھی اور وہ کس انجیل کی تصدیق کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد خداندی ہے:

﴿وَاٰتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔ خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَه مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[3]

ترجمہ: جو لوگ کہ اس رسولؐ نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے) وہ ان کی نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً﴾[4]

---

[1] بعثت نبویؐ پر مذاہب عالم کی گواہی، ص: ۱۲۴-۱۲۵

[2] سورۃ المائدۃ: ۵/۴۶

[3] سورۃ الاعراف: ۷/۱۵۷

[4] سورۃ الحدید: ۵۷/۲۷

ترجمہ: اور ان سابقہ پیغمبروں کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا۔

ان آیات کے مطالعے سے درج ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں:

۱۔ جس طرح قرآن اپنے سے پہلے کی الہامی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اسی طرح انجیل میں بھی توریت کی تصدیق ملتی ہے۔

۲۔ انجیل اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ پر نازل فرمائی تھی تاکہ لوگوں میں خوف خدا پیدا ہو اور وہ حضرت عیسیٰؑ کے احکام تسلیم کریں۔

۳۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم وہی تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی، اس لیے اس کی پابندی لازمی تھی۔ انجیل کی اصل تعلیم یہی تھی جس کی تصدیق قرآن کرتا ہے، نہ کہ وہ کتابیں جو چار انجیلوں کے نام سے چار مختلف لوگوں نے سن سنا کر لکھیں۔

۴۔ انجیل میں لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔

۵۔ اس میں نور تھا اور لوگوں کے لیے سمجھ کی باتیں تھیں۔

۶۔ انجیل میں آنحضرت ﷺ کی بشارت تھی۔ یہی بشارت درحقیقت انجیل کا حاصل اور اصل مقصود تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطاء ہوئی تھی لیکن اس الہامی اور جو آسمانی کتاب کا ان انجیلوں سے کوئی تعلق نہیں جو آج موجود ہیں۔ چونکہ موجودہ اناجیل حضرت مسیحؑ کے اٹھ جانے کے تقریباً تیس سال بعد سے لکھی جانا شروع ہوئیں اور ان لوگوں نے ان کو لکھا جن کو خود بھی حضرت مسیحؑ کی دید کا شرف حاصل نہیں ہو سکا۔ ان کا درجہ سیرت کی کتب سے زیادہ نہیں۔ جیسا کہ لوقا نے اپنی انجیل کے آغاز میں پوری طرح واضح کر دیا۔[1] کتاب مقدس کا دوسرا حصہ جو موجودہ دور میں نیا عہد نامہ کہلاتا ہے جو ستائیس (۲۷) کتابوں پر مشتمل ہے۔ رحمت اللہ کیرانوی لکھتے ہیں:

''وَأَمَّاالْقِسْمُ الأَوَّل مِنَ الْعَهْدِ الجَدیدِ فَعِشْرُونَ كتَابًا، إنْجیل مَتّی، إنجیل مُرقس، إنجیل لُوقَا، إنجیل یُوحَنا و یُقَال لهَذه الأَرْبَعة أنَاجیل و لفظ الأنَاجیل مختصٌ بِكُتُبِ هٰؤلاءِ الأربَعَة وقَد یُطلقُ عَلیٰ مجموعِ كُتُبِ العَهَد الجَدید''[2]

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید لوقا، ۱/۱۔۴

[2] بائبل سے قرآن تک، ۱/ ۹۶

ترجمہ: عہد نامہ جدید کی جو پہلی قسم ہے ان میں بیس کتابیں ہیں۔ انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا اور ان چاروں کے مجموعے کو انجیل کہا جاتا ہے اور لفظ انجیل ان چاروں کتابوں کے ساتھ مخصوص ہے اور ان سب کے مجموعے کو عہد نامہ جدید بھی کہا جاتا ہے۔

عہد نامہ جدید کی کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ متی کی انجیل	۲۔ مرقس کی انجیل
۳۔ لوقا کی انجیل	۴۔ یوحنا کی انجیل
۵۔ رسولوں کے اعمال	۶۔ رومیوں کے نام خط
۷۔ کرنتھیوں کے نام پہلا عام خط	۸۔ کرنتھیوں کے نام کا دوسرا عام خط
۹۔ گلتیوں کے نام پہلا خط	۱۰۔ افسیوں کے نام کا خط
۱۱۔ فلپیوں کے نام کا خط	۱۲۔ کلسیوں کے نام کا خط
۱۳۔ تھسلنیکیوں کے نام کا پہلا خط	۱۴۔ تھسلنیکیوں کے نام کا دوسرا خط
۱۵۔ تیمتھیس کے نام کا پہلا خط	۱۶۔ تیمتھیس کے نام کا دوسرا خط
۱۷۔ ططس کے نام کا خط	۱۸۔ فلیمون کے نام کا خط
۱۹۔ عبرانیوں کے نام کا خط	۲۰۔ یعقوبؑ کا عام خط
۲۱۔ پطرس کا پہلا عام خط	۲۲۔ پطرس کا دوسرا عام خط
۲۳۔ یوحنا کا پہلا عام خط	۲۴۔ یوحنا کا دوسرا خط
۲۵۔ یوحنا کا تیسرا خط	۲۶۔ یہودا کا عام خط
۲۷۔ یوحنا عارف کا مکاشفہ [1]	

اناجیل اربعہ کی مختصر تفصیل حسبِ ذیل ہے:

انجیل متی (Gospel Of Mathew)

اس میں حضرت عیسیٰؑ کے نسب نامے سے لے کر صعود (عروج آسمان) تک واقعات درج ہیں اور کچھ احکام بھی ہیں یہ کل ۲۸ ابواب اور ۱۰۶۸ آیات پر مشتمل ہے یہ سب سے پرانی ہے اس کا مؤلف نامعلوم ہے۔ اس کے احوال سے کوئی آگاہ نہیں

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، ص: ۴

ہوا۔ بعض عیسائی مصنفین یوں کہتے ہیں کہ اس انجیل کا ایک حصہ حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری متی نے ترتیب دیا لیکن وہ کافی عرصہ پہلے گم ہو گیا تھا۔ اس میں عیسیٰؑ کے مواعظ جمع ہیں۔ انجیل متی موجودہ کا مصنف و مؤلف کون ہے، اس کے بارے میں تمام مؤرخین محو سکوت ہیں اس کا زمانہ تصنیف ۶۵ء سے ۷۰ء کا ہے جبکہ مؤرخِ کلیساء اور جرمن مذہبی مفکر پروفیسر ہارنک (Adolf Von Harnack:1851-1930) کے بقول یہ انجیل ۸۰ء سے ۱۰۰ء کے درمیان لکھی گئی تھی۔[۱]

انجیل مرقس (Gospel of Marke)

عہد نامہ جدید کی دوسری کتاب مرقس ہے جس کو سینٹ مارک (Saint Mark) نے ۶۰ء سے ۷۰ء عیسوی کے درمیان تالیف کیا۔ یہ سینٹ پیٹر (Saint Peter:1-68) کے قریبی دوست تھے۔ اس کے مطابق مرقس ایک یونانی الاصل یہودی تھا۔ پہلے پال (Saint Paul:5-67) اور برناباس (Barnabas:61.d) کا رفیق تھا۔ ان سے علیحدہ ہو کر پطرس حواری (م ۶۴ء) کی خدمت میں رہنے لگا۔ ۶۴ء عیسوی میں پطرس جب عیسائیوں ہاتھوں قتل ہوئے تو مرقس نے اس حادثے کے بعد مسیحؑ کی سیرت تحریر کی۔ مرقس خود کبھی حضرت عیسیٰؑ سے نہیں ملا اور نہ ان کا مرید ہوا۔ عیسائی مصنفین اس کو عموماً پطرس کا ترجمان کہتے ہیں کیونکہ وہ پطرس سے جو کچھ سنتا تھا ایسے یونانی زبان میں لکھتا تھا یہ ۱۶ ابواب پر مشتمل ہے۔[۲]

انجیل لوقا (Gospel of Luke)

عہد نامہ جدید کی تیسری قسم "انجیل لوقا" ہے مؤلف کا پورا نام لوقنیس (Lucaniss:84d) ہے لیکن تخفیف کے ساتھ یہ لوقا (Luke) استعمال ہوا ہے۔ وہ ایک غیر یہودی ماہر طبیب تھا اور پال کی رومی قید کے دوران ان کے بہت قریب رہا اس بات پر بھی اتفاق کیا جاتا ہے کہ ان کی کتاب کا زمانہ تحریر ۷۰ء اور ۸۰ء کے درمیان ہے۔ یہ انجیل یہودی اور غیر یہودی سب کے لیے لکھی گئی اور ساری کتاب کے دوران یہ کوشش کی گئی ہے کہ مسیحؑ کی زندگی کو انسانیت کے لیے نجات دہندہ اور رومی سلطنت کی تاریخ کے ایک حصے کے طور پر بیان کیا جائے یہ انجیل دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ مکمل اور ضخیم ہے۔ اس کے ۲۴ ابواب ہیں۔

انجیل یوحنا (Gospel of Johan)

عہد نامہ جدید کی چوتھی کتاب یوحنا ہے۔ اسے حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری یوحنا نے ترتیب دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کا حواری نہیں تھا، بلکہ ایک اور یوحنا تھا، جو ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا یہ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں مرتب

---

[۱] پیغمبر اسلام ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں، محمد یحیٰ خان، نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۴۸

[۲] تاریخ صحف سماوی، سید نواب علی، سٹی بک پوائنٹ نوید سکوائر اردو بازار کراچی، ص: ۵۷؛ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: اعجاز عیسوی جدید، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ادارہ اسلامیات لاہور، ص: ۴۵-۵۳

ہوئی۔اس کا دور ۸۰ء سے ۹۰ء ہے۔اس کا انداز بیان دوسری اناجیل سے مختلف ہے۔اس میں یونانیوں کے فلسفے کی آمیزش بھی کہیں کہیں دکھائی دیتی ہے۔اس میں ایک بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ تعلیمات مسیحؑ کو بطور استدلال پیش کیا گیا ہے۔دوسری تینوں اناجیل اس قسم کے ارشادات سے تہی دامن اور خالی ہیں۔اس کے ۲۱ ابواب ہیں۔اس انجیل کے مصنف کے بارے میں بارے میں مسیحی علماء کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر موریس بوکائی (۱۹۲۰۔۱۹۹۸ء) لکھتے ہیں کہ دی اکومینکل ٹرانسلیشن آف دا بائبل کا بیان ہے کہ ناقدین کی اکثریت یہ مفروضہ تسلیم نہیں کرتی کہ یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہے، اگرچہ یہ امکان کلیتاً رد نہیں کیا جاسکتا۔تاہم اس انجیل کے مندرجات اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس کا جو متن آج ہمارے سامنے ہے، اس کے کئی مصنفین ہیں۔اس بات کا امکان موجود ہے کہ موجودہ انجیل مصنف کے شاگردوں نےاِدھر اُدھر پھیلائی اور اس میں فصل نمبر اکیس کا اضافہ کر دیا۔اس کے علاوہ بھی بہت سارے اضافے متن میں کر دیئے گئے۔اسی طرح او کلمن کا خیال ہے کہ اس انجیل میں بعد ازاں کیے گئے اضافے نمایاں ہیں مثلاً فصل اکیس جو شاید کسی شاگرد کا اضافہ ہے اور ممکن ہے کہ اس نے انجیل کے متن میں تھوڑا بہت ردوبدل کر دیا ہو۔[1]

لہٰذا بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اناجیل کے مصنفین ان کی تاریخ تحریر اور مقام وغیرہ کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا اور نہ یہ بتایا جاسکتا ہے کہ یہ پہلے پہل اصل زبان آرامی یا سریانی میں لکھی گئیں تھیں یا بعد میں لکھنے والوں نے انھیں یونانی زبان میں قلمبند کیا تھا۔

عہد نامہ جدید کے متعدد ترجمے ہیں لیکن سب سے زیادہ شہرت اس ترجمہ کو حاصل ہے جس کو جیروم نے یونانی سے لاطینی زبان میں ۳۸۳ء میں کیا۔یہ ترجمہ ولگیٹ کہلاتا ہے انگریزی زبان میں مروجہ عہد نامہ جدید جو شاہ جیمس کے زمانے میں ۱۶۱۰ء میں شائع ہوا، اس ولگیٹ کا ترجمہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور ترجمہ ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا۔ جو تصحیح شدہ ایڈیشن (Revised Edition) کے نام سے موسوم ہوا۔[2]

یہ چار اناجیل ہیں جنھیں مسیحی کلیسا نے معتبر اناجیل (Canonical Gospel) قرار دے رکھا ہے جب کہ ان کے مقابلے میں انجیل برناباس زیادہ قابل اعتماد تھا۔اس کے معتبر اور برحق ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کا مصنف برناباس حضرت عیسیٰؑ کے اولین بارہ حواریوں میں سے ایک ہے اور اسے اول سے لے آخر تک حضرت مسیحؑ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل رہا ہے اور اس نے اپنی آنکھوں اور کانوں سے حالات دیکھے اور سنے۔

---

(1) The Bible the Quran and science, Maurice Bucaille (Translation: Alastair D-pannell and the auther), Idara-e-Islamiyat Lahore,P:69-70

(۲) تاریخ صحف سماوی، ص: ۱۲۲-۱۲۳

انجیل بارناباس

بارناباس ایک عبرانی لفظ ہے جس کا لفظی معنی ''پیش بنی'' یا ''بصیرت کا بیٹا'' ہے۔ یونانی زبان میں اس کا ترجمہ تسکین ہے جس میں نصیحت کا مفہوم بھی ہے یہ دونوں کام رسولوں اور صاحب بصیرت لوگوں سے متعلق ہیں اور یہاں یہ دونوں مفاہیم ہی مراد ہیں۔[1]

برنباس یا برناباس لکھنا درست نہیں۔ صحیح لفظ بار کے ساتھ ہے جس کا معنی بن یا بیٹا کے ہیں۔ جیمز سٹرانگ (James Strong:1822-1894) نے اپنی لغت میں واضح کیا ہے کہ عبرانی یا آرامی میں بارناباس کا معنی ہے بیش بنی یا بصیرت کا فرزند، بار، بیٹا یا فرزند، نبا، پیشی بنی اور نبا لفظ نبی سے ہے، معنی پیش بین یا پیغمبر اور اس کا اصل مادہ نبا ہے جس کا مطلب پیش بنی یا پیشن گوئی کرنا ہے۔[2]

بارناباس کا ایک معنی دیوتا کا بیٹا بھی بتایا جاتا ہے۔[3] لیکن یہ معنی اس وجہ سے مسترد قرار دیا گیا ہے کہ ''رسولوں کے اعمال'' کے مؤلف لوقا کے بقول یہ لقب رسولوں نے دیا تھا اور یہ قرین قیاس نہیں کہ وہ کوئی ایسا لقب انتخاب کرتے جس میں کافرانہ دیوتا کی مشابہت پائی جائے۔[4] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا قدیم ایڈیشن بتاتا ہے کہ اس کا ترجمہ تسکین کا بیٹا کرنے کے بجائے نصیحت یا پیش بنی کا فرزند کرنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔[5]

''رسولوں کے اعمال'' کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بارناباس کا اصل نام یوسف تھا اور یوسف نام ایک لاوی[6] تھا جس کا لقب رسولوں نے برنباس، یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا اور جس کی پیدائش کپرس[7] کی تھی۔ اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا اور قیمت لا کر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی۔[8]

---

(1) The Hurchmans Family Bible, London society for promoting Christian knowledge, P:253

(2) A Concise Dictionary of Words in the Greek Testament, James strong, the Methodist book corner New York, 1984,P:18

(3) The New Encyclopedia of Britannica, V:3, P:171

(4) The New Bible dictionary, the inter- varsity fellowship London, 1963,P:133

(5) Encyclopedia of Britannica, V:3, P: 326

(۶) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ایک قبیلے کا نام، لاوی مذہبی قبیلہ متصور ہوتا ہے۔ ابتدائی مسیحیت میں پادری کا نائب لاوی کہلاتا تھا۔

(۷) کپرس سے مراد قبرص ہے جو مشرقی بحیرہ روم کا بہت بڑا جزیرہ ہے اس میں ترکی اور یونانی نسل کے لوگ آباد ہیں۔

(۸) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، رسولوں کے اعمال، ۳۶/۴-۳۷

برناباس کے حواریوں میں سے ایک ممتاز حواری تھا۔ اس نے اور پولوس نے اکٹھے مختلف ممالک میں تبلیغی دورے کیے۔ مسیحؑ کی تعلیم کے بارے میں پولوس [1] اور برناباس میں اختلاف پیدا ہو گیا نظریاتی اختلاف کی وجہ سے بارناباس اور مرقس اس سے علیحدہ ہو کر جزیرہ سائپرس کو چلے گئے۔ جو برناباس کا وطن تھا برناباس نے وہیں وفات پائی اور دفن ہوا۔

انجیل برناباس

بارناباس ایک حواری اور جانثار شاگرد کی حیثیت سے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ساتھ رہے اور ان کی زندگی کے بیشتر واقعات کے عینی شاہد تھے۔ اس لیے اپنی آخری ملاقات میں حضرت عیسیٰؑ نے ارشاد فرمایا:

> ''اے برناباس! اس دنیا میں میرے قیام کے دوران جو جو واقعات پیش آئے، انھیں ضرور کتاب (کی صورت) میں درج کرنا اور یہ سب تفصیلات اس انداز میں لکھنا کہ یہودا پر جو بیتی ہے (وہ لوگوں کو معلوم ہو جائے) اور ایمان دار لوگ حقیقت حال سے آگاہ ہو جائیں اور ہر شخص کو سچائی کا یقین ہو جائے۔'' [2]

چنانچہ بارناباس نے ساری باتیں بڑی تفصیل کے ساتھ کتاب کی صورت میں مرتب کر دیں۔ یہی کتاب بارناباس کی انجیل کے نام سے موسوم ہے۔ یہ انجیل صدیوں تک عیسائی دنیا میں شریعت کی ایک اہم دستاویز تصور کی جاتی رہی اور عیسائیت کے ابتدائی کم و بیش تین سو سال تک اسے مصر و شام وغیرہ کے کلیساؤں میں درس و تدریس کے لیے استعمال کیا جاتا رہا۔ لیکن جب غیر مسیحی عقائد عیسائیت میں راہ پا گئے تو بہت ساری مروجہ انجیلوں کے ساتھ یہ انجیل بھی ممنوع و متروک ٹھہرائی گئی۔ اس کے نسخے حکماً تلف کرائے گئے۔ البتہ ایک نسخہ پوپ نے اپنے کتب خانے میں محفوظ کر لیا۔ یہی نسخہ قریباً بارہ سو سال بعد سولہویں صدی کے آخر میں پوپ سکسٹس کے کتب خانے سے دریافت ہوا۔ [3]

جارج سیل (متولد: ۱۹۳۷ء) نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کریم کے دیباچے میں لکھا ہے کہ اصل نسخہ ایک اطالوی راہب فرا مرینو نے دریافت کیا۔ فرا مرینو نے آرینوس پادری (۱۳۰-۲۰۰ء) کی کچھ تحریریں پڑھ رکھی تھیں جن میں بارناباس

---

[1] سینٹ پال (عبرانی نام شاؤل، رومی نام پال، پولس یا پولوس) وہ ایشیائے کوچک کے مقام طرطوس کا ایک متعصب یہودی تھا۔ اور یونانی فلسفے کا تربیت یافتہ، ابتداء میں عیسائیت کا شدید دشمن تھا اور حضرت عیسیٰؑ کے عقیدت مندوں کو اذیت دے کر لطف اندوز ہوا کرتا تھا، بہر کیف اس نے عیسائیت قبول کر لی۔ پولوس نے حضرت عیسیٰؑ سے کبھی ملاقات نہیں کی۔ اگرچہ تصلیب کے وقت وہ یروشلم میں مقیم تھا۔ ۶۷ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔

[2] برناباس کی انجیل، (مترجم: آسی ضیائی)، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، جولائی ۱۹۷۴ء، ص: ۲۲۱

[3] انجیل برناباس کا مطالعہ، (مترجم: بشیر محمود)، دار العلوم اسلامیہ (رجسٹرڈ) نزد گرلز ہائی سکول بفہ (ہزارہ)، اکتوبر ۱۹۷۴ء، ص: ۱۱۵

کی انجیل کے حوالے دیئے گئے تھے۔اسی سبب سے فرامرینو اِس انجیل کے مطالعے کا خواہش مند تھا۔کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ اسے پوپ کے تقرب کا اعزاز حاصل ہو گیا۔ایک روز وہ پوپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ پوپ کو نیند آگئی اور وہ اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔مرینو نے کتب خانے میں سے مطالعے کے لیے کسی کتاب کا انتخاب کرنا چاہا۔اتفاق سے یہی انجیل اس کے ہاتھ لگی۔اسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے وہاں سے لے گیا۔پھر اس کے مطالعے کے بعد اور مندرجات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔(۱)

مرینو نے اسے اصل عبرانی سے اپنی مادری زبان اطالوی میں ترجمہ کر دیا۔یہ اطالوی ترجمہ ۱۷۰۹ء میں دریافت ہوا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں ہڈلی (ٹیکساس کا ایک شہر) کے مقام پر ڈاکٹر ہلمن کو انجیل برناباس کا ایک نسخہ ملا۔جو ہسپانوی زبان میں تھا یہی نسخہ جارج سیل کو ملا اس نے اس نسخے پر جو نوٹ لکھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت ہسپانوی نسخہ،اطالوی نسخہ کا ترجمہ ہے جو کسی اروغانی مسلمان مصطفی عرندی نے کیا ہے۔مصطفی ہی نے اس کے آغاز میں ایک دیباچہ تحریر کیا ہے جس میں اطالوی نسخے کی دریافت کا پورا حال تحریر کیا ہے۔

۱۹۰۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر منک ہاؤس نے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا پھر انگریزی کے ترجمہ سے مصر کے مشہور عیسائی ڈاکٹر خلیل سعادت نے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔اس عربی ترجمہ سے مولوی محمد حلیم صاحب انصاری نے ۱۹۱۶ء اردو میں ترجمہ کیا جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔(۲)

انجیل بارناباس کی چند اہم خصوصیات

۱۔ اس انجیل کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہی وہ واحد انجیل ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری کی لکھی ہوئی ہے۔موجودہ و مروجہ چاروں انجیلوں کے مصنفین نامعلوم اشخاص تھے اور ان میں سے ایک بھی حواری نہ تھا۔بارناباس صاف بتاتے ہیں کہ وہ ایک حواری تھے اور یہ انجیل حضرت عیسیٰؑ کے ارشاد کے مطابق لکھی گئی ہے۔ان کے بیانات کو جھٹلانے اور مسترد کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

۲۔ بارناباس کی وفات یا شہادت کا سال ۶۱ء ہے۔ظاہر ہے یہ انجیل اس سے بیشتر معرضِ تحریر میں آچکی ہو گی۔اس اعتبار سے یہ باقی انجیلوں سے قدیم ٹھہرتی ہے۔اس انجیل کا ایک نسخہ قریباً بارہ صدیاں پوپ کے کتب خانے میں محفوظ رہا۔اس طرح اس انجیل میں ترمیم واضافے کا عمل نہیں ہو سکا۔چنانچہ یہ انجیل اپنی اصلی حالت میں موجود رہی۔(۳)

---

(1) The Koran, Translation by George Sale, London and New York, 1890, P:9-10

(۲) مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ،غلام رسول چیمہ،ص:۴۶۵

(۳) مطالعہ بائبل وقرآن،ص:۵۲-۵۳

۳۔ یہ انجیل دوسری انجیلوں کے مقابلے میں مفصل ہے جو واقعات اور بیانات دوسری انجیلوں میں نہیں ملتے یا جزوی طور پر یا اختصار سے ملتے ہیں، یہاں تفصیل سے درج کر دیئے گئے ہیں۔ جارج سیل کے الفاظ میں: "بارناباس کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے رفع آسمانی تک مکمل تاریخ موجود ہے۔" (۱)

۴۔ بارناباس حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور تبلیغی سرگرمیوں کے کم و بیش سبھی واقعات کے عینی شاہد تھے، اس لیے ان کے بیانات مستند اور لائقِ اعتماد ٹھہرتے ہیں۔

۵۔ مروجہ چاروں انجیلیں سینٹ پال کے معتقدات واثرات کے ماتحت لکھی گئی تھیں۔اس لیے ان میں بارناباس کا نام بطور حواری نہیں آنے دیا گیا۔ اسی طرح کتاب 'اعمال' میں بھی ان کا تذکرہ نامکمل صورت میں ملتا ہے۔ انجیل بارناباس ان معتقدات واثرات کی آلودگی سے پاک ہے بلکہ اس میں تو سینٹ پال کے تصورات و عقائد سے خبردار کیا گیا ہے۔ انہی وجوہ سے یہ انجیل اربابِ کلیسا نے قبول نہیں کی اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ (۲)

۶۔ اس انجیل میں حضرت مسیحؑ نے اپنے خدا اور بیٹا ہونے کا انکار کیا ہے۔

۷۔ ذبیحہ عظیم حضرت اسماعیلؑ ہیں نہ کہ حضرت اسحاقؑ جیسا کہ جدید بائبل میں مذکور ہے۔

۸۔ یہ انجیل اخلاقی افادیت واہمیت کے لحاظ سے بہت بلند مقام رکھتی ہے۔اس کے عربی مترجم ڈاکٹر خلیل سعادت اس پر کئی اعتراضات کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ اس انجیل کا مقصد انسانی جذبات کو بہت ہی بلند درجے پر پہنچا دینے کی کوشش ہے۔ یہ آدمی کو حیوانی خواہشات سے پاک بنانا چاہتی ہے اور اسے نیک کام کا حکم دیتی ہے اور برے کاموں سے منع کرتی ہے اچھی عادات پر رغبت دلاتی، کمینی حرکتوں کی خرابیاں بتاتی اور انسان کو خلقِ خدا کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے میں ایثار کی دعوت دیتی ہے تاکہ اس سے انانیت کا اثر بالکل مٹ جائے اور وہ اپنی زندگی محض بنی نوع انسان کی بہی خواہی پر وقف کر سکے۔ (۳)

اسی طرح "انسائیکلوپیڈیا مذہب واخلاقیات" میں بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ انسانی ہمدردی اور رواداری کا وسیع جذبہ اس کتاب کے رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ (۴)

۹۔ اس انجیل کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پیغمبر آخر الزماں حضور ﷺ کی تشریف آوری کی واضح بشارتیں موجود ہیں۔یوں تو عہد نامہ قدیم کی مختلف کتابوں اور انجیلوں میں بھی حضور ﷺ کے اوصاف جلیلہ اور آپؐ کی

---

(1) The Koran, George Sale, P:9-10

(۲) انجیل برنباس کا مطالعہ، ص:۱۲۸

(۳) انجیل برنباس، (مترجم عربی: ڈاکٹر خلیل سعادت)، مطبوعہ لاہور، ۱۹۱۶ء، ص:۲۰

(4) Encyclopedia of Religion and Ethics, V:5, P:351

تشریف آوری کے بارے میں پیش گوئیاں ملتی ہیں لیکن اس انجیل میں بڑی صراحت اور حضورﷺ کے اسمِ گرامی کے ساتھ بشارات محفوظ ہیں۔

لہٰذا یہ تمام تر مواد عیسائیت کا دینی ادب ہے جو کہ مختلف انجیل و خطوط وغیرہ پر مشتمل ہے۔ دراصل حضرت عیسیٰؑ جو انجیل حواریوں کے لیے دے گئے تھے۔اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ لہٰذا یہ تمام ادب بعد کی پیداوار ہے۔ جو کہ غیر الہامی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان آرامی تھی جبکہ یہ سب یونانی زبان میں تھا نیز تمام اناجیل میں تضادات موجود ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، موت سے متعلق واقعات عقل سے دور ہیں۔ ترجمہ در ترجمہ، تحریفات کرنا سب عیسائی مذہب میں جائز ہے۔ یہ کتب (ادب) شرک، تثلیث، الوہیت کی ترجمان ہے جو کہ ایک نبی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا موجودہ عیسائیت کا دینی ادب اختلافات، تضادات، تحریفات کا مرکب اور غیر مستند غیر ثقہ اور غیر الہامی ہے۔

دینِ اسلام کا تعارف اور بنیادی تعلیمات

اسلام کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لفظ اسلام (س۔ل۔م) سے مشتق ہے۔ یہ باب افعال (أفْعَلَ يُفْعِلُ) سے مصدر کا صیغہ ہے۔ عربی کتب لغات میں اسی مادہ کے باب اِفعال سے لفظ 'اسلام' بنا ہے۔ لغت کی رو سے لفظ اسلام چار معانی پر دلالت کرتا ہے۔

۱۔ امن و سلامتی اور حفظ و امان

اسلام کا ایک لغوی معنی امن و سلامتی پانا اور دوسروں کو امن فراہم کرنے کے ہیں۔ لسان العرب میں مرقوم ہے:

''يقال سَلِمَ يَسْلَمُ سَلاماً سَلامةً ومِنْهُ قِيْلَ لِلْجَنّةِ دَارُالسَّلام لأَنها دَارُ السَّلامةِ مِنَ الْآفَاتِ''[۱]

ترجمہ: سَلِمَ یَسْلَمُ کا معنی سلامتی ہے اسی سے جنت کو دار السلام کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ آفات سے سلامتی کا گھر ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان اسی معنی کو بیان کرتا ہے:

﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَه سُبُلَ السَّلٰمِ﴾[۲]

ترجمہ: اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیرو ہیں، سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے۔

حدیث نبوی میں بھی اس لغوی معنٰی کے لحاظ سے ارشاد ہے:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِه وَيَدِه))[۳]

ترجمہ: بہتر مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اس لحاظ سے اسلام قبول کرنا یا مسلمان ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے مکمل طور پر اپنے آپ کو الٰہی قانون کے حوالے کر دیا ہے جس کے نتیجے میں جو زندگی ہمیں ملے گی وہ امن و آشتی اور سلامتی کی زندگی ہو گی۔ گویا اسلام انسان کے لئے امن و سلامتی کا متقاضی ہے۔

---

[۱] لسان العرب، ۲۸۹/۱۲

[۲] سورۃ المائدۃ: ۱۶/۵

[۳] الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب ألمسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده، حدیث نمبر: ۱۰، ص: ۵

۲۔ماننا، خالص کرنا، تسلیم ہونا، فرماں برداری

'اسلام' کا دوسرا مفہوم ماننا، تسلیم کرنا اور ہونا، جھکنا اور اطاعت اختیار کرنا ہے۔ یہ معنی تہذیب اللغۃ میں اس طرح مرقوم ہے:

''يُقَالُ فُلانٌ مُسْلِمٌ، وفيه قولان: أحْدُهُما هُو المسْتَسْلِمُ لِأَمْرِ اللهِ، والثّانِي هُوَ المخْلِصُ لِلهِ العبادةَ، من قولهم: سَلَّمَ الشيء لفلان أي خَلّصَه، وسَلّمَ له الشيءَ: أيْ خلَّصَ لَه''[۱]

ترجمہ: جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مسلمان ہے تو اس کے معنی میں دو قول ہو سکتے ہیں: اس نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے یا اس نے اللہ کے لیے عبادت کو خالص کر لیا ہے۔ پس اس کا مطلب کسی چیز کو خالص بنانا یا کسی کے لیے ایک چیز کو خالص کرنا ہے۔

المعجم الوسیط میں بھی اس کے یہی معنی مذکور ہیں۔[۲]

اس معنی کے لحاظ سے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِذْ قَالَ لَه رَبُّه اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[۳]

ترجمہ: اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا: (میرے سامنے) گردن جھکا دو، تو عرض کرنے لگے میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس معنی کے لحاظ سے جو مفہوم اسلام کا سمجھ میں آتا ہے وہ خود سپردگی کا مفہوم ہے اور اسی سے لفظ مسلم نکلا ہے یعنی وہ فرد جو اپنی تمام چاہتیں مٹا کر خدائے واحد کی مرضی و منشاء کے تابع ہوا ہو۔ اس لحاظ سے تمام انبیاء علیہم السلام مسلم تھے اور ان کا دین اسلام تھا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

﴿اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[۴]

ترجمہ: میں اپنے رب کا تابعدار بن گیا۔

---

[۱] التہذیب فی اللغۃ، محمد بن احمد بن ابو منصور ازھری، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان، ۲۰۰۱ء، طبع اول، ۲۹۴/۴

[۲] المعجم الوسیط، ۹۲۳/۱

[۳] سورۃ البقرۃ: ۱۳۱/۲

[۴] ایضاً

حضرت نوحؑ نے فرمایا:

﴿أُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ المسلمِيْنَ﴾[(۱)]

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

حضرت موسیٰؑ نے قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللهِ فَعَلَيْه تَوَكَّلُوْا اِن كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴾[(۲)]

ترجمہ: اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس کے اوپر توکل کرو اگر تم مسلم ہو تو۔

حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے فرمایا:

﴿نَحْنُ أَنْصَارُ اللهِ آمَنَّا بِاللهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[(۳)]

ترجمہ: ہم اللہ کے انصار ہیں، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

اور نبی آخر الزمان ﷺ نے فرمایا:

﴿وَأَنَا أَوَّلُ المسْلِمِيْنَ﴾[(۴)]

ترجمہ: اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

اس معنی کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی مولانا محمد شفیع (۱۸۹۷-۱۹۷۶ء) فرماتے ہیں:

"لفظ اسلام کے اصل معنی ہیں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنا اور اس کے تابع فرمان ہونا۔ اس معنی کے اعتبار سے ہر نبی و رسول کے زمانہ میں جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان لائے ہوئے احکام میں ان کی فرمانبرداری کی وہ سب مسلم اور مسلمان کہلانے کے مستحق تھے۔ اور ان کا دین، دینِ اسلام تھا۔"[(۵)]

۳۔ مصالحت اور صلح و آشتی

'اسلام' میں تیسرا مفہوم صلح و آشتی اور مصالحت کا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ تھذیب اللغۃ میں یہ معنی مرقوم ہے:

---

(۱) سورۃ یونس: ۱۰/ ۷۲

(۲) سورۃ یونس: ۱۰/ ۸۴

(۳) سورۃ المائدہ: ۵/ ۱۱۱

(۴) سورۃ الانعام: ۶/ ۱۶۳

(۵) معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۱ء، ۲/ ۳۲

"والسَلْم والسِلْمُ: الصُلْح"[1]

ترجمہ: سلم کا معنی صلح وآشتی ہے۔

تاج العروس میں بھی اس کا ایک معنی صلح اور مصالحت مذکور ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾[3]

ترجمہ: اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی آمادہ ہو جاؤ۔

یعنی اسلام کے اس معنی کے لحاظ سے ہم جس زندگی سے دوچار ہوں گے وہ صلح وآشتی کی زندگی ہو گی۔ نیز تنازعات، جھگڑوں اور لڑائیوں کے برے نتائج سے حفظ وامان میں رہیں گے اور باہمی الفت، محبت، صلح واخلاق کی زندگی نصیب ہو گی۔

۴۔ بلند وبالا درخت

اسی طرح ایک بلند وبالا درخت کو بھی عربی لغت میں السّلم کہا جاتا ہے۔[4] اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ایک بلند وبالا درخت دور سے نظر آتا ہے اسی طرح اسلام اپنی خوبیوں، تعلیمات، اور کمالات کے لحاظ سے ارفع وبلند ہے۔ اس اشتقاق کے لحاظ سے اسلام سے زیادہ عظمت ورفعت کسی اور مذہب کے حصہ میں نہیں آئی ہے۔

امام فخر الدین رازی (۱۱۴۹-۱۲۰۹ء) نے اسلام کے چار معانی بیان کیے ہیں:

۱۔ ألإسلام هو دخول فى الاسلام اى الانقياد و المتابعة: اسلام کی فرمانبرداری اور اطاعت میں داخل ہونا۔

۲۔ إخلاص الدين والعقيدة: دین وعقیدہ میں اخلاص۔

۳۔ فى عرف الشرع الاسلام هو الايمان: یعنی عرف شرع میں اسلام کا دوسرا نام ایمان ہے۔

۴۔ ألإسلام عبارةٌ عن الانقياد: یعنی اسلام کا مطلب فرمانبرداری اور اطاعت ہے۔[5]

الغرض مذکورہ بالا اسلام کے لغوی معانی میں دقت کی جائے تو یہ دو معانی میں جمع ہو جاتے ہیں یعنی امن وسلامتی اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، اطاعت وسپردگی۔ اور دینِ اسلام کا یہی مفہوم انبیاء علیہم السلام اور قرآن مجید کی آیات میں بھی نظر آتا ہے

---

[1] التھذیب اللغۃ، ۲۹۳/۴

[2] تاج العروس، ۷۷۶۰/۱

[3] سورۃ البقرۃ: ۲۰۸/۲

[4] لسان العرب، ۲۸۹/۱۲

[5] مفاتیح الغیب، فخر الدین محمد بن عمر الرازی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۹۹۲ء، طبع اول، ص: ۶۲۸/۲

اور ہر دور کے آسمانی مذاہب کا منشا و مقصد بھی یہی رہا ہے کہ بنی نوع انسان ایک رب کی اطاعت میں امن، سلامتی اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کریں۔

اسلام کا اصطلاحی مفہوم

علماء وفقہاء اسلام نے اصطلاحی طور پر اسلام کی درج ذیل تعریفات کی ہیں:

ا۔ خلیل بن احمد الفراہیدی (۱۰۰-۱۷۰ھ) نے لکھا ہے:

''والإسْلامُ: ألإستِسْلامُ لِأمْرِ الله تعالىٰ، وهو الإنْقِيَادُ لِطَاعَتِه وَ الْقَبولُ لِأمْرِه''[1]

ترجمہ: اسلام کا مطلب اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دینا، سر تسلیم خم کر دینا اور اس کے قانون کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کرنا ہے۔

۲۔ اسلام کے اصطلاحی شرعی معنی کو بیان کرتے ہوئے ابنِ منظور (۶۳۰-۷۱۱ء) رقمطراز ہیں:

''ألإِسْلامُ من الشريعة أَظهار الخضوع وإِظهار الشّريعة وإلتزام ما أَتى به النبي وبذلك يُحْقَنُ الدم ويُسْتَدْفَعُ المكروه''[2]

ترجمہ: شرعی اسلام یہ ہے کہ اظہارِ اطاعت و تسلیم ہو اور اظہارِ شریعت کے ساتھ نبی کریم کی سنت کا التزام ہو اور اسی طرح خون کی حفاظت اور ہر ناپسندیدہ فعل سے بچاؤ ممکن بنایا جاسکے گا۔

۳۔ امام ابن کثیر (۷۰۰-۷۷۴ھ) نے اسلام کی جامع ترین تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''وهو إتباع الرسل فيما بعثهم الله به في كل حين، حتى ختموا بمحمد صلى الله عليه وسلم، الذي سد جميع الطرق إليه إلا من جهة محمد صلى الله عليه وسلم''[3]

ترجمہ: ہر زمانے کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا ہے اس کی اطاعت واتباع کو اسلام کہتے ہیں، یہاں تک کہ سیدنا محمد ﷺ کی تشریف آوری سے جب نبوت کا سلسلہ ختم

---

[1] کتاب العین، ص: ۲/۲۷۰

[2] لسان العرب، ص: ۱۲/۲۸۹

[3] تفسیر القرآن العظیم، ۲/۲۵

ہوا تو اسلام نام ہو گیا امتِ محمدیہ کا۔اس ذاتِ اقدس کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ گمراہی کا راستہ ہو گا۔

۴۔علامہ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) نے دینِ اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صرف ایک ہی نظامِ زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات صحیح و درست ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا مالک و معبود تسلیم کرے اور اس کی بندگی و غلامی میں اپنے آپ کو بالکل سپرد کر دے۔اور اس کی بندگی بجالانے کا طریقہ خود نہ ایجاد کرے بلکہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ جو ہدایات بھیجی ہیں ہر کمی و بیشی کے بغیر صرف اسی کی پیروی کرے۔اس طرزِ عمل کا نام 'اسلام' ہے۔"[1]

۵۔پیر محمد کرم شاہ الازہری (۱۹۱۸-۱۹۹۸ء) یوں رقمطراز ہیں:

"یہ دین مکمل ضابطہ ہے اور مکمل دستورِ زندگی ہے۔اس کے اپنے عقائد ہیں اس کا اپنا دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اس کے اپنے نظریات ہیں اور یہ انسان کی ذہنی اور روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔اس کی برکتیں اس وقت ہی رونما ہو سکتی ہیں جب کہ اسے ماننے والے اسے پورے کا پورا اپنا لیں اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہو جائیں۔"[2]

عصرِ حاضر کے عظیم مفکر یوسف القرضاوی (متولد ۱۹۲۶ء) اسلامی نظام کی جامعیت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اسلامی نظام کے معنی ہیں کہ اسلام تمام شعبوں اور مادی و روحانی دائروں میں معاشرہ کا رہبر و رہنما اور قائد ہو، معاشرے کا عقیدہ اسلامی ہو،اس کے افکار و نظریات اسلامی ہوں،اس کے جذبات و احساسات اسلامی ہوں،اس کے اخلاق و اسلوب تربیت اسلامی ہوں،اس کی رسوم و روایات اسلامی ہوں۔المختصر اس کے تمام قوانین و تشریعات اسلام کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہوں دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام وہ نظام ہے جو ایک مسلم معاشرے کو اس کے تمام اصول و مبادی اور اس کی تمام اقدار و خصوصیات اور امتیازی اوصاف کے ساتھ معرضِ وجود میں لاتا ہے۔"[3]

الغرض دین کی اطاعت کا نام 'اسلام' ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا،

---

[1] تفہیم القرآن، ۲۹۳/۱

[2] ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۵ء، ۱۴۱/۱-۱۴۲

[3] اسلامی نظام کے خدو خال، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، (مترجمہ: ابو ظفر احمد انصاری)، ادارہ دراسات الاسلامیہ، لاہور ۱۹۸۸ء، ص:۹-۱۰

کیونکہ دین تمام انبیاء کی شریعتوں میں ایک رہا ہے، پس جن لوگوں نے ایمان لایا اور احکامِ خداوندی اور رسولوں کی پیروی کی وہ مسلمان اور مسلم کہلانے کے مستحق ہیں اور ان کا دین اسلام ہی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ختمِ نبوت کے ساتھ اس کی تکمیل اور ابدیت ثابت ہو گئی ہے، اس لیے اس کی موجودگی میں کوئی دوسرا نظامِ زندگی اللہ تعالیٰ کو ہرگز قابل قبول نہیں ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإسلام دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾[1]

ترجمہ: جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین ڈھونڈے گا تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

تاریخِ دینِ اسلام

نبی آخر الزماں ﷺ کے ذریعے اسلام کا ظہور اور قرآن مجید کا نزول حجاز کی سرزمین سے ہوا۔ اور یہیں سے اسلام کی کرنیں دنیا کے گوش و کنار تک پہنچ گئیں۔ لہذا اس دور میں ایک نظر مختصراً دنیا کے حالات پر ڈالتے ہیں۔

ا۔ اسلام سے قبل حجاز کے حالات

عرب کے لوگ غذائی قلت اور صحرائی علاقہ ہونے کی وجہ سے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اشیائے خوردونوش کو دوسروں سے چھین لینے میں بھی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت اور ایک دوسرے کا خون بہانے کے لیے بے چین رہتے تھے۔[2]

اخلاقی بدحالی کی حالت یہ تھی کہ دنیا میں شاید ہی کوئی برائی ہو جو عربوں میں موجود نہیں تھی۔ قرآن نے ان ساری خرابیوں کو جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ شراب نوشی، جوا، سود، یہاں تک کہ عورتوں کی خرید و فروخت بھی عام تھی۔ انسانیت زدگی کی حالت یہ تھی کہ بچیوں کو زندہ در گور کرنا ان کے لیے کوئی عیب نہ تھا۔ جیسا کہ قرآن میں اس منظر کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾[3]

ترجمہ: جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی خبر دی جاتی تو اس کا چہرہ غصے سے سیاہ ہو جاتا تھا۔

علامہ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) عرب معاشرے کی اخلاقی اور معاشرتی رویوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''بدکاری، شراب خوری اور جوئے بازی کا بازار گرم تھا۔۔۔ عورتیں تک ننگی ہو کر خانہ

---

[1] سورۃ آلِ عمران: ۳/۸۵

[2] الکامل فی التاریخ، علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری (حافظ ابنِ اثیر)، دار صادر بیروت لبنان، ۵۰۲/۱

[3] سورۃ النحل: ۱۶/۵۸

کعبہ کا طواف کرتی تھیں۔۔۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾[1]، حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ کوئی شخص کسی قاعدے، کسی قانون، کسی ضابطے کی پابندی کے لیے تیار نہ تھا۔ جہالت کی یہی کیفیت کہ ساری قوم پتھر کے بتوں کو پوجتی تھی۔''[2]

۲۔اسلام سے پہلے دنیا کی عمومی حالت

بعثت کے وقت دنیا کی مجموعی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے نعیم صدیقی (فضل الرحمن)(۱۹۱۴-۲۰۰۲ء) لکھتے ہیں:

''حضورِ پاک ﷺ نے جس دور میں زمین پر پہلی سانس لی، اس وقت پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں دورِ وحشت جاری تھا، کہیں شرک و بت پرستی کی لعنت مسلط تھی، کہیں جنگ و جدل کا سلسلہ جاری تھا، مصر و ہندوستان، بابل و نینوا اور چین اور یونان میں جیسی کچھ تہذیب بھی تھی، وہ اپنی تمام شمعیں گل کر چکی تھی۔ کنفیوشس اور مانی کی تعلیم دم بخود تھی۔ ویدانیت اور بدھ مت کے تصورات سر بگریباں تھے۔ جسٹنن کا ضابطہ اور سولن کا قانون بے بس تھا۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک کے باوجود بادشاہ خدا بنے ہوئے تھے۔ عوام سے بھاری ٹیکس اور رشوتیں اور خراج و نذرانے وصول کیے جاتے تھے اور ان سے جانوروں کی طرح بگاریں لی جاتی تھیں اور دونوں سلطنتوں کی چپقلش کی وجہ سے کبھی ادھر کے لوگ پستے تھے کبھی ادھر کے لوگ کچلے جاتے تھے۔''[3]

تاریخ عالم شاہد ہے کہ عرب دنیا کے اندر اور باہر ہر طرف حالت ابتر تھی اور افراتفری مچی ہوئی تھی۔ شاہ معین الدین احمد ندوی (۱۹۰۳-۱۹۷۳ء) مذہب عیسائیت کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاک اور اصلی عیسائیت مدتوں پہلے 'پال' کے ہاتھوں مسخ ہو چکی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ و مریمؑ اور روح القدس کی شخصیت اور رتبے کے تعین نے بیسیوں فرقے پیدا کر دیے تھے جن میں ہمیشہ کشت و خون بپا اور پاک روحانیت کا دامن ان کے خون سے رنگین رہتا تھا توحید کی جگہ تثلیث اور مشرکانہ رسوم نے لے لی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ ہر پادری ایک بااختیار خدا اور مسجودِ خلائق تھا۔ مذہبی پاپاؤں کی خانقاہیں عیش و نشاط کے چکلے تھے، حکومت اور کلیسا کی کشمکش عیسائیت کی نہایت سیاہ

---

[1] سورۃ الاعراف: ۳۱/۷

[2] دینیات، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۱ء، طبع اول، ص: ۶۱

[3] محسن انسانیت، نعیم صدیقی، الفیصل ناشران لاہور، ۱۹۹۸ء، طبع اول، ص: ۱۵

تاریخ ہے۔"[1]

یہود کی حالت اور ان کی سنگ دلی کو سید سلیمان ندوی(۱۸۸۴-۱۹۵۳ء)ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"یہ قوم سخت جان ہونے کے ساتھ سنگدل بھی ثابت ہوئی۔ قرآن نے ان کو اپنے زمانہ میں طعنہ دیا کہ وہ پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔"[2]

یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان کے قتل سے بھی باز نہیں رہے اور شاید ہی کوئی پیغمبر ہو جس نے ان کی سنگدلی کا ماتم نہ کیا ہو۔ انہیں اپنے آپ پر محبوبِ خدا اور خواصِ خدا ہونے پر فخر تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم کچھ بھی کر لیں قیامت میں ہمارا مؤاخذہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:

﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللهِ وَ أَحِبّاءُه﴾[3]

ترجمہ: ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلّا أيّاماً مَعْدُوْدَةً﴾[4]

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر چند گنے چنے دن۔

خود سری اور خود سود خوری نے ان کو لالچی بنا دیا تھا۔ اس لئے کتاب اللہ میں تحریف ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا اور سنگدلی کی یہ کیفیت تھی کہ معمولی زیور کی طمع میں چھوٹے بچوں کو قتل کر ڈالا کرتے تھے۔ غرض عقیدہ، مذہب اخلاق اور سیاست میں ہر اعتبار سے بنی اسرائیل ایک مسخ شدہ قوم تھی۔

ایسے دگرگوں حالات، جس میں انسانیت کا ضمیر مردہ ہو چکا تھا، ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفی ﷺ ایک منجی و مصلح بن کر دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادت واقعہ فیل کے پچاس سال بعد ماہ ربیع الاول ۵۷۱ء کو ہوئی۔[5]

۴۰ سال کی عمر میں آپ مبعوث برسالت ہوئے، جب غارِ حرا میں دورانِ عبادت آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی وحی نازل ہوئی:

﴿إقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ إقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي

---

[1] تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی، ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۰ء، ص:۲۸

[2] سیرۃ النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۱۹۸۱ء، طبع اول، ۲۳۳/۴-۲۴۰

[3] سورۃ المائدۃ: ۱۸/۵

[4] سورۃ البقرۃ: ۸۰/۲

[5] سیرۃ النبی ﷺ، ابن ہشام، دار الکتاب العربی بیروت لبنان، ۱۹۹۰ء، طبع ثالث، ۱۶۷/۱،۲

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[1]

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کے لو تھڑے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

بحکم خداوند تین سال تک خاموش تبلیغ کے بعد جب اعلانیہ تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کا آغاز کیا تو مشرکین و کفارِ عرب کی طرف سے ظلم و تشدد کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اس قدر ظلم ہوا کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ چھوڑنا پڑا اور مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس حوالے سے آپ ﷺ نے جو تکالیف اٹھائیں ان کا اعتراف ایک مستشرق مصنف ان الفاظ میں کرتا ہے:

"The wonder to me is not how much but how little, under different circumstances, Muhammad, differed from himself-"[2]

ترجمہ: مجھے اس بات سے تعجب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ گوں ناگوں حالات کے باوجود اپنے مقصد سے ذرا برابر بھی پیچھے نہ ہٹے۔

الغرض تاریخ اور سیرت کی کتابیں ان واقعاتِ ستم سے بھری پڑی ہیں۔ مگر ان سب مظالم کے باوجود مسلمانوں کی صدائے توحید میں وہ کوئی فرق نہ لا سکے۔ زخم اور شہادتیں پانے کے ساتھ ساتھ ایفائے عہد اور فریضہ تبلیغِ اسلام انجام دیتے رہے۔

اسلام کے دینی ادب کا تعارف

اسلامی تعلیمات کا منبع و ماخذ دو چیزیں ہیں؛ ایک اسلام کی مقدس کتاب ''قرآن مجید'' ہے اور دوسرا ماخذ رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ اور آپ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔ خود قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾[3]

ترجمہ: ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

---

[1] سورۃ العلق: ۹۶/۱-۵

[2] Muhammad and Muhammadism, R Bosworth Smith, Sindsagar Academy Lahore, 1998, p-98

[3] سورۃ یوسف: ۱۲/۲

﴿وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ؛نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الأَمِينُ؛عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ؛بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾[۱]

ترجمہ: اور یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے، اسے روح الامین نے لایا، تیرے دل پر نازل کیاہے تاکہ تم ڈرانے والوں میں سے ہو جاؤ۔ یہ واضح عربی زبان میں ہے۔

قرآن،(قرأ) سے مشتق ہے، جس کا معنی پڑھناہے۔اس کا لفظی معنی جمع یا مجموعہ کے بھی ہیں یعنی یہ سورتوں کا مجموعہ ہے،اور بعض کے نزدیک یہ قرأسے مشتق نہیں بلکہ یہ اسمِ کتابِ خداہے جیساکہ تورات وانجیل نام ہیں۔[۲]

اس کاایک معنی سب سے زیادہ پڑھی گئی کتاب بھی کیاگیاہے۔[۳] اوراس کااعتراف تودنیاکے بڑے بڑے مذاہب کے ماننے والوں نے بھی کیاہے کہ قرآن مجید دنیامیں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

اسلام کے دینی ادب کا دوسرا بڑا ماخذ سنتِ رسول خداﷺ ہے۔یہ قرآن کا تفصیلی اور شریعت کا دوسرا بڑا مصدر ہے۔یہ بھی قرآن کی طرح مسلمانوں کی رہنمائی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا اتباع لازم قرار دیاہے۔چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتاہے:

﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّهَ﴾[۴]

ترجمہ: جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے گویااللہ کی اطاعت کی۔

لہٰذاجو قرآن مجید کی جو تشریح و تبیین رسول اللہﷺ کریں گے وہ دین اسلام کا حصہ ہوگا،اس لئے کہ یہ من جانب اللہ ماموریت ہےاوروحی پر مبنی ہے۔اس لیےاللہ تعالیٰ کافرمان ہے:

﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾[۵]

ترجمہ: اور ہم نے تم پر کتاب اس لیے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے لیے وہ چیزیں بیان کروجس میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔

المختصراسلام کے مقدس دینی ادب میں قرآن وسنت بنیادی سرچشمے ہیں۔قرآن مدوّن شکل میں تاحال محفوظ ہےاوراس

---

[۱] سورۃالشعراء:۲۶/۱۹۲-۱۹۵

[۲] لسان العرب،۱/۱۲۸

[۳] تاج العروس، ۱/۱۸۷

[۴] سورۃالنساء:۴/۸۰

[۵] سورۃالنحل:۱۶/۱۴

کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[1]

ترجمہ: ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

سنتِ نبوی بھی مدون شکل میں مختلف کتب حدیث میں موجود ہے جن میں سرِ فہرست صحاحِ ستہ کی کتب ہیں۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات

اسلام کی بنیادی تعلیمات کو مندرجہ ذیل بنیادی شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔عقائد ۲۔عبادات ۳۔معاملات ۴۔اخلاقیات

۱۔اسلامی عقائد

اسلام میں عقیدہ کی اصلاح کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ معظمہ میں تیرہ سال کا طویل عرصہ صرف اصلاحِ عقیدہ کی جدوجہد میں صرف کیا۔اسلامی عقائد میں توحید کو اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ ایک ہے، پاک ہے اور بے عیب ہے، وہی سب کا خالق ہے، مالک اور پروردگار ہے، زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے، وہی سب کا حاجت روا ہے، صرف وہی عبادات اور استعانت کے لائق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، عقیدہ توحید ہر قسم کے خفی و جلی شرک کی نفی کرتا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدت کا زبانی اعتراف دراصل ہمارا قولی اعتراف ہے جب کہ عملی اعتراف تمام تر اوامر اور نواہی ہیں۔جب ہم اس کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں تو اس کا تقاضا پورا کرتے ہیں، اور جب ہم اس کے بتائے ہوئے ممنوعات سے خود کو باز رکھتے ہیں تو بھی اسی تقاضا کو پورا کرتے ہیں۔لہٰذا یہ تمام چیزیں دراصل اس کی ذات ہی کے وجود کا عملی اعتراف ہیں اور عمل کے بغیر قول کی تنہا کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔[3]

اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں قرآن مجید کا بیان یہ ہے:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ﴾[4]

---

[1] سورۃ الحجر: ۹/۱۵

[2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۶۷۲/۲

[3] اسلام اور تعمیرِ شخصیت، صدق کمال، مکتبۃ المصباح لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۳۶

[4] سورۃ البقرۃ: ۲۸۵/۲

ترجمہ: رسولوں پر جو اتارا گیا اس پر وہ خود اور تمام مؤمن ایمان لائے، سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

اسی طرح قرآن کی دیگر آیات اور احادیث کی روشنی میں بالاختصار ایمانیات اور اسلامی عقیدے کے پانچ ارکان یا بنیادیں ہیں: ۱۔اللہ پر ایمان ۲۔فرشتوں پر ایمان ۳۔کتابوں پر ایمان ۴۔رسولوں پر ایمان ۵۔قیامت کے دن پر ایمان۔

۲۔عبادات

لفظِ عبادت کے معنی کو ذکر کرتے ہوئے محمد مرتضیٰ زبیدی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ء) لکھتے ہیں:

"ألعبادة: فِعْلُ مَا يَرْضَى بِهِ الرّبُّ--- الطَّاعَةُ مَعَ الخُضُوعِ"[1]

ترجمہ: وہ کام جس سے اللہ راضی ہو۔۔۔عبادت کا معنی عاجزانہ اطاعت ہے۔

امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) المفردات فی غریب القرآن میں لکھتے ہیں:

"ألعبادة: غاية التذلّل"[2]

ترجمہ: عبادت یعنی (کسی کے سامنے) ذلت و پستی کی انتہا۔

ان سب کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ عبادت کا لفظ عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوا ہے: ۱۔پوجا اور پرستش، ۲۔اطاعت و فرمانبرداری، ۳۔بندگی اور غلامی۔ان تینوں معانی میں سے کسی معنیٰ میں بھی کوئی دوسرا ہمارا معبود نہیں ہے۔

اسلام میں عبادات کا مقصد تزکیہ نفس و تطہیر اور محاسبہ نفس ہے۔جس کے ذریعہ انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تقویٰ، طہارت اور توازن پیدا کرتا ہے۔تقویٰ کا مطلب اللہ تعالیٰ کے محرمات سے اجتناب اور اس کے فرائض کی بجاآوری ہے۔اسلام میں عبادات کی بجاآوری کے لیے اللہ اور انسان کے درمیان کسی خاص فرد، شخصیت اور واسطے کی ضرورت نہیں۔اس لحاظ سے ہر فرد ہر جگہ ہر حالت میں براہ راست رابطہ کر سکتا ہے۔کسی مذہبی عہدہ دار یا پادری وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾[3]

ترجمہ: اور تمہارے رب نے کہا: تم مجھے پکارو میں استجابت کروں گا۔

اسلامی عبادات میں اجتماعیت کا پہلو نمایاں اور غالب ہے۔اسلام میں عبادات کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ توحید

---

(۱) تاج العروس، ۲۰۹۶/۱

(۲) المفردات فی غریب القرآن، ص: ۳۱۹

(۳) سورۃ الغافر: ۶۰/۴۰

کے بعد چار رکن عبادات میں شمار کیے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((بني الإسلام على خمس شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة وحج البيت وصوم رمضان))[1]

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: توحید و رسالت محمد ﷺ کا اقرار، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

۳۔ معاملات

معاملات، معاملہ کی جمع ہے اور عمل یا عامل سے مصدر کا صیغہ ہے جس کا معنی معاملہ، سلوک اور برتاؤ کے ہیں۔ اور دنیا سے متعلق شرعی احکام ہیں جیسے بیع و شراء وغیرہ ۔[2]

اصطلاحی طور پر معاملات کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ فقہاء کے نزدیک اس کا اطلاق تمام شرعی امور پر کیا جاتا ہے۔ مثلاً قاموس الفقہی میں یوں لکھا گیا ہے:

''المعاملات: الاحكام الشرعية المتعلقة بأمورِ الدنيا كالبيع و الاجارة'' [3]

ترجمہ: معاملات سے مراد وہ شرعی احکام ہیں جن کا تعلق دنیوی امور سے ہو جیسے بیع اور اجارہ۔

مولانا پروفیسر محمد یوسف خان معاملات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''بیع و شراء اور تجارت انسانی زندگی کا ایک فطری تقاضا اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ اسلام نے اس میں اپنے پیروکاروں کی اتنی رہنمائی کی ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب بھی اپنے پیروکاروں کے لیے اسے مہیا نہ کر سکا۔ اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اسلام، معاملات کے اعتبار سے ایک کامل اور مکمل دین ہے۔ ''[4]

اسلام میں انفرادی اور اجتماعی ہر دو احکامات کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ معاملات کا دائرہ بہت وسیع ہے، عبادات اور جنایات کو معاملات کے ساتھ ملحق قرار دیا گیا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عمل ان تینوں کو یکجا کرتا ہے۔ فقہی تناظر سے

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب دعاؤکم ایمانکم، حدیث نمبر: ۸، ص: ۵

[2] کتاب العین، ۲۳۰/۳

[3] القاموس الفقهي لغة واصطلاحا، ابوجیب سعدی، دار الفکر، دمشق، ۱۴۰۸ھ، ص: ۲۶۳

[4] تقابل ادیان، محمد یوسف خان، ص: ۲۲۸

ہٹ کر بھی دیکھا جائے تو اس کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور اس سے مراد انسانوں کا آپس میں تعامل اور افرادِ معاشرہ کے آپس کے تعلقات ہیں۔ یہ معاملات جتنے اچھے اور عدل و انصاف پر مبنی ہوں گے اسی اعتبار سے اجتماعی زندگی میں خوشگواری پیدا ہو گی۔

۴۔اخلاقیات

اخلاق، خُلق کی جمع ہے جو انسان کی فطری اور طبعی خصلت و عادت کو کہتے ہیں، جس کا اظہار انسان سے بلا تکلف ہوتا ہے جیسا کہ محمد مرتضی زبیدی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ء) نے لکھا:

''ألخلق: ألسجية''[۱]

ترجمہ: اخلاق طبیعت میں راسخ کیفیت کا نام ہے۔

جبکہ جمهرة اللغة میں ہے:

''ألخلق: ألطبيعة، والخليقة، والسليقة''[۲]

ترجمہ: اخلاق فطرت، عادات اور خصائل کا نام ہے۔

پروفیسر خورشید احمد (متولد ۱۹۳۲ء) نے علم اخلاق کو ان مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے:

'' جو فضائل و رذائل کا علم بخشے اور یہ بتائے کہ انسان کس طرح فضائل سے مزین اور رذائل سے محفوظ رہ سکتا ہے''[۳]

اسلام میں اخلاقیات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((إنّما بُعِثْتُ لأتمّم مكارِمَ الأَخْلاقِ)) [۴]

ترجمہ: مجھے مبعوث کیا گیا ہے تاکہ میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کی امت کو معاملات زندگی کو احسن طریقے سے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿إدفعْ بِالّتی هِیَ أحْسَنُ﴾ [۵]

---

[۱] تاج العروس، ۶۲۹۲/۱

[۲] جمهرة اللغة، ۳۴۷/۱

[۳] اسلامی نظریہ حیات، ص: ۳۸۵

[۴] کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، علی بن حسام الدین المتقی الھندی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان، ۱۹۸۹ء، طبع اول، کتاب الاخلاق، باب الاول، حدیث نمبر: ۵۲۱۷، ۱۶/۳

[۵] سورۃ فصلت: ۳۴/۴۱

ترجمہ: اچھے طریقے سے جواب دو/دفاع کرو۔

اخلاق حسنہ سے مزین اپنے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اس طرح یاد کیا ہے:

﴿وَ عِبادُ الرَّحْمٰنِ الَّذینَ یَمْشُونَ عَلَي الْأَرْضِ هَوْناً وَ إِذا خاطَبَهُمُ الْجاهِلُونَ قالُوا سَلاماً﴾[1]

ترجمہ: اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جب جہلاء ان سے الجھیں تو وہ ان سے اعراض کرتے ہیں۔

سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ نے حسن اخلاق کی ایک فہرست دے کر فرمایا کہ میرے نیک بندے زمین پر نرم چال چلتے ہیں، گالم گلوچ اور لغویات سے اجتناب کرتے ہیں، اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اللہ کے عتاب سے پناہ مانگتے ہیں، میانہ روی سے خرچ کرتے ہیں، شرک اور قتل نہیں کرتے نہ ہی زنا کے پاس جاتے ہیں۔ نیک عمل کرتے ہیں اور جھوٹی گواہی نہیں دیتے، اور نصیحت آموز باتوں پر اندھے ہو کر نہیں گزرتے، نیک اور صالح لوگوں میں شمولیت کے لیے اللہ سے درخواست گزار رہتے ہیں۔

الغرض قرآن و احادیث رسول اللہ ﷺ میں انسانوں کو ایک مکمل اخلاقی نظام سے نوازا گیا ہے۔ اسلام نے اخلاق کو پوری زندگی پر محیط کر دیا ہے، کوئی شعبہ زندگی ایسا نہ رہا، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، ملکی ہو یا بین الاقوامی، جس میں اس کی اخلاقی جذبہ یکساں طور پر جاری و ساری نہ ہو گیا ہو۔ قرآن مجید اور بالخصوص سنت نے احسان کے مدارج کو ایسا بلند کیا اور مکارم و فضائل کی سطح کو ایسا اونچا اٹھایا جو انسانی علم اخلاق کے تصور میں بمشکل آسکتا ہے، خیر و شر کا متوازن تصور پیش کیا جس میں احساس، ہر جذبہ اور ہر خواہش کی یکساں رعایت کی گئی ہے۔

اسلام کے بنیادی ارکان کا تعارف

اسلام کے بنیادی ارکان کو ارکان الدین بھی کہا جاتا ہے۔ دینِ اسلام میں یہ ارکان بنیادی اصول ہیں، انہیں فرائض بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کل پانچ ہیں: ۱۔ شہادۃ/ایمان ۲۔ نماز ۳۔ روزہ ۴۔ زکوۃ ۵۔ حج

۱۔ شہادت: ایمان کی گواہی

اسلام کا پہلا بنیادی رکن شہادۃ یعنی یہ گواہی دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ اس بات کی گواہی دینا اور اس پر ایمان رکھنا ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔ اسے کلمہ شہادت یا کلمہ توحید بھی کہا جاتا ہے: ''أشْهَدُ أنْ لَا إلهَ إلّا اللهُ وَ أشْهَدُ أنّ مُحمداً عَبْدُہ وَرَسُولُه''

خدا کے انکار اور محمد ﷺ کی رسالت سے انکار کرنے والے کو اسلام کافر ٹھہراتا ہے۔ البتہ یہ کلمہ بنیادی شرط ہے اس

---

[1] سورۃ الفرقان: ۲۵/۶۳

کے بعد بھی اسلامی شریعت نے قانونی طور پر ایک مسلمان کی بنیادی صفات و شرائط کے ضمن میں کچھ عقائد ذکر کیے ہیں جنہیں تسلیم کر کے کوئی شخص مسلمان قرار پاتا ہے، جو کہ ایمانیات کہلاتے ہیں۔

۲۔ نماز

نماز اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ قرآنِ مجید میں لفظِ نماز کے لیے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں نماز کا ذکر تقریباً ۷۵ مرتبہ آیا ہے، جس سے اس کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں میں اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی۔ یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (۲)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو، بیشک نماز برائیوں اور فحاشی سے روکتی ہے۔

اسی طرح نماز کی حرمت کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((رَأْسُ الأَمْرِ الإِسْلاَمُ وَعَمُودُهُ الصَّلاَةُ)) (۳)

ترجمہ: اس امر کی بنیاد اسلام اور اس کا ستون نماز ہے۔

خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کے ذریعے مسلمان خدا سے تعلق جوڑ کر روحانی عروج کی جو منازل طے کرتا ہے اسے ضبطِ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ نماز میں مومن بندے کی حالات پر شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ آدمی خطیرۃ القدس کی سی حالت کو اخذ کر لیتا ہے، بارگاہِ خداوندی سے اس کو کمال اتصال و قرب ہو جایا کرتا ہے وہاں سے اس پر مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے اور وہاں وہ ایسی حالت کا مشاہدہ کرتا ہے جس کو زبان بیان نہیں کر سکتی۔ (۴)

---

(۱) سورۃ ھود: ۱۱/۱۱۴

(۲) سورۃ العنکبوت: ۲۹/۴۵

(۳) سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۰، ۲۸۲۵/۱۰۱

(۴) حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، (مترجم: مولانا خلیل احمد)، کتب خانہ شان اسلام، لاہور، طبع اول، ص: ۱۱۱

۲۔ روزہ

روزہ بھی ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے۔ جس کے لیے قرآن مجید میں صوم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ صوم کے لغوی معنٰی رکنے کے ہیں۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں روزے سے مراد صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کھانے پینے اور بعض دیگر امور سے رکے رہنے کا نام ہے۔ روزے کا اہتمام خاص ماہ رمضان میں کیا جاتا ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا تھا، اس ماہ مبارک میں روزے رکھنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ قرآن کریم کے مطابق یہ عبادت گزشتہ امتوں پر بھی فرض تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے، تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

اس آیت میں صوم یعنی روزے کی فضیلت کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ روزہ محض بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں، بلکہ تربیت، صبر اور تقویٰ کے حصول کے لیے خاص عبادت ہے۔ تاکہ انسان پرہیز گار بن جائے اور اس کی تمام خواہشات اللہ تعالیٰ کی تابع ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) (۲)

ترجمہ: اگر کوئی شخص (روزہ رکھ کر بھی) جھوٹ اور غلط کاریوں سے نہیں بچتا تو اس کا کھانا پینا چھڑانے سے اللہ کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

۴۔ زکوۃ

زکوۃ عبادات کے علاوہ اسلام کے بہتریں معاشی نظام کا عکاس بھی ہے۔ زکوۃ سے مراد وہ مال ہے جو مخصوص نصاب کے تحت امراء خدا کی راہ میں دے کر اپنے بقیہ مال کو پاک کرتے ہیں۔ زکوۃ کے ذریعے انسان نا صرف اپنے مال کو، بلکہ اس کے ذریعہ اپنے قلب کو بھی مال و دولت کی ہوس سے پاک کرتا ہے۔ اور زبان و عمل سے ثابت کرتا ہے کہ اصل دینے والا خدا ہے اور یہ سب خدا کا ہی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے دیے ہوئے مال سے اس کی راہ میں کچھ خرچ کیا جائے۔ زکوۃ مساکین، غرباء،

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/۱۸۳

(۲) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور، حدیث نمبر: ۱۹۰۳، ص: ۳۳۰

فقراء، قرض دار اور مسافروں کو دی جاتی ہے۔ اس مالی عبادت سے انسان میں ہمدردی، ایثار اور راہ خدا میں خرچ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوۃ بھی صاحبِ استطاعت افراد کے فرض قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

((مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالاً ، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ ، لَهُ زَبِيبَتَانِ ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ ، أَنَا كَنْزُكَ)) (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی کو مال سے نوازے اور وہ اس کی زکوۃ نہ دے تو قیامت کے دن اس کے مال کو ایک گنجے سانپ کی صورت دے دی جائے گی اور اس کے منہ میں زہر کی دو تھیلیاں ہوں گی اور وہ اس آدمی کی تلاش میں نکلے گا یہاں تک کہ اس پر قابو پالے گا۔ اور اسے کہے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں۔

۵۔ حج

ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن کا نام حج ہے۔ اصطلاح شریعت میں حج سے مراد بیت اللہ کا قصد وارادہ، مخصوص صفت، مخصوص وقت، اور مخصوص شرائط کے ساتھ کرنا حج کہلاتا ہے۔ (۳)

حج میں مسلمان دو مخصوص چادریں (احرام) پہن کر کعبہ کا طواف اور کچھ دیگر عبادات انجام دیتے ہیں۔ حج بعض شرائط کے ساتھ ہر صاحبِ استطاعت، صحت مند، آزاد اور عاقل بالغ پر فرض ہے۔

قرآن مجید میں حج کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (۴)

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/۴۳

(۲) الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب اثم مانع الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۰۳، ص: ۲۸۰

(۳) کتاب التعریفات، ص: ۴۴

(۴) سورۃ آل عمران: ۳/۱۹۷

ترجمہ: اور لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو شخص استطاعت رکھتا ہو اس کی طرف جانے کی، اور جس نے انکار کیا تو اللہ پروا نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔

حج محض چند مقامات کی زیارت کی ظاہری عبادت نہیں بلکہ جب انسان پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی تاریخی یادگاروں کی زیارت کرتا ہے تو اس کا تعلق اسلام کی عظیم تاریخ سے جڑ جاتا ہے۔ وہ اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح اسلام کی خاطر کسی بھی قربانی سے گریز نہیں کرے گا۔ حج کا ایک اہم ترین فائدہ یہ بھی ہے اس روحانی ماحول میں بندہ توبہ کرتا ہے اور گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے نوزائیدہ بچہ۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ)) [1]

ترجمہ: جو کوئی اللہ کے لیے حج کرتا ہے اور فسق و فجور سے باز رہتا ہے تو وہ (گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر) لوٹتا ہے گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

حج امتِ مسلمہ کے اتحاد، محبت اور خلوص کا مظہر ہے۔ امیر غریب، عربی عجمی، مختلف رنگ و نسل کے لوگ اپنے شہر و وطن کو چھوڑ کر حجاز آتے ہیں اور دو ان سلی چادروں ملبوس ہوتے ہیں۔ ہم ان میں یہ شناخت بھی نہیں کر سکتے کہ کون بادشاہ ہے اور کون فقیر۔ یہ منظر عالمی اتحاد کی ایسی مثال ہے جو کسی اور مذہب میں ہمیں نہیں ملتی۔

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، حدیث نمبر: ۱۵۲۱، ص: ۳۰۹

فصل سوم

غیر الہامی مذاہب اور کتب کا تعارف

ہندومت اور کتب کا تعارف

ہر وہ نظام حیات جس کی بنیاد احکام الٰہی پر نہ ہو غیر الہامی مذاہب کے زمرے میں شامل ہے خواہ اس پر عمل کرنے والوں کی تعداد کروڑوں میں، لاکھوں میں، ہزاروں میں یا سینکڑوں میں ہی کیوں نہ ہو ان کی اپنی جگہ ایک اہمیت ہے غیر الہامی مذاہب کا اثر ایک عرصہ تک انسانی معاشرہ پر رہا اور جنہوں نے مختلف ادوار میں انسانوں کو اپنی طرف راغب کئے رکھا۔ یہاں پر صرف ہندومت، بدھ مت اور زرتشت ازم کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

اسلام اور عیسائیت کے بعد ہندومت دنیا کا تیسرا بڑا مذہب ہے۔ اصطلاحی و علمی زبان میں مذہب کی جو تعریف کی گئی ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ہندو مذہب کیا مذہب ہے؟ اور کن بنیادی عقائد پر یقین رکھتا ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے کے لیے کیا لازمی ہے کیونکہ یہودیت، نصرانیت اور اسلام کی طرح تو اس کے کسی پیغمبر کا وجود ہے نہ کسی الہامی کتاب کا اور نہ کسی معین عقیدے کا۔

ہندومت کی تعریف

لفظ ''ہندو'' جغرافیائی پس منظر کا حامل ہے اور بنیادی طور پر یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا تھا جو دریائے سندھ کے ارد گرد آباد تھے۔ لیوس مور کو کہنا ہے کہ لفظ "ہندو" سنسکرت میں دریائے انڈس کے نام ''سندھو'' سے آیا ہے۔ [1] لفظ ہندو کا ذکر ہندوؤں کی مقدس کتاب میں کہیں نہیں ملتا اور نہ ہی ہندوستانی ادب میں ملتا ہے۔

ہندومت کی تعریف کرنے میں محققین کو بڑی مشکل پیش آئی ہے جیسا کہ ایک محقق گروپر شاد کے بقول ہندومت وہی ہے جو ایک ہندو کرتا ہے۔ [2] اسی طرح مہاتما گاندھی (۱۸۶۹۔۱۹۴۸ء) کے بقول ہر وہ شخص جو خود کو ہندو کہتا ہے اور گائے کا احترام کرتا ہے ہندو ہے۔ [3]

لفظ ہندو اس کی قدیم مقدس کتابوں میں نظر نہیں آتا۔ پنڈت جواہر لال نہرو (۱۸۸۹۔۱۹۶۴ء) اپنی تصنیف تلاش ہند میں لکھتے ہیں لفظ ہندو کا قدیم ترین استعمال آٹھ صدی عیسوی میں ملتا ہے، وہاں بھی یہ لفظ کسی خاص مذہب کے پیروکاروں کے لیے استعمال نہیں ہوا، بلکہ محض ایک قوم کے لیے ہوا۔ لفظ ہندو کا استعمال مذہبی تناظر میں بہت بعد میں جا کر ہوا۔'' [4]

---

[1] مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، ص:۱۶۰

[2] انٹروڈکشن ٹو دی سٹڈی آف ہندوازم، گروپر شاد، آکسفورڈ پریس کراچی، ص:۹

[3] تلاش ہند، جواہر لعل نہرو، ادارہ تحقیقات لاہور، ص:۹۱

[4] ایضاً

مشہور فرانسیسی مؤرخ اور مصنف ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں کہ لفظ ہندو (اب) قومیت کے لحاظ سے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ہندوستان میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو نہ مسلمان ہو، نہ عیسائی ہو، نہ یہودی اور نہ پارسی اور جو ان چار ذاتوں میں سے جن کو فی الواقع بدھ مذہب نے بھی جائز رکھا کہ کسی ایک ذات میں شامل ہو۔[1]

ہندو دھرم میں کسی متفق علیہ عقیدہ اور اصول نہ ہونے کی بنیاد پر ہندو محققین بھی کوئی معین تعریف نہیں کر سکے ہیں۔ مہاتما گاندھی (۱۸۶۹۔۱۹۴۸ء) لکھتے ہیں کہ اگر مجھ سے ہندومت کی تعریف کرنے کو کہا جائے تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ پرامن طریقہ سے حق کی جستجو کا نام ہندومت ہے۔ آدمی خدا کو مانے بغیر بھی اپنے آپ کو ہندو کہہ سکتا ہے۔ ہندومت حق کی جستجو کا دوسرا نام ہے۔ ہندومت حق وصداقت کا مذہب ہے۔ حق ہمارا خدا ہے۔ ہمارے یہاں خدا سے انکار کی مثالیں موجود ہیں لیکن حق سے انکار کی کوئی مثال نہیں۔[2]

مہاتما گاندھی نے حق اور امن کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ لیکن بہت سے مشہور ہندو کہتے ہیں کہ گاندھی جی نے امن یا عدم تشدد کا جو مفہوم سمجھا ہے وہ ہندومت کا کوئی لازمی جز نہیں اور اس کے لیے حق ہی ایک چیز رہ جاتی ہے۔ ظاہر ہے یہ کوئی متعین تعریف یا مفہوم نہیں ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندومت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ بلحاظ عقیدہ ہندوازم غیر متشکل پہل دار ہر شے برائے ہر کس ہے۔ اس کی تعریف متعین کرنا سخت دشوار ہے بلکہ مروج معنوں میں اسے دیگر ادیان کی طرح مذہب کہنا بھی مشکوک ہے۔ اس نے ماضی میں بھی ارفع وادنی اور کبھی کبھی تو متضاد رسوم وافکار کے گلے لگایا ہے۔ اس کی اصل روح زندہ رہو اور رہنے دو میں پوشیدہ ہے۔[3]

لہٰذا ان تعریفات کی روشنی میں ہندومت کی یوں تعریف کی جاسکتی ہے کہ یہ ایک مشرکانہ مذہب ہے جسے ہند کی اکثریت مانتی ہے اور جس کی تشکیل پندرھویں صدی قبل مسیح سے لے کر موجودہ دور تک ہوتی رہی۔ یہ ایک اخلاقی، روحانی اور ہمہ گیر جامع نظام حیات کا حامل مذہب ہے۔ مختلف خداؤں پر یقین رکھنے والا ہر عمل اور علاقہ کا جدا جدا خدا کا قائل مذہب ہے۔

تاریخ ہندومت

ہندو مذہب برصغیر پاک وہند کا قدیم ترین مذہب ہے۔ جس میں غیر ملکی حملہ آوروں سے میل جول کے نتیجے میں اہم تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ذیل میں ہندو دھرم کا مختصر تاریخی خاکہ پیش کیا جاتا ہے:

---

[1] تمدن ہند، ڈاکٹر گستاولی بان (مترجم: مولوی سید علی بلگرامی) مطبع شمسی آگرہ بھارت، ص:۶۶

[2] تلاش ہند، ص:۹۲

[3] ایضاً، ص:۹۳

آریوں کی آمد (۲۰۰۰-۱۵۰۰ قبل مسیح) دوہزار قبل مسیح کے قریب آریا [1] ہندوستان میں آئے اور ایک عرصے تک وہ ملکیوں سے لڑائی میں مصروف رہے لیکن پھر بھی وہ سندھ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ آریا کون تھے؟ کہاں سے آئے؟ اس سلسلے میں بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ یورپ سے آئے۔ بعض دیگر محققین انھیں دریائے جیجون کا باشندہ مانتے ہیں جو تلاش حق رزق کی خاطر یورپ اور ایران سے افغانستان ہوتے ہوئے دریائے سندھ میں داخل ہوئے۔ ایک تیسری رائے یہ ہے کہ ان کا اصل مسکن ایران ہے، سندھ کے قرب وجوار میں واقع ایرانی قبائل سندھ میں داخل ہوئے اس رائے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ سنسکرت میں فارسی زبان کے بے شمار الفاظ پائے جاتے ہیں اور تاریخی لحاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ ہندوستانیوں نے فارس کی جانب کبھی ہجرت نہیں کی، اس لیے علمائے لغت کے نزدیک آریہ اور ایرانی ایک ہی علاقہ کے لوگ ہیں۔

۱۵۰۰- ۱۰۰۰ قبل مسیح ویدی عہد ہے یہ وہ زمانہ ہے جب آریہ ستلج تک پہنچے اور گنگا جمنا تک بڑھے۔ اس میں انھوں نے اپنی فتوحات کی تکمیل کی اور ملک کے اصلی باشندوں کو مغلوب و محکوم کرلیا۔ اسی زمانہ میں وید تصنیف ہوئے اور کورو پانچالوں کی جنگ ہوئی۔ [2] مظاہر پرستی اور خصوصاً اگنی، اندر [3]، سوریہ [4] اور ورون [5]، کی پرستش کا رواج تھا۔ ان میں سے طاقت کا دیوتا اِندر اور راستی کا دیوتا ورون خاص ہیں۔ دیوتاؤں کو راضی اور خوش کرنے کے لیے رسومات کی ادائیگی اور قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ کائنات کا نظم قربانیوں کی وجہ سے قائم ہے۔

۱۰۰۰-۳۲۰ قبل مسیح یہ عہد عروج ہے اس میں آریوں نے اپنی فتوحات کو مزید وسیع کیا۔ یہ زمانہ جنگی اور عملی کارناموں سے ممتاز ہے۔ فلسفے کا خاص زور ہوا اور ہند کے اصل باشندوں پر اپنا غلبہ و تسلط برقرار رکھنے کے لیے آریوں نے ذات پات کے نظام کو وضع کیا اور اس کے لیے مذہبی بنیادیں فراہم کی گئیں۔ اس طرح ایسی تحریک کا آغاز ہوا جو دنیا میں اب تک عالمگیر

---

[1] "آریا" سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب عالی مرتبہ، "معزز افراد" یہ لفظ مہاجرین کے ایک گروہ پر لاگو ہوتا تھا۔ دوسری صدی قبل مسیح میں ایران کے خطوں سے وادی سندھ میں آئے (مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، ص: ۱۶۲)

[2] اسلام اور مذاہب عالم، ملک کریم بخش، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، ص: ۳۸

[3] اِندر آریاؤں کا دیوتا تھا، یہ ایک مقبول ترین دیوتا تھا، اسے جنگ کا دیوتا تسلیم کیا گیا، اندر کی تخلیق کے بارے میں تضاد ہے ایک جگہ اسے آسمان وزمین (پرتھوی) کا بیٹا تو دوسری جگہ اس کا خالق گردانا گیا ہے۔ (بھارت، ابن حنیف، بیکن بکس ملتان، ص: ۲۰)

[4] سورج بھی اکثر مشرک قوموں کا دیوتا اور معبود رہا ہے اور اب بھی ہے بھارت میں سورج کے دیوتا کو سوریہ دیوتا کہتے ہیں (تاریخ مذاہب، ص: ۲۲)

[5] آریہ لوگ دیوتاؤں کو ہی عمل تخلیق کا اولین مظہر مانتے تھے۔ ورون کو سب سے باعظمت اور راستی کا دیوتا مانا جاتا تھا۔ (تاریخ مذاہب، ص: ۲۲)

ہے۔یعنی بدھ مذہب کی بنیاد پڑی۔اس عہد کے خاص اور امتیازی کارنامے یہ تھے:

۱۔ جنگ وجدل اور فتوحات

۲۔ برہمنوں کی قوت اور ذات کا زور

۳۔ معاشرتی اور علمی ترقی

۴۔اپنشد یعنی روحانی تعلیم کا ارتقاء

ان تینوں ادوار میں ہندو دھرم کو برہمنی مت سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ اس وقت تک اس مذہبی روایت میں برہمن طبقہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ برہمنی مت کے اس سنہرے دور میں جو مذہبی ادب وجود میں آیا اسے ویدک ادب کہا جاتا ہے۔اور اس کی مناسبت سے اس دھرم کو ویدک مت بھی کہا جاتا ہے۔

۳۲۰ق م-۵۰۰عیسوی بدھ مت مذہب کے غلبہ یار دعمل کا دور ہے۔اس عہد میں راجہ اشوک اور اس کی جانشینوں کے تعاون سے بدھ مذہب کا زور وشور رہا۔علوم وفنون کو رونق ہوئی۔ شاعری، صرف ونحو، فنون، نجوم، فلسفہ وغیرہ اور تالیف وتصنیف کا بازار گرم رہا۔ برہمنی مت اور اس کے زور کو دبا دیا گیا اور ذات پات کے نظام کے خلاف پر زور آوازیں اٹھائی گئیں۔

۶۳۴-۱۰۰۰عیسوی برہمنی مت کے دوبارہ عروج اور بدھ مت کے زوال کا عہد ہے اس عہد کا آغاز قنوج کے اس مناظرہ سے ہوتا ہے جو ۶۳۴ میں برہمنوں اور بدھسٹوں کے درمیان ہوا جس میں برہمنوں کو بدھ عالموں پر غلبہ حاصل ہوا اور پھر یہ مذہبی تفوق بڑھتا گیا حتیٰ کہ شنکر اچاریہ (۷۸۸-۸۳۰ء) نے اپنے زور قلم سے بدھ مذہب کا جنازہ نکال دیا۔جیسا کہ مولانا انیس احمد مدنی نے وضاحت کی ہے۔[1]

عہد محکومی (مسلمانوں کی آمد) کا آغاز محمود غزنوی کے حملہ سے ہوتا ہے اور مغلیہ سلطنت کے زوال تک یہ عہد محیط ہے یورپی عہد (اٹھارویں صدی سے بیسویں صدی تک) ہے۔اس عہد میں انگریزوں نے یہاں آتے ہی عیسائی مشنریوں کو کھلی آزادی دے دی جنہوں نے مختلف علاقوں میں گھوم گھوم کر عیسائیت کی تبلیغ شروع کی جس سے ہندوؤں میں بھی تبلیغ واشاعت دین کا شوق پیدا ہوا حتیٰ کہ آریہ سماج [2] کے بانی دیانند سرسوتی (۱۸۲۶ء-۱۸۸۳ء)[3] نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندومت

---

[1] مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ، مولانا انیس احمد فلاحی مدنی، ص: ۲۳۲-۲۳۳

[2] اس تحریک کا بانی دیانند سرسوتی (۱۸۲۶ء-۱۸۸۳ء) ہے۔ ۱۸۷۵ء کے اوائل میں اس نے باقاعدہ طور پر آریا سماج کی بنیاد رکھی۔اس نے ویدوں کی طرف مراجعت کا نعرہ لگایا۔آریا سماج نے جہالت کو فتح کرنے اور ہندوؤں کو قدیم ویدوں کی تعلیمات سے متعارف کرانے میں بہت اہم کردار ادا کیا(تقابل ادیان، ڈاکٹر ذاکر نائیک، ص: ۱۸۸)

[3] دیانند سرسوتی (۱۸۲۶ء-۱۸۸۳ء) کاٹھیاواڑ (گجرات) کے ایک گاؤں کے برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

میں دوبارہ داخل کرنے کے لیے شدھی سنگھٹن تحریک چلائی۔ انگریزوں نے ہندوستانی مذاہب اور رسوم و رواج پر کھل کر تنقیدیں کیں۔

ہندومت کے عقائد

ہندومت کے چند مشہور عقائد درج ذیل ہیں:

عقیدہ تثلیث

آج جو لوگ ہندو کہلاتے ہیں ان میں دو سو سے زیادہ فرقے ہیں اور دیومالا لاتعداد دیویوں اور دیوتاؤں پر مشتمل ہے جن میں بڑے دیوتا بھی ہیں اور چھوٹے بھی، محدود اختیار والے بھی ہیں اور مطلق اختیار والے بھی۔ ویدک دور میں مظاہر فطرت کی عبادت کی جاتی تھی لیکن بعد میں اس میں بنیادی تبدیلی کر دی گئی اور یہ عقیدہ قائم ہو گیا کہ ہندو قوم کے تین بڑے خدا ہیں، برہما، وشنو اور شیو۔ ان کو ہی تری مورتی یعنی تین شکلیں کہتے ہیں۔

برہما

اس دیوتا کو عالم کا خالق اور کائنات کا نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے اسے روح الارواح بھی کہا جاتا ہے اور اس میں جذب ہو جانا معراج انسانیت ہے۔ اعلیٰ درجہ کی روحیں اس میں جذب ہو کر اس کا حصہ بن جاتی ہیں۔ ہندو آرٹ میں برہما کا جو مجسمہ پیش کیا جاتا ہے وہ مجسمہ بڑا عجیب و غریب اور ہندو صنمیات کا شاہکار دکھائی دیتا ہے۔ اس کے چار سر اور چار ہاتھ ہیں۔ ایک ہاتھ میں چمچہ، دوسرے میں لوٹا اور قربانی کا سامان، تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں وید ہے۔ وہ راج ہنس پر سوار دکھایا جاتا ہے۔ اس کی رہائش "میرو پہاڑ" میں ہے۔ اس کی رفیقہ حیات کا نام 'سرسوتی' ہے، جو علم و دانش اور فنون لطیفہ کی دیوی ہے۔ برہما کو "پرجاپتی" بھی کہتے ہیں۔[1] برہما کائنات کی تخلیق کے بعد اب آرام فرما ہے۔[2]

وشنو

ہندو دھرم میں دوسری مقبول ذات وشنو کی ہے۔ یہ اشیاء کی حفاظت اور بقاء کا ضامن ہے۔ یہ رحم کا بھی دیوتا ہے۔ اسے رب کائنات اور محافظِ کائنات مانا جاتا ہے وشنو اصلیت کے اعتبار سے آرین دیوتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس دیوتا کی حیثیت بڑھتی جاتی رہی اور پھر جلد ہی اسے خدائے مطلق کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس کی رفیقہ حیات کا نام "لکشمی" ہے اس کی پوجا

(گذشتہ سے پیوست) آپ کا اصلی نام مول شنکر تھا۔ دیانند سرسوتی نے آریا سماج کے نام سے جو تحریک چلائی اس کے مطابق وید سب مذہبی کتابوں سے اونچا درجہ رکھتے ہیں (بین الاقوامی مذاہب، ص:۵۹)

[1] تقابل ادیان، ڈاکٹر ذاکر نائیک، ص:۱۳۰

[2] کتاب الھند (ہندو دھرم)، ابوریحان البیرونی، (مترجم: سید اصغر علی)، نگارشات، ۱۹۹۸ء، ص:۱۲۷

سب سے زیادہ ہوتی ہے مال ودولت اور خوش بختی کی دیوی ہے اس کا خاص تہوار دیوالی ہے اس روز عام چراغاں کیا جاتا ہے ہندو لوگ اسی روز سے نئے سال کا آغاز کرتے ہیں۔ ہندو آرٹ میں وشنو کو خوبصورت نوجوان دکھایا گیا ہے جس کے چار ہاتھ ہیں۔ ایک میں سنگھ، دوسرے میں گرز، تیسرے میں چکر اور چوتھے میں کنول ہے۔ وشنو کی سواری گرنڑ ہے اسے عام طور پر ''خدائے کائنات'' تسلیم کیا جاتا ہے ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ وشنو کو عبادتوں، منتوں قربانیوں اور دعاؤں کے ذریعے اس عالم مادی میں نزول کے لیے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔[1]

شیو

ہندوؤں کے عقیدہ تریمورتی میں شیو تباہی و بربادی کا دیوتا کہلاتا ہے۔ جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے قدیم ترین دیوتاؤں میں سے ہے۔ ''شیو'' جو تخیل پرانوں مہابھارت میں ملتا ہے وہ تضادات کا مجموعہ ہے۔ ہندومت کا کوئی دوسرا دیوتا باہم متضاد صفات کے حامل اور مختلف النوع احوال تابع ہونے میں ''شیو'' کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ''شیو'' کی آٹھ صورتیں کی جاتی ہیں اور اسی سے اس کی پوجا ہوتی ہے۔ اس کی پیشانی پر ایک تیسری آنکھ بھی ہے جسے ''ترلوچن'' کہا جاتا ہے۔ اس سے غیظ و غضب کے شعلے نکلتے ہیں۔ شیو کو ہندو آرٹ میں نصف آدمی اور نصف عورت کے روپ میں دکھایا جاتا ہے۔[2]

آواگون، عقیدہ تناسخ اور کرم

آواگون ہندی لفظ ہے اسے پنر جنم بھی کہتے ہیں۔ اس کے لغوی معنٰی ہیں بار بار جنم لینا اور مرنا۔ اعمال کے لحاظ سے روح کا ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں واپس آنا تناسخ کہلاتا ہے ہندو مذہب کا عقیدہ یہ تھا کہ موت زندگی کا یہ سلسلہ دائمی طور جاری رہے گا اور ان کا خیال تھا کہ نیک انسان موت کے بعد بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں انھیں کامل راحت و سکون حاصل ہوتا ہے اور بدکردار اشخاص کو دوزخ کے مصائب بھگتنے پڑے ہیں لیکن کچھ عرصے کے بعد ہندوؤں کی رجائیت ختم ہو گئی اور کسی نہ کسی وجہ سے یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ موت کے بعد ایک نئی عارضی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس میں انسان کو اپنے گزشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے اور یہ سلسلہ تاابد جاری رہتا ہے۔[3]

دنیا میں انسان کے اعمال اور چال چلن اچھے تھے تو روح خدا کی ذات میں جذب ہو جاتی ہے اور کبھی واپس نہیں آتی اس کے برعکس عام اعمال سرانجام دینے والی روح چاند تک پہنچتی ہے وہ وہاں اس وقت تک رہتی ہے جب تک اس کے اعمال کا اثر باقی رہتا ہے جب یہ اثر ختم ہو جاتا ہے وہ واپس آ کر ایک انسان، حیوان یا نباتات کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور اس عمل کو ''کرما'' عمل

---

[1] تقابل ادیان، ڈاکٹر ذاکر نائیک، ص: ۱۳۱

[2] ایضاً، ص: ۱۳۳

[3] اسلام اور مذاہب عالم، مظہر الدین صدیقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۶۸ء، طبع سوم، ص: ۷

بھی کہا جا سکتا ہے کرم کے لفظی معنی اعمال کے اعمال ہیں یہ نیک اعمال اگلی دنیا اور موجود دنیا میں مفید قرار دیئے گئے ہیں۔ اگر یہ اچھے ہوں ان اعمال کی بدولت انسان بار بار پیدا ہونے چکر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور عمدہ اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ [1]

الغرض عقیدہ تناسخ عقلاً محال ہے۔ سائنس اور وحی الٰہی بھی اس کی تردید کرتے ہیں اور خود مسئلہ ارتقاء اس کو باطل ٹھہراتا ہے۔

ہندو عبادات

ا۔ پوجا

پوجا ہندوؤں کے مذہب کا سب سے بڑا مظہر ہے جو مختلف مراسم کے ساتھ مختلف ادوار میں انجام دی جاتی ہے۔ پوجا کا اہتمام مندروں میں کیا جاتا ہے، دیوتاؤں کی مورتیوں کے علاوہ مختلف حیوانات کی مورتیوں کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ پوجا کی رسم میں مورتیوں کے سامنے گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں، پھولوں کا ہار، غذاؤں اور خوشبوؤں کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان کے حضور سجدے کیے جاتے ہیں اور مقدس ادبیات سے مناجات پڑھی جاتی ہیں اور پھر ان مورتیوں سے مرادیں بھی مانگی جاتی ہیں۔ [2]

۲۔ یگیہ یا قربانی

یگیہ کو عام معنوں میں قربانی کہا جاتا ہے۔ ہندو تہذیب میں یگیہ کی رسم قدیم غیر آریائی تہذیب سے رائج ہے لیکن اس کے طریقے مختلف عہد میں تبدیل ہوتے رہے۔ کسی معین مقام پر آگ بھڑکانا اور معبودوں کی محبت کو اپنی جانب متوجہ کرنے اور گناہوں سے کفارہ کی طلب میں ویدوں اور اپنشدوں کے مخصوص منتروں کا پڑھنا یگیہ کہلاتا ہے، جس کی مختلف شکلیں اور متعدد قسمیں ہیں۔ اس کے اہم اغراض و مقاصد میں اقتدار و سلطنت کو مضبوط کرنا، معبودوں کی اطاعت و تشکر کا اظہار شامل ہے۔ یگیہ کی یہ عبادت کسی برہمن [3] کے توسط سے انجام دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ مخلوقات اور خالق کے درمیان اصل واسطہ وہی ہے۔ [4]

۳۔ جاپ

جاپ کا مطلب تسبیح اور ذکر کرنا ہے۔ دیگر مذاہب کی طرح ہندوؤں کے ہاں بھی دیوتاؤں کے نام اور مقدس کتابوں سے مختلف منتروں کی تسبیح اور وظیفے پڑھے جاتے ہیں اور داخل عبادت سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] تاریخ مذاہب، رشید احمد، ص: ۱۲۵

[2] مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ، مولانا انیس احمد فلاحی مدنی، ص: ۳۰۱

[3] ہندو عقائد کی رو سے سب سے بلند مرتبہ ذات برہمن کیونکہ وہ خدا کے منہ سے پیدا ہوئے ہیں (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ۳۴۶/۱)

[4] الملل والنحل، ۲۶/۲

۴۔روزہ

نفسانی خواہشات پر کنٹرول کرنے اور جسمانی قوت کو کمزور کرنے کے لیے روزوں کی اہمیت عیاں ہے۔ اسی لیے ہر شریعت میں روزہ کسی نہ کسی صورت میں مشروع رہا ہے ہندومت روزہ کی درج ذیل شکلیں اور طریقے رائج ہیں۔

چند متعین دنوں تک بلا افطار کیے دن ورات کھانے پینے سے اجتناب کرنا، ضرورت کے مطابق پانی اور دودھ استعمال کرتے ہوئے غلوں سے اجتناب کرنا، چند دنوں تک صرف دوپہر کا کھانا تناول کرنا، غروب آفتاب کے بعد صرف دن میں ایک بار کھانا کھانا وغیرہ۔ عام لوگ قمری تاریخ کے لحاظ سے ہر مہینے دسویں اور گیارہویں تاریخ کو سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت روزہ رکھتے ہیں اور اسی طرح دسہرہ کے دن بھی ان کے ہاں روزہ رکھنا پسندیدہ ہے۔[۱]

تہوار اور رسوم

ہندوؤں کے ہاں تہواروں کی تعداد بہت زیادہ ہے، بعض تہوار مخصوص خطے کے ہندو مناتے ہیں ذیل میں ہم چند تہواروں کا ذکر کریں گے جو تقریباً تمام ہنود مناتے ہیں:

۱۔دیوالی(Devali)

دیوالی کا دوسرا نام دیپاولی، دپالکا، سکھ راتری اور یکر راتری ہے اور اس کو سکھ پتیکا بھی کہتے ہیں۔ دیوالی اصلاً سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہیں چراغوں کی قطار۔ دیوالی ہندو حضرات کا سب سے بڑا تہوار کہا جاسکتا ہے۔ پانچ روزہ یہ تہواریوں تو سب ہی ہندو حضرات مناتے ہیں لیکن درحقیقت یہ وشنو کے پیروکار اور تاجر طبقے کے لوگوں کا تہوار کہلاتا ہے۔ یہ تہوار اس خوشی کے موقع پر منایا جاتا ہے کہ جب شری رام چندر[۲] چودہ برس بعد راون کو مار کر واپس اپنے شہر اجودھیا لوٹے تو اس خوشی میں پورے ملک میں چراغاں کیا گیا اور رام چندر کی تاج پوشی کرتے ہوئے جگہ جگہ جشن منائے گئے۔ دیوالی کی خوشی رام چندر کے نورانی دور کی علامت ہے اور لکشمی دیوی دیوالی کی رات میں آکر دولت برساتی ہے اس لیے وہ تمام رات دیئے جلاتے ہوئے اس کی راہیں روشن کرتے ہیں۔

اس تہوار میں ہندو کسی دریا یا تالاب میں نہا کر نیا لباس پہنتے ہیں اور شرادھ (نذرونیاز) کرتے ہیں۔ دیے جلائے جاتے ہیں اور بڑے پیمانے پر آتشبازی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے مختلف خطوں اور عقیدے کے لوگ اپنے اپنے دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں اور

---

[۱] مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ، مولانا انیس احمد فلاحی مدنی، ص: ۳۰۲

[۲] وشنو کے اوتاروں میں ساتویں اوتار رام چندر ہیں جو بڑی اہمیت کے مالک ہیں ان کا ذکر مشہور رزمیہ نظم رامائن میں کیا گیا ہے رام چندر اجودھیا کے راجا دسرتھ کے بیٹے تھے ان کی بیوی کو لنکا کے راج راون نے اغوا کرلیا۔ ہنومان کی مدد سے رام چندر نے لنکا پر حملہ کیا اور راون کو قتل کرکے سیتا کو واپس لانے میں کامیاب ہوگئے۔ (تاریخ مذاہب، ص: ۱۲۹)

سب مل کر جوا کھیلتے ہیں۔[1]

۲۔ہولی

ہولی کا دوسرا نام ''ہولکا'' بھی ہے۔ یہ تہوار فروری مارچ (پھاگن) میں پورے چاند کے دن مغربی بنگال کو چھوڑ کر ہندوستان میں دو دن منایا یاتا ہے۔ ہولی کا تہوار دو دن منایا جاتا ہے، پہلے دن آگ جلائی جاتی ہے اور آگ کے پہلو میں ایک پتھر پوجا کی نیت سے رکھ دیا جاتا ہے۔ دوسرے دن گلال اور رنگ دار پانی کے ساتھ ہولی کھیلی جاتی ہے، تمام کدورت اور بغض و عداوت اس دن لوگ بھول جاتے ہیں۔ ہولی میں کرشن جی [2] کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔[3]

۳۔راکھی بندھن

یہ تہوار ساون (جولائی اگست) میں آتا ہے اس میں حقیقی یا منہ بولی بہنیں بھائیوں کی کلائیوں پر کالا دھاگہ باندھتی ہیں اس کو راکھی کہتے ہیں۔ ہندی میں راکھی سے مراد حفاظت کا شگون ہے اس رسم نے آگے ترقی کی اور یہ دھاگہ کنگن میں تبدیل ہو گیا۔[4]

۴۔دسہرہ

یہ تہوار جس کے معنی دس روز ہے۔ مراد دس گناہوں کو لے کر جانے والا۔ ہندو میں ایک بھگوان کی پیدائش کا دن ہے۔ مہینے کی دسویں تاریخ کو یہ بھگوان پیدا ہوا تھا اور یہ کہتے ہیں کہ گنگا دریا میں یہ پیدا ہوا اس لیے یہ لوگ اس تہوار کو گنگا دریا میں مناتے ہیں۔ ہندو سمجھتے ہیں کہ دسویں تاریخ کو گنگا میں نہائیں تو اس کے دس قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر موسم گرم میں اس کو منایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ رام چندر جی ہندوؤں میں ایک اہم شخصیت ہے یہ چودہ برس بعد راون کو مار کر گھر واپس لوٹا تھا اس مناسبت سے یہ تہوار مناتے ہیں۔[5]

الغرض ہندو دھرم کوئی مذہب نہیں ہے نہ اب ہے نہ پہلے کبھی تھا۔ بلکہ ایک سوسائٹی اور ایک نظام ہے جو ہندوؤں پر

---

[1] اسلام اور مذاہب عالم، مظہر الدین صدیقی، ص: ۱۰

[2] یہ وشنو کے آٹھویں اوتار ہیں ان کے ذریعہ وشنو کا تصور ترقی کے نہایت اعلیٰ درجے پر جا پہنچا کرشن کی پرستش قدیم الایام سے جاری ہے لیکن وشنو کے اوتار قرار پانے کے بعد ان کی اہمیت کو چار چاند لگ گئے یہ مرتبہ انہیں بہادرانہ افعال، اعلیٰ قابلیت اور معجزانہ قوت کے ذریعہ حاصل ہے (تاریخ مذاہب، ص: ۱۳۰)

[3] اسلام اور مذاہب عالم، مظہر الدین صدیقی، ص: ۱۰

[4] ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالرشید، ص: ۹۲

[5] ایضاً، ص: ۹۳

سوسائٹی کی کچھ رسمیں پوری کرنے پر زور دیتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ فلاں اصول اور فلاں بات نہ مانو۔ ہندو دہریہ بھی ہو سکتا ہے موحد بھی ہو سکتا ہے مشرک اور کئی خداؤں کو ماننے والا بھی ہو سکتا ہے اور جو انھیں نہ مانے وہ بھی ہندو ہو سکتا ہے کسی اچھی بات کے ماننے نہ ماننے سے اس کے ہندو ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ نہ اس کی ہندومت کے متعلق کوئی شک وشبہ کیا جا سکتا ہے جب تک ہندوؤں کی کچھ رسموں کو پورا کرتا رہے اس وقت تک وہ ہندو رہے گا۔

ہندومت کا مقدس ادب

جن کتب کو ہندو اپنا مذہبی ادب تسلیم کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان کی تعداد دوسرے مذاہب سے کافی زیادہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں اس وقت جتنے بھی دھرم چل رہے ہیں۔ ان میں شاید ہی کسی دوسرے میں اتنی کتب ہوں۔ ان کتب میں بنیادی طور پر تین طرح کی کتابوں کو شامل کیا جاتا ہے۔

۱۔ شروتی (Seruti)

شروتی سے مراد وہ تحریریں ہیں جو سنی گئی ہیں یا نازل کی گئی ہیں۔ یعنی ان کتابوں کو الہامی مانا جاتا ہے۔ شروتی یا سماعی کتب تین ہیں:

۱۔ وید (Vedas)

۲۔ برہمن (Brahmanas)

۳۔ اپنشد (Upanishads)

۲۔ سمرتی (Smriti)

سمرتی کا معنی ہے "جسے یاد کیا جائے" شروتی کے بعد ان کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ سمرتیوں کی بنیاد ویدوں کی تعلیمات پر ہے۔ سمرتی میں تین کتب شامل ہیں:

۱۔ مہا بھارت (Mahabhart)

۲۔ رامائن (Ramayana)

۳۔ گیتا (Gita یا Geeta)

۳۔ دھرم شاستر (Dharm Shastar)

یعنی قانون کی کتابیں۔ اس میں دو کتابیں شامل ہیں:

۱۔ منو شاستر (Manu Shastar)

۲۔ پران (Puranas)

ان کتب کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

ا۔وید

لفظ وید کا مصدر ''ود'' ہے جس کے معنی جاننا، سوچنا، موجود ہونا غور کرنا اور حاصل کرنا کے ہیں۔اس اعتبار سے وید کا اطلاق عام علوم پر کیا جاسکتا ہے۔دوسرے الفاظ میں ہندو قوم کے تصورات، اعمال اور دیگر واقعات زمانہ کے متعلق اشعار کے مجموعے کا نام وید ہے اور یہ وید وہ ادب ہے جو ہندو معاشرہ کے تقریباً دو ہزار سالہ پرانے رسوم و رواج اور علوم کا آئینہ دار ہے۔ وید کے راوی رشی کہلاتے ہیں جو دیوتاؤں کی تعریف اور ان سے التجا کرنے کے ماہر تھے۔ویدوں کی تالیف و تدوین کے سلسلے میں محققین کے مابین ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور اس اختلاف کی رو سے اس کی تالیف کا زمانہ ۱۲ سو سے ۲ سو برس قبل مسیح تک ہے۔[1]

ویدوں کے رشی

ویدوں کے لکھنے والے شاعر رشی کہلاتے ہیں۔رشی کے معنی ہیں منتر دیکھنے والا۔دیکھنے سے ہندوؤں کا مراد الہام یادل میں دیکھنا ہے۔رشی منتر کا متکلم ہوتا ہے جو اپنی شاعری میں دیوتا سے کلام کرتا ہے۔ہندو علماء کی اکثریت کا خیال ہے کہ وید مختلف زمانوں میں مختلف شاعروں نے تصنیف کیے۔قدیم روحانی شخصیتوں نے اپنے اعلیٰ روحانی مقامات کی بناء پر کائنات کی سچائیوں کو سن لیا تھا اور پھر انہی نے اسے الفاظوں کا جامہ پہنایا۔ان رشیوں میں آریائی، برہمنی اور قدیم ہندوستان کے دیگر مکاتبِ فکر کے لوگ شامل ہیں۔

وید کے مطالعے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختلف لوگوں کی زبان سے جاری ہونے والے سنسکرت اشعار کا مجموعہ ہے۔البتہ ہندوؤں کے بعض فرقے وید کو ہزاروں رشیوں کا کلام نہیں مانتے۔آریا سماج کا عقیدہ ہے کہ وید چار رشی اگنی، وایو، آدتیہ اور انگرہ کو الہام ہوئے، اور رشی منتر کو تخلیق کرنے نہیں بلکہ اس کے معنی بیان کرنے والے ہیں۔[2]

منشی سورج نارائن مہر اپنی اپنشد کی تشریح میں لکھتے ہیں:

> ''روایت یہ ہے کہ وید ایک تھا، ویاس جی مہاراج نے اسے چار حصوں میں منقسم کر کے اپنے چار شاگردوں کو پڑھایا۔ان شاگردوں کے اور (مزید) شاگرد ہوئے اور ان کے اور۔اس طرح شاخیں پھیلتی چلی گئیں۔''[3]

---

[1] رگ وید (ایک مطالعہ)، سوامی دیانند سرسوتی (مترجم: نہال سنگھ)، نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۱۳

[2] ایضاً

[3] اپنشد (اردو ترجمہ: شنکر بھاشیہ)، نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۷۶

ویدوں کی تعداد

ویدوں کی کل تعداد چار ہے:

۱۔رگ وید Rig Veda

۲۔یجر وید Yajur Veda

۳۔سام وید Sam Veda

۴۔اتھر وید Atther Veda

۱۔رگ وید

آریوں کی تصنیف کردہ قدیم رگ وید کو باقی ویدوں پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ تمام ویدوں سے قدیم اور مستند ہے اور ہندوستانی تہذیب کا تاریخی مواد بھی وید ہے اور بقیہ سارے اسی سے ہی ماخوذ ہیں۔اس میں وہ تمام ہندومت کی تعلیمات شامل ہیں جو حمدیہ اشعار پر مشتمل ہیں انگریزی میں حمد کو Hymn کہتے ہیں۔اس میں ۱۰۰۰ (ایک ہزار) اشلوک (بند) ہیں رگ وید برہمن پڑھتا ہے۔[۱]

۲۔یجر وید

یہ رگ وید سے ہی ماخوذ ہے۔اس کی الگ حیثیت تسلیم کی جاتی ہے۔قربانی کی رسم ادا کرتے ہوئے پڑھا جاتا ہے۔اس میں (۱۵۰۰) پندرہ سو اشعار ہیں قربانی کے وقت یجر وید پنڈت (Pandit) پڑھتا ہے۔

۳۔سام وید

سام کے معنی موسیقی کے ہیں اگرچہ سام وید بھی رگ وید کی طرح قدیم مانا جاتا ہے لیکن اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں۔اس وید میں گیت اور بھجن ہیں ۷۵ منتروں کے علاوہ تمام تر معمولی فرق کے ساتھ رگ وید سے ہی ماخوذ ہیں۔عبادت کی عمومی رسوم میں سام وید پڑھا جاتا ہے۔سام وید پڑھنے والے کو اُجتر کہتے ہیں۔

۴۔اتھر وید

چھ ہزار منتروں پر مشتمل ہے۔اس وید میں زیادہ تر جادوٹونا وغیرہ کی ہی تعلیمات ہیں۔اس کو کسی مشکل کی آسانی، ناممکن کو ممکن بنانے کے لیے پڑھا جاتا ہے۔[۲] اتھر وید پڑھنے والے کو پروہت (Prohit) کہتے ہیں۔

البتہ ان چاروں ویدوں میں بہت اختلافات ہیں ان کا اندازہ لگانا یقیناً ممکن نہیں۔ان میں اختلافات، ردوبدل اور ترمیم

---

[۱] ویدوں پر ایک سرسری نظر، مولوی بدرالحسن، لبرٹی آرٹ پریس پٹوڈی ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۳، ص:۱۱-۱۲

[۲] ایضاً، ص:۱۲-۱۳

اس طرح اور اس قدر کی گئی ہیں کہ موجودہ چاروں وید مشتبہ ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی علماء ہنود کے نزدیک مسلمہ ہے کہ وید نہ تو تحریف اور اختلافات سے پاک ہے اور نہ ہی اس کی تعلیمات فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ وید میں کئی قسم کی ایسی تعلیمات ہیں جن سے انسانی اخلاقی اقدار پست ہو جاتی ہیں۔

۲۔ برہمن

جو ادبی حیثیت سے ویدوں سے مختلف اور ممیز ہیں۔ یہ نثر میں ہیں اور عام لوگوں کے لیے ان میں مختلف رسوم کی تشریح ہے۔ جہاں ویدی ادب ہند میں آریاؤں کی ابتدائی دور کا آئینہ دار ہے، جس میں آریائی پجاری فتوحات کی خوشی سے سرشار اپنے دیوتاؤں کی تعریف میں بھجن گاتے ہیں، وہاں برہمن اور اس کے بعد اپنشد ادب آریاؤں کے اس عہد کی یادگار ہے جب وہ ہند میں سکونت اختیار کرتے ہیں۔ مذہبی، معاشرتی اور سماجی رسوم ورواج اور دستور واخلاق کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرتے ہیں۔ برہمن ادب میں اس ابتدائی دور کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ آریاؤں کی فطری دور سے عقلی دور میں داخل ہونے کا اظہار ہے۔ برہمن ادب ایسے زمانے کی روح کا مظہر ہے جب ساری عقلی جدوجہد قربانیوں، ان کے رسوم، ان کی قدر وقیمت اور ان کے ماخذ پر مرکوز تھی۔[۱]

ویدی بھجنوں کی تصنیف کے وقت، چونکہ قربانی کے رسوم بھی سادہ اور نامکمل تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ پیچیدہ ہو گئے، تب برہمن ادب میں مختلف قربانیوں کے فرائض پروہتوں کے مختلف طبقوں میں تقسیم کئے گئے۔ اسی زمانے میں طبقاتی تقسیم اور ذات پات کے نظام کی بنیادیں استوار کی گئیں۔

۳۔ اپنشد

اپنشد کے معنی ہیں قریب ہو کر بیٹھنا۔ یہ دراصل ان خطبات کا مجموعہ ہے جو ہندو گوشہ نشینوں نے جنگلوں میں اپنے شاگردوں کو دیے۔ لیکن ہندوؤں کے ہاں اسے الہامی کتاب سمجھا جاتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے اپنشد قدیم دانش کا ماخذ ہے، جس میں وید کی تشریح ایک منفرد اسلوب میں ملتی ہے۔ اپنشد کے اقتباسات کسی فلسفی بزرگ کے اقوال کی مشابہ لگتے ہیں۔ مورخین کے مطابق اپنشد کے خطبات ۹۰۰-۷۰۰ قبل مسیح کے دوران کسی عرصے میں مرتب ہوئے۔ وید کی طرح اپنشد کی تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مشہور ہندو مصنف داس گپتا نے اپنشدوں کی تعداد ۱۱۲ بتائی ہے۔[۲] جبکہ چارلس اے۔ مور کے مطابق اپنشدوں کی کل تعداد دو سو تھی۔[۳] اگرچہ روایتاً اس کی تعداد ۱۶۰ بتائی جاتی ہے جن میں سے دس بنیادی اور اصولی اپنشد ہیں۔

---

(۱) ہسٹری آف انڈین فلاسفی، ایس این داس گپتا (مترجم: موہن لعل ماتھر) دارالطبع عثمانیہ حیدرآباد دکن انڈیا، ۱۹۴۵ء، ۱۱۸/۲

(۲) ایضاً، ۱۱۹/۲

(3) A source book of Indian Philosophy, C.A. More, Pinceton University Press, 1957, P.37

سرزمین ہند میں قدیم ترین اصلاحی تحریک اپنشد کی تحریک ہے۔ یہ تحریک آٹھویں صدی قبل مسیح میں شروع ہوگئی۔ اپنشد چھ حصوں پر مشتمل ہے اور سب ایک ہی وقت میں نہیں لکھا گیا ابتدائی اپنشد سے آخری اپنشد تک ڈیڑھ سو سال سے زیادہ مدت صرف ہوئی۔ اس طرح مکمل اپنشد اس تحریک کی ارتقائی تاریخ کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ (۱)

اپنشد کا اکثر حصہ سوال وجواب کی شکل میں ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں توحید ناقص کی تعلیم موجود ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں توحید کامل کی تعلیم رہی ہو جو زمانہ مابعد کے اضافوں سے اور دور دراز کے فلسفیانہ افکار سے آلودہ ہو کر توحید کی بھونڈی اور ناقص شکل بن گئی ہو۔ (۲)

اپنشد حقیقتاً برہمنی تسلط کے خلاف ایک بغاوت ہے جس کی بنیاد دو باتوں پر قائم ہے، اول یہ کہ تقرب الٰہی کے لئے برہمن ہونا ضروری نہیں بلکہ اپنشد کا دعویٰ یہ ہے کہ انسان چاہے کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو برہمنوں اور پروہتوں سے بلند مقام ذکر الٰہی سے حاصل کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہستی مطلق یا انائے مطلق ہر چیز میں اور ہر وقت موجود ہے جو ازلی وابدی ہے۔ عام کل ہے، قادر مطلق ہے۔ اس کا نام برہما بتایا گیا ہے۔ برہما کی یاد کے لئے کسی بت یا کسی محسوس چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر آدمی خود اپنی ذات میں برہما یعنی خالق کائنات کو پا سکتا ہے۔ یہ خیال سرزمین ہند ہی پر پیدا ہونے والا کوئی جدید خیال نہ تھا یہودیوں اور یونانیوں میں بھی یہ خیال موجود تھا اور غالباً ان سے بھی پہلے سے پایا جاتا ہے۔ (۳)

۴۔ رامائن

رامائن ۲۴ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، جو ہندوؤں کی عوامی کتاب ہے۔ قدیم ویدک تعلیمات کے برعکس رامائن میں ہندومت کے عام مروج مسلک شیومت، وشنومت اور شکتی مت، کے دیوتاؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ رامائن بھگوان کے اوتار شری رام چندر کا قصہ ہے جو ہنومان کی مدد سے راکشسوں کے راجہ راون کو مار کر اپنی بیوی سیتا کو چھڑاتے ہیں۔ رامائن میں وشنو بھگوان کے بہت سے نئے اوتار کی صورت میں خدا اور دیوتاؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ رامائن کے طرزِ بیان کے بارے میں اے ایل باشم (۱۹۱۴۔۱۹۸۶ء) لکھتے ہیں کہ رامائن کے اندازِ بیان میں کم ناہمواری ہے۔ موخر الذکر میں کہیں کہیں قواعد اور عروض کی غلطیاں عام پائی جاتی ہیں۔ (۴)

---

(۱) ہندومت، رابرٹ ونڈی ویئر، (مترجم: ملک اشفاق)، بک ہوم، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص: ۴۲۔۴۳

(۲) ہندوستان، ول ڈیورانٹ، (مترجم: رشید طیب)، تخلیقات، لاہور، ص: ۳۳

(۳) ارتھ شاستر، اچاریہ کوتلیہ چانکیہ (مترجم: سلیم اختر)، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۶۰۔۶۱

(۴) ہندوستانی تہذیب کی داستان، اے ایل باشم، نگارشات پبلشرز لاہور، ص: ۶۸

رامائن کی تالیف کا زمانہ معین نہیں، بلکہ کئی صدی قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ البتہ ایک خیال کے مطابق رامائن کے موجودہ صورت ۴۰۰ برس قبل مسیح میں مرتب کی گئی۔ اس کے مصنف وشنو دیوتا مانے جاتے ہیں اور اس کے مؤلف (ویاس کی صورت میں) وال میکی مانے جاتے ہیں، جس کے آشرم میں رامائن کے مطابق سیتا نے پناہ لی تھی۔

۵۔ مہابھارت

قدیم ہندوستان کا ادب بنیادی طور پر دو رزمیہ نظموں مہابھارت اور رامائن پر مشتمل ہے یہ دونوں عسکری افسانے ہیں علاوہ ازیں ان کتابوں میں دینیات، اخلاقیات اور حکمرانی کے موضوعات ہیں۔[1] دو لاکھ پندرہ ہزار اشعار پر مشتمل مہابھارت دنیائے ادب کی طویل ترین نظم ہے۔ یہ دراصل ہستناپور ریاست کے دو خاندانوں کورو اور پانڈوؤں کے درمیان ہونے والی ایک بہت بڑی جنگ کی کہانی ہے اس کہانی میں جوئے کی بازی ہارے ہوئے پانچ پانڈوؤ (منگول) انتقام کے لیے سو کورو کے خلاف لڑتے ہیں اور بھگوان کے اوتار شری کرشن کی مدد سے پانڈوؤ یہ جنگ جیت جاتے ہیں۔ ہندوؤں کے عام عقیدے کے مطابق مہابھارت ۵۰۰ سے ۱۰۰۰ قبل مسیح کے درمیان کسی دور میں دلّی کے قریب واقع ہوئی۔ مورخ ہند اے ایل باشم ''ہندوستانی تہذیب کی داستان'' میں مہابھارت کی تاریخی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مہابھارت میں جن دلیر اور شجاع لوگوں کے نام آئے ہیں وہ صحیح طور پر معاصر سرداروں کے نام ہیں، لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کہانی کی اتنی بھی افادیت نہیں ہے جتنی ایلیڈ کی (Norse) اور آئرلینڈ کے افسانوی ادب کی، اس کا مقابلہ بہتر طریقے پر (Nibelungenlied) سے ہو سکتا ہے جو ایک دور کی پیداوار ہے جو اس سے بہت مختلف ہے جس کا اس میں بیان ہوا ہے اور جو بہت سی مختلف فوجی روایات کی آمیزش کا نتیجہ ہے۔ مہابھارت کی بنیاد پر ۱۰ صدی قبل مسیح میں ہندوستان کی سیاسی و معاشرتی تاریخ مرتب کرنا اتنا ہی بے کار ہے جتنا کہ میلوں کی (Morte & Arthur) سے رومیوں کے انخلا کے بعد برطانیہ کی تاریخ مرتب کرنا ہے۔''[2]

ستیارتھ پرکاش میں ہے کہ مہاراجہ بھوج کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب کے زمانے میں پچیس ہزار اور اب میری آدھی عمر میں تیس ہزار اشلوک والی مہابھارت کی کتاب ملتی ہے جو ایسی ہی بڑھتی گئی تو مہابھارت کی کتاب ایک اونٹ کا بوجھ ہو

---

[1] مہابھارت، آر۔ کے نارائن (مترجم: نعیم احسن) نگارشات لاہور، ۲۰۱۳ء، ص: ۵

[2] ہندوستانی تہذیب کی داستان، اے ایل باشم، نگارشات لاہور، ص: ۶۸

جائے گی۔[1]

تاہم مہابھارت کسی ایک زمانے یا شخص کی تالیف نہیں ہے بلکہ ایک تحریف شدہ کتاب ہے جس میں مختلف زمانے کے مختلف ذہن کے لوگوں نے اضافہ اور ردوبدل کیا ہے۔

۶۔ بھگوت گیتا

یہ سنسکرت کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں مقدس نغمہ۔ ہندو دھرم میں بھگوت گیتا کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کو بارہ کتابوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔[2]

بھگوت گیتا دراصل مہابھارت کا چھٹا حصہ ہے لیکن بعد کے زمانوں میں اس نے اپنی انفرادی شناخت پیدا کی ہے۔ یہ نظم فلسفیانہ اشعار پر مشتمل ہے۔ جس وحدت کے فلسفے کو نمایاں کیا گیا ہے۔ گیتا سری کرشن کا نصیحت نامہ ہے جو مہابھارت کی لڑائی میں ارجن کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے دشمن کا خاتمہ کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے۔ گیتا میں روح اور مادہ کے ابدی مانا گیا ہے بھگوان غیر تغیر پذیر ہے۔ روح مر سکتی ہے نہ مٹ سکتی ہے۔ روح کے مقابلے میں جسم فانی سے اسے تکلیف بھی پہنچتی ہے۔ بھگوت گیتا اپنے وقت کے ترقی پذیر فلسفیانہ اور مذہبی افکار کا نچوڑ کہی جا سکتی ہے۔ یوں تو گیتا کو الہامی درجہ حاصل نہیں ہے مگر عملی اعتبار سے اس کو ویدوں سے کم اہمیت والا درجہ نہیں دیا جاتا۔ ہندو مذہب میں موجود اہم مذہبی تصورات کی جانکاری کے لیے یہ ایک بہترین دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

بھگوت گیتا میں خدا کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اس کی رو سے خدا ایک ذی شعور ابدی اور توانا ہستی ہے جو ازل سے موجود ہے۔ وہ نہ صرف اس عالم فانی سے ممیز ہے بلکہ انسانوں کی لافانی روح سے بھی اس کی ہستی بالکل جدا ہے اس طرح وہ ایک روح تو ہے لیکن ایسی روح نہیں جو انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ گیتا میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خدا کی دو فطرتیں ہیں۔ ایک اعلیٰ اور ایک ادنی۔ پہلی فطرت ایک اعلیٰ روحانی طاقت سے عبارت ہے جس پر کائنات قائم ہے دوسری فطرت مادیت سے ملوث ہے یعنی اس میں پراکرت (مادہ) کے خواص موجود ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ خدا کی ذات کا نصف حصہ مادی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مادہ لذاتہ کوئی موجود و قائم شےء نہیں ہے جو اپنے عمل میں بالکل آزاد ہو اس کا ارتقاء اور اس کی حرکت مرضی الٰہی کے تابع ہے۔[3]

---

[1] ستیارتھ پرکاش، (اردو ترجمہ: انوار حقیقت) سوامی دیانند سرسوتی (مترجم: چموپتی)، کرشن منتری آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب گورودت بھون لاہور، ۱۹۴۶ء، طبع سوم، ص: ۲۷۰

[2] ہسٹری آف انڈین فلاسفی، ایس این داس گپتا (مترجم: موہن لعل ماتھر)، ص: ۲۷۸/۲

[3] ایضاً، ص: ۲۷۹/۲

بھگوت گیتا کے مطابق نجات کا ایک راستہ یہ ہے کہ آدمی دنیا سے کنارہ کش ہو کر علم کی تلاش کرے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان زندگی کے فرائض بجالائے اور خواہشات کی غلامی ترک کردے اور اس طریقے کو سراہا گیا ہے۔ حیات بعد الممات کے بارے میں گیتا کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ انسان مرنے کے بعد خدا کے حضور میں اپنا انفرادی شعور قائم رکھتا ہے۔ گیتا میں کرشن نے اپنے آپ کو ایک شخصی خدا کی طرح متعارف کروایا ہے۔ جو انسانی لباس میں جلوہ گر ہوا ہے۔ لیکن خدا کے ساتھ برہما کی لاشخصی ہستی مطلق کا بھی بار بار ذکر کیا ہے۔ یہ متضاد عقائد گیتا میں ملے جلے نظر آتے ہیں۔[1]

الغرض بھگوت گیتا زندگی کے مختلف شعبوں، نروان اور نجات کے حصول میں رہنمائی کرتی ہے۔ ہندو کرشن کی پوجا کے ساتھ سفر حضر میں گیتا کے متن کی تلاوت کرتے ہیں۔

۷۔ منودھرم شاستر

منودھرم شاستر وہ قانون ہے جسے ہندو دھرم میں فقہ کا درجہ حاصل ہے۔ منودھرم شاستر میں ہندو دھرم کے مختلف رسوم ورواج اور قوانین وغیرہ بیان کیے گئے ہیں۔ان میں ہندو دھرم کی مقدس ترین کتاب منو شاستر اہمیت رکھتی ہے، جو ہندو دھرم کا قانون مقدس ہے۔ ہندو دھرم کے علمِ معاشرت میں اس کتاب کا کثیر حصہ ہے۔ قوانین کے مجموعے کا درجہ رکھنے والی اس کتاب نے ہندوستانی تہذیب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں جو آج بھی ہندو معاشرے میں قائم ودائم ہیں۔ اکثر مورخین کے نزدیک اس منو سمرتی کی موجودہ صورت تقریباً دوسری صدی قبل مسیح میں وجود میں آئی۔ اسی نسبت سے یہ قانون کے نام سے معروف ہوئے۔ لیکن اس کے مصنف کے بارے میں تاریخی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

۸۔ پران

پران کے لغوی معنی ہے قدیم قصے اور کہانیاں۔ ان میں تاریخ اور مہاپرشوں کی سوانح حیات ہیں۔ ان میں گہرے اور عمیق مسائل کو علاقائی حکایات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک اس کتاب کے مؤلف وید ویاس جی ہیں جنہوں نے ویدوں کے بعد اسے مرتب کیا۔ اس ایک پران سے ویاس جی کے شاگردوں نے چار پران بنا لیے۔ اس کے بعد ان کی تعداد ۱۸ پھر ۳۶ اور ۳۶ سے بڑھ کر ۴۵ اور پھر ۶۰ اور پھر ۱۰۸ سے بھی زائد تک جا پہنچی۔

پران ہندوؤں کی مقدس کتب کا نہایت اہم اور ناگزیر حصہ ہیں۔ وہ بنیادی طور سے ویدوں میں بیان کی ہوئی روحانی صداقتوں کی توسیعات اور ان کی تمثیلی تشریحات ہیں۔ اہمیت کے اعتبار سے ویدوں کے بعد ان کا مقام سمجھا جاتا ہے۔ اور مہابھارت کی طرح انہیں پانچواں وید، عوام کا وید اور اتنا ہی قدیم و مقدس خیال کیا جاتا ہے جتنے خود وید ہیں۔ اصل پران اٹھارہ ۱۸ ابواب پر مشتمل رہا ہوگا۔ پھر اس کے ہر باب کو علیحدہ کر کے اٹھارہ مستقل پران بنا لیے گئے اور پھر اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ البتہ

---

[1] ہسٹری آف انڈین فلاسفی، ص: ۲/۲۷۹

ہندوؤں علماء کے نزدیک صرف درج ذیل اٹھارہ پران ہی زیادہ مستند مانے جاتے ہیں:

۱۔ برہم پران ۲۔ پدم پران ۳۔ وشنو پران ۴۔ شیو پران ۵۔ شریمد بھگوت پران ۶۔ نارد پران ۷۔ مارکنڈے پران ۸۔ اگنی پران ۹۔ بھوشیہ پران ۱۰۔ برہم دیورت پران ۱۱۔ لنگ پران ۱۲۔ وراہ پران ۱۳۔ اسکند پران ۱۴۔ وامن پران ۱۵۔ کورم پران ۱۶۔ متسیہ پران ۱۷۔ گروڑ پران ۱۸۔ برہمانڈ پران۔

ان میں سب سے زیادہ مقبول عام شریمد بھگوت پران ہے۔ یہ سب سے زیادہ عوامی ہے جسے ہندو انتہائی احترام کے قابل خیال کرتے ہیں۔ یہ اتنی مقدس خیال کی جاتی ہے کہ بہت سے راسخ العقیدہ ہندوؤں کے گھر میں کتاب مقدس کی حیثیت سے اس کی روزانہ تلاوت کی جاتی ہے۔[۱]

اس بحث سے یہ نکات واضح ہوتے ہیں کہ ہندومت کے مقدس دینی ادب میں وید بنیاد مانی جاتی ہے، جو کہ علماء ہنود کے مطابق تقریباً دو ہزار سال قبل تصنیف کیے گئے، لیکن ان میں بہت سے مقامات پر ایسی اشیاء اور کتابوں کا ذکر ملتا ہے جو تحقیقات کی رو سے پہلے موجود نہ تھے اس کے علاوہ اس میں علم کائنات اور طب کے متعلق ایسے اصول ملتے ہیں جنہیں آج جدید سائنس رد کرتی ہیں۔ مزید یہ کہ باوجود مذہبی کتاب ہونے کے علماء ہنود وید پر متفق نہیں۔ چونکہ یہ تصنیف ایک شخص کی نہیں ہے لہٰذا اس میں مختلف قسم کے خیالات ملتے ہیں۔ اگرچہ وید ہندو دھرم کی بنیاد ہے لیکن علماء ہنود اس کے تحریف شدہ ہونے کا اعتراف بھی کرتے ہیں، گویا وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہندو دھرم تحریف شدہ اور غیر الہامی مذہب ہے لہٰذا ہندو دھرم میں کوئی مقدس کتاب ایسی نہیں ہے جس کے متعلق یہ دعوی کیا جاسکے کہ یہ اختلافات سے پاک اور من و عن ویسی ہی ہے جیسا کہ ان کے بانی نے انہیں دی تھی۔ ہندو علماء خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اس وقت کسی بھی مستند کتاب سے محروم ہیں۔

[۱] مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ، مولانا انیس احمد فلاحی مدنی، ص: ۲۶۵-۲۶۷

بدھ مت اور ان کی کتب کا تعارف

بدھ مت کا تعارف

بدھ مت ایک ہندوستانی مذہب ہے۔ جس کا ظہور سرزمین ہند پر چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا۔ آغاز میں اس کا ہدف انسانوں کو غموں اور دکھوں سے نجات دلانا تھا جو ان کے نزدیک زہد وریاضت کے بغیر ممکن نہیں، البتہ بعد میں بدھ مت بھی مشرکانہ مذاہب کی طرح ایک مذہب بن گیا۔

بدھ کا معنی و مفہوم

سنسکرت میں ''بدھ'' کے معنی عارف اور نور کے ہیں یعنی ایسا آدمی جسے معرفتِ الٰہی حاصل ہو گئی ہو اور دنیا کی تاریکی سے باہر نکل آیا ہو نیز انسانیت کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف بلا رہا ہو۔

بدھ مت کے ظہور کا تاریخی پس منظر

گوتم بدھ کی پیدائش کے وقت ہندوستان میں آریہ تمدن کسی ایک بڑے اور وسیع علاقے پر مشتمل حکومت جنم نہیں دے سکا تھا، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس سے بہت پہلے سے آریہ قوم کے افراد قبائلی نظام کو کسی حد تک دے کر ملک میں چھوٹی بڑی مختلف ریاستیں قائم کر چکے تھے۔ ان ریاستوں میں تقریباً نصف بادشاہتیں اور جمہوریتیں تھیں۔ عقیدے کے لحاظ سے اس وقت مذہب ہمہ اوست کا نظریہ عام تھا یعنی ایک عالمگیر روح ہے جو سب میں جاری وساری ہے اس میں اور توحید میں فرق ہے توحید میں خالق اور مخلوق الگ الگ ہیں مگر اس میں خدا ایک عالمگیر ذات ہے، باقی سب اسی سے ہیں یا اس کا جزو ہیں اور اس میں مل جائیں اور اس سے علیحدہ ہستی نہیں رکھتے۔ [1]

تناسخ کا عقیدہ بھی عام تھا۔ سماجی اور مذہبی اعتبار سے اس زمانے کا امتیازی مسئلہ ذات کا تھا۔ کھانے پینے اور شادی بیاہ کے معاملہ میں ذات برادری کی روکاٹیں حائل تھی۔ اس کے علاوہ برہمنوں کا روزِ تمدن ہر شعبے میں روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور ہندوؤں کے سماجی نظامات پر وہ چھائے ہوئے تھے۔ مختلف عبادتوں، نئی نئی قسم کی پرستشوں، طرح طرح کے چڑھاوں، منتوں اور اعمال کا ایک ایسا مسلسل تار بندھا ہوا تھا کہ اس سے چھٹکارا پانا محال تھا۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے کسی وقت بے جان رسوم اور اکتا دینے والے اعمال سے فرصت نہ تھی۔ گویا یہی مذہب تھا۔ یہی عبادت تھی، اور یہی معاشرت اور اس کا حاصل، اور یہی راہِ نجات تھی اور طرہ یہ کہ دن بہ دن وہ زنجیریں اور کڑی ہوتی جاتی تھیں اور ان میں وہ نزاکتیں اور باریکیاں پیدا کی جاتی تھیں کہ مذہب وبالِ جان ہو گیا تھا۔ ان حالات میں گوتم بدھ نے آنکھیں کھولیں اور آپ کی بعثت نے ایک نئی روح پھونک دی، ہندوستان میں ہی

---

(1) مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ، مولانا انیس احمد فلاحی مدنی، ص: ۳۶۷

نہیں بلکہ سارے عالم میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے مردہ دلوں کو شگفتہ کر دیا۔ مایوس ہونے والوں کو آس دی۔ امیر غریب، برہمن و شودر سب کو ایک نظر سے دیکھا، مساوات اور اخوت کی صدائے عام دی اور یہی اس کی کامیابی کا بڑا راز تھا۔ [1]

گوتم بدھ

گوتم بدھ کی پیدائش ۵۶۳ قبل مسیح موجودہ نیپال میں واقع لمبنی (Lumbini) میں ہوئی۔ یہ شہر اس وقت شاکیہ نامی قبیلے کے دارالخلافہ "کپل وستو" میں تھا۔ [2] گوتم بدھ اسی شاہی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا اصل نام سدھارتھ تھا۔ [3] ان کی ابتدائی زندگی شہزادوں کی طرح عیش و عشرت میں گزری کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش پر ایک نجومی نے پیشن گوئی کی تھی کہ اگر انھوں نے دنیا کے مصائب کا مشاہدہ کر لیا تو تارک الدنیا ہو جائیں ورنہ ان کی قسمت میں دنیا کی بادشاہت ہے آپ کے والد نے یہ سن کر اس بات کا بڑا اہتمام کیا کہ وہ مصائب و آلام سے آشنا بھی نہ ہو سکیں لیکن اس عیش و عشرت کی زندگی کے باوجود ان کی طبعیت میں غور و فکر کا مادہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ ساری احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود انھیں ایک مرتبہ اپنے ملازم کے ساتھ باہر جانے کا اتفاق ہوا اور یکبارگی چند ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے ان کی ساری یکسر بدل دی۔ [4]

انھیں ایک بوڑھا دکھائی دیا جس کی کمر ضعف پیری سے خم ہو رہی تھی۔ پھر ایک مریض پر نظر پڑی جو حالت مرض اور شدت تکلیف سے بے قرار تھا۔ پھر ایک لاش راستے میں نظر آئی جسے گریہ و بکا میں مصروف لوگوں کی ایک بھیڑ لیے جا رہی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے ایک تارک الدنیا فقیر کو دیکھا جس کا چہرہ سکون و طمانیت سے بھرپور تھا، ان واقعات نے ان پر گہرا اثر ڈالا۔ زندگی کیا ہے؟ اس میں اس درجہ مصائب و آلام کیوں ہیں؟ ان میں نجات کیسے حاصل کی جا سکتی؟ یہ وہ سوالات تھے جن کے جوابات کے لیے ان کا ذہن مضطرب تھا۔ محلوں کی عیش و عشرت سے بھرپور فضا ان مسائل پر غور و فکر کے لیے کسی طرح موزوں نہ تھی۔ لہٰذا ان سوالات کا تسلی بخش جواب پانے کے لیے آپ گھر سے اس رات نکل پڑے، جس رات آپ کے ہاں بیٹا ''راہل'' پیدا ہوا۔ تاکہ ویرانیوں کے سکون میں اس مسئلے پر غور کریں گے۔ [5]

گوتم بدھ کا علمی سفر

انیتس سال کی عمر میں گھر چھوڑ کر وہ ادھر ادھر گھومتے رہے جو لوگ اس زمانے میں اہل علم سمجھے جاتے تھے ان سے

---

(1) مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ، مولانا انیس احمد فلاحی مدنی، ص: ۳۶۷۔۳۶۸

(2) بدھ مت اور اسلام (تاریخی، ثقافتی اور تقابلی مطالعے)، الیگزینڈر برزن (مترجم: ڈاکٹر امجد علی بھٹی)، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۱۱

(3) Budhism (Teachings of Buddha), Manan Sharma, Diamond pocket books,(P) ltd,2002,P:31

(4) اسلامی نظریہ حیات، ص: ۵۵

(5) ایضاً، ص: ۵۶

استفادہ کیا، اگرچہ بہت کچھ سیکھا لیکن تسلی نہ ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے ریاضتیں کرنی شروع کر دیں۔ ہر آسائش ترک کر دی حتیٰ کہ چند دانوں سے زیادہ غذا کا استعمال بھی چھوڑ دیا۔ پھر اس طریقے کو ترک کر کے آپ نے غور و فکر اور مراقبے کی راہ اپنالی۔ سات دن تک مسلسل ایک پیپل کے درخت کے نیچے مخصوص مراقبے کے انداز میں بیٹھے رہے۔ جس کے بعد انھیں اچانک وہ کیفیت حاصل ہوئی جسے 'عرفان' کہتے ہیں۔ یہ عرفان آپ کو جس مقام پر حاصل ہوا اسے 'بدھ گیا' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ علم جو قدیم ہندوستان اعلیٰ روحانیت کا خاصہ سمجھا جاتا تھا اسے بدھ مت میں نروان کہتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی باقی زندگی تبلیغ و تلقین میں بسر کر دی۔ ۸۰ سال کی عمر میں بنارس سے ۱۲۰ میل کے فاصلے پر شمال مشرق میں 'کسی نارا' کے مقام پر آپ کا انتقال ہوا۔ [۱]

بدھ مت کے فرقے

گوتم بدھ نے بذات خود لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک بھکشو کہلائے جن کا کام مانگ کر گزارہ کرنا تھا۔ مانگنے کا طریقہ یہ تھا کہ صبح سویرے خانقاہوں سے نکل کر آبادیوں کا رخ کیا جاتا۔ لوگوں کے سامنے کاسۂ گدائی کیا جاتا ''جو دیدے اس کا بھی بھلا اور جو نہ دے اس کا بھی بھلا'' خود گوتم بدھ کا ساری زندگی یہی طرز عمل رہا۔ یہاں تک کہ آسمان نے یہ دن بھی دیکھا کہ جس گھر میں گوتم شہزادہ تھا اسی گھر میں ایک دن کشکول لیے کھڑا تھا۔

اپاسک یعنی دنیادار قسم کے لوگ بھی تھے۔ یہ معاشرہ میں رہ کر ہر قسم کی مصروفیات میں رہتے۔ بھکشو عام طور پر روایت پسندی، کٹرپن اور شرعی قوانین کی لفظی پابندی پر زور دیتے تھے۔ دوسرے طبقے کے لوگ گوتم کے مذہبی خیالات و قوانین کی روح پر زور دیتے تھے۔ یہ لوگ حالات کے تقاضوں کے مطابق قوانین میں جزوی ترمیم کو روا سمجھتے۔ دوسرے لفظوں میں یہ اجتہاد کے قائل تھے۔ انھی دو طبقات کی کش مکش اور دونوں کا اپنے نقطہ نظر پر اصرار بدھ مت کو واضح طور دو حصوں میں تقسیم کر گیا۔ روایت پسندی کو ابتدائی طور پر بالادستی حاصل ہوئی انھوں نے اپنا نام ''استھاویر اوادن'' رکھا جو بعد میں ہنایان کہلایا۔ آزاد خیالوں نے اپنے آپ کو ''مہاسنگا'' کہلانا پسند کیا جو بعد میں مہایان کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ مہایان میں ہر قسم کے لوگ شامل ہو سکتے ہیں اور نروان کی منزل پا سکتے ہیں ۔ [۲]

ہنایان فرقہ کا تعارف

بدھ مت کی ابتدائی تاریخ میں روایت پسندوں کا فرقہ ''استھوروادن'' (سلفاء کی تعلیمات کا پیروکار) کہلایا اور جدت پسندوں نے خود کو ''مہاسنگھک'' (عظیم جماعت کے ارکان) قرار دیا۔ بعد کی تاریخ میں یہ دونوں فرقے مزید نئے فرقوں میں

---

[۱] اسلامی نظریہ حیات، ص: ۵۶

[۲] بین الاقوامی مذاہب، ص: ۷۹۔۸۹

بٹ گئے۔ لیکن ان میں سے جو فرقے اپنے مکتب فکر کے حقیقی ترجمان کی حیثیت سے پھلے پھولے اور اس وقت عملی سطح پر زندہ ہیں وہ ہنایان اور مہایان ہیں۔ پہلے ہم "ہنایان" سے متعارف ہوتے ہیں۔

"ہنایان" فرقہ روایت پسندوں کا نمائندہ ہے۔ یہ وہی فرقہ ہے جسے "استھوروادن" یا پالی زبان میں "تھیروادی" کہا جاتا ہے۔ یہ بدھ کی قدیم ترین تعلیمات اور افکار پر خالص انداز میں عمل کرنے والوں پر مشتمل ہے۔ اس فرقہ نے بدھ مت کے عظیم خدمتگار شہنشاہ اشوک کے عہد میں ہندوستان میں نہایت فروغ پایا اور لاتعداد افراد کو اپنے حلقہ میں سمو لیا۔ اشوک کے تبلیغی وفود کی بدولت ہنایان فرقہ کی تعلیمات لنکا تک جا پہنچیں۔ پہلی صدی قبل مسیح میں لنکا اور جنوبی ہندوستان کے راہبوں نے بدھ فلسفہ کو پالی رسم الخط میں تحریر کیا، جو ایک پراکرت بولی اور ابتدائی سنگھ کی علمی زبان تھی۔ یہ مواد بدھوں کی مسلمہ مذہبی ادبیات کی پہلی تحریر ی شکل تھا۔ یہ تین حصوں پر مشتمل ہے جنہیں "تری پٹک" یا تین ٹوکریاں کہا جاتا ہے۔ [1]

تھیروادی یا ہنایان فرقہ کے افکار سن عیسوی کے ابتدائی سو سال میں لنکا سے برما تک جا پہنچے اور ساتویں صدی سے قبل ہی ان کا دائرہ اثر نفوذ ملایا اور جاوا تک وسیع ہو گیا۔ پندرہویں صدی سے لاؤس، کمبوڈیا اور تھائی لینڈ وغیرہ میں یہ تعلیمات سب سے بڑے مذہب کی شکل میں نمودار ہونا شروع ہوئیں کیونکہ وہاں کے مقامی حکمرانوں نے ہندوستانی ثقافتی عناصر کو سراہا اور ہنایانی عقائد کو پھلنے پھولنے کے عمل میں مدد فراہم کی۔ [2]

مہایان فرقہ کا تعارف

اس فرقہ نے آزاد خیال بدھی مکتب فکر کی حیثیت سے چوتھی صدی قبل مسیح میں اپنے بنیادی خدوخال مرتب کئے۔ مہایانیوں نے بدھ کے روایتی افکار اور خیالات کی بہت سے نئے زاویوں سے تشریح و تفسیر کی۔ ہنایانی عقائد بہت حد تک قدامت پرستانہ اور جامد تھے لیکن اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء نے بدھ کے وضع کردہ اصول و ضوابط کو لچک اور تحرک سے نواز کر لوگوں کی بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا۔ [3]

گوتم بدھ کی تعلیمات

گوتم بدھ کی تعلیمات کا فلسفہ ان چار سچائیوں میں سمٹ کر آ گیا ہے۔

پہلی عظیم سچائی

زندگی کی اصل حقیقت دکھ ہے۔ دکھ کے اسباب جسمانی کیفیت، بیماری، ذہنی پریشانی، حالات کی مجبوری، عزیزوں کی

---

[1] گوتم بدھ، کرشن کمار/خالد ارمان، (مترجم: پرکاش دیو)، ناشر مشتاق بک کارنر لاہور، ص: ۲۹۴۔ ۲۹۵

[2] ہندومت، بدھ مت اور اسلام، شیخ احمد دیدات، (مترجم: پروفیسر مفتی محمد وسیم اکرم القادری)، مشتاق بک کارنر، لاہور، ص: ۲۱۱

[3] گوتم بدھ، کرشن کمار/خالد ارمان، ص: ۲۹۷

دوری، ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ رہنا ہو سکتے ہیں۔ گوتم کے نزدیک زندگی عارضی مسرتیں بھی دکھ کا باعث بنتی ہیں کیونکہ جب مسرتیں رخصت ہوتی ہیں تو وہ اپنے پیچھے دکھ چھوڑ جاتی ہیں۔ گوتم کے نزدیک دکھ کی تین اقسام ہیں:

۱۔ وہ دکھ جو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے۔

۲۔ وہ دکھ جو علت و معلول کی وجہ سے محسوس کیا جاتا ہے۔

۳۔ وہ دکھ جو تغیر پذیر زندگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

دوسری عظیم سچائی

گوتم کے نزدیک دکھ کی کہیں نہ کہیں کوئی علت اور بنیاد ہے اس کے مطابق دکھ کا سبب خواہشات اور آرزوئیں ہیں۔ یہ خواہشات اور آرزوئیں ہی انسان کو اس دنیا میں دوبارہ جنم لینے پر مجبور کرتی ہیں۔ اس دنیا میں آکر خواہشات ہی اسے زندگی کی آسودگی کے لیے پریشان کرتی ہیں۔ اسے تسکین کے سامان ڈھونڈنے پر لگا دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ناآسودہ دنیا میں آتا ہے اور دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے یہ چکر چلتا رہتا ہے جس کی انتہا نظر نہیں آتی۔ نہ کسی انسان کو اولین جنم کی کہانی معلوم ہے اور نہ جنم مرن کے چکر کی انتہاء معلوم ہے۔

تیسری عظیم سچائی

گوتم کے نزدیک دکھ دنیا کی اصل حقیقت ہے، دکھ کا سبب خواہشات ہیں اور خواہشات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ ایسا نروان سے ممکن ہے۔ گوتم کے نزدیک کائنات کی تمام اشیاء جس میں انسان بھی شامل ہے آفاقی سلسلے (علت و معلول) کی کڑی ہیں۔ وہ اشیاء کے وجود کو آفاقی سلسلے کی کڑی بتاتا ہے وہ انسانی پیدائش وارتقاء کے سلسلے کو بارہ مدارج میں تقسیم کر کے سلسلہ علت و معلول میں پرو دیتا ہے۔ سلسلہ علت کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے انسان کو عرفان (بودھی) حاصل کرنا چاہیے۔

چوتھی عظیم سچائی

چوتھا عظیم سچ یا سچائی وہ ہشت پہلو راستہ ہے جس پر چل کر ہی دکھوں کے سلسلہ کو ختم ہونا ہے یہ راستہ انسان کو بار بار کے جنم مرن (جونی چکر) سے نجات دلاتا ہے پہلے تین طریقوں کا تعلق نظریات سے ہے چوتھے طریقے کو عملی طریقہ بھی کہا جا سکتا ہے۔[۱]

الغرض مہاتما بدھ نے عوام الناس کو روح، آتما، تناسخ اور دیوی دیوتاؤں کے چکر میں نہیں ڈالا، نہ وحدت الوجود کا پیچیدہ اور ناقابل فہم فلسفہ پیش کیا بلکہ اس کے برعکس اخلاقیات کا ایک سادہ، واضح، آسان اور قابل عمل ضابطہ پیش کرنے پر اکتفا کیا۔

---

[۱] بدھ کی تعلیمات، (مترجم: ہاگیتا ہیروشی)، کوسائیڈو پرنٹنگ کمپنی لمیٹڈ ٹوکیو جاپان، ۱۹۸۷ء، ص: ۴۲-۳۸

بدھا عبادات

بدھ مذہب میں عبادت کا کوئی معروف و متعین طریقہ نہیں ہے، البتہ وہ اپنے جذبات کا اظہار درج ذیل دو طریقوں سے کرتے ہیں:

۱۔ گوتم بدھ کے حسن جمال اور کمال و عظمت پر حمد و ثنا بیان کر کے۔

۲۔ تنہائی اور مجمع میں گوتم بدھ کے ذکر اور تصورات سے لذت حاصل کر کے دوسری زندگی میں گوتم بدھ کی طرح ہو جانے کی دعا کر کے۔

بدھ راہبوں کے یہاں بدھ کے ناموں کا تذکرہ اور تصور اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ وہ بدھ کے لیے اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> ''تعریف اس کے لیے ہے بابرکت ذات، اعلیٰ و افضل، پوری طرح باخبر ذات، میں اس معبود کامل بدھ کے لیے سجدہ کرتا ہوں جن کے اوپر پوری دنیا منکشف ہو گئی تھی۔ (یہ جملہ تین بار دہرایا جاتا ہے) میں بدھ کی ذات کی طرف پناہ کے لیے رجوع کرتا ہوں۔ میں دین کی طرف پناہ کے لیے رجوع کرتا ہوں۔ میں راہبوں کی برادری سے پناہ کے لیے رجوع کرتا ہوں۔ (یہ تینوں کلمات تین بار دہرائے جاتے ہیں)۔ میں جان کے ضیاع سے پرہیز کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ میں چوری نہ کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ جنسی بے راہ روی سے محترز اپنے کیے قول کی پابندی کا عہد کرتا ہوں۔ میں غلط بیانی سے پرہیز کا عہد کرتا ہوں۔ میں کشید کی ہوئی اور خمیر اٹھائی ہوئی اشیاء سے حاصل کردہ شرابوں سے پرہیز کرنے کا عہد کرتا ہوں''۔[1]

بدھ مت کی مقدس کتب

بدھ مت کی وہ کتابیں جس پر اس مذہب کی بنیادیں استوار ہیں انھیں تری پٹک (تین ٹوکریاں) کہا جاتا ہے یہ ساری کتابیں قبل مسیح کی عوامی زبان پالی میں ہیں۔ پہلی بدھ کونسل میں گوتم بدھ کی جملہ تعلیمات کو مدون کر لیا گیا تھا۔ جس کے دو حصے تھے۔ ایانا (شرعی قوانین) اور دھما (دینیات)۔ شرعی قوانین سے مراد وہ قوانین ہیں۔ جو گوتم بدھ نے خانقاہی ''راہبانہ'' زندگی کے لیے تجویز کیے تھے۔ بعد میں ان کتابوں کی روشنی میں تیسری بدھ کونسل میں بدھ مت کی موجودہ مقدس کتابیں مدون کی

---

[1] مذاہبِ عالم ایک تقابلی مطالعہ، مولانا انیس احمد فلاحی مدنی، ص: ۳۸۲۔۳۸۳

گئیں۔ جنہیں ''تری پٹیکا'' کہا جاتا ہے۔ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ونایاپٹیکا(نظم وضبط کی ٹوکری)

یہ پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ جن میں راہبوں اور راہباؤں کی زندگیوں کے لیے تفصیلی ہدایات موجود ہیں۔ ونایا (Discipline) کے لغوی معنی اصولوں کے آتے ہیں۔چونکہ اس پٹیکا میں بھکشوؤں کے خانقاہی و راہبانہ نظام کے اصول، ان کی تاریخ اور ان کے طریقہ کار کو جمع کیا گیا ہے۔اس لیے اسے ویاناپٹیکا کا نام دیا گیا۔

۲۔ستاپٹیکا(تقاریر اور مکالمات کی ٹوکری)

اس میں گوتم بدھ کی تقاریر اور مکالمات ہیں۔ نیز وہ سارے اقوال اور تعلیمات بھی جو انھوں نے اپنے شاگردوں کو دی تھیں۔ستاّ پٹیکا کو مجھم نکائے بھی کہتے ہیں۔ تری پٹیکا میں اس کا مقام انتہائی بلند ہے۔دانشوروں کا خیال ہے کہ اگر تمام بدھ صحیفے ضائع ہو جائیں اور صرف مجھم نکائے باقی رہے تو ہم کو اس کی مدد سے گوتم بدھ کی شخصیت، نظریات اور تعلیمات کو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو گی۔

۳۔ابھی دھماپٹیکا(مابعدالطبیعیاتی ٹوکری)

یہ بعد میں آنے والے علماء کے نظریات، عقائد اور اخلاقیات پر مبنی تحریروں پر مشتمل ہے۔ان پٹیکاؤں میں ہر ایک مزید الگ کتابوں میں منقسم ہے۔ابھی دھماپٹیکا کو راہب خاص طور پر استعمال کرتے ہیں۔ستاّپٹیکا سب سے زیادہ پسندیدہ اور بہت وسیع پیمانے پر پڑھی جانے والی ہنایان فرقہ کی کتاب ہے۔[1]

دھماپد

''دھماپد'' مہاتمابدھ کی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔دھماپد۔پالی زبان میں ہے جو سنسکرت سے بے حد قریب ہے۔ سنسکرت کا ایک لفظ 'دھرم' جو معنی رکھتا ہے وہی معنی ''دھما'' کے ہیں اور اس کے معنی ہیں صداقت مہاتمابدھ کی تعلیمات پر مشتمل جو مقدس کتابیں لکھی ہیں وہ پالی زبان میں ہیں اور پالی زبان سے ہی ان کا ترجمہ دنیا کی ہر بڑی زبان میں ہوا ہے۔ پالی اور سنسکرت دونوں زبانیں اسی طرح ایک دوسرے سے متعلق اور مربوط ہیں جس طرح اطالوی اور لاطینی زبانیں صوتیات کا فرق ہے۔ ''دھرما'' پالی میں دھما بن جاتا ہے اور نروان پالی زبان میں ''نبانا''۔دھماپد کا مفہوم یوں ہوا، دھرم کا راستہ، صداقت کا راستہ۔مہاتمابدھ کی تعلیمات کا ایک مجموعہ ''دھماپد'' کے نام سے مرتب ہوا۔یہ بدھ کی تعلیمات کی بنیادی مقدس کتاب ہے۔
''دھماپد'' کی ترتیب وتدوین کا زمانہ تین سو سال قبل مسیح کا زمانہ ہے۔جب بدھ نے نروان حاصل کیا تو ہمیں بتایا جاتا ہے۔اس

---

[1] مذاہبِ عالم ایک تقابلی مطالعہ، مولانا انیس احمد مدنی، ص: ۳۷۷۔۳۷۸؛ نیز ملاحظہ ہو: گوتم بدھ، ڈاکٹر محمد حفیظ سید، بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۶ء، ص: ۱۲۔۱۹

نے اپنے نروان پانے کی مسرت کا اظہار جن کا الفاظ میں کیا۔ وہ دھماپد میں موجود ہیں۔ مہاتما بدھ نے کہا تھا:

''میں نے یونہی بے کار میں زندگی اور موت کے خالق کو تلاش کرنے کے لیے جنم لیے اور مسلسل گردش میں رہا۔ زندگی کا الم کتنا بے بہا ہے کہ بالآخر ہمیں مرنا ہے لیکن اب میں نے تمہیں دیکھ لیا۔ اے معمار اے خالق اب تم اس گھر کو مزید تعمیر نہ کر سکو گے۔ گناہ کے شہتیر ٹوٹ چکے ہیں۔ جہالت کا ستون تباہ ہو گیا ہے۔ ترغیب کا بخار اتر چکا۔ کیونکہ میرے ذہن نے نروان کی ابدی مسرت کو پالیا ہے۔''[۱]

الغرض بدھ مت ایک مذہب اور فلسفہ ہے جو مختلف روایات، عقائد اور طرز عمل کو محیط کیا ہوا ہے، جس کی زیادہ تر تعلیمات کی بنیاد سدھارتھ گوتم کی طرف منسوب ہیں، عام طور پر بدھ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے۔ بدھا کچھ چوتھی سے پانچویں صدی قبل مسیح کے درمیان میں شمال مشرقی برصغیر میں رہتے تھے اور تعلیمات دیتے تھے۔ انہیں بدھ مت لوگ 'ایک جاگت' یا 'روشن خیال ٹیچر' کے نام سے مانتے ہیں۔ انھوں نے حیات احساسی کو مشکلات سے نجات حاصل کرنا، نروان کو حاصل کرنا اور تکلیف اور دوسرے جنموں کی مشکلات سے بچنا سکھایا۔

لہٰذا گوتم بدھ کی تعلیمات کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو وہ ایک بانی مذہب کے بجائے ایک فلسفی اور معلمِ اخلاق نظر آتے ہیں۔ جن کی تعلیمات کا بنیادی نکتہ اور سارا زور اخلاقیات پر ہے۔ گوتم نے چونکہ اپنے شعور اور ادراک کی آنکھ ہندوستان کی فضا میں کھولی تھی اور یہیں کے مروج فلسفے کا مطالعہ کیا تھا اس لیے لاشعوری طور پر وہ جونی چکر اور تناسخ کے قائل ہو گئے تھے۔

---

[۱] دنیا کی سو عظیم کتابیں، طاہر ستار، کاروان ادب ملتان، ۱۹۸۶ء، ص: ۷۲۔۷۳

زر تشت ازم اور کتب کا تعارف

زر تشت ازم(Zoroaster) زر تشتیت(Zoroastianism) زردشت (Zorustra) ایک قدیم مذہب وفلسفہ ہے جو کہ چھٹی صدی قبل مسیح کی شخصیت ''زر تشت(Zoroaster)'' سے منسوب ہے۔اس مذہب کے ماننے والوں کو'' پارسی'' کہا جاتا ہے۔اس مذہب کا وجود ایران، آزر بائیجان، بھارت، پاکستان اور اس کے ارد گرد کی ریاستوں میں ہے۔

تاریخی پس منظر

آریہ قوم نے جب وسط ایشیاء نقل وطن کیا تو وہ دو شاخوں میں تقسیم ہو گئی۔ایک گروہ ہندوستان کی طرف چل پڑا اور دوسرے نے ایران میں قدم جمانے شروع کئے۔دونوں شاخوں کے عقائد، رسم ورواج ایک ہی جیسے تھے۔لیکن نقل مکانی کی وجہ سے جب دونوں کو مختلف جغرافیائی حالات کا سامنا کرنا پڑا تو ان دونوں کے عقائد وعبادات میں نمایاں فرق واقع ہو گیا۔ایران ہندوستان کے مقابلے میں سرد علاقہ ہے۔یہاں جو قوم آباد ہوئی اسے زیادہ جفاکشی کی زندگی بسر کرنا پڑی۔کیونکہ سرد موسم میں ضروریات زندگی کے لئے تگ ودو کرنی پڑتی ہے، لہٰذا ایرانی آریہ معاشی ضروریات میں کھو گئے۔اور مذہب کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے اور ان کے عقائد تقریباً وہی رہے جو ایران آنے سے قبل تھے۔یعنی فطرت پرستی اور آباء پرستی وغیرہ۔آریہ قوم کی آمد سے قبل ایران میں مجوسی مذہب کا دور دورہ تھا اور ایک مخصوص طبقہ مذہبی اور سیاسی اقتدار پر قابض تھا۔[1]

محققین نے ان کی درج ذیل رسومات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ یہ لوگ مردوں کو دفن نہیں کرتے تھے بلکہ درندوں یا پرندوں کے حوالے کر دیتے تھے۔

۲۔ خیر وشر کا تصور ان کا بنیادی عقیدہ تھا۔

یعنی اس کائنات کے دو خدا ہیں اور اسی عقیدے کا اثر آج کے پارسیوں میں بھی موجود ہے۔ایرانی سورج دیوتا کی پرستش کرتے خصوصاً زمانہ جنگ میں اس کی عبادت بڑے زور وشور سے کی جاتی۔کیونکہ ایرانیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر یہ دیوتا مہربان ہو جائے تو دشمن پر فتح یقینی ہے۔ان ہی حالات میں زر تشت کی شخصیت سامنے آتی ہے۔

زر تشت کا تعارف

زر تشت شمال مغربی ایران یعنی آزر بائیجان میں ان کا ظہور ہوا۔[2] ان کا تعلق زراعت پیشہ خاندان سے تھا۔ان کے

---

[1] ادیان ومذاہب کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالرشید، ص:۲۲۸

[2] زر تشت اور ان کا مذہب، ابو سلمان شاہ جہان پوری، ماہنامہ الرحیم، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی صدر حیدر آباد، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۵ء، شمارہ ۵:۶، ۵/ ۳۹۲

والد کا نام پور شاسپ اسپیتما اور والدہ کا نام کہیں دھدو [1] کہیں دگدو بعض میں اسان [2] اور بعض میں دیودھا [3] ذکر ہوا ہے۔

ان کا زمانہ چھٹی صدی قبل مسیح ہے اس اعتبار سے زرتشت مہابیر جی اور مہاتما بدھ کے زمانے سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ زرتشت اعظم کی ابتدائی زندگی عقیدت مندانہ افسانوں میں گم ہے اور تاریخی اعتبار سے یہ کہانیاں ناقابل یقین ہیں۔ زرتشت کے والدین اسے خاندانی پیشہ سے متعلق رکھنا چاہتے تھے لیکن زرتشت کسی اور ہی فکر میں تھے ان کو صرف خدمتِ خلق کا شوق تھا اور یہ خیال جان کو کھائے جا رہا تھا کہ مصائب کہاں سے آتے ہیں۔ ان کو معلوم کرنے کے لئے انھوں نے گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں میں جابسیرا کیا۔ برسوں غور و فکر میں رہے لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ مجبوراً واپس ہونے لگے۔ اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ بس یہی ان کے مسئلے کا حل تھا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جس طرح دنیا کا نظام روشنی اور تاریکی میں منقسم ہے اور یہ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں۔ اسی طرح کائنات کا کاروبار بھی خیر و شر میں منقسم ہے اور یہ عالم ان دونوں کے رحم و کرم پر ہے۔ لہٰذا دنیا کا خالق ایک نہیں دو ہیں۔ خدائے خیر جسے اہورامزدا کا نام دیا گیا اور دوسرا خدائے شر جو انگر منو سے موسوم ہے۔ خدائے خیر شر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور خدائے شر کو خیر سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ دونوں خدا آج کے زرتشتیوں کے یزداں اور اہرمن ہیں۔ البتہ زرتشتی مذہب میں عبادت صرف یزداں کی ہوتی ہے۔ زرتشت کو ابتداء میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور ان کے چچازاد بھائی کے علاوہ کوئی ان پر ایمان نہیں لایا۔ لہٰذا انھوں نے امراء وقت کی طرف رجوع کیا تاکہ سرکاری سرپرستی حاصل کی جائے اس میں انہیں کامیابی ہوئی۔ زرتشت کی تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجے میں ایران اور ترکی کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور ایک ترکی نے انہیں قتل کر دیا۔ آج کل زرتشت کے ماننے والے پارسی کہلاتے ہیں۔ یہ مذہب غیر تبلیغی ہے۔ اور کوئی شخص جو پارسی ماں باپ سے پیدا نہ ہو۔ اسے نہیں اپنا سکتا۔ یہ لوگ تجارت پیشہ دولت مند اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں میں بت نہیں ہوتا بلکہ صندل کی لکڑی سے آگ جلا کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کی توجیح پارسی علماء نے مختلف انداز میں کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آفتاب کی پرستش کے عادی تھے اور آگ باعتبار حرارت و روشنی کے سورج سے متعلق ہے۔ لہٰذا اسی کی پوجا کی جاتی ہے۔ ان کی عبادت گاہ آتش کدہ کہلاتی ہے۔ [4]

---

[1] کنفیوشس، زرتشت اور اسلام، احمد دیدات (مترجم: مصباح اکرم)، مشتاق بک کارنر لاہور، ۲۰۱۰ء، ص: ۴۲

[2] تقابل ادیان، مولانا محمد یوسف خان، ص: ۱۳۸

[3] دنیا کے بڑے مذاہب، ص: ۲۲۸

[4] ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالرشید، ص: ۲۲۹۔ ۲۳۰

زرتشت کی اخلاقی تعلیمات

تمام مذاہب کی طرح زرتشت نے بھی پیروکاروں کے لیے نمایاں اخلاقی تعلیمات کا خزانہ چھوڑا ہے جس میں چند ایک چیدہ چیدہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ طلب معاش کے لیے معزز پیشہ کھیتی باڑی اور مویشیوں کی پرورش ہے۔

۲۔ دنیا خیر و شر کی آماجگاہ ہے، انجام کار فتح خیر کی ہوگی۔

۳۔ ہوا، پانی، آگ اور مٹی پاک عناصر ہیں انھیں پلید نہیں کرنا چاہیے۔

۴۔ شادی کرنا فرض ہے تعدد ازواج کی اجازت ہے۔

۵۔ چیونٹی کو مار ڈالنا چاہیے کیونکہ یہ کسان کا اناج کھا جاتی ہے۔

۶۔ زرتشت کا عقیدہ ہے کہ انسانی اعمال افکار و خیالات کے تابع ہیں اس لیے نیک افکار کا نتیجہ نیک عملی ہے اور فاسد افکار لازماً بد عملی کی طرف لے جاتے ہیں۔

۷۔ زرتشت ڈاکہ زنی اور خون ریزی کو پسند نہیں کرتا اس لیے وہ خانہ بدوشی کی زندگی کو قابل نفرت قرار دیتا ہے۔

۸۔ وہ اپنے پیروکاروں سے پاکیزگی کا مطالبہ کرتا ہے۔

۹۔ جانوروں کی پرورش بھی نیکی ہے لہٰذا کاشت کاری اور محنت کے کاموں پر خصوصی توجہ دی گئی۔

۱۰۔ انسان کی خودی اس کے تمام افعال و اعمال متعین کرتی ہے۔ افعال کا رد عمل خودی پر ہوتا ہے۔ جو دوران زندگی نشوونما کے مدارج طے کرتی رہتی ہے۔ [۱]

زرتشت کے عقائد

۱۔ زرتشت مذہب میں خدا کا تصور

دساتیر میں خدا کے متعلق یوں بیان کیا گیا ہے: وہ ایک ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں، نہ اس کی ابتداء ہے نہ ہی انتہا، نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ ہی کوئی بیٹا، نہ کوئی بیوی ہے اور نہ ہی اولاد ہے، وہ بے جسم اور بے شکل ہے، نہ آنکھ اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔ نہ ہی فکری قوت سے اسے تصورر میں لایا جا سکتا ہے، وہ ان سب سے بڑھ کر ہے جن کے متعلق ہم سوچ سکتے ہیں، وہ ہم سے زیادہ ہمارے نزدیک ہے۔ [۲]

زرتشت ان الفاظ میں اہورا مزدا سے مخاطب ہوتا ہے کہ اے اہورمزدا مجھے ایسا علم عطا فرما دیجئے جو میرے ذہن کو عمدہ

---

[۱] بین الاقوامی مذاہب، ڈاکٹر محمد اکرم رانا، ص: ۹۸-۹۹

[۲] گیتا اور قرآن، پنڈت سندر لال، نگار پاکستان خدا نمبر لاہور، ۱۹۶۹ء، ص: ۱۴۶

بنائے تاکہ میں صرف ایک خدا کی عبادت کروں۔[۱]

مزید زرتشت شرک کی نفی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے اہورمزدا میرے نزدیک آپ سب سے بڑے ہیں اور آپ کے علاوہ ہر ایک کی میں اپنے ذہن سے نفی کرتا ہوں۔[۲]

زرتشت مذہب کی رو سے تمام اشیاء کا خالق خدا ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے اور سب کچھ سنتا ہے اور تمام کائنات پر اپنی مرضی سے تصرف کرتا ہے۔

ایمشا سپنتا

گاتھاؤں میں ہمیں چھ متبرک نورانی ہستیوں یا صفات کا ذکر ملتا ہے جنھیں ایمشا سپنتا یعنی غیر قانونی کہا جاتا ہے۔

۱۔ وُہو مناہ (Vohu Manah) نیک خیال

۲۔ آشا وہشتا (Asha Vashishta) صداقت

۳۔ خشتراویریہ (Khshathara Vairya) مکمل اختیار

۴۔ سپنتاامریتی (Spenta Armaiti) عقیدت اور اخلاص

۵۔ ہوروتات (Haurvatat) بے عیبی

۶۔ امریتات (Ameretat) بقائے دوام

ان میں سے اول الذکر تین ہستیاں مؤنث (مادہ) خیال کی جاتی ہیں۔ مقدس کتب اور پارسیوں کے عقیدے کے مطابق یہ چھ ہستیاں خدائے خیر اہورمزدا کے ساتھ ہوتی ہیں۔ بعض ان سپنتوں کو فرشتوں کا سردار اور بعض کے نزدیک اسے اہورمزدا کی صفات سمجھا جاتا ہے۔ گاتھاؤں کی ان سپنتوں کے حصول کی دعائیں بھی ملتی ہیں، گویا مقدس کتاب کے مطابق یہ دراصل خدا کی صفات ہیں۔ تاہم زرتشت مذہب میں ان چھ صفتوں کے باقاعدہ جسم مانے گئے ہیں۔[۳]

۲۔ زرتشت اور عقیدہ آخرت

زرتشت کے نزدیک اچھے انسان موت کے بعد ایسی زندگی میں داخل ہوں گے جس میں نیک اعمال اور اچھے خیالات کا چلن ہوگا۔ اس کے برعکس برے انسان مرنے کے بعد نہ صرف برے اعمال و خیالات سے دوچار ہوں گے بلکہ انہیں جسمانی

---

[۱] گیتا اور قرآن، ص:۱۴۶

[۲] مطالعہ مذاہب، محسن عثمان ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۹ء، ص:۶۹۔۷۰

[3] Zoroastrian Faith: Tradition and modern Research, S-Nigosian, Canada: McGill-Queen's Press, 1993,P:27

سزا بھی ملے گی۔ چنانچہ گیتا کا ایک بڑا حصہ سزاؤں کے بیان پر مشتمل ہے جو آئندہ زندگی گناہگاروں کو بھگتنی پڑیں گی۔ ان سزاؤں میں سب سے اہم آگ ہے جو بد کرداروں پر اوپر سے برسائی جائے گی۔ مزید ایک پل کا تصور بھی پایا جاتا ہے جو کوہ البرز[1] پر بنا ہوا ہے اور جس کے نیچے دوزخ کی آگ پھیلی ہوئی ہے۔ جب نیک کردار لوگ اس پل پر سے گزریں گے تو یہ نہایت وسیع ہو جائے گا لیکن بداعمالوں کے گزرتے ہی یہ بال سے بھی زیادہ باریک ہو جائے گا۔[2]

۳۔ ملائکہ سے متعلق عقیدہ

زرتشت کے نزدیک ملائکہ وہ ہستیاں ہیں جو ہماری روحانی اور جسمانی نشوونما اور تربیت کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور وہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطے کا کام سرانجام دیتے ہیں ۔[3]

۴۔ عقیدہ تخلیق کائنات

زرتشت کے مطابق تخلیق کائنات چھ ادوار میں ہوئی اور خدا نے ترتیب وار آسمان، زمین، پانی، نباتات، حیوانات اور آخر میں انسان کو پیدا کیا۔ اسی طرح زرتشت نے یہ بھی لکھا ہے کہ تمام نسل انسانی کو ایک ہی جوڑے سے پیدا کیا گیا ہے۔ جس کا نام "مشیہ اور مشیات" تھا یعنی مذکر اور مؤنث۔[4]

۵۔ فلسفہ خیر وشر

زرتشت کا عقیدہ یہ تھا کہ اہورمزدا خدائے بزرگ و برتر موجود ہے۔ لیکن مخلوق میں اس کی مخالف ذاتیں ہیں یعنی خدا کی خدائی مخالفت کے بغیر نہیں۔ زرتشت کے مطابق آشا(Asha) یعنی راستی اور داروغ (یادروج) یعنی 'جھوٹ' متضاد قوتیں متصادم رہتی ہیں۔ نیکی کا بدی سے مقابلہ جاری رہتا ہے، لیکن انجام کار کامیابی اہورمزدا کو ہو گی یعنی حق باطل پر غالب آئے گا۔ یہ خیال تعلیم زرتشت کے ہر حصے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

ہر آدم کے قلب میں خیر وشر کا تصادم جاری رہتا ہے۔ آہورمزدا نے ہر انسان کو خیر وشر میں امتیاز کی صفت عطا کی ہے۔ پھر اس کو کسی ایک کے انتخاب کرنے کا اختیار دیا ہے۔ آہورمزدا مجبور نہیں کرتا، لہٰذا خیر وشر کے انتخاب میں انسان خود مختار ہے۔ خیر وشر کو واضح طور پر علیحدہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لیے گاتھا میں نیک کام اور نیک آدمیوں کی صفات کو بیان کیا گیا ہے

---

[1] ایران کے شمال میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو مغرب میں آذربائیجان کی سرحد سے بحیرہ قزوین کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔
https://en.wikipedia.org/wik/کوہ۔البرز, Retrived on: 2,11, 2017, at 8:30 p.m

[2] اسلام اور مذاہب عالم، محمد مظہر الدین صدیقی، ص: ۴۵۔۴۶

[3] تقابل ادیان، مولانا محمد یوسف خان، ص: ۱۴۲

[4] ایضاً، ص: ۱۴۳

تاکہ ان صفات کے اختیار کرنے سے دنیا میں نیکی کو پھیلایا جائے۔ زرتشت کا یہ عقیدہ ہے کہ حق آخر کار ضرور باطل پر غالب آئے گا۔

زرتشت غروب آفتاب کا منظر دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا کہ جس طرح دن روشنی اور اندھیرے میں بٹا ہوا ہے اسی طرح دنیا میں نیک اور بد میں منقسم ہے، نیز جس طرح دن رات میں تبدیلی ممکن نہیں اسی طرح نیکی اور بدی کا باہم بدل جانا ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں جس طرح اندھیرا اور روشنی دو الگ الگ چیزیں ہیں اسی طرح دو خدا ہیں، ایک خدا سراپا نیکی اور خیر آہورمزدا (یزداں) اور دوسرا خدا سراپا بدی اور شر جسے وہ اینگرامینو (اہرمن) کہتے ہیں۔ یہی زرتشت کا فلسفہ خیر و شر ہے جس کی بنیاد ثنویت یعنی دو خداؤں کے تصور پر ہے۔[1]

درج بالا تمام بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ زرتشت توحید پرست ہیں۔ جنھوں نے شیطان کی پیروی سے روکا اور خالص توحید کا درس دیا۔ لیکن ان کے پیروکاروں نے ثنویت کا نظریہ ان سے منسوب کر دیا۔ اب اس مذہب میں مجوسیوں کی تمام صفات و خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ وہ آگ کو پوجتے ہیں اور آتشکدے بناتے ہیں۔

عبادات ورسوم

پارسیوں کے ہاں عبادت کا طریقہ بالکل سادہ ہے۔ صندل کی لکڑی سے آگ جلائی جاتی ہے اور اس آگ کے سامنے مقدس کلمات پڑھے جاتے ہیں۔ پارسیوں کے مطابق یہ عبادت آتش پرستی نہیں ہے بلکہ وہ آگ کو یزدانی قوت کی علامت بتاتے ہیں۔ آگ کے سامنے عبادت کا یہ طریقہ ایران کے قدیم مذہب سے چلا آرہا ہے۔ عام طور پر یہ عبادت اکیلے ہی کی جاتی ہے البتہ خاص تہواروں کے موقع پر اجتماعی عبادت کی جاتی ہے۔ مقدس کتاب بالخصوص گاتھاؤں کی تلاوت بھی ثواب کا موجب سمجھی جاتی ہے۔[2]

پارسیوں کے ہاں یاسنا چھ سپنٹوں کے لیے ادا کی جاتی ہے۔ یہ سال کے مخصوص ایام (تہواروں) میں ادا کی جاتی ہے۔ جنھیں جشن کہا جاتا ہے۔

زرتشت مذہب میں مرنے کے بعد میت کو سلا ہوا کفن پہنایا جاتا ہے اور نہلانے کے بعد مردے کو لوہے کے تابوت میں رکھا جاتا ہے۔ یہ تابوت ''گھن'' یا ''گاھان'' کہلاتا ہے۔ اس کے بعد اس تابوت کو مرحوم کے عزیز واقارب کے ہمراہ جنازے کی صورت میں ''رخمہ'' لے جاتے ہیں جو کہ پارسیوں کا قبرستان ہوتا ہے۔ یہ کسی اونچائی (مثلاً پہاڑ) پر ایک قسم کا میدان ہوتا ہے جس کی چار دیواریں ہوتی ہیں۔ یہاں مرد اور عورت میت کے لیے علیحدہ کنویں ہوتے ہیں جہاں مردے کو رکھ کر

---

(۱) کنفیوشس، زرتشت اور اسلام، ص: ۵۲

(۲) تاریخ مذاہب، رشید احمد، ص: ۱۵۲

چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر مرنے والے کی یاد میں تیسرے، چوتھے، تیسویں اور ایک سال کے بعد تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔[1]

زرتشت ازم کی مقدس کتب

زرتشت ازم کی چند اہم کتب کا مختصر ذکر درج ذیل ہے۔

۱) اوستا اور ژند

مذہب زرتشت کی مقدس کتاب کو اوستا کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی (اصل متن) کے ہیں۔ ژند کے معنی شرح کے ہیں اس کا اضافہ بعد میں کیا گیا۔ اس طرح یہ کتاب ژند اوستا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مجموعہ کتب ۲۱ صحائف پر مشتمل ہے جن میں سے اب صرف گاتھا محفوظ رہ گئی ہے۔ اوستا کی زبان قدیم ایرانی زبان ہے اور ژند کی زبان پہلوی ہے گویا اوستا کی شرح پہلوی زبان میں ہے۔ اوستا کے پانچ حصے ہیں:

۱۔ یستا (ژند) حمد و ستائش

یہ ۷۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں قربانی کی دعائیں جمع کی گئی ہیں نیز قربانی کے وقت کی دعائیں ہیں۔ یہ اوستا کا قدیم ترین حصہ ہے جو سب سے زیادہ مقدس اور الہامی قرار دیا جاتا ہے۔ گاتھا بھی اسی میں شامل ہے۔

۲۔ وسپورڈ/وسپرٹ (Vaspird) (سرداران)

اس کے معنی (All the lords) کے ہیں۔ یہ ۲۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں اہورمزدا خدائے خیر کے شریکوں کا ذکر ہے۔

۳۔ وندیداد (Vendidad) بھوت پریت

یہ کتاب ۲۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ ہندوستانی پارسیوں کا دستورِ حیات ہے۔ اس میں ارواح خبیثہ سے مقابلہ کرنے کی تدابیر ہیں۔

۴۔ یشت (Yashts) نذر و نیاز

یہ کتاب ۲۱ ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں بھجن اور دعاؤں کا ذکر ہے۔

۵۔ خورد اوستا

یہ شخصی عبادت کی دعائیں ہیں جو پروہت اور عام لوگ یکساں پڑھتے ہیں۔[2]

---

[1] ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، ساھتیہ اکادمی دہلی، چوتھی بار ۱۹۸۹ء، ۴/۴۹۵

[2] مطالعہ مذاہب عالم، پروفیسر محمد نواز چودھری، ص: ۱۴۰

تحریف وترمیم

زرتشت کی موت کے ڈھائی سو سال بعد ۳۳۱ قبل مسیح میں سکندر اعظم نے ایران پر حملہ کیا اور زرتشتی مذہب کی کتب مقدسہ کو نذر آتش کر دیا۔ زرتشتی علماء اور پروہت پہاڑوں اور غاروں میں جا چھپے۔ جب زرتشتی مذہب کا دوبارہ احیاء ہوا تو پروہتوں نے اپنے حافظہ سے کتب مدون کیں، اس طرح لازماً ان مدون کتب میں تحریف وترمیم ہوئی۔ بعد ازیں پہلوی زبان میں ترجمہ ہوا اس طرح زرتشت کی کتب مقدسہ ژندی اور پہلوی دو زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ الغرض ان کتب کی تعداد، زبان اور زمانہ تدوین کے متعلق اس قدر شدید اختلافات پائے جاتے ہیں کہ کوئی محقق یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ موجودہ کتب زرتشت غیر محرف ہیں۔

گاتھا

گاتھا کے متن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

۱۔ پہلی گاتھا: پہلی گاتھا ۷ نظموں پر مشتمل ہے اور اس کی پہلی نظم کا افتتاح زرتشت کی دعا سے ہوتا ہے جس کے الفاظ ہیں کہ اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے تیری مدد کا ملتجی ہوں۔ اے مزدا جو سب چیزوں میں اول ہے تیرے حضور یہ دعا کرتا ہوں کہ مجھے روحانی کام کرنے کی توفیق حاصل ہو۔ اے حق درستی! میں فکر جمیل اور روح ثور کی خوشنودی کیسے حاصل کر سکتا ہوں۔

اس گاتھا کی دوسری نظم جو مکالمے پر مشتمل ہے اور بہشت میں وقوع پذیر ہوتا ہے جو روح ثور (Oxe Soul) کی طرف سے یہ شکایت ہوتی ہے کہ زمین پر جانوروں سے تشدد روا رکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ بہمن یا (Vohumana) زرتشت کو ان کی حفاظت کے لیے نامزد کرتا ہے۔ روح ثور پہلے مطمئن نہیں ہوتی لیکن بعد میں زرتشت کی پورے خلوص سے کی گئی دعا پر مطمئن ہو جاتی ہے۔ تیسری نظم زرتشت کے عقائد کی عکاسی کرتی ہے۔ چوتھی طویل نظم مزدا کی حمد وستائش بیان کرتی ہے۔ پانچویں نظم ایک مکالمہ ہے جس میں زرتشت شیطانوں کی مذمت کرتا ہے یہ گاتھا اس دعا پر ختم ہوتی ہے۔ کہ مزدا مجھے وہ تمام باتیں بتائے جو بہترین تعلیمات ہیں اور بہترین اعمال ہیں۔ اے فکر جمیل اے حق دراستی! تو ہی حمد وثنا کا مستحق ہے۔ ہمیں یہ یقین دلا دیجئے کہ نوع انسانی آپ کی رضا کے مطابق عمل کرلے گی۔

۲۔ دوسری گاتھا: دوسری گاتھا ۴ نظموں پر مشتمل ہے جن میں سے بعض حصے اسرار کائنات کو بیان کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری گاتھا: روحِ خیر کے نام سے معروف ہے۔ اس سے زرتشت کے عقیدے روح خیر کا جامع اظہار ہوتا ہے۔

۴۔۵۔ چوتھی اور پانچویں گاتھا: یہ صرف ایک نظم پر مشتمل ہے۔[۱]

تاہم عصر جدید کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ زرتشتی روایت میں اوستا کا وہ حصہ جو گاتھا پر مشتمل ہے زرتشت کی اپنی

---

[۱] مطالعہ مذاہب عالم، پروفیسر محمد نواز چودھری، ص: ۱۴۱

تعلیمات ہیں۔ انیسویں صدی میں مغربی محققین اس قابل ہوئے کہ وہ اوستا کی زبان پڑھ سکیں۔ اس کے تراجم مغربی زبانوں (انگریزی، فرانسیسی، جرمنی) میں شائع ہوئے۔

دساتیر

زرتشتی مذہب کی دو کتابیں ''دساتیر'' کے نام سے مشہور ہیں، جن میں سے ایک کو دساتیر خورد اور دوسری کو دساتیر کلاں کہا جاتا ہے۔ ان میں مختلف اشخاص کے چھوٹے چھوٹے نامے شامل ہیں۔ مثلاً نامہ منوچہر، نامہ کیخسرو، نامہ زرتشت وغیرہ ان میں آگ اور ستاروں کی پرستش کا بھی ذکر ہے۔ [1]

الغرض یہ دنیا کے قدیم مذاہب میں سے ایک ہے۔ اسے عام طور پر پارسی مذہب بھی کہتے ہیں۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے یعنی پوری دنیا میں ایک لاکھ تیس ہزار سے بھی کم زرتشتی ہیں۔ اس مذہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ زرتشت ثنویت کا قائل تھا۔ اس کا دعوی تھا کہ کائنات میں دو طاقتیں (یا دو خدا) کار فرما ہیں۔ ایک اہورامزدا (یزداں) جو خالق اعلیٰ اور روح حق و صداقت ہے اور جسے نیک روحوں کی امداد و اعانت حاصل ہے۔ اور دوسری اہرمن جو بدی، جھوٹ اور تباہی کی طاقت ہے۔ اس کی مدد بد روحیں کرتی ہیں۔ ان دونوں طاقتوں یا خداؤں کی ازل سے کشمکش چلی آرہی ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔

زرتشتی مذہب کے تین بنیادی اصول ہیں یعنی گفتار نیک، پندار نیک، کردار نیک۔ اہورامزدا کے لیے آگ کو بطور علامت استعمال کیا جاتا ہے کہ کیوں کہ یہ ایک پاک و طاہر شے ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک و طاہر کرتی ہے۔ پارسیوں کے معبدوں اور مکانوں میں ہر وقت آگ روشن رہتی ہے غالباً اسی لیے انہیں آتش پرست سمجھ لیا گیا۔ عرب انھیں مجوسی کہتے تھے۔

---

[1] بین الاقوامی مذاہب، ڈاکٹر محمد اکرم رانا، ص: ۱۰۷

باب دوم

الہامی مذاہب کی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ

فصل اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد تورات اور انجیل کے آئینے میں

فصل دوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت تورات اور انجیل کے آئینے میں

فصل سوم: ختمِ نبوت تورات اور انجیل کے آئینے میں

فصل اول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد تورات اور انجیل کے آئینے میں

رسول اکرم ﷺ کی آمد اور تشریف آوری کے متعلق سابقین نے اپنی اپنی امتوں کو بشارات دی ہیں کہ ہمارے بعد آخری زمانہ میں سرزمین عرب سے ایک کامل نبی مبعوث ہونے والا ہے اور ان کی کتب سماویہ میں مکتوب ان بشارات کی شب وروز تلاوت کی جاتی تھی۔ تورات، انجیل اور زبور کے صفحات پر موجود بشارات اہل کتاب کو مستقبل میں آنے والے برگزیدہ پیغمبر کے شدت سے انتظار اور اطاعت میں سبقت کے ساتھ ساتھ ان کے پرزور استقبال کی تیاری کرنے کا اعلان کررہی تھیں۔

رسول اکرم ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ کے متعلق حضرت آدمؑ کے وقت سے بشارتیں دی جاتی رہی ہیں اور پچھلی تمام آسمانی کتابوں میں آپؐ کی تشریف آوری کی بشارت اور بعض دوسری اہم پیشن گوئیاں موجود ہیں۔ چنانچہ ہر دور میں لوگ آپؐ کا بے تابی سے انتظار کررہے تھے۔ اہل کتاب آپؐ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے، یہودی، ربی اور عیسائی راہب اپنی عوام کو بتاتے تھے کہ آخری نبی کا زمانہ قریب آگیا ہے اور رسول کریم ﷺ کی آمد کے زمانہ کی علامات اور آپؐ کی پیدائش کی سرزمین معلوم ہونے کی وجہ سے آپؐ کی آمد اور بعثت کو سب سے پہلے اہل کتاب ہی نے پہچانا۔ ارشاد خداوندی بھی ہے کہ:

﴿الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَه كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾[۱]

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (آخری نبیؐ) کو پہچانتے ہیں جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور ایک فرقہ ان میں سے حق کو چھپاتا ہے جان بوجھ کر۔

بائیبل میں تحریفات، تغیر و تبدل کے باوجود بھی تورات و انجیل میں رسول اکرمؐ کی آمد کے متعلق پیشن گوئیاں لائق اطمینان انداز میں موجود ہیں جن سے کوئی انصاف پسند، میانہ رو اور مثبت سوچ کا حامل یہودی اور عیسائی پیشوا انکار نہیں کر سکتا۔

ا۔ حضرت یعقوبؑ نے آپؐ کی آمد کے بارے میں پیشن گوئی فرمائی:

"یہوداہ سے سلطنت نہ چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا جب تک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔"[۲]

کیتھولک بائیبل میں اس پیش گوئی کے الفاظ اس طرح ہیں کہ:

"یہوداہ سے حکمرانی کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے پاؤں میں سے بلُم جاتا رہے گا۔ جب تک کہ نہ آئے شیلوہ اور قومیں اس کی تابعدار ہوں گی۔"[۳]

---

[۱] سورۃ البقرہ: ۱۴۶/۲

[۲] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، پیدائش: ۱۰/۴۹

[۳] کلام مقدس، عہد عتیق، کاتھولک بائیبل کمیشن پاکستان، ۲۰۰۷ء، اشاعت نہم، تکوین: ۱۰/۴۹

عربی بائبل میں درج ہے کہ :

''لایزولُ قضب من یهوذا و مشترع من بین رجلیه حتیٰ یاتی شیلون وله یکون خضوع شعوب''[1]

ان عبارات میں حضرت یعقوبؑ کی جس پیشگوئی کا ذکر چل رہا ہے اس میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ بنی اسرائیل میں حکومت یہودا کے عصا کے ساتھ ہوگی جو آخر کار شیلوہ کے قبضہ میں چلی جائے گی۔ تورات کے مختلف نسخوں میں کہیں یہ لفظ 'شیلوہ' ہے اور کسی جگہ 'شلوہ'۔ جبکہ کچھ مقامات پر 'شلوم'، 'شلو' اور 'شیوہ' ہے۔ جیسے اس لفظ کی قرات و تلفظ میں اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح اس کے معانی میں بھی اختلاف موجود ہے۔ شیلوہ بائیبل میں ایک عبرانی لفظ جس کے صحیح معانی کا کسی کو علم نہیں۔ یہود کے نزدیک ''وہ جو عنقریب آئے گا''

علمائے نصاریٰ کے نزدیک ''وہ جس کا ہے'' بعض محققین نے اس کا ''جسے ہماری طرف بھیجا جائے گا اور وہ آئے گا جس کا حق ہے اور میں اسے دوں گا۔''[2]

عام طور پر اس کے معنی صلح کرانے والے، سلامتی کا شہزاد وغیرہ کئے گئے ہیں۔ کلیسا نے تورات کے جس نسخے کو مستند قرار دیا ہے اس میں عبارت کے الفاظ یہ ہیں:

''یہودا سے ریاست کا عصاء جدا نہ ہوگا اور نہ قانون اس کے پاؤں تلے سے جاتا رہے گا۔
یہاں تک کہ شیلوہ آجائے۔''[3]

مسوراتی نسخہ کی قرأت کے یہ الفاظ ہیں:

'' عصاء یہودا سے جدا نہ ہوگا اور نہ اس کا وکیل اس کے قدم سے یہاں تک کہ وہ آجائے
جو حکومت کا مستحق ہے لوگ اسی کے انتظار میں ہیں۔''[4]

مسلمانوں کے نزدیک شیلوہ آنحضرت ﷺ کا لقب ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب قرار دیتے ہیں۔ مگر نصاریٰ کا یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ پیدائش کی آیت سے واضح ہے کہ شیلوہ یہوداہ کی نسل سے نہیں ہوگا کیونکہ شیلوہ کی آمد اور تشریف آوری سے نسل یہوداہ کی حکومت اور سلطنت کا چھوٹ جانا واضح ہو رہا ہے۔ اگر شیلوہ نسل یہوداہ سے ہو تو پھر یہوداہ کی

---

[1] الکتاب المقدس، عہد نامہ عتیق، التکوین: ۴۹/۱۰

[2] قاموس الکتاب، الدکتور بطرس عبدالملک و دیگر، ص: ۳۶۵-۳۶۶

[3] میثاق النبیین، مولانا عبدالحق ودیارتھی، دارالاشاعت کتب اسلامیہ بمبئی، ۱۹۳۶ء، ص: ۳۱۶

[4] ایضاً

نسل کا چھوٹ جانا نہیں ہونا چاہیئے تھا بلکہ سلطنت کی بقا اور ترقی کا سبب ہونا چاہیئے تھا۔[1]

سرکار دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہوداہ کی نسل میں جو کچھ ریاست و حکومت تھی وہ سب ختم ہو گئی جیسا کہ قلعہ بنی نضیر اور خیبر سب آپ ہی کے زمانہ میں فتح ہو گئے۔ کتاب پیدائش کا یہ جملہ کہ ''قومیں شیلوہ کی مطیع ہوں گی''، عیسیٰؑ تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھڑیوں کے سوا کسی کے پاس نہ بھیجے گئے تھے۔ اور قوموں کا مطیع ہونا تو درکنار بنی اسرائیل جن کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے وہ بھی ان کے مطیع نہ ہوئے۔ بارہ شاگرد ایمان لائے اور عیسیٰؑ بقول انجیل اپنی ہی قوم کے ہاتھوں مصلوب ہو گئے تو دیگر قومیں کب آپ کی مطیع ہوئیں؟

اب تاریخ عالم پہ نگاہ دوڑایئے بائیبل میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے جن میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ جیسے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام بھی ہیں مگر ان میں سے کسی کی زندگی میں اس کثرت سے لوگ ایمان لائے اور قومیں مطیع و فرمانبردار ہوئیں؟ انبیاء کی فہرست میں صرف محمد رسول ﷺ ہی نظر آئیں گے جو ابتداء میں تنہا ہیں، پھر ایمان لانے والے تین سو تیرہ، پھر وہ اپنی ہیکل میں دس ہزار قدسیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ پھر اقوام عالم گروہ در گروہ مطیع و فرمانبردار ہو کر آپؐ کے جھنڈے تلے دکھائی دیتی ہیں اور تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی دعوت دنیا کے کونوں تک جا پہنچتی ہے۔[2]

الغرض ہر قوم، ہر قبیلے کا سردار یہاں مطیع و فرمانبردار دکھائی دیتا ہے۔ رسول عالم ﷺ نے اقوام عالم کے بادشاہوں کو خطوط لکھے جس میں فرمایا کہ اللہ کے آخری رسول پر ایمان لاؤ، اسی میں ابدی زندگی کی بھلائی ہے پھر قبائل در قبائل، گروہ در گروہ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ شیلوہ کی اس نشانی کے پیش نظر حضرت عیسیٰؑ اس بشارت کے مصداق نہیں ہو سکتے جن کی ساری زندگی میں صرف بارہ شاگرد دکھائی دیتے ہیں اور ان کو بھی آپ کبھی بے اعتقاد کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں اور کبھی فرماتے ہیں کہ تم میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں۔ لہٰذا قومیں شیلوہ کی مطیع ہوں گی سے اظہر من الشمس ہے کہ وہ صرف اور صرف نبی آخر الزماں محمد ﷺ کی ہی ذات ہے۔

۲۔ تورات میں ایک اور جگہ مذکور ہے کہ اللہ کریم نے کتاب استثناء میں حضرت موسیٰؑ سے خطاب فرمایا کہ:

> ''خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں، میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا

---

[1] سیرت النبی ﷺ زبور اور تورات کی روشنی میں، طالب حسین کرپالوی، اسلامیہ دار التبلیغ لاہور، ۱۹۹۴ء، بار سوم، ص: ۳۸

[2] بائیبل اور محمد رسول اللہ ﷺ، محمد عمران ثاقب، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۹۰-۹۱

نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔"[1]

تورات موسوی کی پانچویں کتاب میں یہ بشارت نہایت بلیغ الفاظ میں موجود ہے۔ جس کے عبری الفاظ باوجود تحریف کے یہ ہیں:

"نابی مقربخا مآحیخا کامونی یا قیم لیخا یھووہ ایلوھیخا الاؤ تشماعون ویوسر یھودہ ایلدی ھطیبو اشرد بیرونابی اقیم لاھم مقرب احیم کاموفاونتی دیبارا ے بفیوء ودبرانیھم اث کل اشراھونو۔"[2]

ترجمہ: خداوند تیرا معبود ایک نبی تیرے (درمیان) رحمی رشتہ سے تیرے بھائی (یا بھائیوں) میں سے ایسا شخص جیسا کہ میں خود ہوں تیرے لیے مبعوث کروں گا اس کو مان لینا اور کہا خدا نے مجھے انھوں (بنی اسرائیل) نے جو چاہا مجھے کہا ایک نبی میں مبعوث کروں گا۔ ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تیری مثل اور دوں گا۔ اپنی وحی اس کے منہ میں اور کہے گا۔ ان کو وہ سب کچھ جو میں اسے حکم دوں گا۔

یہ پیشن گوئی تورات میں ہے جسے یہودی، عیسائی اور مسلمان تینوں آسمانی کتاب اور حضرت موسیٰؑ کو خدا کا نبی مانتے ہیں اس لیے یہ پیشن گوئی تینوں کی توجہ کا مرکز اور بحث کا موضوع بنی رہی۔ ایک طرف عیسائی ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جس نبی کی خبر دی تھی وہ حضرت عیسیٰؑ ہی تھے جو ظاہر ہو چکے۔ اس کے برخلاف یہودی کہتے ہیں کہ ابھی تک وہ نبی ظاہر نہیں ہوا اور ان دونوں سے الگ اہل اسلام کہتے ہیں کہ یہ پیشن گوئی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بارے میں ہے۔[3]

حضرت موسیٰؑ کی مانند کونسا پیغمبر ہوا ہے۔ بنی اسرائیل میں کوئی پیغمبر مثل موسیٰ کے نہیں ہوا۔ کیونکہ حضرت عزیرؑ نے جب توریت کو بابل کی قید کے بعد تحریر فرمایا تو اس میں یہ لکھا ہے کہ:

"اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰؑ کی مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔"[4]

---

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء، ۱۸/۱۷-۲۱

(۲) میثاق النبیین، ص: ۳۳۲

(۳) وہ نبی، ڈاکٹر محمد ذکی، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ، جنوری-مارچ ۱۹۸۲، ۱/۳۰

(۴) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء: ۳۴/۱۰

کچھ وجوہات کی بناء پر یہ محمد ﷺ کی بشارت ہے۔ جو یہودی حضرت عیسیٰؑ کے ہم عصر تھے۔ وہ ایک دوسرے نبی کے منتظر تھے ان کے نزدیک یہ شخص جس کی بشارت دی گئی عیسیٰؑ کے علاوہ کوئی اور تھا۔ حضرت یوشعؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ کوئی اور نبی ہیں۔ (۱)

اس بشارت میں لفظ "تیری مانند" حضرت یوشعؑ یا حضرت عیسیٰؑ کے لیے استعمال نہیں کیے گئے تھے کیونکہ وہ موسیٰؑ جیسے نہیں تھے۔ اول یہ کہ وہ دونوں اسرائیلی خاندان میں سے تھے۔ دوم اسرائیلیوں میں کوئی پیغمبر جس نے خدا کے ساتھ آمنے سامنے باتیں کی ہوں، اسرائیلی خاندان میں سے کبھی نہیں آیا۔ یوشعؑ کوئی کتاب موسیٰؑ کی طرح نہیں لائے تھے۔ بلکہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے تابع تھے۔ (۲)

اسی طرح حضرت عیسیٰؑ تمام امور میں حضرت موسیٰؑ جیسے نہیں۔ کیونکہ عیسیٰؑ عیسائی نظریے کے مطابق خدا اور رب ہیں اور موسیٰؑ خدا کے بندے تھے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ کو لوگوں کے گناہوں کا بوجھ برداشت کرنا پڑا تاکہ انھیں دوزخ کے عذاب سے بچایا جائے۔ پولوس نے اپنے خط میں جو گلتیوں کے نام پر بھیجا تھا۔ اس میں تشریح کی گئی تھی کہ عیسیٰؑ کو ہماری خاطر سزا دی گئی اور صلیب پر چڑھایا گیا اس نے ہمیں دوزخ کے عذاب سے نجات دلائی۔ (۳)

لیکن موسیٰؑ نے کوئی سزا نہیں پائی تھی۔ موسیٰؑ کو کسی نے قتل نہیں کیا تھا تاکہ وہ کسی کے گناہوں کا کفارہ دے سکے مگر عیسیٰؑ کو اس لیے صلیب پر چڑھایا گیا کہ لوگوں کو ان کے گناہوں کے عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت حدود و تعزیرات اور غسل و طہارت کے احکام اور کن چیزوں کو کھایا جائے اور کن سے پرہیز کیا جائے وغیرہ پر مشتمل ہے اس کے برعکس حضرت عیسیٰؑ کی شریعت اس قسم کے احکام سے خالی ہے جس کی شہادت موجودہ مروجہ انجیلیں دے رہی ہیں۔ اسی طرح موسیٰؑ اپنی قوم میں رئیس اور سردار تھے اپنے احکام اپنی قوم اور امت پر پوری طاقت سے جاری کرتے تھے جبکہ حضرت عیسیٰؑ میں یہ وصف موجود نہیں ہیں کیونکہ ان کے ماننے والے صرف چند لوگ تھے جبکہ دوسرے افراد ان کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ (۴)

اس بشارت میں لفظ "انہی کے بھائیوں میں سے" واقع ہوا ہے۔ بلاشبہ اسرائیلیوں کے اس وقت بارہ خاندان آباد تھے۔ اگر اس پیشن گوئی کا مقصد ہوتا کہ وہ اسرائیلیوں میں سے مبعوث ہوگا تو پھر یہ کہنا مناسب تھا کہ "ان ہی میں سے" نہ یہ کہ "ان کے بھائیوں میں سے" کا مطلب یہ ہے کہ اسماعیلؑ خاندان میں سے جو اسرائیلیوں کے بھائی یا برادری میں سے ہیں اس

---

(۱) اسلام اور دنیا کے مذاہب، ص: ۲۷۲

(۲) بائیبل سے قرآن تک، ۲۳۲/۳

(۳) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، گلتیوں کے نام کا خط: ۱۳/۳

(۴) اسلام اور دنیا کے مذاہب، ص: ۲۷۳

کا مطلب یہ ہے کہ آنے والا پیغمبر تم میں سے نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔ جو سوائے اسماعیلی خاندان کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ [1] حضرت اسماعیلؑ کے حق میں کتاب پیدائش میں اس طرح استعمال کیا گیا ہے لکھا ہے:

''أمام جميع إخوته نزل'' [2]

ترجمہ: یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔

حضرت یوشعؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں اسرائیلی خاندان میں سے تھے۔ اس لیے یہ پیشن گوئی ان پر صادر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ کسی اور پر عائد ہوتی ہے جو اسرائیلیوں کا بھائی ہو اور اسماعیلؑ کے خاندان میں سے ہو اور وہ محض حضرت محمد ﷺ کی ذات پاک ہی ہو سکتی ہے۔ جو اسماعیلؑ کے خاندان میں سے تھے۔ پادری ڈبلیو گولڈ سیک [3] (۱۸۷۱ء-۱۹۵۷ء) کا زور اس بات پر ہے کہ اسماعیلی ہر گز اسرائیلیوں کے بھائی نہیں اسرائیلیوں کے بھائی صرف اسرائیلی ہیں۔ [4]

عبرانی زبان میں جو لفظ درج ہے وہ ''ماحیخا'' ہے جس کے معنی بھائی بند ہوتے ہیں۔ لفظ ماحیخا کا ماخذ اح عبرانی لفظ ہے اور عربی میں لفظ اخ ہے اور عبرانی زبان میں اح (جس کے معنی بھائی ہیں) کو پانچ مختلف طریقوں سے استعمال کیا گیا ہے:

i۔ لفظ بھائی کا استعمال ایک ہی ماں یا باپ کے بیٹوں کے لیے یا ہر دو والدین کے بیٹوں کا استعمال ہوتا ہے۔

ii۔ جو رشتہ میں نزدیک ہو۔ بائیبل کی عبرانی لغت میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

"Is a personification of a group of tribes who were regarded as near kinsmen of Israelites?"[5]

ترجمہ: اس لفظ کو قبیلوں کے ایک گروہ کے لیے خطاب کیا گیا ہے۔ جنھیں اسرائیلیوں کے نزدیکی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے بھائی کہہ کر پکارا گیا تھا۔

iii۔ جن کی شکل آپس میں ملتی جلتی ہو اور وہ آپس میں بھائی دکھائی دیتے ہوں۔

iv۔ جو ایک فرقہ کے افراد ہوں۔ ایک مقام کے رہنے والے یا ایک ہی خاندان سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ ہم پیشہ ہوں یا ایک

---

[1] آخری نبی ﷺ بائیبل کی روشنی میں، اسلامی مشق سنت نگر لاہور، ص: ۷۳-۷۴

[2] الکتاب المقدس عہد نامہ قدیم، جمعیۃ الکتاب المقدس بیروت لبنان، ۱۹۹۳ء، طبع دوم، پیدائش: ۱۸/۲۵

[3] ولیم گولڈ سیک (۱۸۷۱-۱۹۵۷ء) کا تعلق آسٹریلیا سے تھا وہ مشرقی بنگال، انڈیا میں عیسائی بپٹسٹ تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جیسے Muhammad in Islam, Christ in Islam، اور خاص طور پر قرآن کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا۔ ملاحظہ ہو:
http://en-wikipedia-org/wiki/william-Goldsack, 21-9-2015, 2:10 pm

[4] حضرت محمد اور کتاب مقدس، ڈبلیو گولڈ سیک، ۱۹۵۵ء، ص: ۴

[5] میثاق النبیین، ص: ۳۳۲

ہی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یا پھر کسی شخص کو اپنا بھائی بنالیا ہو۔[1]

پس پادری صاحب کا یہ کہنا کہ بھائی صرف ایک ہی ماں باپ کے بیٹے کہلاتے ہیں غلط ہے خود مسیح کے حواری ایک دوسرے کو بھائی کہتے تھے حالانکہ وہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد نہ تھے۔ یہ ایک اچھی دلیل ہے کہ ہ عبرانی لفظ ''اح'' کا مطلب صرف اصلی بھائیوں ہی کے لیے نہ سمجھ رکھیں اور نہ ہی یہ لفظ بنی اسرائیل نبی کے لیے استعمال ہوا تھا۔ اب بائیبل میں دیکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کے بھائی کون تھے۔

حضرت ہاجرہؑ کو اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے خطاب کر کے کہا تھا:

> ''میں تیری اولاد کو بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے اور خداوند کے فرشتے نے اسے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اس کا نام اسماعیل رکھنا کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا اور وہ بادیہ نشین (عربی) ہو گا اس کا ہاتھ سب کے اور سب کا ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا۔''[2]

اسی طرح ایک اور جگہ لکھا ہے:

> ''یہ اسماعیل کے بیٹے ہیں اور ان ہی کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں اور یہی بارہ اپنے اپنے قبیلہ کے سردار ہوئے اور اسماعیل کی کل عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی تب اس نے دم چھوڑ دیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جا ملا اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔''[3]

پس تورات کے ان ذکر کیے گئے حوالہ جات کے مطابق بنی اسماعیل بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔ اس بشارت میں یہ الفاظ کہ ''خدا ایک پیغمبر کو برپا کرے گا'' یہ الفاظ آئندہ آنے والے زمانے کے لیے دلالت کرتے ہیں زمانہ مستقبل میں۔ یہ الفاظ حضرت یوشعؑ جو کہ اس وقت موسیٰؑ کے سامنے موجود ہیں اور پیغمبر بھی ہیں ان کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں ہو سکتے۔ وہ

---

(1) تورات موسوی میں آنحضرت ﷺ کے بارہ میں بین بشارات، مولانا عبدالحق ودیارتھی، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، طبع اول، ص: ۲۲-۲۳

(2) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، پیدائش: ۱۶/۱۲

(3) ایضاً، ۲۵/۱۸

اسرائیلیوں کے بھائیوں میں سے نہیں ہے پس ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس پیشن گوئی کا اطلاق حضرت یوشعؑ پر ہوتا ہے یہ پیشن گوئی حضرت محمدؐ کے لیے کہی گئی ہے اور کسی شخص کے لیے نہیں۔ (۱)

''میں اپنے الفاظ اس کے منہ میں ڈالوں گا'' اس سے مراد ہے کہ اس نبی پر کتاب نازل ہو گی جو اُمی ہو گا (یعنی لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو گا) اور کلام کو محفوظ کرے گا۔ اس بشارت سے حضرت عیسیٰؑ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ لوقا (۲) میں آتا ہے کہ آپؑ نے کتاب یسعیاہ پڑھی تھی اور اُمی نہ تھے اور نہ ہی حضرت یوشعؑ کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ ان میں دونوں باتیں نہ تھیں۔ (۳)

اس بشارت میں ایک جملہ ہے کہ :

''اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا'' اس جملے کا مقصد اس نبی کی عظمت ظاہر کرنا ہے جس کی بشارت دی جارہی ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ نبی اس وصف میں دوسرے پیغمبروں سے امتیازی درجہ رکھتا ہو اور جس انتقام کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تشریعی مواخذہ ہو گا یعنی اس نبی کے زمانے میں جو شخص شریعت کی پابندی نہیں کرے گا، قاضی اس کو سزا دے گا، اس پر حد جاری کرے گا۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اس حکم پر عمل حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں نہیں بلکہ صرف حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں ہوا۔ یہاں جس انتقام کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے مراد آخرت کا عذاب یا دنیوی مصیبتیں نہیں ہو سکتیں جو غیب سے منکرین کو پیش آئیں کیونکہ اس قسم کا انتقام کسی خاص نبی کے انکار کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر نبی کے انکار کا نتیجہ یہی ہو گا۔ تشریعی انتقام سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نبی اللہ کی طرف سے اپنے منکرین سے انتقام لینے کے لیے مامور ہو گا پھر اس طرح سے اس کے مصداق حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی شریعت حدود اور سزاؤں قصاص و جہاد سے قطعی خالی ہے۔ (۴)

اس بشارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ جو نبی اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جن کا خدا نے حکم نہیں دیا وہ مارا جائے گا، اب اگر حضور ﷺ سچے نبی نہ ہوتے تو آپ ہلاک کر دیئے جاتے جبکہ ایسا نہ ہوا کسی شخص کو بھی آپؐ کو ہلاک کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اس کے برعکس حضرت عیسیٰؑ اہل کتاب کے نظریے کے مطابق قتل بھی کیے گئے سولی پر بھی چڑھائے گئے۔ (نعوذ باللہ)

---

(۱) میثاق النبیین، ص: ۳۳۴

(۲) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، لوقا: ۱۶/۴-۱۷

(۳) میثاق النبیین، ص: ۳۳۵

(۴) بائیبل سے قرآن تک، ۲۴۰/۳

تورات کی اس بشارت پر غور کرنے اور پھر ہر ایک جملہ کی حقیقت کو تاریخی روشنی میں دیکھیں تو تاریخ کا بے لاگ فیصلہ صرف ایک ہی ہو گا کہ اس بشارت کے حقیقی مصداق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی دوسری ہستی نہیں۔ نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ یہ بشارت جناب عیسیٰؑ کے متعلق ہے مگر اس کی دلیل میں وہ کوئی واضح ثبوت پیش نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔

۳۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک خبر اپنی موت سے پہلے دی تھی جس کا ذکر درج ذیل ہے:

"اور کہا خداوند سینا سے آیا اور طلوع ہوا شعیر سے ان کے لیے وہ جلوہ گر ہوا۔ فاران کے پہاڑ سے اور وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آتا ہے اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت ہے۔"[۱]

کتاب مقدس میں ہے کہ:

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔"[۲]

یہ آیت پروٹسنٹ فرقے کی بائیبل سے نقل کی ہے اب یہی آیت کیتھولک بائیبل سے نقل کی جاتی ہے:

" اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور سعید سے اپنی قوم پر طلوع ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور صریبہ قادیش میں آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ سے شعلہ زن آتش پھوٹ نکلی۔"[۳]

ان دونوں آیات کے پڑھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان دونوں کتابوں کے الفاظ کس قدر مختلف ہیں۔ دونوں کتابوں میں تحریف کی کوشش صاف نظر آرہی ہے لیکن بشارت بہر حال محفوظ ہے۔

خداوند سینا سے آیا یعنی خداوند نے سینا کے مقام پر حضرت موسیٰؑ کو توریت عطا فرمائی۔ سینا کوہ طور کا دوسرا نام ہے۔ اس پہاڑ کی تین چوٹیاں ہیں جو ان میں چھوٹی اور پورب اُتّر کی کون پر ہے اسے حوریب کہتے ہیں اور جنوبی حصہ اس پہاڑ کا سینا ی کہلاتا ہے ایک چوٹی بجانب مغرب و جنوب واقع ہے یہ عرب میں ہے یہیں حضرت موسیٰؑ کو نبوت ہوئی تھی اور اس پہاڑ کے پاس ایک میدان ہے یہ بدہر سینای یعنی وادی سینا اور عربی میں طوی کہتے ہیں۔[۴] اور "سعیر سے اپنی قوم پر طلوع ہوا" سعیر وہ پہاڑ ہے

---

(1) Good News Bible, American Bible Society, Newyork, 1974, P.229

(۲) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء: ۳۳/۲

(۳) کلام مقدس، کاتھولک بائیبل کمیشن پاکستان، ۲۰۰۷ء، اشاعت نہم، عہد عتیق، تثنیہ شرع: ۳۳/۱-۲

(۴) بشریٰ، عنایت رسول عباسی چریا کوٹی، ہجرہ انٹرنیشنل پبلشرز لاہور، ۱۹۸۴، بار اول، ص: ۵۵

جہاں سیدنا عیسیٰؑ کو انجیل عطا ہوئی۔اسے کوہ کلوری بھی کہتے ہیں۔[1] ''وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا'' دنیا کا جغرافیہ بتاتا ہے کہ کوہ فاران صرف ایک ہی ہے جو ملک عرب میں شہر مکہ کے پاس ہے۔[2] اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لیے بیوی لی۔[3]

ا۔فاران بعض مسیحی اور یہودی علماء کے خیال میں وہ میدان ہے۔جو بئر شبع کی شمالی حد سے کوہ سینا تک چلا گیا ہے۔جس کے شمال میں کنعان جنوب میں کوہ سینا مغرب میں ملک مصر اور مشرق میں کوہِ شعیر ہے۔

۲۔بعض کے نزدیک قادیش اور فاران ایک ہے۔کچھ علماء اسے کوہ سینا کی مغربی نشیب پر قرار دیتے ہیں۔[4]

لیکن عرب کے قدیم جغرافیہ نویس اور بعض علماء مسیحی کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ مکہ معظمہ کے پہاڑوں کے نام فاران ہے چنانچہ تورات سامری کا عربی ترجمہ جسے آرکیونن نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا۔اس میں فاران کو حجاز بتایا ہے ترجمہ کے اصل الفاظ عربی یہ ہیں:

''وسکن برية فاران(الحجاز) واخذت له امّه امراة من أرض مصر''[5]

ترجمہ: اسماعیل بیابان فاران واقعہ حجاز میں سکونت پذیر ہوا اور اس کی ماں نے اس کے لیے مصر سے ایک عورت لی۔

اس ترجمہ سے ظاہر ہے کہ فاران حجاز زمیں ہے جب تک مسلمانوں نے حضرت موسیٰؑ کی مذکورہ پیشگوئی کو مسیح حضرات کے سامنے پیش نہ کیا مگر جوں ہی مسلمانوں نے اس کو سرکار دوعالم ﷺ کی حقانیت کے ثبوت میں مسیحی حضرات کے سامنے پیش کیا تو مسیحی لوگ فوراً فاران پہاڑ کو اٹھا کر سینا میں لے گئے تاکہ بشارت رسول ﷺ کے حق میں ثابت نہ ہو مگر جس طرح پہاڑ کا اٹھانا مشکل ہے۔اسی طرح فاران کا حجاز سے ٹلنا بھی ممکن نہیں ہے۔[6]

تورات کی مندرجہ بالا آیت عبری زبان میں بخط عربی یوں ہے:

---

(1) بائبل اور بشارات سید المرسلین، ظفر اقبال کلیار، ماہنامہ ضیائے حرم، ضیائے حرم داتا گنج بخش روڈ لاہور، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۹/۲۶

(2) قرآن کا تذکرہ بائبل میں، احمد اللہ ناز سندھو، ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ، ۱۸۹۔ریواز گارڈن لاہور، جون ۱۹۸۴ء، ۳۹۹/۴۱۔۴۰۰

(3) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش: ۲۱/۲۱

(4) میثاق النبیین، ص: ۳۵۴

(5) الخطبات الاحمدیہ، سر سید احمد خان، ادارہ دعوۃ الفرقان لاہور، ص: ۳۷۶

(6) سیرت سرور کونین ﷺ، رانا محمد سرور خان، رانا سرور خان پبلی کیشنز لاہور، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ۳/۴۳۔۴۴

''ويشييب يدبر پاران وتقه لوامرايشه مآدص مصرئييم۔''[1]

ترجمہ: اور سکونت کی وادی غیر ذی زرع فاران میں اور اس کی ماں نے اس کے لیے ملک مصر سے ایک عورت لی۔

اس عبارت میں جملہ ''یدبر پاران'' قابل غور ہے عبری زبان میں یدبر کے معنی ہیں ''زمیں غیر ذی زرع'' اس بات سے پوری دنیا باخبر ہے کہ وادی غیر ذی زرع صرف مکہ مکرمہ کی تعریف کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔

یہ ایک ایسی پیشن گوئی تھی کہ جس میں کسی قسم کی کوئی تاویل کارگر نہ تھی۔ بس اسی صورتحال سے بچنے کے لیے جدید پروٹسٹنٹ بائیبل میں لایا کو آیا اور ''دس ہزار قدسیوں'' کے الفاظ کو'' لاکھوں قدسیوں '' سے بدل دیا گیا بلکہ کیتھولک بائیبل میں قدسیوں کی تعداد اور شریعت دونوں کو بالکل ختم کر دیا گیا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضور ﷺ جب مکہ میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے تو دس ہزار قدوسی یعنی صحابہ کرامؓ آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ آگے چل کر پیش گوئی میں ''آتشی شریعت'' کا ذکر ہے۔ آتشی شریعت وہی شریعت ہے جو شریعت غرّا کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اس سے مراد قرآنِ پاک ہے جو خدا کا آخری کلام ہے جس کی بدولت ایک بگڑی ہوئی قوم نہ صرف سنور گئی بلکہ اس نے دوسری اقوام عالم کی اصلاح کا بیڑہ بھی اٹھایا۔[2]

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰؑ نے یہ بشارت بنی اسرائیل کو اپنی وفات سے قبل ایسی حالت میں سنائی تھی کہ حضرت موسیٰؑ کی وداعی حالت کو دیکھ کر تنگ دل اور دلگیر ہو رہے تھے اور سمجھ بیٹھے تھے کہ اب اللہ موسیٰؑ جیسا کوئی پیغمبر مبعوث نہ کرے گا اس وقت حضرت موسیٰؑ نے حضور ﷺ کے حق میں یہ پیش گوئی فرمائی اور اس قدر وضاحت کے ساتھ فرمائی کہ آپؐ کے شہر کا ذکر بھی کر دیا، کوہ فاران کے نام سے بیان فرمایا کہ وہ پیغمبر فارانی یعنی مکی ہوگا۔

۴۔ انجیل یوحنا میں ایک بشارت اس طرح سے مذکور ہے:

''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ انھوں نے اس سے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، پس انھوں نے اس سے کہا پھر تو کون ہے

---

[1] میثاق النبیین، ص: ۳۵۵

[2] آخری نبی بائیبل کی روشنی میں، ص: ۸۰

تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں کہ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟"[1]

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی تورات مقدس میں اشارہ کیے گئے پیغمبرانِ دین کی آمد کے منتظر تھے۔ جن میں حضرت الیاسؑ، حضرت عیسیٰؑ اور جناب سرور کائناتؐ کی آمد کا ذکر مبارک شامل تھا۔ انہی پیشن گوئیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے یروشلم کے یہودیوں نے اپنے چند نمائندوں کو آپؑ کی جانب بھیجا تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ آپؑ تورات کی کس پیشن گوئی پر پورا اترتے ہیں۔ انھوں نے آپؑ سے سوال کیا کہ کیا آپؑ عیسیٰؑ ہیں، جواباً آپؑ نے فرمایا کہ میں عیسیٰؑ نہیں ہوں۔ انھوں نے پھر سوال کیا کہ آپ الیاسؑ ہیں؟ آپؑ نے جواب دیا نہیں، میں الیاس نہیں ہوں۔ تب انھوں نے آخری سوال کیا کہ پھر کیا آپؑ وہ نبی ہیں؟ اور انھوں نے فرمایا نہیں، میں وہ نبی نہیں ہوں۔ اس نبی کی آمد کا عقیدہ بنی اسرائیل کے ہاں اس قدر مشہور و معروف تھا کہ "وہ نبی" کہہ دینا گویا اس طرف اشارہ کرنے کے لیے بالکل کافی تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت بھی نہ تھی کہ جس کی خبر توراۃ میں دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نبی کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے اس کا آنا قطعی طور پر ثابت تھا۔ کیونکہ حضرت یحییٰؑ سے یہ سوالات کیے گئے تو انھوں نے یہ نہیں کہا کہ کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے، تم کس نبی کے متعلق پوچھ رہے ہو؟ وہ نبی جس کا تذکرہ یہودیوں میں اکثر ہوتا تھا کون ہستی تھی؟ یقیناً اس برگزیدہ نبی سے مراد حضرت خاتم الانبیاء ﷺ ہی ہے ورنہ اس کے سوا کوئی بھی نبی نہیں کہ جو حضرت مسیحؑ کے بعد مبعوث ہوا اور پہلی کتب سماوی اور امم سابقہ میں اس کا اتنا چرچا ہوا۔[2]

۵۔ یہ پیشنگوئی انجیل یوحنا کے آخری ابواب میں درج ہے:

> "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے، اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔"[3]

۶۔ اور اسی باب کی آیت ۲۵، ۲۶ میں ہے:

> "میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"[4]

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، یوحنا: ۱/۱۹-۲۲

[2] انجیل اور محمد ﷺ، عابد ارشاد، اسلامک بک سنٹر کراچی، ص: ۸۱

[3] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، یوحنا: ۱۴/۱۵، ۱۶

[4] ایضاً: ۱۴/۲۵-۲۶

۷۔اس کے بعد آیت ۳۰ میں ذکر ہے:

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔''[۱]

۸۔اسی طرح انجیل یوحنا کے اگلے باب میں مذکور ہے:

''لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا تو وہ میری گواہی دے گا۔''[۲]

۹۔یوحنا ہی میں مذکور ہے:

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔اور آکر وہ دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔راستبازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن جب وہ آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔''[۳]

انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا عبارات میں حضرت عیسیٰؑ اپنے بعد ایک آنے والے کی خبر دے رہے ہیں جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ ''دنیا کا سردار'' (سرورِ عالم) ہوگا ''ابد تک'' رہے گا ''سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا'' اور خود ان کی (یعنی حضرت عیسیٰؑ کی) ''گواہی دے گا'' یوحنا کی ان عبارتوں میں ''روح القدس'' اور ''سچائی کی روح'' وغیرہ الفاظ شامل کرکے مدعا کو خبط کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، مگر اس کے باوجود ان سب عبارتوں کو اگر غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس آنے والے کی خبر دی گئی ہے وہ کوئی روح نہیں بلکہ ایک انسان اور خاص شخص ہے جس کی تعلیم عالمگیر، ہمہ گیر اور قیامت

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، یوحنا: ۳۰/۱۴

[۲] ایضاً، ۲۶/۱۵

[۳] ایضاً، ۱۶/۷-۱۶

تک باقی رہنے والی ہوگی۔اس شخص خاص کے لیے اردو ترجمے میں "مددگار" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔اور یوحنا کی اصل انجیل میں یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا تھا،اس کے بارے میں عیسائیوں کو اصرار ہے کہ وہ Paracletus تھا۔مگر اس کے معنی متعین کرنے میں خود عیسائی علماء کو سخت زحمت پیش آئی ہے۔اصل یونانی زبان میں Paraclete کے کئی معنی ہیں: کسی جگہ کی طرف بلانا، مدد کے لیے پکارنا، انداز و تنبیہ، ترغیب، اکسانا، التجا کرنا، دعا مانگنا۔ پھر یہ لفظ بائبل مفہوم میں یہ معنی دیتا ہے: تسلّی دینا، تسکین بخشنا، ہمت افزائی کرنا۔ بائبل میں اس لفظ کو جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے،ان سب مقامات پر اس کے کوئی معنی بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے۔اوراجن (Origen) نے کہیں اس کا ترجمہ Consolator کیا ہے اور کہیں Deprecator مگر دوسرے مفسرین نے ان دونوں ترجموں کو رد کر دیا کیونکہ اول تو یہ یونانی گرامر کے لحاظ سے صحیح نہیں ہیں، دوسرے تمام عبارتوں میں جہاں یہ لفظ آیا ہے، یہ معنی نہیں چلتے۔ بعض اور مترجمین نے اس کا ترجمہ Teacher کیا ہے، مگر یونانی زبان کے استعمالات سے یہ معنی بھی اخذ نہیں کیے جا سکتے۔ ترتولیاں اور آگسٹائن نے لفظ Aavocate کو ترجیح دی ہے، اور بعض اور لوگوں نے Assistant اور comforter اور Consoler وغیرہ الفاظ اختیار کیے ہیں۔[1]

یوحنا نے یونانی زبان میں دراصل کونسا لفظ لکھا تھا، کیونکہ بہرحال وہ بھی ترجمہ ہی تھا اور حضرت مسیحؑ کی زبان، فلسطین کی سریانی تھی، اس لیے انہوں نے اپنی بشارت میں لفظ استعمال کیا ہوگا وہ کوئی سریانی لفظ ہی ہونا چاہیے خوش قسمتی سے وہ اصل سریانی لفظ ہمیں ابن ہشام کی سیرت میں مل جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی اس کتاب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا ہم معنی یونانی لفظ کیا ہے۔

علامہ ابن ہشام (متوفی ۲۱۳ھ) نے اپنی سیرت کی کتاب میں محمد بن اسحاق (متوفی ۱۵۱ھ) کے حوالے سے اور وہ اپنے استاد ابو محمد البکالی العامری (متوفی ۸۳ھ) کے حوالے سے عربی متن ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

"فَلَو قَدجَاءَالمَنحمنَا هٰذَا الَّذِی یُرْسِله الله إلَیْکم مِن عِندِ الرَّبِّ روح القدس هذا الذی من عند الرب خرج فهو شهید علی وانتم ایضا لأَنَّکم قَدیماً کُنتُم مَعِی فِی هذَا قُلتُ لَکُم لِکَی مَالَاتَشکُوا،أَلْمَنحَمنَا بالسریانیة محمد صَلّی اللّٰهُ علیه واله وسلم وهو بالرمیة ابرقلیطس"[2]

ترجمہ: اور جب منحمنا آئے گا جسے اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس

---

[1]Cyclopedia of Biblical literature, John kitto,Adam and Charles black Edinburgh, 1881, P:268-269

مزید دیکھیے: فارقلیط (اسمہ احمد ﷺ) محمد عمران ثاقب، مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۲۶-۱۷۷

[2] سیرت النبیؐ، ابن ہشام، دار الکتاب العربی بیروت لبنان، ۱۹۹۰ء، طبع ثالث، ۲۳۲/۱

سے آئے گا تو وہ میری سچائی کا گواہ ہوگا اور تم بھی میری سچائی کے گواہ ہو کیونکہ تم عرصہ دراز سے میرے ساتھ ہو میں نے تم سے یہ باتیں اس لیے کہی ہیں تاکہ تم شک میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ منحمنا سریانی لفظ ہے اور اس کا معنی محمد ﷺ ہے۔ رومن زبان میں منحمنا کا ترجمہ لفظ برقلیطس سے کیا گیا ہے جس کا معنی ہے تعریف کیا گیا اور محمد ﷺ کا معنی بھی یہی ہے کہ جن کی بار بار تعریف کی جائے۔

اوپر بیان کی گئی تمام باتیں آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ آپؐ کا تشریف لانا حضرت عیسیٰؑ کے جانے پر اس لیے موقوف تھا کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لیے کہ کسی نبی کا آنا، پہلے نبی کے جانے پر جب ہی موقوف ہو سکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو ورنہ اگر وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو اس کے آنے سے پہلے نبی کا جانا شرط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لیے کہ جب وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو پہلے نبی کی موجودگی میں بھی وہ مبعوث ہو سکتا ہے۔ پہلے نبی کا جانا دوسرے کے آنے کے لیے جب ہی شرط ہو سکتا ہے کہ جب وہ دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو یہ لہٰذا حضرت مسیح نے اس جملہ سے یہ ظاہر فرمادیا کہ وہ فارقلیط اور روح حق خاتم الانبیاء ہوگا۔

حضرت مسیح خاتم النبیین نہ تھے ورنہ علماء نصاری و یہود حضرت مسیح کے بعد ایک نبی کے کس لیے منتظر تھے اور روح کا آنا حضرت عیسیٰؑ کے جانے پر موقوف نہ تھا۔ روح کا نزول تو حضرت عیسیٰؑ کی موجودگی میں بھی ہوتا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل نہ ہونے اور اللہ کی طرف اٹھائے جانے کی گواہی بھی دی۔[1]

حضرت عیسیٰؑ کے نہ ماننے والوں کو پوری پوری سزا بھی دی کسی سے قتال اور جہاد کیا اور کسی کو جلاوطن کیا جیسا کہ یہود خیبر اور بنو نضیر اور یہود بنو قینقاع کے واقعات سے ظاہر ہے۔ اور روح نے نہ کسی کو ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی کی سرزنش کی اور سرزنش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فارقلیط ظاہر ہونے کے بعد حکومت کے ساتھ لوگوں کو توبیخ اور سرزنش کرے گا اور ظاہر ہے کہ روح القدس کا ظاہر ہو کر عام لوگوں پر حکومت کرنا کہیں ثابت نہیں اور نہ حواریین کا یہ منصب تھا۔ حواریین نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ نہیں کی بلکہ واعظانہ طور پر لوگوں کو سمجھاتے تھے، جس میں حکومت کا زور نہ تھا غرض یہ کہ کسی طرح بھی روح القدس کو فارقلیط کا مصداق نہیں قرار دیا جا سکتا اور آگے چل کر سرزنش کی یہ وجہ بیان فرمانا اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے، اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس فارقلیط اور مددگار اور وکیل و شفیع کا ظہور منکرین عیسیٰؑ کے سامنے ہوگا بخلاف روح کے اس کا ظہور تو آپ کے نزدیک حواریین پر ہوا کہ جو منکرین عیسیٰؑ نہ تھے اور نہ حواریین نے کسی کو سزا دی وہ خود ہی مسکین اور عاجز تھے، کسی منکر کو کیسے سزا دے سکتے تھے۔ اور آنحضرت ﷺ نے صدق اور راستی کی وہ راہیں بتائیں کہ جو نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی

---

[1] انجیل اور محمد ﷺ، ص: ۹۶

آپ ؐ کی شریعت غرااور ملت بیضاءاس کی شاہد ہے۔اور آئندہ واقعات کے متعلق آپ نے اتنی خبریں دیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں اور ایسی صحیح خبریں دیں جواسی طرح ظاہر ہوئیں اور ان کا ایک حرف بھی خلاف واقعہ نہ نکلااور قیامت تک اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں گی۔اس لیے کہ آپ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا۔اور بایں ہمہ جہاں کے سردار اور بادشاہ بھی ہوئے اور جہاں اور دنیا کی سرداری سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی نبوت تمام عالم کے لیے ہو گی، کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہو گی۔اور نصاری نے حضرت مسیح کی صحیح تعلیمات کو محو کر دیا تھاان کو بھی یاد دلایا جن میں توحید و تثلیث کا مسئلہ بھی ہے اس کو خوب یاد دلایا اور حضرت مسیح کے قتل وصلب کی نفی اور رفع الی السماء کااثبات فرمایا۔[۱]

آپ ﷺ نے مبعوث ہونے کے بعد وہ باتیں بھی بتلائیں کہ جو حضرت مسیحؑ کے زمانے میں بنی اسرائیل کے تحمل سے باہر تھیں یعنی ذات وصفات، شریعت وطریقت، حشر ونشر، جنت و جہنم کے متعلق وہ علوم و معارف کے دریا بہائے کہ جن سے تمام عالم دنگ ہے اور کسی کتاب میں ان علوم کا نام ونشان نہیں جو امور غیر تکمیل شدہ تھے آپ کی شریعت کاملہ نے ان سب کی تکمیل بھی کر دی۔اور قیامت تک کے لیے دنیا کو ایک ایسا کامل اور مکمل دستور (یعنی شریعت) دے گئے جو ان کے دین اور دنیا کی اصلاح اور فلاح کا کفیل ہے اور اس کے حقائق ودقائق اور اسرار حکم کو دیکھ کر دنیا حیران ہے، قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم شریعت محمدیہ ﷺ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ علماء یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی شریعت ہی نہیں جس کو سامنے رکھ کر علماء امت اور فقہاء ملت کی طرح فتوے دے سکیں،اس وقت کے نصاری کے پاس شریعت کا کوئی علم نہیں کہ جس کی رو سے وہ فتوی دے سکیں لیکن نصاری کے پاس صنعت و حرفت اور کاریگری کے علوم وفنون ہیں حکمرانی اور جہانبانی اور عدل عمرانی کے متعلق ان کے پاس کوئی آسمانی قانون نہیں کہ جس کی رو سے وہ دنیا میں عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کر سکیں۔ مغربی اقوام کے پاس جو دستور ہے وہ چند اہل فکر کے افکار کا نتیجہ ہے شریعت اسلامیہ کی طرح آسمان سے نازل شدہ کوئی قانون ان کے پاس نہیں۔[۲]

علماء مسیحی اس بشارت کو روح القدس کے حق میں قرار دیتے ہیں، جس کا نزول حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع اِلی السماء کے ۴۷ یوم بعد حوارین پر ہوا لیکن یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے:

i۔اس لیے کہ روح کا نازل ہونا حضرت مسیحؑ کے جانے پر موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر وقت حضرت مسیح کے ساتھ رہتی تھی۔

ii۔نہ روح نے کسی کو راستی اور عدالت سے ملزم ٹھہرایااور نہ کسی یہودی کو حضرت مسیح پر نہ ایمان لانے کی وجہ سے کبھی سزا دی۔

---

[۱] اوصاف الانبیاء فی الصحائف، عبد الاحد اللاجی، مکتبہ القرآن بیروت لبنان، ص:۱۰۶-۱۰۷

[۲] انجیل اور محمد ﷺ، ص:۹۸

البتہ آنحضرت ﷺ نے مشرکین اور کافرین سے جہاد بھی کیا اور یہودیوں کو کافی سزا بھی دی اور ان کو ملزم ٹھہرایا اس لیے کہ اہل دنیا کو الزام دینا اور ان کی سرزنش کرنا بغیر حکومت کے ممکن نہیں معلوم ہوا کہ آنے والا فارقلیط اور دوسرا مددگار دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہوگا جو مجرموں کی سرزنش کرے گا۔

iii۔ حضرت مسیح کا اس پر ایمان لانے کی تاکید فرمانا بالکل بے محل ہے اس لیے کہ حوارین پیشتر ہی سے روح القدس پر ایمان رکھتے تھے اس کے فرمانے کی کیا حاجت تھی کہ "جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ" حضرت مسیح کا اس قدر اہتمام فرمانا اور اس پر ایمان لانے کی وصیت کرنا خود اس کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والی شے ءکچھ ایسی ہوگی جس کا انکار تم سے بعید نہ ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح مراد ہوتی تو اس کے لیے چنداں اہتمام اور تاکید کی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ جس کے قلب پر روح کا نزول ہوگا اس سے روح کا انکار ہونا بالکل ناممکن ہے۔ روح القدس کا نزول بالبداہت مفید یقین ہے، جس طرح روح القدس کے نزول سے بالبداہت پیغمبر کو اپنی نبوت کا یقین آجاتا ہے پیش آنے والی چیز سے انسان کو ایسا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ قوت خیالیہ بھی اس کو دفع نہیں کرسکتی انسان پر جب کوئی طاقت طاری ہوتی ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔

iv۔ اس بشارت کا سیاق اس بات کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والا فارقلیط حضرت عیسیٰؑ سے مختلف ہے جیسا کہ سولہویں آیت کا یہ لفظ دوسرا مددگار بخشے گا صاف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علیحدہ صورت میں ظاہر اور نمودار ہوگا۔ پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰؑ کے کسی طرح مغایر نہیں کیونکہ نصاری کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے اور روح القدس جو حوارین پر ظاہر ہوگی وہ کسی علیحدہ صورت میں ظاہر نہیں ہوئی، جس طرح کسی شخص پر جن مسلط ہو جاتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے منہ سے نکلتی ہیں علیحدہ صورت میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔

v۔ اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ "جو کچھ میں نے تمہیں کہا یاد دلائے گا" حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حواری حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات فراموش کرچکے تھے۔ روح القدس ان کو علیحدہ صورت میں ظاہر ہو کر یاد دلاتے ہوں۔

vi۔ اس بشارت میں بھی مذکور ہے کہ "وہ میرے لیے گواہی دے گا" سو یہ وصف صرف نبی اکرم ﷺ پر ہی صادق آسکتا ہے کہ آپ ہی نے آکر مشرکین اور یہود کے سامنے حضرت مسیح کی رسالت کا اعلان کیا۔ بخلاف روح القدس کے وہ حضرت عیسیٰؑ کے حوارین پر نازل ہوئی اور حوارین پہلے سے ہی حضرت مسیح کو رسول جانتے تھے ان کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے تھی نہ کہ مومنین کے سامنے بخلاف آنحضرت ﷺ کے آپ نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰؑ کے منکر اور دشمن تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰؑ کی نبوت ورسالت کی گواہی دی اور ان کے دعوائے قتل وصلب کی تردید کی اور رفع إلی السماء کو ثابت کیا۔

vii۔ حضرت مسیح اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ " مجھ میں اس کی کوئی چیز" سو یہ جملہ آنحضرت ﷺ پر صادق آسکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں روح القدس اور مسیح تو ایک ہی چیز ہیں۔

viii۔اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اس روح نے کونسی آئندہ کی خبریں بتلائیں کہ جس سے اس روح کو اس بشارت کا مصداق کہا جائے۔

ix۔اس بشارت کا تمام سیاق وسباق دلالت کرتا ہے کہ آنے والا دوسرا فارقلیط اور دوسرا مددگار لباس بشری اور پیکر انسانی میں ظہور کرے گا اور حضرت عیسیٰؑ کی طرح لباس بشری میں دعوت حق اور لوگوں کو تسلی کے لیے آئے گا پس فارقلیط کا مصداق اس روح کو سمجھنا کہ جو آدمیوں پر جن کی طرح نازل ہو اور حلول کرے بالکل غلط ہے۔

x۔ حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء کے بعد سے عامۃ نصاری فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا۔

یہ جملہ " ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا" اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فارقلیط خود بذات ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا اس لیے کہ فارقلیط بمعنی روح جس کے نصاری قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ ان کے ساتھ نہ رہا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ آئے گا جو اس کے لیے ناسخ ہو۔

آیت کا یہ جملہ یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی وہ تمام کائنات میں سب سے بہتر اور برتر ہوگا۔[1]

انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا حوالہ جات پڑھ کر یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کوئی عظیم ہستی حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنے والی ہے جس کی تشریف آوری کی خبر حضرت عیسیٰؑ اپنی امت کو بار بار ارشاد فرمار ہے ہیں جس عظیم تشریف لانے والی ہستی کا بار بار ذکر ہورہا ہے اور جو اس کی صفات وخصوصیات بیان کی جارہی ہیں وہ عظیم ترین ہستی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام فرستادگان معبود برحق تھے اور اسی لیے مبعوث ہوئے تھے کہ وہ کفر وشرک کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو دور کریں۔ اسلام کی روشنی پھیلائیں اور توحید کو پھیلائیں ہر نبی نے لوگوں کو اللہ کے خوف سے ڈرایا۔ برائیوں سے روکا اور اپنے بعد آنے والے نبی کے متعلق بھی بتایا کہ سرزمین عرب میں ایک کامل نبی مبعوث ہونے والا ہے اور کتب ساویہ میں یہ بشارت لکھی ہوئیں تھیں ان بشارات کی شب وروز تلاوت کی جاتی تھی بائبیل میں حضور ﷺ کا ذکر چونکہ کثرت سے اور نام تک لے کر کیا گیا ہے اور اسی کی بنیاد پر خلفائے راشدین کے دور میں عیسائی اکثریت کے جن علاقوں یعنی عراق، شام، فلسطین اور مصر وغیرہ میں جب مسلمان پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان پیش گوئیوں کی تصدیق کرکے اسلام قبول کرلیا تاہم

---

[1] سیرت المصطفیٰ ﷺ، ادریس کاندھلوی، ۶۰۱/۲-۶۰۵؛ بائبیل اور محمد رسول اللہ، ص:۲۶۹-۲۹۶

اس کے بعد بائیبل اور خاص کر انجیل میں اس حوالے سے بڑے پیمانے پر تحریفات کی گئیں۔ان تحریفوں اور ترمیموں کے باوجود آپؐ کی بعثت کی پیشن گوئی کر رہی ہیں ان تحریفات کی بنیاد پر حضور ﷺ کا نام ترجمے در ترجمے کے عمل سے بدل دیا گیا۔ کہیں آپؐ کے شہر کا تذکرہ تو کہیں آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرامؓ کا تذکرہ موجود ہے۔تاہم ابھی بھی انجیل میں ایسی متعدد آیات ہیں جن کی پیش گوئی کا اطلاق سوائے حضورؐ کے کسی پر نہیں کیا جا سکتا۔ حضور ﷺ کا تورات وانجیل کی پیشنگوئیوں کے مطابق ہونا اتنا قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو بار بار یہی بات یاد دلائی کہ حضور ﷺ ان پیشنگوئیوں کے مصداق ہیں جو تمہارے پاس موجود ہیں۔

فصل دوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت تورات اور انجیل کے آئینے میں

نبی کریم ﷺ کو اللہ نے بے شمار نعمتیں بخشی ہیں۔اور ساری مخلوق سے افضل و برتر بنایا ہے۔ایسی خصوصیات سے سرفراز فرمایا ہے جو دوسرے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کو حاصل نہیں۔اس نے آپ ﷺ کے ساتھ لطف و مہربانی کا معاملہ فرمایا اور شفقت و محبت اور عزت و کرامت سے نوازا۔آپ کی مدح وستائش کی اور آپؐ کے ہاتھوں اپنے بہت سے انعام و اکرام کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے محاسن کو صورت وسیرت سے کامل و مکمل کیا اور اپنے نام سے آپ ﷺ کے نام کو مشتق فرمایا۔ علم غیب عطا کیا لوگوں سے آپؐ کی حفاظت کی۔اذیت پہنچانے والوں سے آپ کا تحفظ کیا اور دنیا میں آپ ﷺ پر یہ نوازش فرمائی کہ آپؐ کا دین ہمیشہ باقی رہنے والا منتخب دین ہے اور اپنے اس دین کا اس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا۔امت محمدیہ کو یہ شرف بخشا کہ "المسلمین" اس کا نام رکھا۔اسے خیرِ امت بنایا اور اس کے لیے دین کو کامل بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بہت سی خصوصیات اور فضائل عطا فرمائے جنھیں ساری مخلوقات میں آپ کے علاوہ کسی کو بھی نہیں بخشا ہے۔

یہ یقینی بات ہے کہ انسان جب صفات جمال و کمال میں منفرد ہوتا ہے تو اس کی قدر و منزلت اور مقام و مرتبہ میں رفعت و بلندی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ تعظیم و احترام کے لائق ہو جاتا ہے۔ایسی صورت میں وہ ذاتِ مقدسہ کتنی جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہوگی جو ایسے کمالات و امتیازات سے متصف ہے کہ ان انبیاء کے اندر بھی نہیں جو ساری مخلوقات میں بہتر، سارے انسانوں کے سردار اور ان سے اکمل و افضل ہیں، بلاشبہ یہ نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت اور رفعت مقام کا واضح اعلان ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ جو ہر ایک فضیلت کا عطا کرنے والا ہے۔اسی نے جب نبی ﷺ کو وہ فضیلتیں دے رکھی ہیں جو دوسرے انبیاء کو حاصل نہیں تو یہی بات اس حقیقت کے اظہار کے لیے کافی ہے کہ اس کی بارگاہ میں آپ ﷺ سب سے زیادہ صاحب فضیلت ہیں اور اس نے آپؐ کو خصوصی عزت و عظمت، شان و شوکت اور قدر و منزلت سے نوازا ہے۔ حضور ﷺ اور ان کی امت کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار فضائل و خصائل سے نوازا۔ نا صرف قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ کے فضائل کا تذکرہ ہے بلکہ اس سے پہلے کی آسمانی کتب تورات اور انجیل میں بھی باوجود تحریف کے آپؐ کی عظمت و شان کا ذکر ملتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾[1]

ترجمہ: وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں (ہمارے) رسول (محمد ﷺ) نبی، اُمی کی، جسے وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔

---

[1] سورۃ الاعراف:۷/۱۵۷

تورات میں آنحضرت ﷺ کے فضائل کا تذکرہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کا تذکرہ پہلی کتب سماوی میں بھی فرمایا تورات اور انجیل میں آپ کے فضائل اور خصوصیات کا ذکر موجود ہے حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم کی برکت کی دعا کی اور اللہ نے اس دعا کو قبول فرمایا۔

ا۔ تورات کی کتاب پیدائش میں لکھا ہے:

''اور اسماعیلؑ کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی اور دیکھ میں اسے بہت برکت دوں گا اور اسے آبرومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔''[۱]

ان عبارات میں ایک بڑی قوم کا لفظ حضرت محمد ﷺ کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس لیے کہ اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کوئی شخص حضور ﷺ کے سوا موجود نہیں ہے جو بڑی قوم والا ہو۔ بائیبل میں حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا مفصل ذکر موجود نہیں جو انھوں نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے حق میں فرمائی۔ دعا کا تذکرہ موجود نہیں مگر بائیبل میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ اسماعیلؑ کے حق میں، میں نے تیری دعا قبول کر لی ہے۔ ان دعائیہ کلمات میں تحریف ہوگئی یا بائیبل پر آنے والے مختلف حادثات کے پیش نظر ضائع ہوگئے۔[۲]

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ جب خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو اللہ سے اپنی نسل سے ایک ایسی قوم پیدا ہونے کی دعا کی جو اس کی فرمانبردار اور مطیع ہو کر کفر و شرک سے پاک ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے کی دعا کو قبول فرمایا۔ چونکہ مکہ ایک ریگستانی علاقے میں واقع ہے جہاں بنجر پہاڑ ہیں جہاں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی، بن کھیتی کی وادی تھی۔ اس کے رہنے والوں کو اللہ رب العزت نے دعائے خلیلؑ کی بدولت پھلوں کا رزق عنایت فرمایا۔ آج کل بھی مکہ معظمہ میں پھلوں کی ایسی بہتات ہے کہ انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اس ﴿وَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ﴾[۳] (بن کھیتی کے میدان) میں کہاں کہاں سے اور کیسے کیسے پھل پہنچ جاتے ہیں۔ قدرت نے تیل کے ذریعے یہاں کے باشندوں کی روزی کا انتظام کر دیا ہے۔ اس شہر کو امن والا شہر بنا دیا ہے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ پوری دنیا میں مکہ معظمہ سے بڑھ کر کوئی امن والا شہر نہیں ایک ایسا گروہ جو تیرا مطیع اور فرمانبردار ہو اور وہ امت مسلمہ ہے ان میں ایک رسول مبعوث فرمایا اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یقیناً حضرت ابراہیمؑ جانتے تھے کہ میری نسل سے کئی ایک رسول ہوں گے مگر حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ایک رسول کی خصوصی دعا

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش: ۲۰/۱۷

[۲] بائیبل اور محمد رسول اللہ ﷺ، ص: ۷۹

[۳] سورۃ ابراہیم: ۳۷/۱۴

فرماتے ہیں، اصل مقصد یہ کہ وہ بے مثال رسول ﷺ جسے خاتم النبیین ہونے کا شرف حاصل ہے میری ہی نسل سے پیدا فرما اور ایسا ہی ہوا، حضرت ابراہیمؑ کی دعا نبی آخر الزماں ﷺ کے مکہ میں پیدا ہونے سے پوری ہوئی۔ [1]

ابن جریر نے ابو عالیہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے پروردگار ان میں رسول مبعوث فرما، تو انھیں جواب دیا گیا کہ آپ کی دعا قبول کرلی گئی اور یہ پیغمبر آخری زمانہ میں تشریف لائیں گے۔ [2]

امام احمد، ابن سعد، طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابو امامہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اپنے پس منظر سے آگاہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنَادَعوَة أَبی إبرَاهیمَ و بشرَی عیسَی بن مریم)) [3]

ترجمہ: میں ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰ بن مریم کی خوشخبری ہوں۔

ابن سعد حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ:

''لما أُمِرَ إبرَاهیمُ بإِخْرَاج هَاجر حمل علَی البراقِ، فَکَانَ لَایَمر بأرض عذبة سهلة إلَاوقالَ: أَنزل هاهنا یا جبریل، فیقول : لاحتی أتی مکة، فقال جبریل: أنزل یا إبراهیم، قال: حیث لاضرع ولا زرع؟قال: نعم هاهنا یخرج النبی الذی من ذریة إبنک الذی تتم به الکلمة العلیا'' [4]

ترجمہ: جب ابراہیمؑ کو حضرت ہاجرہؑ کو چھوڑنے کا حکم ملا تو آپ کو براق پر سوار کردیا گیا۔ دورانِ سفر جہاں بھی اچھی زمین آتی، حضرت ابراہیمؑ جناب جبریلؑ سے کہتے، مجھے یہاں اتار دو۔ وہ کہتے یہاں نہیں بالآخر وہ سرزمین مکہ پہنچ گئے یہاں پر جناب جبریلؑ نے عرض کیا! اے ابراہیمؑ اس مقام پر اتر آیئے، حضرت ابراہیمؑ نے حیرت سے پوچھا، اس بے آب وگیاہ جگہ پر؟ جناب جبریلؑ نے کہا ہاں جناب ابراہیمؑ اس سرزمین پر آپ کے بیٹے کی نسل سے ایسا پیغمبر آئے گا جس کے ساتھ ہی نبوت کا سلسلہ ختم ہوجائے گا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

---

[1] بائبل اور محمد رسول اللہ ﷺ، ص: ۸۱-۸۲

[2] تاریخ الامم والملوک، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۴۰۷ھ، طبع اول، ۳۹۸/۱

[3] الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد الزہری، دار صادر بیروت لبنان، ۱۹۶۸ء، طبع اول، ۱۴۹/۱

[4] ایضاً، ۱۶۴/۱

''لَمّاخَرَجَت هَاجِرُبِإبنِهَا إِسمَاعيل تَلقَاهَا متلقٍ فَقَالَ:يَا هَاجِر إنّ أبنَکِ
أبُوشعُوب کَثِیرة، وَمِن شَعبِه النَبِیُ الأُمی سَاکِن الحَرَم'' [1]

ترجمہ: محمد بن کعب راوی ہیں کہ جب حضرت ہاجرہؓ اپنے لخت جگر اسماعیل کو لے کر نکلیں تو راستے میں آپ کو ایک ملاقاتی ملا جس نے آپ سے کہا کہ اے ہاجرہؓ! آپ کے اس بیٹے کی نسل بڑی پھیلے گی اور اس کی نسل سے نبی امی اور اس حرم کا مکین آئے گا۔

المختصر اسماعیلؑ کی اولاد میں نبی کریم ﷺ سے زیادہ کون بابرکت اور آبرومند ہوا اور حضور پرنور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا کوئی نہیں جس کا ہاتھ سب کے اوپر ہوا ہو اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں دی گئی ہوں۔

۲۔ کتاب مقدس میں دوسری فضیلت کا بیان اس طرح ہے:

''انہوں نے اس چیز کے باعث جو خدا نے مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا سو میں بھی ان کے ذریعہ سے جو کوئی امت نہیں ان کو غیرت اور ایک نادان قوم کے ذریعے سے ان کو غصہ دلاؤں گا۔'' [2]

اس میں نادان قوم سے مراد امی قوم ہے یعنی ان پڑھ قوم عرب ہیں۔ لسان العرب میں 'ألأُمّی' کی تشریح کرتے ہوئے مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''ألامِیُّ الذی لایکتُب'' [3]

ترجمہ: امی وہ ہے جو لکھنا نہ جانے۔

پھر اور وضاحت کی یہ لکھنا اکتسابی ہے۔ بعد ازاں حدیث سے سند پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((إنَّا أمَّة أمِیَّة لا نکتُب ولا نَحسب)) [4]

ترجمہ: ہم ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب۔

لسان العرب کے مصنف لکھتے ہیں کہ عربوں کو اس لیے امی کہتے تھے کہ ان میں لکھنے کا رواج بڑا نادر تھا۔ [5]

---

(1) الطبقات الکبریٰ، ص: ۱۶۴/۱

(2) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، کتاب استثناء: ۲۱/۳۲

(3) لسان العرب، ۲۲/۱۲

(4) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب وجوب صوم الرمضان لرؤیۃ الحلال، حدیث نمبر: ۲۵۱۱، ص: ۴۴۱

(5) لسان العرب، ۲۲/۱۲

یہ لوگ انتہائی گمراہ اور جاہل تھے۔ ان کو کوئی علم بھی نصیب نہ تھا نہ علوم شرعیہ، نہ علوم عقلیہ، سوائے بت پرستی کے اور کچھ نہ جانتے تھے۔ تہذیب و تمدن نہ جانتے۔ اور اخلاق و کردار سے ناآشنا تھے، ادھر یہودیوں کی نگاہ میں یہ لوگ اس لیے بے انتہا حقیر و ذلیل تھے کہ وہ باندی حضرت ہاجرہؑ کی نسل سے تھے۔

کتاب استثناء کی اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ بنی اسرائیل نے اپنے باطل معبودوں کی عبادت کی وجہ سے مجھ کو یعنی اللہ تعالیٰ کو غیرت پر ابھارا ہے اس لیے میں بھی ایسے لوگوں کو منتخب اور مقبول بنا کر ان کو غیرت دلاؤں گا۔ جو ان کی نگاہ میں سخت حقیر و ذلیل ہیں چنانچہ اللہ نے اپنا وعدہ اس طرح پورا فرمایا کہ اہل عرب میں سے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا، جنھوں نے صراط مستقیم کی جانب لوگوں کی رہنمائی کی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے یہود و نصاریٰ کے خلاف ان کے شرک اور گمراہی کے سبب غیرت کھائی اور ان سے جنگیں لڑیں اور حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بیت المقدس فتح ہوا اور مسلمان ان کے پھاٹکوں کے مالک بن گئے اس لیے علمائے نصاریٰ سے جب کوئی جواب نہیں بنتا تو کہتے ہیں کہ اس سے یونانی قوم مراد ہے حالانکہ یہ غلط ہے، اوّل تو یونانی ان پڑھ نہ تھے بلکہ ان میں سے تو بڑے نامی گرامی حکماء و فلاسفہ ،بقراط، سقراط، افلاطون، ارسطو اور ایسے ہی بڑے حکماء گزرے ہیں جن کا ذکر آج بھی تاریخ طب میں محفوظ ہے اور نہ ہی وہ تہذیب و تمدن سے ناواقف تھے اور نہ ہی انھوں نے بیت المقدس کو فتح کیا اس لیے یہ عذر انتہائی نامعقول ہے کیونکہ یونانی حکمت میں مادی علوم و فنون میں دنیا بھر سے ممتاز تھے اور یونانی طب و حکمت کو انھی لوگوں نے چار چاند لگائے [2] ان کی حکمت کے تو پولوس بھی اعتراف کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ ''یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں۔'' [3]

۳۔ حضرت داؤدؑ کے نغموں میں جگہ جگہ آپ ﷺ کے فضائل موجود ہیں زبور سے حضرت داؤدؑ کی زبانی فضیلت کا ذکر کیا جاتا ہے:

> ''خداوند اس کو اسی راہ کی تعلیم دے گا جو اسے پسند ہے اس کی جان راحت میں رہے گی اور اس کی نسل زمین کی وارث ہو گی خداوند کے راز کو وہی جانتے ہیں جو اس سے ڈرتے ہیں۔'' [4]

---

[1] بائبل سے قرآن تک، ۲۴۹/۳

[2] سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، محمد ادریس کاندھلوی، مکتبہ عثمانیہ لاہور، ۱۹۹۲ء، ۵۵۰/۲

[3] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، کرنتھیوں کے نام پہلا عام خط، ۲۲/۱

[4] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، زبور: ۱۳/۲۵-۱۴

حضرت داؤدؑ نبی کریم ﷺ کے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اتمام اس نبی پر کرے گا جو اس کا پسندیدہ ہے اور قرآن حکیم اس بات پر شاید ہے کہ وہ پسندیدہ دین اسلام ہے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ دوسرے تمام دینوں کو ناقص کہا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ جن لوگوں کو ہدایت کے لیے آئے تھے ان کی ہدایت کے لیے ان کے اندر پورا پورا سامان نہیں تھا، ایسا سمجھنا بالکل غلط ہوگا اس کے خلاف حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ان دینوں میں سے جو دین بھی آیا وہ اس قوم، اس زمانے اور اس علاقے کی اصلاح وہدایت کے لیے بالکل کافی تھا۔ جس کے لیے اسے نازل کرنے والے نے نازل کیا تھا۔ لیکن چونکہ ان میں ہر ایک کا دین صرف ایک قوم کے لیے تھا، تمام انسانوں کے لیے نہ تھا۔ صرف ایک محدود علاقے کے لیے تھا، پوری دنیا کے لیے نہ تھا اور صرف ایک خاص زمانے اور محدود مدت کے لیے تھا ہمیشہ کے لیے نہ تھا۔ [1]

اس لیے قدرتی طور پر اس میں نہ عالمی وسائل ومعاملات کے بارے میں ہدایتیں ہوتی تھیں اور نہ ہی اس کی ساری تعلیمات کا مزاج انسان کی فطرت کے مطابق ہوتا تھا، نہ وہ دورِ مستقبل کو سامنے رکھ کر گفتگو کرتا تھا، غرض جس طرح ان کی مخاطبت کا دائرہ محدود تھا، اسی طرح اس کی تعلیمات کا مجموعہ بھی مختصر اور محدود تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کا فیصلہ یہ ہوا کہ اب ایسا نبی بھیجا جائے جو سب کے لیے ہو اور ہمیشہ کے لیے ہو تو اس فیصلے کا فطری تقاضا تھا کہ اس نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بین الانسانی ہو اور اس کی تعلیمات ہر زمانے، ہر ملک اور ہر طرح کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ [2]

لہٰذا حضرت داؤدؑ نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا جو آج تک زبور میں موجود ہے مذکورہ بالا آیات کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو ہدایت آدمؑ کے زمانے سے اترنی شروع ہوئی تھی اور جو نوع انسانی کے ذہنی اور تمدنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ تفصیل اور وسعت کا رنگ اختیار کرتی چلی آرہی تھی وہ ہر پہلو سے کمال درجے کو پہنچ گئی۔ اس سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور بین الاقوامی، بین الانسانی اور ابدی دین سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک اور پسندیدہ راہ کون سی ہوسکتی ہے؟ دین اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ بین الانسانی اور ابدی دین ہے زبور کی ان آیات میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور جان راحت میں رہے گی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا جب آپؐ نے اپنی ذات کے لیے پہرہ اٹھا دیا آپ ﷺ کی زندگی میں تقریباً ۱۷ مرتبہ قاتلانہ حملہ ہوا اور ہر بار اللہ رب العزت نے آپ کو وقت سے پہلے بذریعہ وحی اطلاع دی اور آپ ﷺ کو بچالیا اور اور آپ کی جان ہمیشہ راحت میں رہی۔ [3]

---

[1] انجیل اور محمد ﷺ، ص: ۶۸

[2] المصطفیٰ فی الصحائف المقدسہ، ابو عمر احمد بن زید، دار العلم قاہرہ مصر، ص: ۲۲۳

[3] بائیبل اور محمد رسول اللہ ﷺ، ص: ۱۳۱

امام سیوطی (۱۴۴۵ء-۱۵۰۵ء) خصائص الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ مجھے زبور کے ایک ایسے نسخہ کا علم ہے جس کی ایک سو پچاس سورتیں ہیں اور میں نے اس کی چوتھی سورت میں لکھا دیکھا کہ:

''یاداؤدُاسمع ماأقُولُ ومُرسُلیمانُ فلیقله للناس من بعدک إنّ الأرْضَ لِی أورثها محمداً صلی الله علیه وسلمَ واُمّته''[1]

ترجمہ: اے داؤدؑ جو میں تجھے فرماتا ہوں اس کو غور سے سن اور حضرت سلیمانؑ کو حکم دے جو کہ تیرے بعد ہوگا۔ وہ لوگوں کو بتائے کہ بیشک زمین میری ہے اور میں اس زمین کا محمد مصطفیٰ ﷺ اور اس کی امت کو وارث بناؤں گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ آپؐ پوری دنیا کے لیے نبی بن کر تشریف لائے نہ کہ کسی ایک ملک، شہر یا علاقے کے لیے۔ آپ ﷺ کا لایا ہوا دین، دین اسلام تمام ادیان پر غالب ہے جو کہ انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور محمد ﷺ اور آپ کی امت اس زمین کی وارث ہے۔

۴۔ سرکار دو عالم کی صفات مبارکہ کے بارے میں زبور ایک جگہ یوں کلام کرتی ہے:

''مسکین آپ کو تیرے سپرد کرتا ہے۔ یتیم کا تو مددگار ہے۔ شریر اور برے کا بازو توتوڑ ایسا کہ اس کی شرارت پھر ڈھونڈے نہ پائی جائے خداوند ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بادشاہ ہے۔ بیگانی قومیں اس کی زمین پر سے فنا ہوئیں۔''[2]

زبور کی بیان کردہ صفات و خصائص حضور ﷺ کے حق میں کس قدر واضح اور صاف ہیں۔ اس میں تین کلام ہیں۔ مسکینوں اور یتیموں کی کفالت اور شریر و برے لوگوں اور غیر قوموں کو سرزمین عرب سے نکالنا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطہ عرب سے غیر اقوام اور شریر لوگوں کو نکال باہر کیا۔ آج تک سالہا سال گزرنے کے باوجود وہ لوگ زبردست طاقت اور تمام مادی وسائل رکھتے ہوئے بھی اس خطے میں داخل نہیں ہو سکے اور اور نہ ہی روز قیامت تک کبھی داخل ہو سکیں گے۔[3]

۵۔ سرکار دو عالم ﷺ کے کلام پاک کی پاکیزگی اور اس کلام کے خالص ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''خداوند کا کلام خالص کلام ہے جیسے چاندی مٹی کی کٹھالی میں تاؤدی گئی اور سات مرتبہ

---

[1] الخصائص الکبریٰ، جلال الدین عبدالرحمان ابی بکر السیوطی، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۱۹۸۵ء، ص: ۶۸

[2] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، زبور: ۲۵/ ۱۴۔۱۸

[3] سیرت سرور کونین ﷺ، ص: ۳/ ۴۹

صاف کی گئی تو ہی اے خداوندان کا محافظ ہے تو انھیں اس زمانہ کے لوگوں سے ابد تک بچا رکھے گا۔ شریر لوگ ہر طرف اکڑتے پھرتے ہیں۔ پر ان کی جتنی سرفرازی ہے نبی آدم کی اتنی ہی پستی ہے۔''[۱]

اگر ان آیات کا بغور مطالعہ کریں تو نبی کریم ﷺ کی یہ فضیلت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ دنیا بھر کی تمام مذہبی کتب میں قرآن کریم ہی واحد کتاب ہے جو خالق کائنات نے اپنے محبوب پاک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی جس کا کلام خالص اور محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ مشرکین مکہ اور دیگر اقوام و قبائل کے لوگوں کا شر، فساد اور اکڑ بازی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی جب کہ سرکار دوعالم آنحضرت ﷺ کا حلم، علم اور برداشت کا جذبہ اس انتہا تک پہنچا ہوا تھا جس کا اظہار یہاں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

۶۔ زبور میں حضرت داؤدؑ کی زبانی ایک نبی کی درج ذیل خصوصیات بتائی گئی ہیں:

''تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے۔ اس لیے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا۔''[۲]

رسول اللہ ﷺ کی ظاہری خدوخال اور آپ ﷺ کی بابرکت شخصیت کا تذکرہ کرنے کے بعد آپ ﷺ کی دشمنوں پر ہیبت کے حوالے سے اس طرح تحریر ہے:

''اے زبردست تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت و شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر اور سچائی اور حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان و شوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو اور تیرا داہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا۔ تیرے تیر تیز ہیں وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگے ہیں۔ امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں۔ اے خداوند تیرا تخت ابدالآباد ہے۔''[۳]

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے امیر و غریب اور بادشاہوں کو بالآخر آپ ﷺ کے در پر جھکنے پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نسل کو باقی رکھنے کا وعدہ بھی کیا۔ جیسا کہ سابقہ پیش گوئی کے اگلے الفاظ اس طرح ہیں:

''قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی کریں گے۔ بادشاہ کی بیٹی محل میں سرتاپا حسن

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، زبور: ۱۶/۶-۸

[۲] ایضاً، ۴۵/۱-۱۷

[۳] ایضاً

افروز ہے اس کا لباس زربفت کا ہے۔ وہ بیل بوٹے دار لباس میں بادشاہ کے حضور پہنچائی جائے گی۔ اس کی کنواری سہیلیاں جو اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں تیرے سامنے حاضر کی جائیں گی وہ ان کو خوشی اور خرمی سے لے آئیں گے وہ بادشاہ کے محل میں داخل ہوں گی۔ تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہوں گے جن کو تو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا میں تیرے نام کی یاد کو نسل در نسل قائم رکھوں گا اس لیے امتیں ابدالآباد تیری شکر گزاری کریں گی۔"[1]

اس بشارت کے مطابق نبی موعود کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ دنیا کی سردار بنے گی۔ اس کا نام تمام نسلوں میں یکے بعد دیگرے مشہور اور مذکور ہوگا۔ قومیں اس کی ہمیشہ مدح و ثناء کریں گی۔ موجودہ بائیبل میں زبور کے اس باب میں جس قدر صفات اور فضائل بیان ہوئے ہیں، یہ سب حضرت محمد مصطفی ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ اس میں بیان کی جانے والی تمام صفات آنحضرت ﷺ کی خاص پہچان ہیں، نبی کریم ﷺ رحمت للعالمین ہونے کے ساتھ ساتھ اور کفار اور مشرکین کے خلاف مجاہد اعظم تھے۔ ام معبد آپ ﷺ کی صورت کا نقشہ کھینچتی ہیں:

"رأيت رجلاً ظاهرالوضاء، أبلج الوجه حسن الخلق، هم تعبه ثجلة ولم تذربه صعلة وسيم قسيم، فى عينه وهج و فى اشغارة وطف، و فى صوته صهل وفى عنقه سطع و فى لحيته كثائة أزج أقرن، إن صمت فعليه الوقار، وإن تكلم سماء وعلاه البهاء، أجمل الناس وأبهاه من بعيد، أحسنه و أجمله من قريب، حلوالمنطق لانزر ولا حذر، كان منطق خزرات يتحدرن ربعة، لاتشنله من طول، ولا تقتحمه العين من قصرا، غصين بين غصنين، فهو أنفر الثلاثه منظراً وأحسنهم قدراً، لا عابس ولا مفند"[2]

ترجمہ: میں نے روشن چہرے والا آدمی دیکھا، خوبرو خوش اخلاق، متوازن پیٹ، سر کے بال بہ تمام و کمال یعنی حسین و جمیل، چمکدار آنکھیں گھنی پلکیں، اواز رعب دار اور گردن لمبی، گھنی داڑھی، باریک اور پیوستہ ابرو، خاموش پر وقار، گفتگو لولوئے لالہ، دور سے بھی دیکھیں تو خوبصورت بارونق، قریب سے دیکھیں تو اور بھی حسین، شریں کلام

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، زبور: ۴۵/۱-۱۷

[2] المستدرک علی الصحیحین، محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۲۰۰۲ء، طبع دوم، کتاب الھجرۃ، حدیث نمبر: ۴۲۴۳، ص: ۳/۱۸۸، (اسی طرح کے الفاظ کے لیے دیکھیے: الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۳۱

بنجے تلے الفاظ، گفتگو گویا موتیوں کی لڑی، یعنی لطافت سے بھری، میانہ قد نہ طویل القامت کہ اچھا نہ لگے، نہ کوتاہ قد کہ معیوب لگے، شگفتہ وتروتازہ شاخ، خوش منظر اور قابل قدر، نہ ترش رو نہ فضول گو۔

عرب کی اس خاتون کا سید البشر کے حسن وجمال اور گفتار واطوار کا نقشہ پیش فرماتے ہی ان کے خاوند ابو معبد اسی وقت رسول اکرم ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ سے ملاقات کرکے دونوں میاں بیوی فوراً مسلمان ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو معبد جانتے تھے کہ اس پیغمبر کی صفات کیا ہوں گی۔

نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی المرتضیٰؓ جمال مصطفی ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ (ﷺ) بِالطَّوِيلِ وَلاَ بِالْقَصِيرِ شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ ضَخْمَ الرَّأْسِ ضَخْمَ الْكَرَادِيسِ طَوِيلَ الْمَسْرُبَةِ إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا انْحَطَّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلاَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ '' [1]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا قد مبارک نہ بہت لمبا تھا نہ بالکل چھوٹا (بلکہ میانہ قد تھے) دونوں ہتھیلیاں اور پاؤں گوشت سے بھرے ہوئے، سر مبارک بڑا، جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط، سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری۔ آپؐ جب چلتے تو رک کر گویا کسی بلند جگہ سے اتر رہے ہوں، میں نے آپؐ جیسا حسین وجمیل نہ آپؐ سے پہلے کوئی دیکھا اور آپؐ کے بعد نہ آپ جیسا حسین وخوبصورت نظر آیا۔

صحابی رسول ﷺ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں:

'' رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ (ﷺ) فِي لَيْلَةٍ إِضْحِيَانٍ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ (ﷺ) وَإِلَى الْقَمَرِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَإِذَا هُوَ عِنْدِي أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ''[2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک چمکتی ہوئی چودھویں کی رات میں سرخ جبہ زیب تن کئے ہوئے دیکھا۔ میں کبھی آسمان کے چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی مصطفی ﷺ کے چہرہ انور کو۔ البتہ رسول اللہ ﷺ مجھے چودھویں کے چاند سے زیادہ

---

[1] سنن الترمذی، محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ الترمذی، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۲۰۰۱ء، طبع اول، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی، حدیث نمبر: ۵۹۸/۵،۳۶۳۷

[2] ایضاً، کتاب الادب، باب الرخصۃ فی لبس الحمرۃ للرجال، حدیث نمبر: ۱۱۸/۵،۲۸۱۱

خوبصورت نظر آئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اس نغمہ میں حضرت محمد ﷺ کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے ''خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا ہے'' یعنی اللہ نے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا اور وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بابرکت قرار دیا ہے یعنی اللہ نے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔ آپ ﷺ کے ذکر کو ایسا مبارک کیا کہ اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا نام بھی آتا ہے۔ آپ ﷺ کا تذکرہ اور صفات کی تفصیل فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر ہے۔ عالمین میں ہر جگہ آپؐ کا ذکر خیر کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور اپنی اطاعت کے ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔

آپ کی ایک اور صفت یہ بتائی گئی ہے کہ ''وہ تلوار لٹکانے والا ہو گا۔''

اسی حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((أَنَاالنَّبِيُّ المَحِمَّةُ))[1]

ترجمہ: میں جہاد کرنے والا نبی ہوں۔

عیسائیت میں تو جہاد ہے ہی نہیں۔ یہودیت میں کچھ جہاد کا حکم ہے مگر اسلام میں تو قیامت تک جہاد کے جاری رہنے کا حکم ہے۔'' امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں'' اس کا یہی مطلب ہے کہ صرف محمد عربی ﷺ کا دین ہی غالب آکر رہے گا اور اگر کوئی اس نورِ الٰہی ہدایت ربانی یعنی دین اسلام کو مٹانے کا خیال کرے تو ویسا ہی خیال ہو گا جیسے کہ کوئی شخص اپنے منہ کی پھونک سے آفتاب یا مہتاب کی روشنی بجھانی چاہے۔ لوگ اس نور کو بجھانے کی کوشش میں ضرور لگیں گے، آخر کار عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ حضرت داؤدؑ نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسلام اور تعلیمات محمدیہ کا بول بالا ہو گا۔ لوگ اسے مٹانا چاہتے ہیں مگر اللہ اسے تمام دینوں پر غالب کرنا چاہتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ کی چاہت ان کی چاہت پر غالب ہے اور غالب رہے گی۔

آپ ﷺ کے جد امجد حضرت اسماعیلؑ تیر انداز تھے اور شکار کھیلا کرتے تھے۔ اس لیے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ ، فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا))[2]

ترجمہ: اے بنی اسماعیل! تیر اندازی کیا کرو کیونکہ تمہارے باپ بھی تیر انداز تھے۔

دوسری روایت میں ہے:

---

[1] کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، علی بن حسام الدین المتقی الھندی، کتاب الفضائل، باب فی فضائل نبینا محمد ﷺ، حدیث نمبر: ۳۲۰۸۶، ۵۹۸/۱۱؛ نیز دیکھیے: مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۹۵۲۵، ۲۹۱/۴

[2] الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب التحریض علی الرمی، حدیث نمبر: ۲۷۴۳، ص: ۴۷۹

((مَنْ تَعلَّمَ الرَّمي ثُمَّ تركَه فلَيْسَ مِنّي))[1]

ترجمہ: جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں۔

''تیرے تیر تیز ہیں'' سے مراد یہ بھی ہے کہ تیرے سامنے کوئی بڑے سے بڑا دشمن کھڑا نہ رہ سکے گا لہٰذا ایسا ہی ہوا جو پتھر تم پر گرے گا پِس جائے گا اور جس پر تم خود گروگے وہ بھی پاش پاش ہو جائے گا۔

حضور ﷺ نے جنگ بدر اور جنگ حنین کے موقع پر ایک مٹھی بھر کافروں کی طرف پھینکی اور ہجرت کے موقع پر بھی داہنے ہاتھ نے یہی کام دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی کافر ایسا نہ تھا جو اس کی زد سے بچ گیا ہو بلکہ سب کو اپنی آنکھوں کی پڑ گئی اور شکست کھا کر بھاگ گئے اور مسلمانوں نے ان کو قتل کیا اور قید کیا۔

حضور ﷺ کے صفات مبارکہ میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے لباس سے خوشبو آتی تھی اس لحاظ سے بھی یہ فضیلت حضور ﷺ پر ہی صادر آتی ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کسی راستے سے گزرے تو دیر تک اس راستے سے خوشبو آتی تھی جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ اس راستے سے نبی کریم ﷺ گزرے ہیں۔[2]

''امتیں ابدالآباد آپؐ کی شکر گزاری کریں گی'' یعنی امتیں ہمیشہ آپ کا ذکر خیر کریں گی آپ کی تعریف کریں گی اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اللہ نے آپ کا نام ہی محمد واحمد رکھا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔ اصل میں یہاں تحریف سے کام لیا گیا ہے۔ اس مقام پہ آپؐ کا اسم گرامی احمد تھا کہ امتیں ابدالآباد تک تجھے محمد یا احمد کہیں گی۔ یہ جملہ اس طرح ہے:

''أذکر إسمک فی کل دورٍ فدورٍ، من أجل ذلک تحمدک الشعوب إلی الدهر والأبد''[3]

ترجمہ: میں آپ ﷺ کا نام زندہ رکھوں گا، جس کے باعث قومیں ہمیشہ آپ کی تعریف کریں گی۔

اس عبارت میں لفظ تحمدک یعنی حمد، احمد، محمد ایک ہی بات ہے۔ اس پیغمبر کا نام نسل در نسل یاد رکھا جائے گا اور اقوام ابد تک اس کی تعریف کرتی رہیں گی آپ ﷺ پر ہمیشہ سے دین اسلام کے پیروکار درود وسلام کا ہدیہ بلاناغہ بھیجتے ہیں اور بلاشبہ یہ

---

[1] کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، کتاب الجہاد، باب الترغیب فیہ، حدیث نمبر: ۱۰۸۴۷، ۵۹۵/۴

[2] سنن دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، دار الکتب العربی بیروت لبنان، ۱۴۰۷ھ، الطبعۃ الاولیٰ، باب فی حسن النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۶۶، ۴۵/۱؛ الخصائص الکبریٰ، ص: ۱۱۵

[3] قیس من القرآن فی صفات الرسول الاعظم ﷺ، عبدالطیف بغدادی، مؤسسہ فرہنگی تبیان تہران، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۸

سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔[1]

"تحفے اور ہدیے اس کو پیش کئے جائیں گے" ہرقل قیصر روم، نجاشی شاہ حبشہ قبطیوں کے بادشاہ مقوقس نے آپؐ کی خدمت میں تحائف وہدایہ بھیجے۔ عیسائی علما ایک طرف اس فضیلت کا مصداق حضرت عیسیٰؑ کو ٹھہراتے ہیں۔ دوسری طرف تورات میں ایک اور فضیلت جس کا مصداق بھی حضرت عیسیٰؑ ٹھہراتے ہیں۔ کتاب یسعیاہ میں ذکر ہے:

"نہ اس کی کوئی شکل وصورت ہے، نہ خوبصورتی اور جب ہم اس پر نگاہ کریں تو کچھ حسن وجمال نہیں کہ ہم اس کے مشتاق ہوں، وہ آدمیوں میں حقیر ومردود، مرد غمناک اور رنج کا آشنا تھا۔ لوگ اس سے گویا روپوش تھے اس کی تحقیر کی گئی اور ہم نے اس کی کچھ قدر نہ جانی۔"[2]

یہ عبارات زبور کے اوصاف کے بالکل برعکس ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیر کی گئی اور ان کی قدر کسی نے نہ جانی اور نہ ہی بادشاہوں نے آپ کو نذرانے اور ہدیے پیش کیے بلکہ بقول مروجہ انجیل کے آپ کو عبرتناک سزا دی اور مصلوب کردیا نہ آپ کی شادی ہوئی نہ آپ کی اولاد، بڑوں کی جگہ بادشاہت کے لیے چنی گئی، نہ ان کے تیر تیز تھے نہ وہ طاقتور اور تلوار لٹکانے والے تھے۔

پس غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبور کے بیان کردہ اوصاف صرف صادق المصدوق خاتم النبیین، رحمت اللعالمین رسول خدا ﷺ کے حق میں پورے ہوتے ہیں آپ ہی حسن میں تمام حسینوں کے سردار اور جمال میں تمام جمیلوں کے سردار بلکہ تمام معاملات میں سرور عالم ﷺ ہیں۔ تمام انبیاء کو جتنے محاسن اور کمالات بخشے گئے وہ آپ کی اکیلی ذات میں جمع کردیئے گئے۔ حضرت داؤدؑ کے بعد تمام انبیاءؑ میں حضرت محمد ﷺ کے سوا کوئی نبی کندھے پر تلوار لٹکانے والا نہیں اور آپؐ ہی تمام بنی آدم کے سردار ہیں اور آپؐ کے قوانین ہی ہیبت کے ساتھ مقرون ہیں۔ اس میں حضرت داؤدؑ نے بتایا ہے کہ آنے والے نبی کی عزت ہوگی اور اس کے احکام کا نفاذ عمل میں آئے گا اور اس کو 'جبار' کہہ کر خطاب کیا ہے جس میں قوت اور دشمنوں پر غلبہ پانے کی طرف اشارہ ہے یعنی کمزور اور ضعیف نہیں ہوگا۔

۷۔ زبور میں ایک اور جگہ جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اس کے اوصاف کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور مقدسوں کے مجمع میں اس کی مدح سرائی کرو، اسرائیل اپنے خالق میں شادمان رہے فرزندان صیہون اپنے بادشاہ کے سب سے شادمان

---

[1] ذکر رحمۃ العالمین ﷺ، ص: ۷۳

[2] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، یسعیاہ: ۵۳/۲-۳

ہوں وہ ناچتے ہوئے اس کے نام کی ستائش کریں وہ دف اور ستار پر اس کی مدح سرائی کریں۔ کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوشنود رہتا ہے وہ حلیموں کو نجات سے زینت بخشے گا مقدس لوگ جلال پر فخر کریں اور اپنے بستروں پر خوشی سے نغمہ سرائی کریں ان کے منہ میں خدا کی تمجید اور ہاتھ میں دودھاری تلوار ہو دوسری قوموں سے سے انتقام لیں اور امتوں کو سزادیں، ان کے بادشاہوں کو زنجیروں سے جکڑیں۔''[1]

زبور میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اس کو بادشاہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے فرمانبرداروں کو مقدس لوگ کہا گیا ہے جن کو ہر کام کی ابتدا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تمجید کرنے کی تعلیم دی گئی ہے مثلاً کھانا کھانے کی دعا، پانی پینے کی دعا، بستر پر لیٹنے کے وقت اللہ کی تمجید، نیند سے اٹھنے پر اللہ کی تمجید، حتٰی کہ نیا کپڑا پہننے، بازار جانے، گھر میں داخل ہونے اور بہت سارے مقامات پر دعائیں پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ دن میں پانچ وقت نماز، تہجد کی نماز، اشراق کی نماز، جمعۃ المبارک اور حج وغیرہ۔ یہ سب ان کے اوصاف میں ہے ان کا تسبیح و تمجید پر فخر کرنا اور ان کے منہ میں خدا کی تمجید ہونا اور دودھاری تلواریں ان کے ہاتھوں میں ہونا، ان کا دوسری قوموں سے انتقام لینا اور ملامت کرنا۔ نیز ان کا بادشاہوں اور اشراف کو لوہے کی زنجیروں اور طوقوں میں مقید کرنا ذکر کیا گیا ہے۔[2]

اب صاف طور پر اس نبی کا مصداق آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اصحاب ہیں، جن پر یہ تمام مذکورہ اوصاف سو فی صد صادق آتے ہیں۔ بعض عیسائی حضرت سلیمانؑ کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں لیکن یہ درست نہیں کہ اہل کتاب کے نظریے کے مطابق ان کی سلطنت اپنے باپ کی سلطنت سے زیادہ وسیع نہیں ہو سکی، اور اس لیے بھی کہ وہ ان کے عقیدہ کے مطابق (نعوذ باللہ) آخر عمر میں مرتد اور بت پرست ہو چکے تھے۔[3]

حضرت عیسیٰؑ بھی اس کے مصداق اس لیے نہیں ہو سکتے کہ وہ تو ان اوصاف سے جو اوپر بیان کی گئیں کوسوں دور ہیں، کیونکہ وہ گرفتار کیے گئے، اور ان کے خیال کے بموجب قتل کر دیئے گئے، اسی طرح ان کے اکثر حواریوں کو زنجیروں اور طوقوں میں مقید کیا گیا، پھر کافر بادشاہوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، زبور: ۱۴۹/۱-۸

[2] بائبل سے قرآن تک، ۲۸۰/۳؛ مختصر سیرۃ الرسولؐ، (مترجم: الشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب)، جامعۃ العلوم الاثریہ جہلم، ۱۹۹۰ء، طبع اول، ص: ۱۰۹-۱۱۰

[3] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، سلاطین: ۱/۱۱، ۹، ۱۴، ۳۱، ۴۱، تواریخ: ۲۹/۹، نحمیاہ: ۲۶/۱۳

خلاصہ کلام یہ کہ ان خصائل وخصائص کا مصداق حضرت مسیحؑ نہیں ہو سکتے اس لیے زبور کے اس مضمون میں یہ کہا جا رہا ہے کہ آنے والا نبی بادشاہ ہو گا اپنے اصحاب کے ساتھ سلاطین کفار سے جہاد کرے گا، بڑے بڑے جبارین اور متکبرین قتل کئے جائیں گے، اسیر اور گرفتار ہوں گے اور آپؐ کے اصحاب آپؐ کے ساتھ ہوں گے اور یہ تمام امور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے۔

۸۔ دیگر انبیاء عالم کی طرح حضرت سلیمانؑ نے بھی آنحضرت ﷺ کے فضائل وخصائل بیان کیے۔ آپ ﷺ کے عشق میں کئی ایک نعتیہ غزلیں لکھیں اور یہاں تک واضح الفاظ میں پیشگوئی فرمائی کہ اس سے زیادہ وضاحت ممکن نہ تھی یعنی ایک غزل میں آپ کا اسم مبارک محمدیم بھی بیان فرمادیا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تورات حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں عبری خط میں تحریر نہیں کی گئی کیونکہ اس وقت عبری خط کا تو وجود ہی نہیں تھا۔ حوادث زمانہ سے اصل تورات یہود سے گم ہو گئی پھر عرصہ دراز گزر جانے کے بعد حضرت عزرا (عزیرؑ) نے زبانی روایات کی مدد سے تورات کو ترتیب دیا اس کتاب کی غلطیاں ان کثیر اختلافات عبارات سے ظاہر ہیں جو اس کتاب کے نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔[1] مثلاً عبری الفاظ یہودہ، ابرہام، یروشلایم وغیرہ جیسے سینکڑوں الفاظ جو معروف ہونے کے باوجود قواعد زبان کے لحاظ سے ناقابل تشریح ہیں۔ لیکن اس کے باوجود حضورؐ کے بارے میں بہت سی پیشنگوئیاں انہی معروف اور مبدل کتابوں میں نہایت وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔

یہاں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے اصل کتاب گم ہو جانے کے باوجود اپنے پیارے حبیب پاک حضرت محمد مصطفی ﷺ کے بارے میں تمام پیشنگوئیوں کو یہود کے ہاتھوں ہی محفوظ رکھوا تا رہا ہے۔

اس کے علاوہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام کی گواہی بھی رسول ﷺ کے حق میں موجود ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی وہ پیش گوئی جس میں سرکار دوعالم ﷺ کا اسم گرامی محمدیم موجود ہے۔ اب ہم اس پیش گوئی کے عبری الفاظ پر بحث کرتے ہیں، آیت کے عبری الفاظ بخط عربی حسب ذیل ہیں:

''حِكّو مَمِتقيم وى كل محمديم ذه دُودِى وى زه دے عى بينوت يروشلايم''[2]

ترجمہ: اس کا منہ از بس شریں ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے اے یروشلم کی بیٹیو! یہ ہے میرا محبوب۔ یہ ہے میرا پیارا۔

---

[1] میثاق النبیین، ص: ۳۸۳

[2] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، غزل الغزلات: ۱۶/۵

آیت کا پہلا لفظ ''حکو'' ہے اس لفظ کا مادہ حخ یا حنخ ہے جس کے لغوی معنی منہ کا اندرونی حصہ، تالو یا جبڑے کے ہیں۔ جبڑے[۱]، ذائقہ کی حس[۲]، زبان یا کلام[۳]۔

ان تمام حوالہ جات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ لفظ ''حکو'' منہ، تالو اور زبان کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ عبرانی زبان اور تورات میں یہ الفاظ کلام کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ''میرا منہ سچ سچ کہتا ہے۔[۴] میں نے اپنے منہ کو ہر گز اجازت نہ دی۔''[۵]

بائبل کے عام محاورہ میں مطلق منہ کا لفظ بھی اکثر کلام کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔[۶] اس تشریح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس آیت میں لفظ حکو کے معنی ''اس کا کلام'' ہیں۔

آیت میں دوسرا لفظ ''ممتقیم'' ہے جس کا مادہ متاق ہے اس لفظ کا معنی شیریں چیز کا کھانا شرینی، مٹھائی یا شھد کے ہیں۔[۷] کتاب گنتی میں متقہ ایک مقام اور چشمہ کا نام ہے۔ جو عرب میں واقع ہے اور اس جگہ بنی اسرائیل نے اپنے خروج کے دوران میں قیام کیا تھا۔[۸] زبان عرب میں متاق پانی سے بھرے ہوئے برتن یا چشمہ کو کہتے ہیں پس عبرانی لغت کی بناء پر لفظ ممتقیم کی اس لفظی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ اس کے معنی شہد شیرینی اور چشمہ کے ہیں حکو ممتقیم کے مجموعی معنی ہوں گے ''اس کا کلام شھد ہے۔'' اس کی زبان شرینیوں سے لبریز ہے اس کا منہ ایک شیریں چشمہ ہے۔[۹] تورات کے مذکورہ الفاظ قرآن پاک پر ہر اعتبار سے صادق آتے ہیں کلام پاک کی زبان اس قدر شریں ہے کہ تلاوت کے دوران قاری اور سننے والے پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کائنات میں یہ اعجاز اور خاصیت صرف اور صرف قرآن کریم کو حاصل ہے۔ اور قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اس میں ایسی فصاحت و بلاغت پائی جاتی ہے جو دنیا کے دوسرے کسی کلام کو حاصل نہیں قرآن مجید کی تعریف نہ صرف قرآن میں

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، ایوب: ۲/۳۳، ۱۳/۲۰

[۲] ایضاً، ۱۱/۱۲

[۳] ایضاً، ۳۰/۶

[۴] ایضاً، امثال، ۷/۸

[۵] ایضاً، ۲/۳۱

[۶] ایضاً، امثال، ۱۶/۱۹؛ زبور: ۹/۷۳، یسعیاہ: ۲/۴۹

[۷] ایضاً، ایوب: ۱۰/۲۴

[۸] ایضاً، گنتی: ۲۸/۳۳

[۹] میثاق النبیین، ص: ۳۸۶

موجود ہے بلکہ سیل کارلائل اور دوسرے مستشرقین نے بھی قرآن شریف کی اس خوبی کو تسلیم کیا ہے۔

ممتقیم میں آخر پر یم عظمت اور شان کا ہے یہی وجہ ہے کہ بظاہر ممتقیم جمع کا صیغہ ہونے کے باوجود خود مترجمین بائیبل نے اسے صیغہ واحد میں ترجمہ کیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اس کا کلام اپنی عظمت اور شان کے لحاظ سے شرینیوں کا مجموعہ ہوگا اور وہ دنیا میں ایک ہی کلام ہے جس نے اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ کلام ہونے کا دعویٰ کیا اور فصحاء ملک کے نزدیک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کا معیار قرار دیا گیا۔[1]

''دی کل محمد یم''آیت کے اگلے الفاظ ہیں اور وہ سراپا محمد ﷺ ہے۔ یعنی اس کا کلام نہ صرف شھد یا شریں ہے۔ بلکہ وہ(ﷺ) خود تعریف یا محمد ﷺ ہے۔ لفظ محمد یم کا مادہ ''حمد'' ہے جس کے عبرانی میں معنی تعریف، خوبی اور راحت پہنچانے کے ہیں۔ کل محمد یم میں حضرت سلیمانؑ فرمارہے ہیں کہ میرے محبوب میں تمام خوبیاں موجود ہیں وہ تعریف والا یا محمد ﷺ ہے۔ محمد یم میں 'یم' جمع کی نہیں بلکہ عظمت و شان کی ہے۔[2]

قابل غور بات یہ ہے کہ تورات کی غزل الغزلات میں لفظ محمد یم صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے اور کہیں نہیں۔ تورات کا ترجمہ کرنے والے حضرات نے ہر جگہ ہمیشہ اس لفظ کا ترجمہ ''سراپا عشق انگیز ہے'' کیا ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کسی سے عشق و محبت بھی اس ذات کی خوبیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہونا تو یوں چاہیے تھا کہ تورات کے مترجمین آخر میں 'یم' استعمال ہونے کی وجہ سے اس لفظ کا ترجمہ محمد ﷺ عظیم ہیں ہی کرتے نہ کہ دیگر کسی اور لفظ سے۔ بہر حال تورات میں سرکار دو عالم ﷺ کی ذات مقدسہ کے بارے میں اس سے زیادہ واضح پیشگوئی اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ کا ذاتی اسم مبارک محمد ﷺ اس میں مذکور ہے۔ اس قدر واضح فضیلت اور پیشگوئی کی موجودگی میں حضور ﷺ کی ذات کو تسلیم نہ کرنا ہٹ دھرمی تعصب اور بدقسمتی ہے۔[3]

آیت، زہ دُودِی، حضرت سلیمانؑ نے اپنے محبوب ﷺ کی پہلی نشانی ان کا شریں کلام ہونا دوسری نشانی 'محمد یم' فرما کر سلسلہ کلام ختم نہیں کر دیا بلکہ تیسری نشانی یہ بتائی کہ وہ کس شجرہ نسب سے ہوگا چنانچہ 'محمد یم' کے بعد فرمایا 'زہ دُودِی' زہ کا معنی ہے یہ، جبکہ دودی کا معنی دوست یا محبوب۔ لیکن خصوصیت سے یہ لفظ چچا یا باپ کے بھائی کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ عبرانی اور کلدانی انگریزی لغت میں لکھا ہے:

"A friend specially a father's brother or uncle by a

---

[1] میثاق النبیین، ص:۳۸۶

[2] سیرت سرور کونین ﷺ، ۵۶/۳

[3] میثاق النبیین، ص:۳۸۷

father's side-" [1]

ترجمہ: ایک دوست خاص طور پر باپ کا بھائی یا باپ کی طرف سے چچا۔

اس لفظ کے استعمال میں حضرت سلیمانؑ کا مقصد یہ ہے کہ محمدیم ان کے چچیرے بھائیوں میں سے ہے کوئی غلطی سے میرا محبوب اسرائیلی نہ سمجھ لے یہ ظاہر ہے کہ حضرت سلیمانؑ بنی اسرائیل میں سے تھے اور بنی اسماعیل ان کے چچیرے بھائی ہیں۔اس لحاظ سے یہ پیشگوئی آنحضرت ﷺ کے سوائے دنیا کے کسی اور شخص کے حق میں صادق نہیں آسکتی ان میں دلائل کے ہوتے ہوئے بھی افسوس ہے کہ مسیحی اسے مسیح کے حق میں سمجھ رہے ہیں حالانکہ متی اور لوقا کے بیان کردہ شجر نسب میں مسیح حضرت سلیمانؑ کی اولاد میں سے ہیں اور محمدیم بنی اسماعیل یا چچا کی اولاد سے ہیں۔ محمدیم کو اپنا چچا ظاہر کر دینے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اپنے محبوب کا ایک اور نشان بتایا ہے وی زہ رے عی۔ وی زہ: اور یہ رے عی، اس لفظ کا مادہ رعہ ہے جس کے معنی تورات میں 'ہمسایہ، دوسری شاخ اور نسل انسانی کے دوست' کے ہیں۔[۲] عبرانی کلدانی اور انگریزی لغت کے مطابق:

"A companion, a friend with whom one has intercourse-" [3]

اس لفظ میں حضرت سلیمانؑ نے اپنے محبوب ہمسایہ کے لیے دو نشان بیان کیے ہیں کہ سلیمانؑ کا محبوب ان کا ہمسایہ ہے ملک شام کے ساتھ عرب کا ملک ملا ہوا ہے اس لیے وہ حضرت سلیمانؑ کا ہمسایہ ہے اور دوسرے معنی دوسری قوم یا شاخ اور دوست کے ہیں ظاہر ہے کہ حضرت سلیمانؑ بنی اسرائیلی ہیں اور دوسری قوم اور شاخ اسی سلسلہ کی بنی اسماعیل ہے گویا حضرت سلیمانؑ فرماتے ہیں کہ میرا محبوب بنی اسماعیل ہے یعنی اس کی قوم میری قوم کی ہمسایہ اور وہ ہماری دوسری شاخ میں سے ایک محبوب ہے پیشگوئی کے یہ الفاظ سرکار دوعالم ﷺ کی شان و مقام کو ظاہر کر رہے ہیں۔

حضرت سلیمانؑ کی اس مذکورہ نعتیہ غزل کے آخری الفاظ پیش کرتے ہوئے سلسلہ کلام ختم کر رہا ہوں۔ ان الفاظ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک پیدائشی والے شہر مکہ مکرمہ کا ذکر نہایت حسین انداز میں فرمایا ہے۔

''بنیوت یروشلایم'' (بنیوت، اے بیٹو،)

یہ لفظ عربی محاورہ میں باشندگان یا اہالیان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ''یروشلایم'' معنی عام طور پر شہر یروشلم کے لیے بولے جاتے ہیں جبکہ قواعد زبان کے مطابق اس لفظ کے معنوں میں بہت اختلاف ہے۔ بعض علماء عبرانی اس لفظ کی اصل یروش شلیم قرار دیتے ہیں اور اس کے معنی 'مقبوضہ امن' کرتے ہیں۔ یہ معنی زبان کے قواعد کے لحاظ سے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں یروشلم کے 'ش' پر تشدید ہونی چاہیے تھی جبکہ ایسا نہیں ہے۔ کچھ عبرانی علماء کے نزدیک یروہ کے معنی بنیاد رکھنے

---

[۱] میثاق النبیین، ص: ۳۸۷

[۲] ایضاً، ص: ۳۸۸-۳۸۹

[۳] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، یرمیاہ: ۲۱/۶، ایوب: ۴۲/۱، سموئیل اول: ۲۶/۳۰، ایوب: ۱۱/۲، ۲۱/۱۹، امثال: ۱۷/۲۵

کے ہیں اس لحاظ سے یروشلم کے معنی امن کی بنیاد بنتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس نے تورات کو غور سے پڑھا ہے اچھی طرح جانتا ہے کہ یروشلم دو ہیں۔ایک قریب کا اور دوسرا دور کا یروشلم۔ایک ہاجرہؑ کا یروشلم یعنی قریب والا اور دوسرا سارہؑ کا دوسرا والا یروشلم۔ہمارے اس خیال کی تصدیق پولوس نامہ گلتیوں سے ہو جاتی ہے جس میں وہ لکھتا ہے۔یہ باتیں تمثیلی ہیں۔یہ دو عورتیں دو عہد ہیں۔ایک کوہ سینا کا عہد جو صرف شریعت کے غلام پیدا کرتی ہے۔یہ ہاجرہؑ ہے۔کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے جو یروشلم کا مثل ہے۔اور وہ اپنی اولاد کے ساتھ شریعت کی غلام ہے۔جبکہ دور کا یروشلم شریعت سے آزاد ہے۔وہی ہم سب کی ماں ہے۔[۱]

حضرت سلیمانؑ نے دونوں یروشلم کے اہالیان یعنی بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل یا حضرت سارہؑ کی اولاد اور حضرت ہاجرہؑ کی اولاد دونوں کو مخاطب فرمایا ہے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یروشلم کے معنوں کے لحاظ سے حقیقی یروشلم یا سلامتی اور امن کا گھر کونسا ہے۔پولوس جو کہ عیسائی دنیا کا بڑا ہی بلند پایہ عالم اور سرخیل مانا جاتا ہے نامہ گلتیوں میں تحریر ہے جسے اس کے تمام مذہب حجت تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہؑ کا یروشلم شریعت کا پابند ہے اور یہ دنیا کا یروشلم ہے پولوس کے اس بیان کی روشنی میں معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ امن والا گھر ہو ہی وہ سکتا ہے جو شریعت اور قانون کا پابند ہو۔جہاں کوئی شریعت و قانون ہی نہ ہو وہ گھر امن والا کس طرح ہو سکتا ہے۔پس دنیا میں صرف ایک ہی گھر ایسا ہے یعنی بیت الحرام جو دار السلام کہلانے کا مستحق ہے۔اور مذکورہ پیشگوئی کے مطابق یہ پاک پر امن گھر یروشلم ہے۔جو حجاز مقدس ہاجرہ کا یروشلم ہے۔جو نہ صرف خود دشمنوں سے محفوظ اور سلامتی والا ہے بلکہ جو اس گھر میں داخل ہو گیا وہ بھی امن میں آ جاتا ہے۔[۲]

مذکورہ تشریحات کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ سرور عالم کے متعلق بیسوں پیشگوئیاں انہی محرف اور مبدل کتابوں میں نہایت واضح الفاظ میں موجود ہیں۔جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے اصل کتاب کی تباہی کے باوجود پیشگویوں بشارتوں فضائل وخصائل کو محفوظ رکھا تاکہ وہ ہستی جو انبیاء عالم کی مصدق ہے۔انبیاء عالم کی گواہی میں بھی اس کے حق میں موجود رہے اور ثابت ہوا کہ سلیمانؑ کی پیشگوئی میں ان کے محبوب محمد ﷺ ہی ہیں۔

۹۔حضرت یسعیاہؑ کے صحائف میں سرکار دو عالم ﷺ کا ذکر مسعود ہے آپ کا ذکر کچھ یوں آتا ہے:

"اے جزیروں اور ان کے باشندو! خداوند کے لیے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتاسر اسی کی ستایش کرو، بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداند کا جلال ظاہر کریں،

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، گلتیوں: ۴/۲۴-۲۷

[۲] سیرت سرور کونین ﷺ، ص: ۵۸-۵۹

اور جزیروں میں اس کی ثناخوانی کریں، خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند
اپنی غیرت دکھائے گا، وہ نعرہ مارے گا، ہاں وہ للکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے
گا۔ جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسا کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم
ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے۔"[1]

حضرت یسعیاہؑ کی بیان کردہ اس فضیلت میں نئے گیت سے مراد عبادت کے وہ نئے طریقے ہیں جو شریعت محمدی ﷺ میں پائے جاتے ہیں اور روئے زمین کے آخری حصہ کے باشندوں اور جزیروں، شہروں اور خشکی کے تمام علاقوں کے لیے ان کے عام ہونے سے حضور ﷺ کی نبوت کے عام ہونے کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ بالخصوص لفظ قیدار کی طرف قوی اشارہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ قیدار بن اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں۔[2]

قیدار حضرت اسماعیلؑ کے دوسرے فرزند کا نام جس کی نسل سے اہل قریش تھے۔[3]

"سلع کے بسنے والے گیت گائیں" مدینہ کا نام سابق انبیاء کی کتب میں سلع ہے موجودہ اردو اور عربی ترجمہ میں یہاں سلع کا لفظ ہے اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصل عبرانی میں یہاں لفظ سلع ہی ہے مگر چونکہ سلع کے معنی چٹان کے ہیں، اور بائبل کے مترجمین اکثر مقامات کے ناموں کا بھی ترجمہ کر ڈالتے ہیں، اس لیے انھوں نے اس کی جگہ "چٹان" لکھ دیا۔ اس تحقیق سے یہ فضیلت اور زیادہ قطعی طور پر آنحضرت ﷺ کے حق میں ہو جاتی ہے کیونکہ "سلع" مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو قدیم اہل عرب میں بھی اسی نام سے مشہور تھا۔

قیس بن ذریح[4] جو کہ عرب کا ایک نامور شاعر تھا اس کا شعر ہے:

لَعَمْرُکَ إنَّني لَأُحِبُّ سَلعاً

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، یسعیاہ: ۴۲/۱۰-۱۳، ۱۷

[2] بائیبل سے قرآن تک، ص: ۲۸۶/۳

[3] حضرت محمد ﷺ کی رسالت قدیم مذہبی کتابوں میں، مختار احمد مکی، ماہنامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، یوپی (انڈیا) جون ۲۰۰۱ء، ص: ۳۳/۲۰

[4] قیس بن ذریح اللیثی الکنانی، ملقب بہ مجنونِ لبنٰی (۶۲۵-۶۸۰ء) عربی غزل کا شاعر، دیوانہ مزاج اور حجاز کا رہنے والا تھا۔ قیس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت علي بن ابی طالبؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ کی خلافت (یعنی پہلی صدی ہجری) کا زمانہ پایا۔ ملاحظہ ہو: ألهائمون والمتيمون العرب: قصص وأشعار وحكايات، انطوان وحید نعیم، دار الکتاب العربی بیروت لبنان، ۲۰۱۰ء، طبع اول، ص: ۱۶۷

لِرَؤيتِه وَ مِنْ أَكْنَافِ سَلعٍ[1]

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی سلع کے نام سے مشہور و معروف تھا جب آپؐ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کی بچیاں یہ عربی گیت گا رہی تھیں:

أَشْرَق البَدر عَلَيْنَا

من ثَنِيّاتِ الودَاع

وَجَبَ الشُّكْرعَلَينَا

مَادَعَا الله دَاعٍ

أَيّهَا المَبْعُوثُ فِينَا

جئت بالامر المطاع [2]

ترجمہ: ان پہاڑوں میں سے جو ہیں سوئے جنوب چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا، کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے، شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی، بھیجنے والا تیرا کبریا۔

ثنیات الوداع در حقیقت کوہ سلع ہی کے سلسلہ کی گھائیاں ہیں جن کا آج بھی ہر شخص مدینہ طیبہ میں مشاہدہ کر سکتا ہے یہ حقیقت ہے کہ:

''وَسَلعُ أَيضاً حصْنٌ بِوَادِى مُوسَى عَلَيْه السَّلَام بِقُربِ البَيْت المَقَدّس''[3]

ترجمہ: سلع کے نام سے ایک قلعہ شام کی وادی موسیٰ میں بھی واقع تھا۔

لیکن کئی وجوہ کی بناء پر کتاب یسعیاہ میں بیان ہونے والے سلع سے وہ سلع مراد نہیں ہو سکتا۔ اول اس لیے کہ اس لفظ سلع سے پہلے یہ جملہ ہے کہ ''قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں'' جس سے معلوم ہوا کہ سلع سے مراد وہ سلع ہے جو قیدار کی بستیوں کے قریب ہو۔ قیدار حضرت اسماعیلؑ کے صاحبزادے کا نام تھا اور ان کی اولاد ملک عرب کے بیابان میں آباد تھی جیسا کہ اوپر بشارت میں ذکر ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں سلع سے مراد شام کا کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔

---

(1) مجمع الامثال، احمد بن محمد نیشاپوری، دار المعرفہ بیروت لبنان، ۲۰۱۰ء، ص: ۲/۲۵۵؛ معجم البلدان، یاقوت بن عبداللہ الحموی، دار صادر بیروت، ۱۹۹۵ء، طبع ثانیہ، ص: ۳/۲۳۷،

(2) زاد المعاد، محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیۃ، مکتبۃ المنار الاسلامیہ الکویت، ۱۹۹۴ء، طبع ۱۷، ص: ۳/۴۸۰؛ رحمت اللعالمین ﷺ، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، عبداللہ اکیڈیمی لاہور، ۲۰۱۲ء، ص: ۱/۱۰۶؛ الرحیق المختوم، صفی الرحمٰن مبارک پوری، المکتبہ السلفیۃ لاہور، ص: ۲۴۰

(3) معجم البلدان، ۳/۲۳۷

دوسرا اس لیے کہ بشارت حضرت یسعیاہؑ کے واسطے سے اس باب ۴۲ میں بیان کی گئی ہے اس کا کچھ حصہ پہلے باب میں اس طرح ہے کہ 'کس نے مشرق سے اس کو برپا کیا جس کو وہ صداقت سے اپنے قدموں میں بلاتا ہے۔'[1]

اس جملہ میں کہا گیا ہے کہ وہ نبی مشرق سے مبعوث ہوگا اور مشرق کا لفظ تورات میں عام طور سے ملک عرب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ تیسرا اس لیے کہ اگر سلع سے مراد شام والا سلع ہو تو ظاہر ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہوں گے حالانکہ اس بشارت میں یہ کہا گیا ہے کہ خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا، اس جملہ اور اس کے بعد کے تمام جملے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جس نبی کی بشارت دی جارہی ہے وہ جہاد کرے گا اور اپنے دشمنوں کو تہس نہس کر ڈالے گا اور حضرت عیسیٰؑ نے نہ صرف یہ کہ جنگ نہیں کی بلکہ عیسائیوں کا نظریہ تو یہ ہے کہ انہیں ان کے دشمنوں نے سولی دے دی تھی (معاذاللہ)۔[2]

چوتھا اس لیے کہ اس فضیلت کا آخری جملہ پوری وضاحت کے ساتھ اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ جس نبی کی بشارت دی جارہی ہے، اس کا خصوصی مشن بت پرستی کا استیصال کرنا ہوگا اور اسے زیادہ تر بت پرستوں سے واسطہ پڑے گا۔ حالانکہ عیسیٰؑ کی کم و بیش پوری زندگی یہودیوں کے مقابلے میں گزری ہے۔ بت پرستوں سے آپؑ کو کوئی قابل ذکر واسطہ نہیں رہا۔ اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ نے جو عرب میں مبعوث ہوئے تھے جہاد کے ذریعے دشمنانِ خدا کو ذلیل و خوار بھی کیا اور آپؐ کی مکی زندگی کے تیرہ سال پورے کے پورے بت پرستوں سے مقابلہ کرنے میں صرف ہوئے اور جب آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو پورے جزیرہ عرب میں کوئی ایک بت پرست بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ان ناقابل انکار وجوہ کی بنا پر ان فضائل کے مصداق آنحضرت ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔[3]

اسی طرح ''پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے'' الفاظ اس خاص عبادت کی طرف اشارہ ہے جو حج کے زمانے میں ادا کی جاتی ہے جس میں لاکھوں انسان لبیک اللھم لبیک کی صدا لگاتے ہیں، اور ''جزیروں میں ان کی ثناخوانی کریں'' کے الفاظ اذان کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ لاکھوں کروڑوں انسان دنیا کے مختلف حصوں میں پانچ وقت اونچی آواز سے اذان کہتے ہیں۔ اور 'خداوند بہادر مرد کی طرح نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت دکھائے گا' ان الفاظ سے جہاد کے مضمون کی جانب حسین اشارہ کیا گیا ہے یعنی آپ ﷺ اور آپؐ کے متبعین کا جہاد محض خدا کے لیے اور اسی کے حکم سے ہوگا۔ نفسانی خواہشات کی

---

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، یسعیاہ: ۲/۴۱

(۲) اَرض القرآن، سید سلمان ندوی، دار المصنفین، اعظم گڑھ، انڈیا، ۱۳۳۶ھ، ۵۱/۲

(۳) بائبل اور محمد رسول اللہ ﷺ، ص: ۲۸۰

لذتوں سے خالی ہوگا۔[1]

اس بات سے انکار نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مبعوث ہونے والے تمام انبیاء علیہم السلام کو کفار اور منافقین کی سازشوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن گزشتہ الہامی کتب اور صحائف کے مطابق ان تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفار کے خلاف جنگ کرنے کا حکم کہیں ثابت نہیں ہوتا۔ گزشتہ پیغمبرانِ دین صرف اپنے بچاؤ کی خاطر لڑے۔ لیکن سرورعالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفار و مشرکین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ملا۔ یہی بات ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل نے کفار و مشرکین کی سازشوں کو ایک عرصے تک درگزر کیا لیکن آپؐ کے دور میں کفر شرک کا جڑ سے صفایا کرنے کا حکم آگیا۔[2]

اگلی آیات میں آپ ﷺ کی شریعت کے دائمی اور ابدی ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے پھر ' جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے 'ان الفاظ سے خدا کی جانب وعدہ کیا جارہا ہے کہ بت پرست اور صنم کے پجاری یعنی عرب کے مشرکین اور صلیب کی عبادت کرنے والے قدسیوں کی تصویروں کی پوجا کرنے والوں کو بڑی ذلت ورسوائی نصیب ہوگی۔

پھر وہ وعدہ کیا تھا اس کو پورا بھی فرمادیا، کیونکہ عرب کے مشرکین اور ہرقل، شاہ روم کسریٰ شاہ فارس نے نور محمدی ﷺ کے بجھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ مگر انھیں ناکامی اور رسوائی نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ عرب کا خطہ شرک کے اثر سے پاک ہوگیا، کسریٰ کی سلطنت قطعی اور کلی طور پر پاش پاش ہوگئی اور شام کے عیسائیوں کی حکومت بھی ملیامیٹ ہوگئی۔ بعض ممالک میں برائے نام اثر باقی رہ گیا جیسے ہند سندھ وغیرہ اور توحید کے جھنڈے مشرق سے مغرب تک گڑ گئے۔[3]

لہٰذا کتاب یسعیاہ کی ان آیات کا تفصیلی مطالعے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت یسعیاہؑ کے صحائف میں پڑھنے والوں کے لیے واضح اور بہترین نشانی ہے یہ امر بھی جزوتاریخ بن چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ کس طرح اپنے دشمنوں پر غالب آئے اور کس طرح سے اس فضیلت کی پیشگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ تاریخ اسلام واضح طور پر بتاتی ہے کہ اسلام کے جانباز کس طرح اپنے سپہ سالار اعظم ﷺ کی رہنمائی اور قیادت میں دشمنوں کے مقابلے میں نہایت قلیل تعداد کے باوجود ہر میدان میں کامیاب و کامران رہے۔ چنانچہ یہ تمام آیات حضرت مسیحؑ کے بجائے سید المرسلین ﷺ کے خصائص و فضائل کو بیان کرتیں ہیں۔

---

(۱) بائیبل سے قرآن تک، ۲۸۳/۳

(۲) ذکر رحمۃ العالمین ﷺ، ص: ۹۲-۹۳

(۳) بائیبل سے قرآن تک، ۲۹۰/۳

۱۰۔ کتاب یسعیاہ میں اس کے بعد کچھ اس طرح سے ذکر آیا ہے:

''اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا خوشی سے گا اور زور سے چلا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے۔ اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کر دے ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا۔ دریغ نہ کر۔ اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر اس لیے کہ تو دہنی اور بائیں طرف پڑے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران شہروں کو بسائیگی۔ خوف نہ کر کیونکہ تو پھر پشیمان نہ ہوگی۔ تو نہ گھبرا کیونکہ تو پھر رسوا نہ ہوگی اور اپنی جوانی کا ننگ بھول جائے گی اور اپنی بیوگی کی عار کو پھر یاد نہ کرے گی کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے اس کا نام رب الافواج ہے اور تیرا فدیہ دینے والا اسرائیل کا قدوس ہے۔ وہ تمام روئے زمین کا خدا کہلائے گا۔ کیونکہ تیرا خدا فرماتا ہے کہ خداوند نے تجھ کو متروکہ اور دل آزردہ بیوی کی طرح ہاں جوانی کی مطلوقہ بیوی کی مانند پھر بلایا ہے۔ میں نے ایک دم کے لیے تجھے چھوڑ دیا لیکن رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لونگا۔ خداوند تیرا نجات دینے والا فرماتا ہے کہ قہر کی شدت میں میں نے ایک دم کے لیے تجھ سے منہ چھپایا پر اب میں ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کرونگا۔ کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے کام نہ آئے گا اور جو زبان عدالت میں تجھ پر چلے گی تو اسے مجرم ٹھہرائے گی۔ خداوند فرماتا ہے یہ میرے بندوں کی میراث ہے اور ان کی راست بازی مجھ سے ہے۔'' [1]

ان آیات کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ بانجھ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اس لیے کہ اس مقام پر اسماعیلؑ کے بعد نہ تو کوئی پیغمبر آیا اور نہ وحی نازل ہوئی۔ بخلاف یروشلم کہ وہاں بکثرت پیغمبر آتے رہے اور وحی نازل ہوتی رہی، ''بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد'' سے مراد حضرت ہاجرہؑ کی اولاد ہے کیونکہ ان پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ اس مطلقہ عورت کی طرح تھی جس کو گھر سے نکال دیا گیا ہو اور جنگل میں رہنے لگی ہو، اور اسی وجہ سے اللہ کے اس وعدہ میں جو ہاجرہؑ سے اسماعیلؑ کے حق میں کیا گیا تھا، یہ الفاظ کہے گئے تھے ''وہ گور خر کی طرح آزاد مرد ہوگا'' جیسا کہ کتاب پیدائش باب سولہ میں صاف لکھا ہے اسی طرح ''شوہر والی کی اولاد'' سے مراد حضرت سارہؑ کی اولاد ہے۔ [2]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ مکہ کی زمین کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں شکریہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ حضرت ہاجرہؑ کے خاندان کے اکثر افراد کو سارہؑ کے افراد پر ترجیح دی گئی ہے۔ مکہ کو بھی دوسرے مقدس شہروں پر ترجیح دی گئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہاجرہؑ کے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا۔ اسے اس طریقہ سے پورا کیا گیا کہ اس نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا کہ جو کہ حضرت ہاجرہؑ کے بچوں میں سے آخر الزماں نبی ﷺ ہو گزرے ہیں۔ یہ آیت انہی کے لیے نازل کہی گئی تھی اور الفاظ لوہار اور

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، یسعیاہ: ۵۴/۱-۸، ۱۶

[2] بائیبل سے قرآن تک، ۳/۲۹۳

تباہ و برباد کر دینے والا جو اپنے دشمنوں پر غالب آئے۔انہی کے لیے استعمال کیے گئے تھے۔[1]

مکہ دنیا کے تمام مقدس مقامات میں سب سے زیادہ سر فرازی اور احترام رکھتا ہے۔ جہاں ہر سال لاکھوں لوگ فریضہ حج ادا کرنے جاتے ہیں۔ یروشلم کو اپنی تاریخ میں صرف دو مرتبہ ایسا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ایک دفعہ اس وقت جب حضرت سلیمانؑ نے اس کی عمارت کو مکمل کیا اور دوسری مرتبہ اس وقت جب حضرت یسعیاہ نے اپنی عہد حکومت کے اٹھارویں سال اتفاقاً عہد عتیق کا ایک نسخہ تلاش پایا تھا۔[2]

خدا نے اگر چاہا تو مکہ کی یہ تعظیم قیامت تک باقی رہے گی۔ جیسا کہ خدا کا وعدہ ہے کہ تو نہ گھبرا کیونکہ تو پھر رسوا نہ ہو گی اور رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لوں گا اور ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کروں گا۔

دنیا کو معلوم ہے کہ مکہ کے فرزندوں نے مشرق و مغرب پر حکومت کی۔اور بائیس سال کے قلیل عرصہ میں زمین کے ایک بڑے حصہ پر اپنی فتوحات کے پرچم لہرائے اور ویران زمینوں کو آباد کیا، غور فرمایئے اس قسم کا غلبہ اور تسلط عہد حضرت آدمؑ سے حضرت محمد ﷺ کے زمانے تک اتنی قلیل مدت میں کسی شخص کے لیے سنا نہیں۔اللہ کے اس فرمان کا ثمرہ ہے کہ ''تیری نسل قوموں کی وارث ہو گی اور ویران زمینوں کو بسائے گی''اسلامی سلاطین نے ہمیشہ کعبہ اور مسجد حرام کی تعمیر و آرائش میں جان توڑ کوششیں کیں۔اللہ تعالیٰ کا یہ عہد تھا کہ آئندہ کے لیے اسماعیلؑ کی اولاد کو کسی قسم کا خوف نہ ہو گا۔اور یہ کہ ان پر مہربان ہو گا اور انھیں دشمنوں اور مصائب سے محفوظ رکھے گا وہ ان سے ناراض نہیں ہو گا۔انھیں ہمیشہ کے لیے صاحب اقبال بنائے گا اور ان سے ہمدردی کرے گا وہ صلح و امداد کے عہد پر ثابت قدم رہے گا۔[3]

خدا نے جو وعدہ اپنے اس کلام میں فرمایا تھا کہ کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے گا کام نہ آئے گا۔اس وعدے کو اس طرح پورا کیا کہ مخالفین میں سے جو شخص بھی اس کی مخالفت کے لیے کھڑا ہوا خدا نے اس کو ذلیل کر دیا۔

اصحاب فیل کو دیکھ لیں جو ہاتھیوں پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کی تباہی کے لیے آئے تھے۔ابراہہ نے یمن میں کلیسا کی تعمیر کی وہ چاہتا تھا کہ عرب کے لوگ حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جانے کے بجائے یمن آکر اس گرجا گھر کا حج کیا کریں۔جب اس کی خواہش پوری نہ ہوئی تو جذبہ انتقام کے تحت خانہ کعبہ منہدم کرنے کا ناپاک جذبہ پیدا ہوا اور ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوا۔عجیب ماجرہ پیش آیا۔اس کے وزیر نے جب مافوق العادت معجزات کو غور سے دیکھا کہ ہاتھی مرتے جاتے ہیں اور اس کی فوج پر خطرناک مصائب نازل ہو رہے ہیں تو اس صورت حال سے شاہِ ایبے سینیا (نجاشی) کو آگاہ کرنے کے لیے اس کے پاس

---

[1] بائبل سے قرآن تک، ص:۲۹۴/۳

[2] اسلام اور دنیا کے مذاہب، جی۔این۔امجد، مفید عام کتب خانہ لاہور، ص:۲۹۵- ۲۹۶

[3] ایضاً، ص:۲۹۶

بھاگتا ہوا گیا۔ لیکن ایک پرندہ تمام راستے میں اس کے سر پر منڈلاتا اور تعاقب کرتا رہا۔ وہاں پہنچ کر اس نے جونہی اپنی کہانی کو ختم کیا۔ اسی وقت اس پرندے نے ایک کنکری اس کے سر کے اوپر پھینک دی اور وہ اسی وقت اسی جگہ ہلاک ہو گیا۔[1]

الغرض اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے بھی مکہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کی فضیلت اور عظمت پوری طرح نمایاں ہوتی ہے۔

۱۱۔ حضور ﷺ کی فضیلت کتاب یسعیاہ میں اس طرح سے بیان ہوئی ہے:

> "اٹھ منور ہو کیونکہ تیرا نور آگیا ہے اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا۔ کیونکہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیری امتوں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمایاں ہوگا۔ اور قومیں تیری روشنی کی طرف آئیں گی اور سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف دیکھ۔ وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں اور وہ تیرے پاس آتے ہیں۔ تیرے بیٹے دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیوں کو گود میں اٹھا کر لائیں گے تب تو دیکھے گی اور منور ہو گی ہاں تیرا دل اچھلے گا اور کشادہ ہوگا۔ کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آکر تیرے گرد بے شمار ہوں گی، وہ سب سبا سے آئیں گے سونا اور لوبان لائیں گے اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا۔"[2]

کتاب یسعیاہ کے اس باب کی ان آیات میں مکہ معظمہ کو خطاب ہے اور اس کو روشن اور منور ہونے کی بشارت ہے نور اور روشنی سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا نور یا قرآن کا نور مراد ہے صدہا سالوں سے جو زمین پر کفر اور شرک اور گمراہی کی ظلمت اور تاریکی چھائی ہوئی تھی وہ آپؐ کی نبوت اور قرآن کے نور سے ختم ہو گئی۔ امیر و فقیر اور بادشاہ اس نور کے طلوع کی تجلی میں جلنے لگے۔ رفتہ رفتہ وہ نور زمین کے چاروں طرف پھیلنے لگا اور مختلف قبائل اس نور کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔ اور لاکھوں مسلمان پیدل اور سوار، امیر اور غریب حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ میں جمع ہوں گے اور بے شمار اونٹوں اور سانڈنیوں کی قطاریں

---

[1] اظہار الحق، ص: ۲۹۵/۳

[2] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، یسعیاہ: ۱/۶۰-۷

مکہ معظمہ پہنچنے لگیں اور اونٹوں کی افراط جس قدر عرب اور مکہ معظمہ کے اطراف اور نواح میں ہے وہ زمین کے کسی خطہ میں نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنااور تعریف بیان کرنے والے خانہ کعبہ کے گرد جمع ہوں گے اور روئے زمین کے سلاطین اہل اسلام خانہ کعبہ اور اہل مکہ کے لیے لاکھوں درہم ودینار کے ہدایا بھیجیں گے۔ [1]

مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے جو قطورا کے بطن سے ہے اور شہر مدائن انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔اور قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے کا نام ہے۔ جیسا کہ تورات کی کتاب پیدائش [2] میں صراحۃً مذکور ہے۔اور اہل مداین اور نواحی سباسب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں جو مشرف بااسلام ہوئے اور ہر سال اونٹوں اور سانڈنیوں پر سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور جن کی حمد و ثناء اور لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک کی آوازوں سے دشت و بیاباں گونجنے لگتے ہیں اور قیدار کی ساری بھیڑیں وہاں جمع ہو جاتی ہیں اور نبیط [3] سے عرب شرقی و شمالی کے قبائل مراد ہیں۔اور مطلب یہ کہ سبایعنی یمن کے قبائل اور قیدار کی بھیڑیں یعنی قریش کے وحشی لوگ اور نبیط کے مینڈھے یعنی موٹے اور فربہ آدمی ہر طرف سے خدا کی تسبیح و تہلیل اور تمجید و تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ [4]

''میں اپنے شان و شوکت کے گھر کو بزرگی بخشوں گا''۔اس کو بزرگی بخشنے کا یہی مطلب ہے کہ تمام دنیا میں اس گھر کا بول بالا رہے گا۔اس کی بزرگی کا یہ عالم ہے کہ آج تک فاتح اقوام نے اس کو فتح نہیں کیا۔اس کی عظمت و بزرگی کا یہ عالم ہے کہ تمام دنیا کے کسی عبادت خانہ پر اتنا اجتماع نہیں ہوتا جتنا کہ بیت اللہ میں حج کے ایام میں ہوتا ہے۔یہ تمام باتیں اس کی بزرگی، عظمت اور شان و شوکت کا برملا اظہار کرتی ہیں۔یروشلم یابیت المقدس پر ہرگز یہ الفاظ صادق نہیں آتے کیونکہ یسعیاہؑ سے لے کر آج تک اسے جلال نہیں بخشا گیا بلکہ یروشلم بارہا مرتبہ برباد ہوا۔اسے آگ لگائی گئی۔پس حقیقت یہی ہے کہ شوکت کا گھر خانہ کعبہ یعنی بیت اللہ ہی ہے ۔ [5]

اس طرح اس پیشن گوئی کا ایک ایک حرف پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر صادق آتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر ان عبارات کے اشارات کو دیکھا جائے تو اس سے جو مطلب واضح ہوتا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ سرزمین عرب میں ایک نبی ہوں گے جو لوگوں کو راہ ہدایت دکھائیں گے۔قیدار اہل قریش کی ساری حشمت خاک میں مل جائے گی۔سرزمین عرب ہی نہیں اس کے

---

[1] سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، محمد ادریس کاندھلوی، ۵۸۴/۲

[2] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، پیدائش: ۲۵: ۱، ۲، ۱۳

[3] نبیط حضرت اسماعیلؑ کے ایک فرزند کا نام ہے۔(سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، محمد ادریس کاندھلوی، ص: ۵۸۵/۲)

[4] سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، ۵۸۵/۲

[5] آخری نبی اور تورات موسوی، بشیر احمد جالندھری، بشیر احمد لائل پوری ناظم مکتبہ محمودیہ شور کوٹ روڈ ضلع جھنگ، باراول، ص: ۴۵۱

ساتھ دور دور تک پیغام حق پہنچے گا۔ لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہوں گے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا جائے گا۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو گی۔ دنیا کے کونے کونے سے زائرین آئیں گے۔ فریضہ حج ادا کریں گے اور اللہ کی راہ میں جانوروں کی قربانی دیں گے اور تمام دنیا میں خانہ کعبہ کا بول بالا رہے گا۔

۱۲۔ حضرت یسعیاءؑ نے نبی کریم ﷺ کی ایک اور فضیلت کا ذکر اس طرح سے فرمایا ہے:

"داؤد کے تخت پر اور اس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت اور صداقت سے اسے قیام بخشے گا۔ رب الافواج کی غیوری یہ کرے گی۔"[1]

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت داؤدؑ کا تخت شاہی مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور یہ تخت ابد تک ان شاءاللہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہی رہے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس پیشگوئی میں داؤدؑ کا تخت اضافت کے ساتھ شان و شوکت اور پر شکوہ حکومت و تخت کے اظہار کے لیے بھی استعمال ہوا ہو۔ کیونکہ جس طرح حضرت داؤدؑ شب و روز دشمنوں کی شرارتوں اور دکھ و تکالیف کی وجہ سے ہجرت پر مجبور ہوئے اور بعد میں آپؑ اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے ایک فاتح کی حیثیت سے زبردست سلطنت کے مالک کی حیثیت سے ان دشمنی کرنے والوں کے ہی حکمران بنے۔[2]

اسی طرح سرکار دوعالم نبی کریم ﷺ کو بھی مکہ مکرمہ میں آپؐ کے قبیلے والوں اور دیگر مشرقین نے بڑی تکلیفیں اور دکھ پہنچائے یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی اللہ کے حکم سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد ہی ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے جانی دشمنوں پر اس شان و شوکت سے فاتح بن کر غالب آئے جس کی مثال تاریخ عالم میں نہ پہلے کبھی تھی اور نہ ہی قیامت تک ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے جس اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی اللہ کے فضل و کرم سے اب تک قائم ہے اور قیامت تک اسی طرح روز بروز ترقی کی منازل طے کرتی قائم رہے گی۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ بنی اسرائیل میں آج تک کوئی ایسا موعود پیدا نہیں ہوا جو مذکورہ صفات کا حامل ہو یہ تمام صفات سرکار دوعالم ﷺ کی ذات مقدسہ میں ہی پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ ہی سب قوموں کے روحانی باپ ہیں اور سلطنت و حکومت کے اعتبار سے تخت داؤدؑ کے وارث ہیں۔

انجیل میں آنحضرت ﷺ کے فضائل کا تذکرہ

۱۔ کتاب متی میں بیان کی گئی فضیلت کے مطابق:

"آسمان کی بادشاہت اس گھر کے مالک کی مانند ہے جو سویرے نکلا تا کہ اپنے انگوری باغ میں مزدور لگائے۔ اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انہیں باغ بھیج دیا

---

[1] کتاب مقدس عہد نامہ قدیم، یسعیاہ: ۹/۷

[2] سیرت سرور کونین ﷺ، ۶۸/۳

پھر وہ دن چڑھنے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا اور ان سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ جو واجب ہے تمہیں دوں گا پس چلے گئے پھر اس نے دوپہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے انہوں نے اس سے کہا اس لیے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اس نے ان سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ جب شام ہوئی تو باغ کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک انہیں مزدوری دے دے اور جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو انہیں ایک دینار ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے انہیں ہمارے برابر کر دیا جنہوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا جو تیرا ہے اٹھا لے چلا جا میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس سے پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال کو جو چاہوں سو کروں یا تو اس لیے کہ میں نیک ہوں بری نظر سے دیکھتا ہے اسی طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر۔ ''[1]

گھر کے مالک سے رب العزت مراد ہے اور انگور کے باغ سے دین الٰہی مراد ہے اور مزدوروں سے امتیں مراد ہیں اور مزدوروں کی وہ جماعت کہ جس نے سب سے آخر میں ایک گھنٹہ کام کیا ہے یہ رسول اللہ ﷺ کی امت ہے جو سب سے اخیر میں تھی اور سب سے اول ہو گئی چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلاَةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ ، أُوتِىَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا ، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ، ثُمَّ أُوتِىَ أَهْلُ الإِنْجِيلِ الإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا إِلَى صَلاَةِ الْعَصْرِ ، ثُمَّ عَجَزُوا ، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ أَىْ رَبَّنَا أَعْطَيْتَ هَؤُلاَءِ قِيرَاطَيْنِ

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، متی: ۲۰/۱-۱۶

قِيرَاطَيْنِ ، وَأَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلاً ، قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ قَالُوا لاَ ، قَالَ فَهْوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ))[1]

ترجمہ: تمہارا دنیا میں رہنا بمقابلہ امم گذشتہ ایسا ہے جیسا نماز عصر سے غروب شمس تک تورات والوں کو تورات دی گئی کام کرنا شروع کیا جب دوپہر ہوئی تو تھک گئے کام پورا نہ کر سکے ایک ایک قیراط ان کو دیا گیا پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی نماز عصر تک کام کیا پھر تھک گئے ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا پھر ہم کو قرآن کریم دیا گیا ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے تو تورات اور انجیل والوں نے یہ کہا کہ اے پروردگار آپ نے ان کو دو دو قیراط دیے اور ہم کو ایک ایک حالانکہ ہمارا عمل زیادہ ہے اللہ عزوجل نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری اجرت میں کچھ کمی کی ہے؟ کہا نہیں، پس فرمایا رب العزت نے یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔

انجیل متی کی سولھویں آیت کا یہ جملہ کہ "اسی طرح آخر اول ہو جائیں اور اول آخر" بالکل اس کے مطابق حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

((نحن الآخرون السابقون))[2]

ترجمہ: ہم ہی اول و آخر ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے امت محمدی سب سے اخیر میں مگر دخول جنت میں حق تعالیٰ شانہ کے فضل سے سب سے مقدم ہیں۔ یہ امت سب سے آخر میں آئی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کی فضیلت وشان کی وجہ سے اس امت کو جنت میں سب سے پہلے داخل کریں گے۔

۲۔ تورات میں جس طرح حضور ﷺ کے فضائل کا ذکر موجود ہے اسی طرح عہد نامہ جدید میں بھی آنحضرت ﷺ کے فضائل وکمالات کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ:

"جو غالب آئے اور جو میرے کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے میں اسے قوموں پر اختیار دوں گا اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا جس طرح کہ کمہار کے

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب من ادرک رکعۃ من العصرقبل الغروب، حدیث نمبر:۵۵۷، ص:۹۳

[2] ایضاً، کتاب التعبیر، باب النفخ فی المنام، حدیث نمبر:۷۰۳۶، ص:۱۲۱۳

برتن چکنا چور ہو جاتے ہیں چنانچہ میں نے بھی ایسا اختیار اپنے باپ سے پایا ہے اور میں اسے صبح کا ستارہ دوں گا جس کے کان ہوں وہ سنے کہ روح کلیساؤں سے کیا فرماتا ہے۔''[1]

اس پیشن گوئی میں غالب جس کو تمام امتوں پر قوت اور تسلط عطا کیا گیا، اور جس نے لوہے کی لاٹھی سے ان کی نگرانی کی حضور ﷺ ہی ہیں۔ آپ ﷺ غالب ہونے کے لیے آئے مغلوب ہونے کے لیے نہیں، لہٰذا حضورؐ تمام امتوں پر غالب رہے اور آپ کا دین، اسلام تمام ادیان پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کتاب لاریب کے لحاظ سے بھی اور لوہے کے عصا یعنی تلوار کے ذریعے سے بھی تمام امتوں پر قوت اور تسلط عطا کیا اور آپؐ نے ہی لوہے کی لاٹھی یعنی تلوار سے ان کی نگرانی کی۔[2]

مشہور کاہن سطیح [3] نے آپؐ ہی کو اس کا مصداق ٹھہرایا تھا منقول ہے کہ شب ولادت میں کسریٰ نوشیرواں کا ایوان پھٹ گیا، اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے، نیز فارس کی آگ بجھ گئی، جو ایک ہزار برس سے کبھی نہیں بجھی تھی اور موبذان [4] نے خواب میں دیکھا کہ بڑے بڑے قوی اونٹ عربی اونٹوں کو لیے جا رہے ہیں اور دریائے دجلہ کو پار کر کے اس کے قریبی شہروں میں پھیل گئے۔ ان مسلسل واقعات کے پیش آنے پر کسریٰ نے بدحواس اور خوف زدہ ہو کر عبدالمسیح کو سطیح کاہن کے پاس بھیجا جو شام میں مقیم تھا۔ عبدالمسیح جب اس کے پاس پہنچا تو وہ مرض الموت میں مبتلا تھا اس نے سطیح کو تمام واقعات سنائے اس کا جواب سطیح نے یہ دیا کہ جب تلاوت کی کثرت ہو، لاٹھی والا ظاہر ہو جائے سادہ چشمہ خشک ہو جائے اور فارس کی آگ بجھ جائے تو اس کے بعد اہل فارس کے لیے بابل میں قیام کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ سطیح کے لیے شام میں کسی خواب گاہ کی، اہل فارس میں آئندہ چند روز مرد و عورت بادشاہ ہوں گے جو کنگروں کے شمار کے مطابق ہوں گے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ پھر سطیح کی روح قفس عنصری سے جدا ہو گئی عبدالمسیح نے واپس آ کر نوشیرواں کو سطیح کی تعبیر سے مطلع کیا تو کسریٰ کہنے لگا کہ چودہ بادشاہوں کی بادشاہت کے لیے بڑا طویل بہت عرصہ درکار ہے۔[5]

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، یوحنا عارف کا مکاشفہ، ص: ۲/۲۶-۲۹

[2] بائیبل اور محمد رسول اللہ ﷺ، ص: ۲۹۶

[3] سطیح کاہن کا اصل نام ربیع بن ربیعہ تھا جس کا تعلق شام کے قبیلہ غسان سے تھا (السیرۃ النبویۃ، اسماعیل بن عمر ابن کثیر، دار المعرفۃ بیروت لبنان، ۱۹۷۶ء، ۱/۲۱۵

[4] موبذان موبذ، کا مطلب عالم العلماء ہے فارس کا بہت بڑا حکیم اور عالم گزرا ہے اور قاضی القضاۃ تھا (تاریخ الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر، دار القلم بیروت لبنان، ۱۹۹۶ء، ۱/۷۰)

[5] تاریخ الیعقوبی، ۱/۱۰۷؛ السیرۃ النبویۃ، اسماعیل بن عمر بن کثیر، ۱/۲۱۵

مکاشفہ کی اس بشارت میں صبح کے ستارہ کا مصداق قرآن کریم ہے۔ ''تھواتیرہ کے کلیسا کے فرشتہ کو یہ لکھ۔''[۱]

تھواتیرہ(Thyaria)روم میں استنبول کے قریب صوبہ ملکدینیہ کے قریب ایک شہر تھا،''یہ پیغام تھواتیرہ کے کلیسا کو لکھ'' سے مراد یہی ہے کہ آپ ﷺ کی حکومت تھواتیرہ تک جا پہنچے گی اور یہ کام خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ہی ہو گیا کہ مسلمانوں کی حکومت تھواتیرہ تک جا پہنچی۔ لہٰذا یہ پیشگوئی حضرت محمد ﷺ کے حق میں صریح ہے۔

۳۔ آپ ﷺ کی فضیلت عالیہ میں آپ کی صفت صادق والامین ہونا بھی ہے جس کا ذکر انجیل میں موجود ہے:

''پھر میں آسمان کو کھلا دیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور جو اس پر سوار وہ امین اور سچا کہلاتا ہے۔ اور وہ صداقت سے عدالت کرتا اور لڑتا ہے اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کے مانند اور اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے اور اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور قوموں کے مارنے کے لیے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے اور وہ لوہے کے عصاء سے ان پر حکومت کرے گا۔ اور قادر مطلق خدا کے سخت غضب کی مئے کے حوض میں انگور روندے گا۔ اور اس کی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند۔''[۲]

عربی بائبل سے یہ پشین گوئی اس طرح بیان کی جاتی ہے:

''ثم رأیت السماء مفتوحة، وإذا فرس أبیض والجالس علیه یدعی أمیناوصادقا وبالعدل یحکم ویحارب وعیناه کل هیب نار وله إسم مکتوب لیس أحدیعرفه إلا هو۔۔۔ إسمه کلمة الله والاجناد الذین فی السماء کانوا یتبعونه علی خیل بیض وعلیٰ فخذه إسم مکتوب ملک اللوک و رب الارباب[۳]

ترجمہ: (مقدس یوحنا نے روح القدس کی تائید سے ہمیں بتایا کہ اس آنے والے فارقلیط کی ذیل صفات ہوں گی) پھر میں آسمان کو کھلا ہوا دیکھوں گا، جس سے سفید گھوڑے پر سوار ایک شخص ظاہر ہو گا، اس کا نام صادق اور امین ہو گا۔ وہ عدل کی حکومت قائم کرے

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، یوحنا عارف کا مکاشفہ، ص: ۱۸/۲

[۲] ایضاً، ص: ۱۹/۱۱-۱۶

[۳] الکتاب المقدس، عہد نامہ جدید، جمعیة الکتاب المقدس بیروت لبنان، ۱۹۹۳ء، طبع دوم، رؤیا یوحنا اللاهوتی،: ۱۹/۱۱-۱۶؛ (نیز دیکھیے: الاسلام ورسولہ فی التوراة والانجیل، الشھید الشیخ محمد جان وھبی ابوجودة، دار الھادی تہران، ۱/۳۰

گا اور جہاد کرے گا۔ اس کی آنکھیں گویا آگ ہوں گی۔ اس کا ایک نام ہے جسے اس کے سوا
کوئی نہیں جانتا۔ اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے۔ آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اس
کے پیچھے پیچھے ہیں۔ اس کی ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے کہ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں
کا خداوند۔

"اس کا نام صادق الامین ہو گا"۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی صفت صادق اور امین اس قدر مشہور و معروف ہے کہ اس کا انکار تو سخت سے سخت مخالفین کو بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ اعلان نبوت سے بھی پہلے لوگوں میں آپ صادق اور امین مشہور تھے۔

"آنے والا مجاہد ہو گا اس کی سواری سفید گھوڑا اور اس کا ہتھیار تلوار ہو گی" رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی بت پرستوں، کفار، یہود و نصاریٰ سے لڑتے ہوئے گذری۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "انا الرسول بالسیف" مجھ کو اللہ نے لوہے کا عصا دے کر بھیجا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں ۸۶ جنگیں لڑیں۔ سفید گھوڑے پر سوار ہاتھ میں تلوار لیے ۲۷ جنگوں میں بنفس نفیس شریک ہوئے اور قبائل در قبائل اور امتیں ان کے سامنے زیر ہوتی رہیں۔

"اس کا ایک نام ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا" تاریخ سے یہ بات ثابت ہے اور عرب کا پورا لٹریچر اس بات سے خالی ہے حضور ﷺ سے پہلے کسی کا نام محمد ﷺ یا احمد ﷺ رکھا گیا ہو۔ بائیبل کا ایک ایک ورق کنگالیے، قوموں کے احوال پڑھیے، کسی کا نام آپ محمد یا احمد نہ پائیں گے، یہی مراد تھی کہ اس کے سوا اس کا نام کوئی نہیں جانتا۔ آپ کی پیدائش سے پہلے کسی کو اس نام کا علم نہ تھا، اور آپ کے بعد محمد یا احمد یا پھر غلام احمد نام کے اتنے لوگ گذرے اور موجود ہیں کہ شمار کرنا مشکل ہے۔

"اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے۔" اس کا نام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ "آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔" رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتوں کی فوج نازل فرماتا۔ جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اسلامی جنگوں میں فرشتوں کا نزول تواتر سے ثابت ہے۔

"اس کی ران پر یہ نام لکھا ہو گا بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند"، ران پر لکھا ہوا نام رسول اللہ ﷺ کی مہر نبوت ہے۔ "خداوندوں کا خداوند" سے کیا مراد ہے؟ بائیبل کا مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کا اطلاق بائیبل میں بکثرت مخدوم اور معلم کے معنی میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک نام بھی خدا نہیں۔ قرآن کریم میں خدا کا لفظ ثابت نہیں۔ حدیث مبارکہ میں خدا کا لفظ نہیں اور خود بائیبل میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام خدا نہیں۔ محض ترجمہ کرتے ہوئے لفظ خدا کے لے لیا گیا۔ بائیبل میں عام انسانوں اور انبیاء کے لیے لفظ خدا یا خداوند بکثرت ملتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سب انبیاء الٰہ ہیں۔ کیوں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ظاہر ہے ان کے لیے خدا یا خداوند کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ مخدوم، معلم اور ہادی تھے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے خداوندوں کے خداوند ہونے میں کوئی قباحت نہیں۔ مراد یہ

ہو گی کہ رسولوں کا رسول نبیوں کا نبی، اماموں کا امام ہادی اعظم سید ولد آدم۔ دوسرے معنٰی میں تمام بن نوع آدم سے افضل و مکرم ہونے پر دلالت ہے۔

''اس کی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہے۔'' اس سے مراد مہر نبوت آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ثبت تھی جس سے کستوری جیسی خوشبو مہکتی تھی۔ وہ کندھے کی نرم ہڈی کے پاس جمع شدہ گوشت تھا جس پر سیاہ موکوں جیسے تل تھے نیز وہ کبوتری کے انڈے جیسی تھی۔ اکثر اہل کتاب صحابہ نے دیگر نشانیوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس مہر نبوت کو دیکھنے کا مطالبہ کیا اور دیکھتے ہی ایمان لے آئے۔ حضرت سلمان فارسی جو پہلے مجوسی تھے، پھر عیسائی پادری بنے حتیٰ کہ مسلمان ہوئے، حضرت سلمان فارسیؓ نے بھی آخری نشانی کے طور پر مہر نبوت کو دیکھا اور ایمان لائے اور یہ نشانی انہیں وقت کے سب سے بڑے پادری نے بتائی تھی۔ [1]

۴۔ انجیل برنا باس میں آپ ﷺ کی فضیلت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تحقیق چاند اس کو اس کے بچپن میں سلانے کے لیے لوریاں دے گا اور وہ جب رسول بڑا ہو گا تو اس چاند کو اپنی دونوں ہتھیلیوں سے پکڑے گا۔'' [2]

اس عبارت میں رسول عربی ﷺ کے دو کمالات کی طرف اشارہ ہے۔ ایک بچپن سے متعلق ہے کہ جب آپ ﷺ مہد میں تھے تو چاند آپ کے ہاتھوں کے اشارے پر رقص کرتا تھا۔ اور جدھر آپ ﷺ کے ہاتھ مائل ہوتے تھے چاند بھی ادھر ہی جھک جاتا تھا۔ اور چاند آپ ﷺ کا دل بہلانے کے لیے آپ کے ساتھ گفتگو بھی کرتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول مکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے پر آپ کی اس امارت نبوت اور دلیل رسالت نے مجبور کیا جو میں نے آپ ﷺ کے بچپن میں دیکھی تھی:

''رأیتک فی المهدتناغی القمروتشیرإلیه باصبعک فحیث أشرت إلیه مال قال إنی کنت أحدثه و یحدثنی و یلحینی عن البکاء وأسمع و جبته حین یسجد تحت العرش'' [3]

ترجمہ: میں نے آپ کو پنگھوڑے میں دیکھا کہ آپ ﷺ چاند کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے تھے پس جس جگہ آپ ﷺ اشارہ

---

[1] بائبل اور محمد رسول اللہ ﷺ، ص: ۳۰۴

[2] انجیل برنا باس، (مترجم: مولانا محمد حلیم انصاری)، ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۳ء، بار اول، ص: ۸۳/۲۴-۲۶

[3] دلائل النبوۃ، احمد بن حسن ابو بکر بیہقی، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۱۹۸۸ء، طبع اول، ۱/۳۷۴

کرتے تھے وہ ادھر ہی مائل ہو جاتا آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں اس سے گفتگو کرتا تھا اور وہ مجھ سے بات چیت کرتا تھا اور مجھے رونے سے باز رکھتا تھا۔ اور میں اس کے عرش خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہونے پر سجدے سے پیدا ہونے والی آواز کو سنتا تھا۔

اس روایت کو بیہقی نے نقل کیا ہے اور صابونی نے اپنی "مائتین" میں اور خطیب وابن عساکر نے اپنی اپنی تاریخ میں اور صابونی نے کہا ہے کہ اگرچہ سند و متن کے اعتبار سے غریب ہے مگر معجزات میں ایسی روایات حسن اور قابل قبول ہوا کرتی ہیں۔[۱]

دوسرا کمال اور اعجاز جس کی طرف انجیل بارناباس کی یہ عبارت اشارہ کرتی ہے۔ وہ شق القمر والا معجزہ ہے جو مشہور و معروف ہے۔ سرور عالم ﷺ کے اشارہ سے چاند کا دولخت ہونا قربِ قیامت کی علامت ہے۔ الغرض احادیث وروایات اور کلام مجید میں بھی سید عرب وعجم ﷺ کے یہ دونوں کمال منقول ہیں اور انجیل میں بھی جس سے آپ کا برحق نبی ہونا اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنا اور ان کی بیان کردہ علامات پر پورا اتر کر ان کا تصدیق کنندہ ہونا واضح ہے۔

۵۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی زبانی آنحضرت ﷺ کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہیں:

"اور آدھی رات کی نماز کے بعد شاگرد یسوع کے قریب گئے تب یسوع نے ان سے کہا کہ یہی رات مسیار سول اللہ کے زمانے میں سالانہ جوبلی ہوگی جو کہ اس وقت ہر سو برس پر آتی ہے۔ اس لیے میں نہیں چاہتا ہوں کہ ہم سو رہیں بلکہ یہ کہ ہم سو مرتبہ اپنے سر کو جھکاتے ہوئے نماز پڑھیں اپنے قدیر رحیم محبوب کے لیے سجدہ کریں جو کہ ابد تک مبارک ہے۔"[۲]

۶۔ اسی طرح ایک مقام پر ہے:

"ہمیں اللہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے ہم کو اس رات میں ایک بڑی رحمت عطا کی ہے کیونکہ وہ اس زمانہ کو پھر واپس لایا جس کا اس رات میں گزرنا لازم ہے اس لیے کہ تحقیق ہم نے یک جہتی کے ساتھ رسول اللہ کے ہمراہ دعا مانگی اور تحقیق میں نے اس کی آواز سنی۔"[۳]

---

[۱] الخصائص الکبریٰ، ۱/۵۳

[۲] انجیل برناباس، ۳/۲۴-۲۶

[۳] ایضاً، ص: ۱/۴

ان دونوں عبارات سے حضرت مسیحؑ کے نزدیک شب میلاد رسول اللہ ﷺ کی رفعت و عظمت نمایاں ہے کہ وہ اس میں نیند کو نامناسب سمجھتے ہیں بلکہ عبادات کر کے زیادہ سے زیادہ برکات اور فیوض حاصل کرنے کے درپے ہیں اور اپنے حواریوں کو بھی اسی امر کی تلقین فرماتے ہیں۔ کہ جس رات کی برکات سے ایک عظیم نبی ورسول خود بھی متمتع ہونے کا متمنی ہے اور اپنے خواص کو بھی تلقین کر رہا ہے۔اس پیغمبر آخرالزماں ﷺ کے امتی کہلانے والے اس میں غفلت کی نیند سوئیں اور اس میں عبادت وریاضت کو بدعت قرار دیں تو اس سے بڑھ کر محرومی وبدنصیبی کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے نیز ابھی حضور اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی نہیں تھی تو اس رات سے برکت حاصل کرنا درست تھا تو جب ولادت ہو چکی اور وہ رات اس عظیم فضیلت سے بہرہ ور ہو چکی تو اب برکات کا حصول کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے بلکہ علمائے محققین اور آئمہ کرام کے نزدیک وہ رات لیلۃالقدر سے بھی کئی گنا افضل واعلیٰ ہے۔امام احمدؒ نے شب جمعہ کو شب علوق نور مصطفوی ہونے کی وجہ سے لیلۃالقدر سے افضل قرار دیا اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ جب شب علوق لیلہ القدر سے بہتر ہے تو شب میلاد بطریق اولیٰ افضل ہو گی۔ نیز حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر جذبات تشکر سے لبریز نظر آتے ہیں کہ مستقبل کو حال بنا کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے رسول کا دیدار عطا کیا اور ان کے ساتھ مل کر دعا مانگنے کا موقع فراہم کیا اور ان کی آواز سنوائی خوش نصیب وہ صحابہ کرام کہ جنہوں نے عرصہ دراز آپ ﷺ کی خدمت میں گزارا دیدار سے آنکھوں کو منور کیا اور آپ کے مواعظ وخطبات سے کانوں کو اور آپ کے انوار و تجلیات سے دلوں کو منور کیا اور جس کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ سعادت نصیب ہوا اس کے فضل وکمال کے ساتھ دنیا کے اغواث و اقطاب کی عمر کی عبادتیں برابری نہیں کر سکتیں تو عرصہ دراز اور مدت مدیدہ تک حاضر خدمت رہنے والوں اور مال و دولت عزت وآبرو جان ودل قربان ہونے والوں کے مرتبہ کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔[1]

۷۔ حضور ﷺ کی فضیلت ان کا سورج کی طرح چمکنا اس طرح سے ذکر ہے:

> ''اور جبکہ چالیس سال گزر جائیں گے (پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے پر) تب اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو زندہ کرے گا جو کہ اس وقت بھی سورج کی طرح نکلے گا مگر یہ کہ وہ چمکتا ہو گا ہزار سورجوں کی طرح پس وہ بیٹھے گا اور کوئی بات نہ کرے گا اس لیے کہ وہ بدحواس جیسا ہو گا اور اللہ چار فرشتوں کو بھی اٹھائے گا جو کہ اللہ کے نزدیکی ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کریں گے۔ پھر جب اس کو پا جائیں گے اس کی جگہ کے چاروں کونوں پر اس کے محافظ بن کر کھڑے ہو جائیں گے بعد ازاں اللہ تعالیٰ تمام فرشتوں کو زندگانی بخشے گا جو کہ شہد کی مکھیوں کی طرح آ کر رسول اللہ ﷺ کے گرد حلقہ کر لیں گے۔اور

---

[1] انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین ﷺ، محمد اشرف سیالوی، اہل السنہ پبلی کیشنز جہلم، ۲۰۰۵ء، ص: ۴۵۔۴۷

اس کے بعد اللہ اپنے جملہ نبیوں کو جان دے گا جو سب کے سب آدمؑ کے پیچھے ہو کر آویں گے پس وہ رسول اللہ کا ہاتھ اپنے آپ کو اس کی نگہبانی و امداد کے جائے پناہ میں رکھتے ہوئے چومیں گے پھر اللہ اس کے بعد اپنے تمام برگزیدہ بندوں کو زندہ کرے گا جو کہ شور مچائیں گے کہ اے محمد ﷺ ہم کو یاد کر پس رسول اللہ ﷺ کے دل میں ان کی چیخ و پکار سے رحم کی جنبش ہو گی اور وہ ڈرتے ڈرتے غور کرے گا کہ ان کے چھٹکارے کے لیے کیا کرنا لازم ہے۔"[1]

اس عبارت میں سرور عالم ﷺ کا ہزار سورجوں کی طرح روشن ہونا مذکور ہے جس سے اس سراج منیر ﷺ اور آسمانی سراج وہاج کے درمیان فرق کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور جو حقیقت یہاں لباس بشری میں مستور ہونے کی وجہ سے مخفی رہی بلکہ متنازع فیہ بنادی گئی کشف حقائق کے دن ہر ایک اس کا مشاہدہ کرے گا پھر تمام ملائکہ مقربین اور دیگر نوریوں کا اس محبوب کے گرد جھرمٹ اس امر کی بین دلیل ہے کہ روز محشر کا دولہا یہی ہے اور اس دن میں انھیں کی عظمت اور محبوبیت کا اظہار مقصود ہے۔ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا اپنے آپ کو سرور عالم و عالمیان کے زیر سایہ سمجھنا اور آپ کو ملجا و ماویٰ یقین کرنا اور آپ کی دست بوسی کرنا باوجودیکہ ان میں خلیلؑ و کلیمؑ اور ابوالانبیاء آدمؑ اور دیگر اکابر موجود ہوں گے اس شان محبوبی اور عظمت درجات اور رفعت مراتب کی واضح دلیل ہے اور اسی طرح ان کا یہ اجماعی فعل اکابر کی دست بوسی کے جواز کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ نیز سب برگزیدہ لوگوں کا بھی شور مچا کر آپ سے رحم و کرم کی اپیل کرنا اس امر کی روشن دلیل ہے اور بین برہان ہے کہ سب اہل محشر سوائے آپ کی ذات اقدس کے دوسرا کوئی آسرا اور سہارا نہیں پائیں گے جب وہاں سوائے ان کے کوئی آسرا و سہارا نہیں ہے تو پھر یہاں ان کو واسطہ و وسیلہ ماننے میں ہچکچاہٹ کا کیا جواز ہے؟

قرآن و سنت سے بھی ثابت ہے اور شفاعتِ عظمیٰ کا آپ کے خصائص میں ہونا اہل اسلام کے نزدیک مسلم حقیقت ہے اور یہی حقیقت انجیل نے بھی واضح کر دی تو گویا یہ عقیدہ صرف اہل اسلام کا ہی نہیں بلکہ انبیاء سابقین نے بھی اپنی امتوں کو یہی تعلیم دی ہے اگر کوئی شخص اسلام دعویدار بھی ہو اور سرور کونین ﷺ کے اس اعزاز و اختصاص کا انکار کرے تو گویا وہ ان عیسائیوں سے بھی گیا گزرا ہے۔[2]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تورات و انجیل قدیم ترین دو سماوی کتابیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر بالترتیب نازل کیں۔ تورات کے متبعین کو یہود اور انجیل کے پیروکار لوگوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے خصوصی مقام

---

[1] انجیل برناباس، ص: ۱۱/۲

[2] انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین ﷺ، ص: ۵۶-۵۸

و منصب اور عالمگیر نبوت کے حوالے سے ان دونوں مقدس آسمانی کتابوں میں نبی الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے اوصاف و خصائص بڑی تفصیل سے بیان کردیئے گئے تھے تاکہ آخری اور عالمگیر نبوت کی پہچان میں کسی کو دقت نہ ہو اور ہر کوئی آسانی سے پہچان کر اتباع و پیروی سے بہرہ اندوز ہوسکے اور پیروی کرنے والوں کو علی وجہ البصیرت یہ علم ہو کہ وہ اندھیرے میں ٹھوکریں نہیں کھارہے۔ بلکہ جس ہستی کا دامن تھاما تھا وہ عظیم و جلیل ہستی وہی ہیں جن کا ذکرِ خیر سابقہ صحف و کتب میں موجود ہے اور ان کی خوبیوں کے بیان سے ان کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو ان کارناموں سے بھی آگاہ کردیا گیا تھا جو سید الانبیاء نے اپنی بعثت کے بعد انجام دینا تھے۔ آپ ؐ کا ذکر مبارک تو ایک طرف تورات و انجیل میں آپ ؐ کے صحابہ کرامؓ کا ذکر خیر بھی کردیا گیا تھا۔ تورات و انجیل میں حضور ﷺ کے فضائل و کمالات، آپ ؐ کی شریعت کے خصائص اس کے علاوہ انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے آپ ؐ نے جو کارنامے انجام دینا تھے ان کا ذکر بھی کردیا تھا۔

فصل سوم

ختمِ نبوت تورات اور انجیل کے آئینے میں

نبوت و رسالت کا معاملہ ایسا نہیں کہ اس کے بارے میں کسی درجے کی بھی بے اعتنائی اختیار کی جاسکے۔ انسان کی اخروی نجات کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ وہ خدا کے پیغمبروں کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اگر وہ ان کی تصدیق کرتا اور ان کے ساتھ مطابقت و ہم آہنگی کا رویہ اختیار کرتا ہے تو اخروی کامیابی اپنی کامل شکل میں اس کی منتظر ہوتی ہے اور اگر وہ ان کی تکذیب کرتا ہے اور ان کے ساتھ سرکشی و نافرمانی کا رویہ اختیار کرتا ہے تو پھر اخروی عذاب اس کا مقدر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں بہت اہتمام فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے حضرت آدمؑ سے جس سلسلہ نبوت و رسالت کا آغاز فرمایا تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے اس جہاں میں تشریف لانے کے بعد اپنے درجہ کمال کو پہنچ کر ختم ہو گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[1]

ترجمہ: محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں پر مہر ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین کہہ کر اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کا اعلان فرمایا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نہ صرف یہ کہ خدا کے سچے نبی ہیں بلکہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی بھی ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہو گئی، آپ ﷺ کی شریعت نے پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے اور اب قیامت تک آپ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایات انسانیت کے لیے مشعل راہ ہوں گی اور کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔

ختم نبوت کا مفہوم

ختم کے لغوی معنی

عربی میں لغت اور محاورے کی رو سے "ختم" کے معنی مہر لگانے، بند کرنے، آخر تک پہنچ جانے اور کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانے کے ہیں۔ لفظ خاتم کی دو قرأتیں مذکور ہیں۔ ایک خاتِم (بکسر التاء) اور دوسری خاتَم (بفتح التاء)۔ امام ابن جریر طبریؒ اور جمہور مفسرین کے نزدیک پہلی قراءت مختار ہے جبکہ دوسری قراءت صرف امام حسنؒ اور امام عاصمؒ کی ہے:

"وَاخْتَلَفَ الْقُرَّاءُ فِي قَرَاءةقوله (و خاتم النبيين)، فَقَرأ ذٰلکَ قُراءالأمصار سوى الحسن وعاصم بكسرالتاءمن خاتم النبيين بمعنى أنَّه خَتَم النَبيين"[2]

ترجمہ: فرمانِ الٰہی (وخاتم النبیین) کی قراءت میں قراء کا اختلاف ہے حسن اور عاصم

---

[1] سورۃ الاحزاب: ۴۰/۳۳

[2] جامع البیان فی تفسیر القرآن، محمد بن جریر یزید طبری، دار المعرفہ بیروت لبنان، ۱۴۰۰ھ، ۱۲/۲۲

کے علاوہ دور حاضر کے قراء نے اسے تاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے، اس کے معنی ہیں کہ آپ ﷺ نے انبیاء (کے سلسلہ) کو ختم فرمادیا۔

لفظ خاتم کا ان دونوں قراءتوں کی روشنی میں لغوی تجزیہ کیا جائے تو درج ذیل تین صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ خاتم (بکسر التاء) اسم فاعل بمعنی ختم کرنے والا

۲۔ خاتم (بکسر التاء اور بفتح التاء) اسم بمعنی آخر قوم

۳۔ خاتم (بفتح التاء) اسم آلہ بمعنی مہر یعنی آخری

ان دونوں قراتوں میں سے چاہے کسی کو بھی لیا جائے ان کا لغوی معنی یہی ہے کہ حضور ﷺ تمام انبیاء کرامؑ کے آخر میں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ علمائے لغت کے نزدیک لفظ ختم و خاتم کا لغوی معنیٰ درج ذیل ہے:

امام ابو منصور الازہریؒ (۲۸۲-۳۷۰ھ) لفظ ختم کے معنی کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''قال أبوإسحاق ألنحوی:معنی طبع فی اللغة و ختم واحد، وهوالتغطية علی الشیء والإمساک مِن أن یدخله شیء، کما قال(أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا)[۱][۲]

ترجمہ: ابو اسحاق نحوی نے کہا: لغت میں طبع اور ختم کے معنی ایک ہیں اور وہ ہیں کسی شے کو ڈھانپ دینا اور مضبوطی سے باندھ دینا تاکہ اس میں کوئی شے داخل نہ ہو سکے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔

علامہ موصوف یہی معنی امام زجاج کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:

''قَالَ الزُّجَّاجُ فِي قَولِه عَزَّوجَلّ ﴿خَتَمَ اللهُ عَلىٰ قُلوْبِهِم﴾[۳] مَعْنىٰ خَتَمَ فِي اللُّغةِ وَ 'طَبَعِ' واحدٌ وهُوَ التَّغطيةُ عَلىٰ الشّیء والاستيثاق مِنه لئلّا يَدخُلُه شَیءٌ''[۴]

ترجمہ: زجاج نے آیت ﴿خَتَمَ اللهُ عَلىٰ قُلوْبِهِم﴾ کے حوالے سے کہا ہے کہ لغت میں ختم اور طبع کے معنی ایک ہیں اور وہ ہیں کسی شے کو ڈھانپ دینا اور مضبوطی سے باندھ دینا تاکہ اس میں کوئی شے داخل نہ ہو سکے۔

---

(۱) سورۃ محمد: ۴۷/۲۴

(۲) التہذیب فی اللغۃ، ۱/۱۱۱۳

(۳) سورۃ البقرہ: ۲/۷

(۴) التہذیب فی اللغۃ، ۱/۱۱۱۳

خاتم کا معنی درج ذیل بیان کرتے ہیں:

''وَخَاتِم کُلِّ شَیْءٍ آخِرُہ''[1]

ترجمہ: اور ہر شے کا خاتم اس کا آخر ہے۔

علامہ ازہری زیر مطالعہ آیت مبارکہ کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

''وقوله﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[2] معناه آخرالنبين ومن أسمائه 'العاقب' أيضا معناه آخر الأنبياء''[3]

ترجمہ: اور ارشاد باری تعالیٰ (محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں پر مہر ہیں) کا معنی 'تمام نبیوں کا فرد آخر' ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ایک 'عاقب' ہے جس کے معنی بھی 'سب انبیا کے آخر فرد' کے ہیں۔

المحیط فی اللغۃ میں لفظ ختم اور خاتم کے حوالے سے لکھا ہے:

''وَخِتَامُ الوَادِی: أَقْصَاه وخَاتِمَةُ السُّورةِ آخِرُها وكَذالِکَ خَاتَمُ کُلِّ شَیءٍ''[4]

ترجمہ: اور وادی کے ختام سے مراد اس کا آخری کنارا ہے اور سورت کے خاتمہ سے مراد اس کا آخر ہے اور یہی معنی ہر شے کے خاتم کا ہے۔

اس معنی کے مطابق خاتم النبیین کا معنی ہوا: 'نبیوں کا آخر'۔ کتاب لسان العرب میں امام ابن منظور (م ۷۱۱ھ) 'ابن سیدہ' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''و خَاتَمُ کُلِّ شَیءٍ وَ خَاتِمَتُه: عَاقبتُه وآخِرُہ''[5]

ترجمہ: خاتم اور خاتمہ ہر چیز کے آخر اور انجام کو کہا جاتا ہے۔

صاحب لسان العرب اس کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(1) التھذیب فی اللغۃ، ۱/۱۱۱۳

(2) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۴۰

(3) التھذیب فی اللغۃ، ۱/۱۱۱۳

(4) المحیط فی اللغۃ، اسماعیل بن عباد، عالم الکتب بیروت لبنان، طبع اول، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۲۴

(5) لسان العرب، ۱۲/۱۶۴

''خِتَامُ الوَادی اَقصَاہ وَخِتَام القَومِ وَ خَاتَمھم و خَاتِمھُم آخِرھُم عَن اللّحیانی و مُحُمَدﷺ خَاتَم الانبیاء عَلیه وعَلیھم الصَّلوۃ وَ السَّلام''[1]

ترجمہ: ختام الوادی، وادی کے آخری کنارے کو کہتے ہیں اور ختام القوم، خاتم القوم (بکسر التاء) اور خاتم القوم (بفتح التاء)، ان سب کا معنی ہے: ''قوم کا آخری فرد'' اسی معنی میں لحیانی سے نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں (کیونکہ آپ ﷺ بااعتبار بعثت گروہ انبیاء کے آخری فرد ہیں۔

آئمہ لغت کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ جاتی ہی کہ سورۃ احزاب کی مذکورہ آیت کریمہ میں خاتم کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کے معنی آخری کے ہیں۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ ماہرین لغت کے نزدیک محاورہ عربی میں خاتم النبین کے معنی ''نبیوں کا آخر اور نبیوں کا ختم کرنے والا'' کے ہیں۔ لہٰذا اس امر میں کوئی شک اور ابہام نہیں رہ جاتا کہ حضور اکرم ﷺ پر نبوت کا ختم ہونا خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔

نبوت کا لغوی معنی

نبوت تمام ادیان الٰہی کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ اس کا اعتقاد رکھنا مسلمان ہونے کی شرائط میں سے ہے۔ قرآن و سنت نبوی میں حضرت محمد ﷺ اور دوسرے پیغمبروں کو ''پیامبر الٰہی'' کہا جاتا ہے۔ حضرت آدمؑ سے نبوت کا آغاز ہوا اور قرآن کی تصریح کے مطابق حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوئی۔

نبی کا لغوی معنی

''نبا'' یا ''نبو'' لفظ ''نبوت'' کی اصل ہے۔ عربی زبان میں ''نبا'' یا ''نبو'' درج ذیل معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں: خبر دینے والا [2]، بلند مقام [3]، کسی جگہ سے نکلنا [4]، واضح راستہ اور مخفی آواز [5]

لفظ نبی کے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ لفظ نَبَاء سے نکلا ہے جس کے معنی اہم خبر کے ہیں۔ ''نبی'' چونکہ انسانوں کو احکام الٰہی کی اہم خبر دیتا ہے اس لیے اسکو نبی کہتے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ نَبوۃ بمعنی رفعت و بلندی سے ماخوذ ہے، اور نبی

---

[1] لسان العرب، ۱۲/۱۶۴

[2] ایضاً ۱/۱۶۲

[3] مجمع البحرین، فخر الدین بن محمد طریحی، چاپ احمد حسینی تہران، ۱۳۶۲ھ، ۱/۴۰۵

[4] المصباح المنیر، احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی، دار لکتب العلمیہ قاہرہ مصر، ۱۹۲۸ء، طبع السابع، ۲/۵۹۱

[5] الصحاح، ۱/۷۴

چونکہ عام انسانوں کے مقابلے میں ارفع واعلیٰ درجے کا مالک ہوتا ہے اس لیے اسے نبی کہتے ہیں۔نَبَا اس خبر کو کہتے ہیں جس میں تین چیزیں ہوں: خبر فائدے کی ہو؛فائدہ بھی عظیم الشان ہو؛اوراس خبر سے سننے والے کواطمینان اور یقین کامل حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ راغب اصفہانی(۵۰۲ھ)''نَبَا'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''أَلنَّبأُ خَبرٌ ذُوْ فائدَةٍ عَظِيْمَةٍ يَحصُلُ بِه عِلمٌ أَو غَلبَةُ ظَنٍّ وَ لاَيُقَال للخَبَر في الأَصلِ نبَأ حَتّى يَتَضَمّن هٰذِه الأَشْيَاء الثّلاثة''[۱]

ترجمہ: نبا اس خبر کو کہتے ہیں جو بڑے فائدے والی ہو اور اس سے علم یقین یا ایسا علم جس پر یقین غالب ہو حاصل ہو اور کسی خبر کو اس وقت تک نبا نہیں کہتے جب تک کہ اس میں یہ تین چیزیں نہ ہوں۔

اس معنی کی رو سے نبی کی تعریف یہ ہو گی کہ نبی وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ رب العزت کی جانب سے نفع اور فائدے کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائے جن تک ان کی عقل پہنچنے سے قاصر ہو۔

ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہوں اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ خبر دینے والا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا اس کی زندگی ہی اس قدر پاکیزہ، اعلیٰ اور اتنی مقدس ہو کہ اس کے متعلق جھوٹ کا وہم وگمان بھی نہ ہو سکے۔اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ صرف نبی کا لفظ ہی لغت عرب کی رو سے مندرجہ بالا حقائق پر روشنی ڈالتا ہے۔

علامہ شریف جرجانی(م ۱۴۱۳ھ) نے نبی کی تعریف یوں کی ہے:

''إِنْسَانٌ بَعَثَه الله إِلىٰ الخَلقِ لِتَبْلِيغِ الأَحْكَامِ''[۲]

ترجمہ: وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف اپنا حکم دے کر بھیجے۔

درج ذیل بعض قرآنی آیات میں نبأ کے مذکورہ تینوں پہلوؤں کا ذکر ہے :

﴿قُلْ هُوَ نَبأٌ عَظِيْمٌ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ﴾[۳]

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ قیامت کی خبر ایک عظیم خبر ہے جس سے تم بالکل ہی بے پرواہ ہو رہے ہو۔

---

[۱] المفردات فی غریب القرآن، ص:۴۳۱

[۲] کتاب التعریفات، ص:۹۶

[۳] سورۃ ص:۳۸/۶۷-۶۸

یہاں نبوء کے ساتھ عظیم کی صفت اس خبر کے عظیم فائدے کی نشاندہی کر رہی ہے کہ اس دنیاوی زندگی کو آخرت کی کھیتی سمجھ کر آخرت اور روز قیامت کے لیے تیاری شروع کرو۔اسی طرح ارشاد ہوتا ہے:

﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: یہ قیامت کا انکار کرنے والے لوگ کس خبر کا حال دریافت کرتے ہیں۔ اس بڑے واقعے کا حال دریافت ہیں جس میں یہ لوگ اہل حق کے ساتھ اختلاف کر رہے ہیں۔

یہاں بھی نباء کے ساتھ عظیم کا ذکر ہے جو خبر کے عظیم ہونے کی خبر دیتی ہے۔لفظ 'نباء' کا دوسرا عنصر یہ ہے کہ اس خبر سے یقینی علم حاصل ہو۔اس پہلو کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾[2]

ترجمہ: یہ قصہ (بوقت طوفان نوح، نوحؑ کا اپنے رب سے اپنے بیٹے کے لئے درخواست کرنا) من جملہ اخبار غیب کے ہے جس کو ہم بذریعہ وحی آپ کو پہنچاتے ہیں۔ ہمارے بتانے سے قبل اس قصے کو نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم۔

تو اس قصے کا یقینی علم آپ کو بذریعہ وحی حاصل ہوا۔لفظ نبا کا تیسرا پہلو غلبہ ظن کا ہے یعنی غالب گمان۔اس پہلو کو درج ذیل آیت واضح کرتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ﴾[3]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے ضرر نہ پہنچادو۔ پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔

امام راغب اصفہانیؒ (م ۵۰۲ھ) اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''فَتَنبْيهٌ أنّه إذا كَانَ الخَبَرُ شَيئًا عَظيمًا لَه قَدر فحَقّه أَن يُتَوَقّف فيه وأن علم

---

(۱) سورۃ النباء: ۷۸/۱-۳

(۲) سورۃ ھود: ۴۹/۱۱

(۳) سورۃ الحجرات: ۶/۴۹

وغلب صحّته على الظنّ حتى يُعَادُ النَّظر فِيه"[1]

ترجمہ: اس آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر کوئی خبر غیر معمولی نوعیت کی ہو جس کے اہم نتائج برآمد ہو سکتے ہوں تو اس میں توقف سے کام لینا چاہیے اور علم و غلبہ ظن کی صورت میں اس پر غور و حوض کر لینا چاہئے۔

اس قول کے مطابق لفظ نبی نباء سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایسی خبر کے ہیں جو نوعیت کے اعتبار سے بہت مفید ہو اور جس سے یقینی علم یا غالب گمان حاصل ہوتا ہو۔ چونکہ نبی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایسی ہی خبر کا ذریعہ یا واسطہ ہوتا ہے اس لیے ان کو نبی کہتے ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق لفظ نبی نبوۃ سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں رفعت و بلندی۔ چونکہ نبی کا مقام و درجہ دوسرے تمام لوگوں سے ارفع و بلند ہوتا ہے اس لیے اسے نبی کہتے ہیں۔

چنانچہ امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

" وَقَالَ بَعضُ العُلَمَاءُ هُوَ مِن النَّبُوة أى ألرفعة وسُمّى نَبيًا لِرفْعَة مَحَلِّه عَن سَائرِ النَّاس المدلول عليه بقوله (ورفعناه مكاناًعلياً) "[2]

ترجمہ: اور بعض علماء نے فرمایا لفظ نبی النبوۃ سے نکلا ہے بمعنی رفعت و بلندی اور نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا مقام باقی تمام لوگوں سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت ادریسؑ کے متعلق قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾[3]

ترجمہ: ہم نے ان کو کمالات میں بلند مرتبے تک پہنچایا۔

نبوت کی تعریفوں اور خصوصیات کے مشترک نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ نبی کا انسان ہونا یقینی ہے۔[4]

۲۔ تمام انسانوں کی ہدایت ان کی تبلیغ کا ہدف ہے۔[5]

---

(۱) المفردات فی غریب القرآن، ص: ۴۳۱

(۲) ایضاً، ص: ۴۳۲

(۳) سورۃ مریم: ۵۷/۱۹

(۴) سورۃ ابراہیم: ۱۱/۱۴

(۵) قواعد المرام فی علم الکلام، میثم بحرانی، مرکز تحقیقات اسلامی بیروت لبنان، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۲۲

۳۔ان کی دعوت اور تبلیغ مجموعی طور پر ان اسلامی اور انہی معارف پر مشتمل ہے کہ جو عملی اور نظری لحاظ سے لوگوں کی زندگی اور انہیں دنیاوی اور اخروی سعادت تک پہنچانے میں مؤثر ہیں۔

۴۔ان کے اقوال کا ماخذ اور منبع خدا ہے۔[۱]

۵۔کسی دوسرے انسان کے واسطے کے بغیر وحی کو حاصل کرنا۔[۲]

۶۔خدا کے پیام کو انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔[۳]

پس اس بنا پر پیغمبر ایسے انسان کو کہا جاسکتا ہے کہ جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔تاکہ وہ معارف وعلوم کو کسی انسانی واسطے کے بغیر خدا سے لے اور لوگوں تک پہنچائے۔گویا پیغمبر انسان کے لیے الٰہی ہدایت و رشد کا اللہ ہی کی طرف سے ایک وسیلہ ہوتا ہے۔

رسول کا لغوی معنی

اس کا مادہ ر،س،ل ہے زیر و زبر کے اختلاف اور مختلف الفاظ کے ساتھ استعمال سے اس کے معنی مختلف ہو جاتے ہیں۔مثلاً (i) لفظ رَسْل (ر کا زبر۔س کا جزم) لفظ سَیْر (چلنا) کے ساتھ استعمال ہو تو بمعنی نرم چال اور جب لفظ شَعْر (بال) کے ساتھ استعمال ہو تو بمعنی لٹکے ہوئے بال (ii) لفظ رِسْل (ر کا زیر۔س کا جزم) بمعنی آسودگی۔آہستگی۔نرمی، (iii) لفظ رِسلہ (ر کا زیر) بمعنی جماعت، (iv) لفظ رَسَل (ر اور س دونوں کا زبر) بمعنی جماعت، گروہ جمع اَرسَال (v) رَسلہ (ر کا زبر۔س کا جزم) بمعنی نرمی محاورے میں کہا جاتا ہے ناقۃٌ رسلۃ۔نرم چال والی اونٹنی۔(vi) رِسَالۃ، رَسَالۃ (ر کا زبر اور زیر) بمعنی پیغام، پیغام رسانی، خط۔اس کی جمع رَسَائل و رسالت آتی ہے۔(vii) رَسُول، رَسیل بمعنی بھیجا ہوا۔پیغامبر۔ان کی جمع رُسُل، ارسل اور رُسلاء آتی ہے۔[۴] دینی اصطلاح میں احکام کی تبلیغ کے لیے پیام لانے والے اور بھیجے ہوئے کو کہا جاتا ہے۔[۵]

امام راغب اصفہانی لفظ رسول کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''والرسول یقال للواحد و الجمع[۶] قال اللہ تعالیٰ ﴿لَقَدجَاءَکُمْ رَسُولٌ مِن

---

[۱] النافع یوم الحشر، فاضل مقداد، مؤسسہ مطالعات اسلامی بیروت لبنان، ۲۰۰۲ء، ص:۲۴

[۲] مناہج الیقین فی اصول الدین، حسن بن یوسف حلی، نشر دار الاسوہ تہران، ۱۴۱۵ھ، ص:۴۰۳

[۳] الباب الہادی عشر، حسن بن یوسف حلی، مؤسسہ مطالعات اسلامی تہران، ۱۹۷۵ء، ص:۳۴

[۴] مصباح اللغات، ص:۱۹۲

[۵] کتاب التعریفات، ص:۷۶

[۶] المفردات فی غریب القرآن، ص:۱۹۵

أَنْفُسِكُمْ﴾[1] ﴿قَالَ أَنَارَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ ''[2]

ترجمہ: 'رسول' واحد وجمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔اللہ کا ارشاد ہے بیشک تمہارے پاس تم میں سے ایک باعظمت رسول تشریف لائے۔ کہا میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

سورۃ توبہ میں بطور واحد اور سورۃ الشعراء میں بطور جمع استعمال ہوا ہے۔

''وَ رُسُلُ اللهِ تَارَةً يُرَادُ بِهَا المَلَائِكَةُ وَ تَارَةً يُرَادُ بِهَا الأَنْبِيَاءُ''[3]

ترجمہ: اور اللہ کے رسولوں سے مراد کبھی فرشتے اور کبھی انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرَاهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلَامًاقَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ﴾[4]

ترجمہ: اور ہمارے فرشتے البتہ ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے، وہ سلام بولے، اس (ابراہیمؑ) نے سلام کہا، پھر اس نے دیر نہ کی ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔

اس آیت میں رسول یا رُسُل سے فرشتے مراد ہیں۔اس کے علاوہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَإِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ﴾[5]

ترجمہ: اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں، البتہ گزر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول، پھر اگر وہ وفات پالیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں (الٹے پاؤں) پر لوٹ جاؤ گے۔

اس آیت میں رسول یا رُسُل سے مراد انسان رسول ﷺ ہیں نہ کہ فرشتے۔اور درج ذیل آیت میں لفظ ''رسل'' سے مراد نہ صرف پیغمبر ہیں بلکہ پیغمبر بھی اور ان کی امتوں کے نیک افراد بھی۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] سورۃ توبہ: ۱۲۸/۹

[2] سورۃ الشعراء: ۱۶/۲۶

[3] المفردات فی غریب القرآن، ص: ۱۹۵

[4] سورۃ ھود: ۶۹/۱۱؛ سورۃ ھود: ۷۷/۱۱؛ سورۃ ھود: ۸۱/۱۱؛ سورۃ التکویر: ۱۹/۸۱

[5] سورۃ آل عمران: ۱۴۴/۳؛ سورۃ المائدۃ: ۶۷/۵

﴿يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾[1]

ترجمہ:اے پیغمبرو! تم (اور تمہاری امتیں) نفیس چیزیں کھاؤاور نیک کام کرو۔

یہاں لفظ الرُّسل استعمال کیا گیا جس کے معنی رسولوں کے ہیں مگر مراد رسول بھی ہیں اور ان کے اچھے امتی بھی۔امام راغب اصفہانی کے بقول یہاں مراد رسول اور ان کے مخلص اصحاب ہیں۔ان اصحاب کو بھی رُسل اس لیے کہہ دیا کہ وہ بھی انھیں کے ساتھ ہیں جیسے مُھلَب (ہجو کیا ہوا) اور ان کے متعلقین کو مہالبہ کہہ دیا جاتا ہے۔[2]

اس آیت میں حلال غذا کھانے اور نیک اعمال بجالانے کے دو حکم کو یکجا کر دیا گیا ہے اس میں اس طرح بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ نیک اعمال بجالانے اور حلال کھانے میں گہرا ربط ہے کہ نیک اعمال کی توفیق اَکلِ حلال کے بعد ہی ہوتی ہے۔

نبی اور رسول میں فرق

نبی اور رسول میں اختلاف کے قائلین کے درمیان نبی اور رسول کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔[3]

ان میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

رسول نئی شریعت کا صاحب ہوتا ہے یا پہلی شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرنے کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔رسول وہ ہوتا ہے جس کی طرف بیداری اور نیند کی حالت میں وحی کی جاتی ہے اور وہ دونوں حالتوں میں فرشتے کو دیکھتا ہے جبکہ نبی کی طرف صرف نیند کی حالت میں وحی ہوتی ہے اور وہ نیند کے عالم میں فرشتے کو دیکھتا ہے۔[4]

مرتبے کے لحاظ سے نبی پر وحی کی نسبت رسول پر وحی کا مرتبہ بلند ہے،رسول پر وحی جبرائیل کے ذریعے ہوتی ہے جبکہ نبی پر وحی الہام قلبی یا سچے خواب کے ذریعے ہوتی ہے۔[5]

﴿إنّه كَانَ مُخلِصاً وَ كَان رَسُولاً نَبِياً﴾[6]

البتہ نبی یا رسول دونوں لفظ رسول اکرم ﷺ یا حضرت مسیحؑ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔البتہ بعض روایات میں اس

---

[1] سورۃ المؤمنون: ۵۱/۲۳

[2] المفردات فی غریب القرآن، ص:۱۹۶

[3] اعلام النبوۃ، علی بن محمد ماوردی، دار الکتاب العربی بیروت لبنان، ۱۹۸۷ء، طبع اول، ص:۵۱

[4] الفروق اللغویہ، ابو ہلال العسکری، دار العلم والثقافت مصر، ۱۹۹۷ء، ص: ۳۶۲

[5] کتاب التعریفات، ص:۱۰۵

[6] سورۃ مریم: ۵۱/۱۹

اعتراض کا جواب یوں مذکور ہوا ہے: ایسے مقامات پر پیغمبر کے شخصی معاملات کے بارے میں گفتگو ہے اس لیے نبی ﷺ کہہ کر خطاب ہوا ہے جیسے رسول اکرم ﷺ کے لیے ''نبی'' کہا گیا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾ (۱)

ترجمہ: اے نبی آپؐ اپنی بیبیوں کو فرما دیں۔

نیز ان کے بارِ رسالت اٹھانے اور رسالتِ عمومی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے انھیں رسول کہا گیا ہے۔ حکم ہوا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ﴾ (۲)

ترجمہ: اے رسول پہنچا دو۔

ختم نبوت کا اصطلاحی معنی

ختم نبوت کے معنی و مفہوم پر دورِ صحابہ کرامؓ سے لیکر آج تک امتِ مسلمہ میں کوئی ابہام اور تردد نہیں پایا جاتا ہے۔ تمام امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپؐ کے بعد یہ سلسلہ نبوت و رسالت منقطع ہو چکا ہے لہٰذا اب قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا نہ ہی کوئی رسول آئے گا۔ اور اس عقیدہ کا منکر خارج از اسلام ہے ختم نبوت کے اصطلاحی معنی کے حوالے سے چند تصریحات ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ) فرماتے ہیں:

''(وَخَاتَمِ النَّبِيينَ) خَتَمَ اللهُ بِهِ النَّبِيينَ قَبلَه فَلَا يوكن نبى بعده'' (۳)

ترجمہ: خاتم النبیین کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ انبیاء حضورؐ کی ذات اقدس پر ختم فرما دیا ہے پس آپؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

اسی طرح امام بغوی شافعیؒ (۴۳۶-۵۱۶ھ) خاتم النبیین کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ) خَتَمَ اللهُ بِهِ النُّبُوَةَ وَ قَرَأَ إبنُ عَامر و إبن عَاصِم (خَاتَم) بِفَتحِ التَّاءعَلى الإسْمِ أَي آخِرُهُم، وقَرَأَ الآخَرُونَ بِكَسرِ التَّاء عَلى الفَاعِلِ لِأَنَّه خَتَم به النَبِيينْ فَهُوَ خَاتَمُهُم'' (۴)

ترجمہ: لیکن آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں) آپؐ کی بعثت مبارکہ کے

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۵۹/۳۳

(۲) سورۃ المائدہ: ۶۷/۵

(۳) تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس، محمد بن یعقوب فیروز آبادی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ص: ۳۵۴

(۴) معالم التنزیل، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد بغوی، دار المعرفۃ بیروت لبنان، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء، طبع ثانی، ۵۳۳/۳

ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم فرمادی ہے۔ ابن عامر اور ابن عاصم نے (لفظ خاتم) بر بنائے اسم زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی آخر انبیاء اور دیگر (اہل فن) نے بر بنائے فاعل تاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ آپؐ نے اپنی بعثت کے ساتھ سلسلہ انبیاء ختم فرمادیا۔ سو آپؐ ان کے خاتم ہیں۔

امام زمخشری(۴۶۷-۵۳۸ھ) حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ نزول کے تناظر میں حضورﷺ کے آخر الانبیاء ہونے کی خصوصیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

فَإنْ قُلتَ: كَيفَ كَانَ آخَرُ الأَنبيَاء وَعِيسَى يَنزُلُ في آخِرِ الزَّمَان؟ قُلتُ: مَعنَى كَونِه آخِرِ الأَنبيَاء أَنَّه لَا يُنبأ أحدٌ بَعدُه ، وعيسَى مِمَّن نُبيءَ قَبلَه ، وحين ينزل ينزل عاملاً على شريعة محمد صلى الله عليه وسلم ، مصلياً إلى قبلته ، كأنه بعض أمته''[1]

ترجمہ: اگر آپ کہیں کہ حضورﷺ آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ جبکہ حضرت عیسیٰؑ آخری زمانہ میں (یعنی قرب قیامت میں) نازل ہوں گے تو میں کہتا ہوں کہ آپؐ کا آخری نبی ہونا اس معنی میں ہے کہ آپؐ (کی بعثت) کے بعد کوئی شخص نبی کی حیثیت سے مبعوث نہیں ہوگا۔ رہا حضرت عیسیٰؑ کا معاملہ تو وہ ان انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں جنھیں آپؐ (کی بعثت) سے قبل نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا اور جب وہ دوبارہ آئیں گے تو حضرت محمدﷺ کی شریعت کے پیرو ہوں گے اور انہی کے قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھیں گے گویا کہ وہ آپؐ کی امت کے ایک فرد ہوں گے۔

چنانچہ اصطلاحی معنٰی میں حضورﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا معنی یہ ہوئے کہ آپؐ کی تشریف آوری سے سلسلہ نبوت منقطع ہو چکا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ چونکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں اور وہ شریعت محمدی ﷺ کے تابع ہوں گے اس لیے قیامت کے قریب ان کا نزول حضورﷺ کی ختم نبوت کی شان کے منافی نہیں۔ حضورﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا قرآن وسنت اور اجماع امت کا منکر ہے۔ چنانچہ متفقہ طور پر وہ کافر، مرتد اور خارج از اسلام ہے۔

---

[1] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، محمد بن عمر بن محمد خوارزمی زمخشری، دار الکتاب العربی بیروت لبنان، ۳/۵۴۴-۵۴۵

ختم نبوت قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید ہدایت ربانی کا وہ اولین سرچشمہ ہے جس سے فیض یاب ہو کر انسان دنیوی واخروی فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب مبین وہ آخری صحیفہ آسمانی ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو تمام مخلوقات کی طرف مبعوث فرمایا۔ حضور ﷺ کا آخری نبی ہونا قرآنی آیات سے قطعیت اور حتمیت کے ساتھ ثابت ہے جس میں شک کرنا یقینی طور پر کفر والحاد کا باعث ہے۔ قرآن پاک سینکڑوں آیات میں حضور نبی اکرم محمد ﷺ کی شان ختم نبوت کا بیان وارد ہوا ہے جن میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ا۔﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا﴾ (۱)

ترجمہ: محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلہ نبوت ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

یہ آیت کریمہ مسئلہ ختم نبوت کو صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہے دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ کسی بالغ مرد کا باپ نہ ہونا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین ہیں جبکہ دوسرا حصہ صریح الفاظ میں آپؐ کی ختم نبوت کو بیان کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے جب اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے بحکم خدائے بزرگ وبرتر شادی فرمائی، تو بعض کفار نے اعتراض کیا۔ ان کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ آپؐ کے صاحبزادے تو بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے، اس لیے وہ مردوں میں داخل نہیں اور آپؐ کی صرف صاحبزادیاں ہی ہیں، لہٰذا جب حضور ﷺ کسی مرد کے (نسبی یا جسمانی) باپ ہی نہیں، تو پھر اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا کیوں ناجائز ٹھہرا۔ گویا کہ اعتراض رسول خدا ﷺ کی ذات پر ہوا تو جواب خود پروردگار عالم نے دیا۔ (۲)

اس آیت کریمہ میں جب حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا اثبات نفی ابوت ہو چکا اور اس پر ممکنہ شبہات کا ازلہ ولکن رسولَ اللہ کے جملہ کر دیا گیا تو اس کے بعد ’وخاتم النبیین‘ کا جملہ درج ذیل وجوہات کی بنا لایا گیا ہے:

ا۔ ان الفاظ کے ذریعے رب کائنات نے اس بات کو مزید واضح فرمایا ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۴۰

(۲) تفسیر المنان المشہور بہ تفسیر حقانی، محمد عبدالحق الحقانی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۲۰۰۹ء، ۶/۱۱۷-۱۱۸

کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لہٰذا جس طرح آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک جاری ہے اسی طرح آپ ﷺ کی ابّوت بھی جاری ہے۔ قیامت تک پیدا ہونے والی امت بمنزلہ آپ ﷺ کی اولاد کے ہے۔

۲۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ امت کے روحانی باپ ہوئے اور آپؐ کی شفقت حقیقی جسمانی باپ سے بھی زیادہ ہوئی تو چونکہ اولاد باپ کی وارث ہوتی ہے، اس لیے یہاں شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ کہیں امت نبوت کی بھی وارث نہ ہو، خاتم النبیین کے الفاظ نے اس شبہ کا ازالہ کر کے اور واضح فرمادیا کہ امت اگرچہ آپؐ کی روحانی اولاد ہے مگر منصب نبوت کی وارث نہ ہوگی۔ یہ منصب آپؐ پر ختم ہو چکا ہے اب قیامت تک کوئی شخص آپؐ کے منصب نبوت کا وارث نہیں ہو سکتا۔

۳۔ خاتم النبیین کے مبارک الفاظ لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خبردار فرمانا چاہتا ہے کہ لوگو! یہ میرا آخری رسول جو تمہارے پاس پیغام ہدایت لے کر آیا ہے اس کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ اب قیامت تک میرے محبوب کی ہی نبوت کا چرچا ہوتا رہے گا اور انھی کی شریعت پر عمل ہوگا۔ تم اپنے احوال کو درست کر لو اور اس نبی آخر الزماں ﷺ کی محبت واتباع کو حرز جان بنالو۔

۴۔ خاتم النبیین کا کلمہ اضافہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رب ذوالجلال نے ولکن رسول اللہ کے کلمات سے آپؐ کی روحانی ابوت میں مضمر بے پناہ شفقت کا ذکر فرمایا اور پھر اس شفقت کے منتہائے کمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! آپؐ سب خلقِ خدا پر شفیق اور مہربان ہیں اور چونکہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اس لیے آپؐ کی شفقت تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ہے کیونکہ پہلے انبیاء علیہم السلام اگر کوئی چیز چھوڑ بھی دیتے بعد میں آنے والا نبی اس کی کمی کو پورا کر دیتا تھا لیکن آپؐ کے بعد تو کسی نبی نے آنا ہی نہیں اس لیے آپؐ نے امت کے لیے کوئی چیز ادھوری نہیں چھوڑی گویا آپؐ کی اپنی امت پر شفقت ومحبت منتہائے کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔[1]

ولکن رسول اللہ میں انبیاء علیہم السلام کے خاتم ہونے کا ذکر ہے اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے نبوت کا دروازہ بند کرنا حضور ﷺ کی عظمت اور مرتبہ پر دلالت کرتا ہے۔ اس شان وعظمت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپؐ کے درجے کو سب کے لیے ظاہر کیا جائے، تاکہ یہ شبہ ہی ختم ہو جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی اور نبی بھی آسکتا ہے۔ آپؐ کے خاتم النبیین (آخری نبی) ہونے کی بات سے پہلے آپؐ کے رسول ہونے کا ذکر کر دیا گیا تاکہ کہ آپؐ کے مقام ومرتبہ عظمت میں کسی کو شبہ نہ رہے، اس لیے رسول کا درجہ نبی سے زیادہ ہوتا ہے اگر ولکن رسول اللہ کے بعد وخاتم الرسل فرمادیا جاتا تو یہ امکان باقی رہتا ہے کہ رسولوں کا آنا تو بند کر دیا گیا شاید نبی آتے رہیں گے۔ اس شبے کے امکان کو بھی خاتم النبیین کہہ کر ختم فرمادیا کہ اب سلسلہ نبوت ختم اور دروازہ نبوت قیامت تک کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور کوئی اس بارے میں کسی مغالطے میں نہ

---

[1] عقیدہ ختم نبوت، محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۳ء، اشاعت چہارم، ص: ۱۴۲-۱۴۳

رہے، جب کسی نبی نے ہی نہیں آنا تو رسول کہاں سے آئے گا۔ اگر حضور ﷺ کے بارے میں خاتم الرسل کہا جاتا تو پھر بعد میں آنے والے کئی کذّاب مدعیّانِ نبوت ذہنوں میں خلفشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے کہ رسولوں کا آنا بند ہوا ہے نبیوں کا تو نہیں ہوا۔ [1]

۲۔اسی طرح ایک اور آیت ختم نبوت پر استدلال کرتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ [2]

ترجمہ: (اے اللہ!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔

بعض مفسرین کے نزدیک صراط مستقیم حضور ﷺ کی ذات اقدس اور آپؐ کے دونوں وزیر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔

''عَنْ عَاصِمِ الأحوَل عَن أبى العَالِيَة في قَوله (إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) قال: هُوَ رَسُولُ الله وصَاحِبَاه، قال: فذكرنا ذٰلک للحسن،قال: صدق أبُو العَالِيةُ ونَصحَ''[3]

ترجمہ: عاصم الاحول،ابو العالیہ سے ارشاد باری تعالیٰ (اے اللہ) ہمیں سیدھا راستہ دکھا) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ صراط مستقیم رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے دو ہم نشین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔ ہم نے یہ تفسیر حضرت حسن بصری کے سامنے پیش کی تو انھوں نے فرمایا: ابو العالیہ نے سچ کیا اور خالص بات کی۔

ایک اور روایت میں آپؐ کے ساتھ آپؐ کے خاص اہل بیت اور صحابہؓ کا ذکر ہے، یہ سب صراط مستقیم ہیں۔[4]

اس تفسیر کے مطابق اب قیامت تک حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ و اہل بیت ہی صراط مستقیم کہلائیں گے۔ آپؐ کے بعد کسی کی ذات کو، اس کے گھر والوں اور اہل مجلس لوگوں کو صراط مستقیم نہیں کہا جا سکتا۔ صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو منزل تک پہنچاتا ہے اور وہ راستہ حضور نبی اکرم ﷺ سے شروع ہوتا ہے اور آپؐ کے اہل بیت و صحابہ کرامؓ کے ذریعے سیدھا جنت کو جاتا ہے۔

---

[1] عقیدہ ختم نبوت، ص: ۱۴۴-۱۴۵

[2] سورۃ الفاتحہ: ۵/۱

[3] تاریخ مدینہ دمشق، ابو قاسم علی بن حسن ابن عساکر، دار الفکر بیروت لبنان، ۱۹۹۵ء، ۱۸/۱۷۰؛ جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱/۱۰۱

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو، دار الکتاب العربی بیروت لبنان، ص: ۶۳-۶۴

حضور ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کرامؓ صراط مستقیم اس معنی میں ہیں کہ وہ براہ راست آپ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے پھر آپؐ کی سنت مطہرہ اور سیرت پاک کی تعلیمات کو آگے بیان کیا اور اس کی تشریح کا فریضہ سرانجام دیا۔ یہاں ختم نبوت کا نکتہ یہ ہے کہ اب قیامت تک حضور نبی اکرم ﷺ ہی ہر شخص کے منارہ نور ہیں اور آپ ﷺ ہی کی راہ ہدایت دنیوی و اخروی کامیابی کی راہ ہے اس کے بعد کسی اور کو ہدایت کی راہ لانے کی ضرورت نہیں۔

۳۔ قرآن پاک میں حضور ﷺ کے بعد کسی وحی پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾[1]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا (سب) پر ایمان لاتے ہیں۔

۴۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَالْكِتَابِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِه وَالْكِتَابِ الَّذِى اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر جو اس نے (اس سے) پہلے اتاری تھی ایمان لاؤ۔

شرائط ایمان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ وحی پر ایمان لایا جائے خواہ وہ وحی حضور ﷺ پر نازل ہوئی ہو یا آپ سے پہلے پیغمبروں پر، ایمان لایا جائے خواہ وہ وحی حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوئی ہو یا آپ سے پہلے پیغمبروں پر۔ الحمد سے والناس تک پورے قرآن مجید کو باعتبار ایمان تقسیم کرتے ہوئے صرف دو اقسام بیان کی گئیں:

۱۔ اس وحی پر ایمان جو حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوئی۔

۲۔ اس وحی پر ایمان جو حضور اکرم ﷺ سے پہلے نازل ہوئی۔

مذکورہ بالا آیات میں وحی کی انہی دو اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اوّل الذکر وحی وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوئی، اسے ماننا عین ایمان اور اس کا انکار کفر ہے۔ مؤخر الذکر وحی وہ ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کا ماننا بھی ایمان اور انکار کفر ہے۔ اگر حضور ﷺ کے بعد بھی نزول وحی امر الٰہی ہوتا تو اس کی بھی یہی شان ہوتی اور قرآن میں اس کا ذکر

---

(1) سورۃ البقرہ: ۴/۲

(2) سورۃ النساء: ۱۳۶/۴

ضرور ہوتا مگر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فقط دو قسموں کی وحی کا ذکر کیا اور اس میں کوئی ابہام نہ رہنے دیا، ایک وہ وحی جو حضرت محمد ﷺ پر اتری، دوسری جو آپؐ سے پہلے اتری۔ وحی بھیجنے والا خود صرف دو قسم کی وحی کی بات کرتا ہے تو کسی اور کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ تیسری قسم کی وحی کی بات کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ آپؐ کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے۔

۵۔ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ صرف انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا حکم قرآن میں مذکور ہے۔ اگر آپ ﷺ کے بعد انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری رہتا ہوتا تو آپ کے بعد آنے والے انبیاء پر بھی ایمان لانے کا ذکر ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے لہٰذا آپؐ پر انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿قُوْلُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِيْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَه مُسْلِمُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس (کتاب) پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر (بھی) جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور ان (کتابوں) پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو عطا کی گئیں اور (اسی طرح) جو دوسرے انبیاء (علیہم السلام) کو ان کے رب کی طرف سے عطا کی گئیں، ہم ان میں سے کسی ایک (پر بھی ایمان) میں فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی (معبودِ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو صرف نزول وحی کی دو قسموں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، ایک اس وحی پر جو ان کی طرف بھیجی گئی یعنی قرآن حکیم اور دوسری وہ جو پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرف بھیجی گئی جن میں سے چند جلیل القدر کے اسمائے گرامی بطور مثال درج کیے گئے۔ اس جگہ وَمَآ اُوْتِیَ صیغہ ماضی اور النَّبِيُّوْنَ پر لامِ استغراق اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر آسمانی وحی کا نزول تمام ہو چکا۔ اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوگی۔

۶۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّه وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِه وَكُتُبِه وَرُسُلِه لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِه﴾[2]

---

[1] سورۃ البقرہ: ۱۳۶/۲

[2] سورۃ البقرہ: ۲۸۵/۲

ترجمہ: (وہ) رسول اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہل ایمان نے بھی، سب ہی (دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، (نیز کہتے ہیں) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان بھی (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے۔

سورۃ البقرہ کی اس آیت میں ختم نبوت کے متعلق دو چیزیں بطور خاص قابل توجہ مذکورہ ہیں:

I۔ صرف اس وحی پر ایمان لانا کافی ہے جو حضور اکرم ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی۔ اگر حضور ﷺ کے بعد وحی آنے کا کوئی امکان ہوتا تو آیت میں اس پر ایمان لانے کو بھی لازم قرار دیا جاتا۔

II۔ تمام انبیاء پر ایمان لانا واجب ہے۔ اگر حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی کسی بھی رنگ میں آنے والا تھا تو آیت میں ضرور بالضرور اس کی اطلاع دی جاتی اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا۔ عدم ذکر اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؐ کے بعد کسی نئے نبی کا وجود خارج از امکان ہے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی کا سلسلہ تمام ہو چکا ہے۔ قرآن کا حضور ﷺ اور ان سے پہلے نازل ہونے والی وحی کا ذکر کرنا اور اس پر ایمان لانے کا ذکر کرنا اور اس وحی کے بعد کسی وحی کا ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سلسلہ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔

۷۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ جب قرآن کا نزول ہو رہا تھا تو زمانہ نزولِ قرآن، نزول وحی کا آخری زمانہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بری لگیں)، اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو وہ تم پر (نزول حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعین) کر دی جائیں گی۔ (جس سے تمہاری صوابدید ختم ہو جائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے) اللہ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے۔ اور اللہ بڑا

---

(1) سورۃ المائدہ: ۱۰۱/۵

بخشنے والا بردبار ہے۔

آیت کریمہ کے ذریعے امتِ محمدی ﷺ کو خبردار کیا گیا ہے کہ نزول قرآن کے وقت ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جن کے بارے میں قرآن خاموش ہے کیونکہ اگر اس سے متعلق کوئی حکم نازل کردیا گیا تو اس چیز میں ہمیشہ کے لیے تمہارا اختیار ختم ہو جائے گا کیونکہ قرآن حکیم سب سے آخری وحی ہے، اس کے بعد کوئی وحی نازل نہ ہو گی کہ جس کے ذریعے اس حکم میں ترمیم ممکن ہو۔

۸۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ تکمیل دین اور اتمام نعمت سے ختم نبوت پر استدلال کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[1]

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔

اس آیت کریمہ نے دین اسلام کی اکملیت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ اس کے نتیجے میں ملنے والی نعمت کی دائمیت نے ختمی طور پر کسی اور نبوت کے امکان کو یکسر رد کر دیا۔ یہاں دین سے مراد دین اسلام ہے۔ جبکہ نعمت سے مراد حضور ﷺ کی ختم نبوت ہے۔ یعنی ارشاد ہوا کہ اے ایمان والو! تم پر نعمتِ نبوت تمام ہو چکی۔ اب اس کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں اور دین اسلام مکمل شکل میں تمہارے پاس آگیا ہے۔ اب قیامت تک یہی دین چلے گا اور کسی نئے دین کی ضرورت نہیں رہی۔

امام خازنؒ (۶۷۸-۷۴۱ھ/۱۲۷۹-۱۳۴۰ء) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقِيلَ إِكمَالُ الدِّينِ لِهٰذِهِ الأُمَّةِ أَنَّه لَايَزُولُ وَلَا يَنْسَخُ وأَنَّ شَرِيعَتَهُم بَاقِيةٌ إِلىٰ يَومِ القِيَامَةِ''[2]

ترجمہ: اس امت کے لیے تکمیل دین سے مراد یہ ہے کہ یہ دین نہ مٹے گا اور نہ منسوخ ہو گا اور اس کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔

علامہ ابن کثیرؒ (۷۰۱-۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

''هٰذِه أكْبَرُنِعَمِ اللهِ تَعَالىٰ عَلىٰ هٰذِه الأُمّةِ حَيثُ أكْمَل تَعَالىٰ لَهُم دِينَهُم فَلا يَحتَاجُونَ إلى دِينِ غيرِه وَلَا إلى نبي غَير نَبِيّهِم صَلَواتُ اللهِ وسَلَامه عَلَيه وَلِهٰذَا

---

[1] سورۃ المائدہ: ۳/۵

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل، علی بن محمد بن ابراہیم بن خازن، دار المعرفۃ بیروت لبنان، ۴۳۵/۱

جَعَلَهُ اللهُ تَعَالیٰ خَاتَمَ الأنْبِياء وَبعَثَهُ إلى الإنْسِ وَالجِنّ فَلَا حَلَالَ إلّا مَاأحلَّه وَلَاحَرَامَ إلَّا مَاحَرَّمَه وَلَا دِينَ إلّا مَا شَرَعَه وَكُلّ شيئٍ أَخبَربه فَهُوَ حَقٌّ صِدق لَاكِذبٌ فِيهِ وَلَاخَلف'' (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا اس امت پر سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے ان کے لیے ان کا دین مکمل فرما دیا۔ اب وہ کسی دوسرے دین کے محتاج نہیں اور نہ اپنے نبی ﷺ کے سوا کسی دوسرے نبی کے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو تمام نبیوں کے آخر میں انسانوں اور جنوں کی طرف بھیجا۔ پس جس چیز کو آپؐ نے حلال قرار دیا وہی حلال ہے اور جس چیز کو آپؐ نے حرام قرار دیا اس کے علاوہ کوئی حرام نہیں اور جس دین کو آپؐ لائے اس کے علاوہ (قیامت تک) کوئی دین نہیں اور ہر وہ چیز جس کے متعلق آپؐ نے خبر دی وہ سچی ہے، اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں اور نہ ہی وہ خلاف واقع ہے۔

علامہ شوکانیؒ (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

''وأخرج إبن جرير وإبن المنذر عنه قال أخبرالله نبيه والمؤمنين أنّه أكمل لهم الإيمان فلا يحتاجون إلى زيادة أبدا و قد أتمّه فلا ينقص أبداً وقد رضيه فلا يسخطه أبداً''(۲)

ترجمہ: ابن جریر اور ابن منذر بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور ایمان والوں کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان (یعنی دین) کو مکمل کر دیا۔ بس اب کبھی بھی اس میں اضافہ کی ضرورت نہیں اور نعمت تمام کر دی جو کبھی بھی کم نہ ہو گی اور اسلام پر راضی ہو گیا۔ پس اب کبھی بھی ناراض نہ ہو گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید سے جو دلائل پیش کیے ان سے بلا خوفِ تردید یہ بات صراحتاً ثابت ہے کہ حضور ﷺ ہی خاتم النبیین ہیں لہذا آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا محال ہے۔ سابقہ صحائف آسمانی میں آنے والے نبی کا حلیہ، حسب نسب اور فضائل و خصائص بیان کیے گئے ہیں کیونکہ سابقین کی نسبت آئندہ آنے والوں پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت و اتباع ضروری ہے۔ قرآن مجید میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر تو ملتا ہے مگر کسی بعد میں آنے والے کا نام اور دیگر

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم، ۱۳/۲

(۲) فتح القدیر، محمد بن علی بن محمد شوکانی، دار الفکر بیروت لبنان، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء، ص: ۱۲/۲

تفصیلات و جزئیات کا کسی بھی حوالے سے کوئی ذکر نہیں ملتا بلکہ قرآن مجید نے حضور ﷺ کی نبوت ورسالت اور وحی کا تذکرہ کر کے من قبل یا من قبلک کی ضد لگا کر اس امر کا اعلان کر دیا ہے کہ نبوت ورسالت اور وحی کے تمام سلسلے صرف حضور ﷺ سے قبل زمانوں تک ہی محدود تھے جو آپ ﷺ کے بعد منقطع ہو گئے۔

ختم نبوت احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

یہ امر واضح ہے کہ حضور ﷺ کا آخری نبی ہونا جس طرح قرآنی آیات میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے اسی طرح احادیث نبوی ﷺ میں تواتر کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے بار بار تاکید کے ساتھ اپنے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمایا ہے اور مختلف تمثیلات کے ذریعے اس اصطلاح کے معنی کی وضاحت فرمائی ہے جس کے بعد اس لفظ کے معنی میں کسی قسم کی تاویل و تعبیر کی گنجائش نہیں رہتی۔ ختم نبوت کے سلسلے میں چند احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں:

((إنّ مِثْلِي وَمِثْل الأنبيَاء مِن قَبلي، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بيتاً فَأَحسَنه وأجمَله إلّامَوضَع لبنةٍ مِّن زَاوية، فَجَعَلَ الناسُ يَطُوفُون به ويَعجبُون له ويقُولَون: هلَّا وضعت هذه اللبنة؟ فَأَنَااللَبنةُ وأَنَا خَاتم النّبيينَ))[1]

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے، مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ﷺ ہوں۔

اس حدیث میں آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی ختم نبوت کو ایک بلیغ مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک اعلیٰ اور خوبصورت محل نما عمارت تعمیر کی جس کی تزئین و آرائش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی لیکن کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس قصر رفیع الشان کو دیکھنے آتے اور اس کی تعریف کرتے لیکن کونے میں اینٹ کی خالی جگہ دیکھ کر کہتے کہ کتنا اچھا ہوتا کہ اینٹ رکھ کر اس کو

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، حدیث نمبر: ۳۳۴۲، ص: ۵۹۵؛ نیز دیکھئے: صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین، حدیث نمبر: ۲۲۸۶، ص: ۱۰۱۳؛ السنن الکبریٰ، احمد بن شعیب بن علی النسائی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء، طبع اولیٰ، حدیث نمبر: ۱۱۴۲۲، ۳۷۴/۶؛ صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، کتاب التاریخ، باب من صفۃ واخبار، حدیث نمبر: ۶۴۰۵، ۳۱۵/۱۴

بھی مکمل کر دیا جاتا۔ آگے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نبوت کے اس عالیشان محل کی تکمیل میری بعثت سے ہوگئی اور قصر نبوت کی وہ آخری اینٹ میں ہوں۔ اس تصریح کے بعد اس روایت سے کسی نئے نبی کے حوالے سے کوئی اور معنی نکالنے کی مطلقاً گنجائش نہیں رہی۔

۲۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں نبی اکرم حضرت محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا:

((فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ)) (۱)

ترجمہ: مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جامع بات کہنے کی صلاحیت دی گئی۔ مجھے رعب کے ذریعے نصرت بخشی گئی میرے لیے اموال غنیمت حلال کیے گئے۔ میرے لیے زمین کو مسجد بھی بنادیا گیا اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔ اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کی ختم نبوت پر صراحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے اس حدیث مبارکہ میں ان خصائص و امتیازات کا ذکر ہے جو حضور ﷺ کو عطا فرمائے گئے ہیں آپ ﷺ کی ایک خصوصیت آپ ﷺ کا سید الانبیاء ﷺ ہونا ہے آپ ﷺ جامع کمالات انبیاء ہیں۔ آپ کے رعب کے ذریعے نصرت بخشی گئی۔ اموال غنیمت حلال کیے گئے۔ انھی امتیازات اوصاف کی بناء پر آپ ﷺ تمام انبیاء و رسل سے افضل و اکرم قرار پائے۔ آپ ﷺ کا افضل الانبیاء والرسل ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ نبوت کا زریں سلسلہ جس کا آغاز حضرت آدمؑ سے ہوا تھا بعثت نبوی ﷺ کے ساتھ اپنے منتہائے کمال کو پہنچ کر ختم ہو چکا، اب قیامت تک آپؐ ہی کی نبوت و رسالت جاری و ساری رہے گی۔ اس حدیث نبوی ﷺ میں آپ ﷺ نے اپنی خصوصیات کے ساتھ خاتم النبیین ہونے کے امتیازی وصف کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

۳۔ آپ ﷺ کے اسماء آپ کے آخری نبی ہونے پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدِي نَبِيٌّ)) (۲)

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغنیمۃ، حدیث نمبر: ۱۵۵۳، ۱۲۳/۴؛ مسند احمد، حدیث نمبر: ۹۳۲۶، ۴۱۱/۲

(۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ ﷺ، حدیث نمبر: ۲۳۵۴، ص: ۱۰۳۴؛ مصنف، عبدالرزاق بن ھمام الصنعانی، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۳ھ، الطبعۃ الثانیۃ، حدیث نمبر: ۱۹۶۵۷، ۴۴۶/۱؛ مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۶۷۸۰، ۸۰/۴

ترجمہ: میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ہوں۔ میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ سے کفر محو کیا جائے گا۔ میں حاشر ہوں کہ میرے بعد لوگ حشر میں جمع کیے جائیں گے۔ اور میں عاقب ہوں، اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

۴۔ حضور ﷺ کے بعد نبوت نہیں بلکہ مبشرات ہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

((لاَ نُبُوَّةَ بَعْدِی إِلاَّ الْمُبَشِّرَاتِ، قِیلَ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ؟ قَالَ ''اَلرُّؤْیَا الْحَسَنَۃُ'' أَوْ قَالَ ''اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ'')) [1]

ترجمہ: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے صرف بشارت دینے والی باتیں ہیں۔ عرض کیا گیا وہ بشارت دینے والی باتیں کیا ہیں یارسول اللہ؟ فرمایا اچھا خواب یا فرمایا نیک خواب۔

یعنی وحی کا اب کوئی امکان نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ ملے گا بھی تو بس اچھے خواب کے ذریعہ سے مل جائے گا۔

۵۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے ساتھ ساتھ سلسلہ نبوت کے ختم ہو جانے کا ذکر فرمایا ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَوْ کَانَ بَعدی نَبیاً لَکَانَ عمرُ بن الخطاب)) [2]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتے۔

اس حدیث مبارکہ میں حضرت عمرؓ کی فضیلت کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی ختم نبوت کا بھی بیان ہے۔ حضور ﷺ نے آپ ﷺ کی شخصی فضیلت اور خصوصیات کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ اگر میرے بعد کسی نئے نبی کا آنا ممکن ہوتا تو وہ حضرت عمر بن الخطابؓ ہوتے۔ چونکہ آپ ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا تھا اور آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت ملنا محال تھا اس لیے آپؐ نے ان کے لیے منصب نبوت کے امکان کی نفی فرمائی۔ سیدنا عمر فاروقؓ کو منصب نبوت نہ ملنا اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں، آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۳۸۴۶، ۵/۴۵۴؛ سنن، سعید بن منصور الخراسانی، الدار السلفیۃ الھند، ۱۹۸۲ء، طبع الاولیٰ، حدیث نمبر: ۱۰۶۸، ۵/۳۲۱؛ الاحادیث المختارۃ، محمد بن عبدالواحد بن احمد الحنبلی المقدسی، مکتبۃ النھضلۃ الحدیثۃ مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۰ھ، الطبعۃ الاولیٰ، حدیث نمبر: ۲۶۴، ۸/۲۲۳؛ مجمع الزوائد، ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان، دار الکتاب العربی بیروت لبنان، ۱۹۸۷ء، ۷/۱۷۳

(۲) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی المناقب عمر بن الخطاب، حدیث نمبر: ۳۶۸۶، ۵/۶۱۹، (نیز دیکھئے: المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر: ۴۴۹۵، ۳/۹۲؛ المعجم الکبیر، سلیمان بن احمد بن ایوب القاسم الطبرانی، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء، حدیث نمبر: ۸۲۲، ۱۷/۲۹۸

۶۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((يَا عَلِيُّ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلاَّ أَنَّهُ لاَ نُبُوَّةَ بَعْدِی))[1]

ترجمہ: اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہے جو موسیٰؑ کے ساتھ ہارونؑ کی تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو خود سے وہی نسبت دی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تھی لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو حضور ﷺ کی نبوت کی اتباع میں نبی بنانا مقصود ہوتا تو حضرت علی المرتضیٰؓ کو بنایا جاتا۔اس حدیث نبوی سے ثابت ہوا کہ حضور رحمت عالم ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

۷۔ حضور ﷺ نے جھوٹے مدعیان نبوت کے بارے میں پیشن گوئی فرمادی تھی اور فرمایا دیا تھا کہ اس کے بعد اگر کوئی نبوت کا دعوی کرے گا تو وہ جھوٹا اور کذاب ہوگا۔ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلاَثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِی))[2]

ترجمہ: میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ نبی ہے۔
سن لو! میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضور ﷺ کی بعثت کے ساتھ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس لیے اب کسی شخص کے منصب نبوت پر فائز ہونے کی گنجائش نہیں رہی چنانچہ اب اگر کوئی شخص نبوت ورسالت کا دعویٰ کرتا ہے تو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ کذاب اور جھوٹا ہے۔ حضور ﷺ نے نہ صرف جھوٹے مدعیان نبوت کے بارے میں پیشگی اطلاع دے دی بلکہ آپ ﷺ نے توان کی تعداد کا تعین بھی فرمادیا۔اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد جھوٹے مدعیان نبوت کی خبر دیتے ہوئے واضح فرمادیا کہ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہے۔ حضور ﷺ نے واضح الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور یہ کہ ختم

---

[1] سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب علی ابن ابی طالب، حدیث نمبر: ۳۷۳۰، ۶۴۰/۲

[2] ایضاً، کتاب الفتن، باب ما جاء لا تقوم الساعۃ حتیٰ یخروج کذابون، حدیث نمبر: ۲۲۱۹، ۴۹۹/۴، (نیز دیکھیے: سنن ابی داؤد، سیلمان ب الاشعث السجستانی، دار الکتاب العربی بیروت لبنان، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلھا، حدیث نمبر: ۴۲۵۲، ۹۷/۴؛ سنن ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، دار الفکر بیروت لبنان، کتاب الفتن، باب مایکون من الفتن، حدیث نمبر: ۳۹۵۲، ۱۳۰/۲

نبوت کا تاج صرف میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ میرے بعد جو کوئی بھی نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہوگا۔اس حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے تین طریقوں سے اپنی شانِ ختم نبوت کو بیان فرمایا ہے۔

ا۔ جھوٹے مدعیان نبوت کی خبر دے کر یہ اعلان فرمادیا کہ سلسلہ نبوت میری ذات پر ختم ہو چکا، لہٰذا آئندہ جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا ان کا شمار ان جھوٹوں میں ہوگا۔

۲۔ لا نفی جنس کے ذریعے اپنے بعد جنسِ نبوت کی نفی فرمادی۔

۳۔ خود کو خاتم النبیین یعنی تمام نبیوں کی آمد کو ختم کرنے والا فرمایا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حضور ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ نبوت کا جو سلسلہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کی طرح احادیث نبوی ﷺ میں بھی حضور ﷺ کی رسالت کمال صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک جاری و ساری ہے آپ ﷺ نے مختلف تمثیلات کے ذریعے قرآنی اصطلاح خاتم النبیین کے معنی کو بلیغ انداز سے واضح فرمادیا ہے آپ ﷺ نے نبوت کو ایک محل سے تشبیہ دے کر خود کو اس کی آخری اینٹ قرار دیا جس کے معنی یہ ہیں کہ قصر نبوت مکمل ہو جانے کے بعد اب اس میں ایک اینٹ کی گنجائش بھی نہیں رہی۔ آپؐ نے احادیث میں خاتم النبیین کی صراحت لا نبی بعدی کے الفاظ کے ذریعے فرما کر ہر قسم کی نبوت کے امکان کی نفی فرمادی۔ آپؐ نے اپنے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی پیشگی خبر دے کر امت کو بروقت ان کے فتنے سے خبردار فرمادیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کے لیے بھی امکان نبوت کی نفی فرما کر امتی نبی کے تصور ہی کو جڑ سے کاٹ دیا۔ حضور ﷺ نے خود لفظ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی جس کے بعد کوئی نبی نہیں متعین فرمادیا ہے جو شخص رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ معنی کو چھوڑ کر اپنی پسند کا معنی تلاش کر کے اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل چاہتا ہے وہ رسول ﷺ کا منکر ہے اور جو رسول ﷺ کا منکر ہے اس کا اسلام سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔

صحابہ کرامؓ کا اجماع

قرآن وحدیث کے بعد تیسرے درجے میں اہم ترین حیثیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی ہے۔ یہ بات تمام تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے فوراً بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور جن لوگوں نے ان کی نبوت تسلیم کی ان سب کے خلاف صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق جنگ کی تھی۔اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ مسیلمہ کذاب کا معاملہ قابل ذکر ہے یہ شخص نبی ﷺ کی نبوت کا منکر تھا بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ اسے حضور ﷺ کے ساتھ شریک نبوت بنایا گیا ہے۔اس نے حضور ﷺ کی وفات سے پہلے جو عریضہ آپ ﷺ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

''مِنْ مُسَیْلمةٍ رَسُولِ اللهِ إلیٰ مُحَمّدٍ رَسُول الله سَلامٌ عَلیکَ فإنِّي أَشرَکتُ فِي الأَمرِ مَعَکَ'' [1]

ترجمہ: مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف آپ پر سلام ہو۔ آپ کو معلوم ہو کہ میں آپ کے ساتھ نبوت کے کام میں شریک کیا گیا ہوں۔

مشہور مؤرخ طبری نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ مسیلمہ کے ہاں جو اذان دی جاتی اس میں اشھد ان محمد رسول اللہ کے الفاظ بھی کہے جاتے تھے۔اس صریح اقرار رسالت محمدی ﷺ کے باوجود اسے کافر اور خارج از ملت کر دیا گیا اور اس سے جنگ کی گئی۔ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو بنو حنیفہ نیک نیتی کے ساتھ اس پر ایمان لائے تھے اور انھیں واقعی اس غلط فہمی میں ڈالا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کو خود شریک رسالت کیا ہے۔[2] مگر اس کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے خلاف جنگ کی اور وہ جنگ خلاف ارتداد کی بنا پر نہیں بلکہ بغاوت کے جرم میں کی تھی۔ اسلامی قانون کی رو سے باغی مسلمانوں کے خلاف اگر جنگ کی نوبت آئے تو ان کے اسیرانِ جنگ غلام نہیں بنائے جاسکتے بلکہ مسلمانوں تو درکنار، ذمی بھی اگر باغی ہوں تو گرفتار ہونے کے بعد ان کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ لیکن مسیلمہ اور ان کے پیرووں پر جب چڑھائی کی گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اعلان فرمایا کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا جائے گا۔ اور جب وہ اسیر ہوئے تو فی الواقع ان کو غلام بنایا گیا انہی میں سے ایک لونڈی حضرت علیؓ کے حصے میں آئی جس کے بطن سے تاریخ اسلام کی مشہور شخصیت محمد بن حنفیہ [3] نے جنم لیا۔[4]

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہؓ نے جس جرم کی بناء پر ان سے جنگ کی تھی وہ بغاوت کا جرم نہ تھا کہ ایک شخص نے محمد ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اور دوسرے لوگ اس کی نبوت پر ایمان لائے ہیں یہ کاروائی حضور ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ہوئی ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ہوئی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت کے اتفاق سے ہوئی۔ اجماع کی اس سے زیادہ صریح مثال اور کوئی نہیں۔

---

[1] تاریخ الامم والملوک، ۲/۲۰۳

[2] البدایۃ والنہایۃ، ۵/۵۱

[3] حضرت علی کی ایک خولہ نامی کنیز سے بیٹے تھے۔ جو کہ جنگ یرموک میں اسیر ہوئی تھی۔ محمد حنفیہ کی پیدائش ۱ھ میں مدینہ میں ہوئی اور ۸۱ھ میں مدینہ میں ہی وفات پائی۔

[4] البدایۃ والنہایۃ، ۶/۳۶

علماء وفقہاء کی آراء

اجماع کے بعد چوتھے نمبر پر مسائل دین میں جس چیز کو حجت کی حیثیت حاصل ہے وہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد علمائے امت کا اجماع ہے۔ اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی سے لے کر آج تک ہر زمانے کے اور پوری دنیائے اسلام میں ہر ملک کے علماء اس عقیدے پر متفق ہیں کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا اور یہ جو بھی دعویٰ کرے یا اس کو مانے وہ کافر خارج از ملت اسلام ہے ان میں سے چند علماء وفقہاء کی آراء درج ذیل ہیں:

۱۔ امام المفسرین ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) اپنی مشہور تفسیر قرآن میں آیت ولکن الرسول الله وخاتم النبيين کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''أَلَذى خَتَم النبوَة فطُبعَ عَلَيهَا فَلَا تُفتَحُ لأَحَد بَعدَه إلى قِيَامِ السَّاعَة''[1]

ترجمہ: جس نے نبوت کو ختم کر دیا اور اس پر مہر لگا دی، اب قیامت تک یہ دروازہ کسی کے لیے نہیں کھلے گا۔

۲۔ امام بیضاویؒ (۶۸۵ھ) اپنی تفسیر انوار التنزیل میں لکھتے ہیں:

''وَآخِرُهُمُ الَّذى خَتَمَهُم أو خَتَمُوا به عَلى قرَاءَة عَاصِم بالفَتح وَلَا يَقدَحُ فيه نُزُولُ عيسىٰ بَعدَه لِأَنَّه إذَا أُنْزِلَ كَان على دينه''[2]

ترجمہ: آپؐ (بعثت کے اعتبار سے) انبیاء میں سب سے آخری نبی ہیں۔ آپؐ نے (تشریف لا کر) ان کے سلسلہ کو ختم کر دیا سلسلہ نبوت پر مہر لگا دی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضور ﷺ کے بعد (دوبارہ قرب قیامت میں) نازل ہونا آپؐ کی ختم نبوت میں خارج نہیں ہے (کیونکہ انھیں آپؐ کی بعثت سے قبل منصب نبوت پر فائز کیا گیا تھا) چنانچہ اب وہ حضور ﷺ کے دین اور شریعت کے متبع اور پیرو کار کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔

۳۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے نزدیک تو مدعی نبوت سے دلیل طلب کرنا بھی کفر ہے اس حوالے سے آپ کا مؤقف یہ ہے:

''وتنبا رجل فی زمن أبی حنیفه رحمه الله وقال أمْهلونی حتّی أجیبی

---

[1] جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۲/۲۲

[2] انوار التنزیل، عبداللہ بن عمر بن محمد بیضاوی، مؤسسۃ الاعلمی بیروت لبنان، ۱۹۹۰ء، ۳۸۵/۳

بالعلامات،وقال أبوحنيفه رحمه الله:من طلب منه علامه فقد كفر لقول النبیﷺ: لا نبی بعدی''[1]

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس نے کہا کہ مجھے مہلت دو کہ اپنی نبوت کی علامات پیش کروں، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ جو شخص اس سے نبوت کی کوئی دلیل طلب کرے گا وہ بھی کافر ہے کیونکہ حضورﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

۴۔امام ابو جعفر طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) اپنی کتاب العقیدہ السلفیہ میں سلف صالحین اور خصوصاً امام ابو حنیفہؒ، امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کے عقائد بیان کرتے ہوئے نبوت کے بارے میں عقیدہ تحریر فرماتے ہیں:

''وكلّ دعویٰ النبوة بعده فغی وهوی''[2]

ترجمہ: حضورﷺ کے بعد ہر قسم کا دعویٰ نبوت گمراہی اور خواہش نفس کی پیروی ہے۔

۵۔امام ابن حزم اندلسیؒ (م ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

''وأنّ الوحی قد إنْقطع مذمات النبی ﷺ برهان ذلک أنّ الوحی لایکون إلّا إلی نبی وقد قال عزوجلّ(ماکان محمدا أبا أحد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین)[3]

ترجمہ: بیشک حضورﷺ کے وصال کے بعد نزول وحی منقطع ہو گیا اس کی دلیل یہ ہے کہ وحی کا نزول صرف نبی پر ہوتا ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ محمدﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں یعنی جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔

۶۔امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

''إنّ الامة فَهِمَتْ بِالإجماع مِن هذَا اللَفظ وَمِن قَرَائن أَحوَاله أنّه أَفهم عدم

---

[1] مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، ابن احمد المکی، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ پاکستان، ۱۴۰۷ھ، ص: ۱۶۱/۱

[2] العقیدة السلفیة، احمد بن محمد بن سلامہ ابو جعفر طحاوی، دار المعارف مصر، ص: ۱۷

[3] المحلی، ابو محمد علی بن احمد بن سعید اندلسی ابن حزم، دار الآفاق الجدیدۃ بیروت لبنان، ص: ۲۶/۱

نبی بعده أبداًوعدم رسول الله أبداً وأنه ليس فيه تاويل ولا تخصيص فمن نكر هذالا يكون وإلّا منكر الاجماع''[1]

ترجمہ: بیشک تمام امت محمدیہ ﷺ نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین اور لا نبی بعدی) سے اور قرآئن احوال سے یہی سمجھا ہے کہ آپؐ کے بعد کبھی بھی نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ ہی رسول، نیز یہ کہ میں کسی قسم کی نہ کوئی تاویل ہوسکتی ہے نہ تخصیص پس اس کا منکر اجماع امت کا منکر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا تصریحات، تشریحات اور دلائل واقوال سے ثابت ہوگیا کہ امت نے خاتم النبیین کا مطلب ہمیشہ ہی سمجھا ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپؐ کے بعد قیامت تک ہر قسم کی نبوت ورسالت کا سلسلہ بند ہوچکا ہے۔ اس لیے آپؐ کے بعد جو شخص بھی نبوت ورسالت کا دعویٰ کرے اور پھر اس دعویٰ کے بارے میں کتنی ہی تاویلیں کیوں نہ کرے تو بالاجماع اسے کافر، مرتد اور زندیق ہی سمجھا جائے گا اور صرف اسے ہی نہیں بلکہ اسے سچا ماننے والوں کو بھی اس دائرہ میں شامل کیا جائے گا حتیٰ کہ جو اس کے ماننے والوں کے کفر میں شک بھی کرے اسے بھی خارج از اسلام قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا ہر صدی کے اکابرین امت خاتم النبیین سے مراد ''آخری نبی'' ہی لیتے رہے ہیں۔

---

[1] الاقتصاد فی الاعتقاد، محمد بن محمد الغزالی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ص: ۱۶۰

ختم نبوت تورات اور انجیل کے آئینے میں

نبی عربی پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد تمام نبوتیں ختم، قرآن کریم کے نزول کے بعد سابقہ تمام صحف سماویہ منسوخ اور دین اسلام کے بعد تمام ادیان نامقبول قرار پائے اور اعلان کر دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہ عقیدہ اپنی پختہ بنیادوں پر قائم ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ سلسلہ نبوت و رسالت کے آخری فرد ہیں اور آپ ؐ کی نبوت و ختم نبوت کا تذکرہ سابقہ آسمانی کتب میں موجود تھا۔ بطور خاص توریت اور انجیل میں آپ ﷺ کی نبوت اور صفات کا تذکرہ ایسے واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اسے ذکر فرمایا تھا کہ اسے جھٹلانا ایک عظیم سچائی کی تکذیب ہے لیکن یہود ونصاریٰ نے محض خاندانی تعصب اور حسد کی بنیاد پر اس سچائی کی تکذیب کی اور اب تک اس کی تکذیب میں ڈوب کر سعادت و نجات سے جان بوجھ کر محروم ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر سابقہ صحف سماویہ میں موجود ہے۔ یہود و نصاریٰ کی تحریف کے باوجود محض اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان اذکار کی حفاظت فرمائی تورات اور انجیل میں حضور ﷺ کی ختم نبوت کا جو تذکرہ موجود ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ زبور میں ایک جگہ حضرت داؤدؑ نے فرمایا:

> ”خداوند ابد تک تخت نشین ہے اس نے عدالت کے لیے اپنی مسند تیار کی ہے اور یوں وہ عدل و انصاف سے جہاں کا انصاف کرے گا اور راستی سے قوموں کی عدالت کرے گا۔ خداوند مظلوموں کے لیے محکم مکان ہے۔“[۱]

زبور کی ان آیات میں حضور ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں جو آپ ﷺ کی نبوت منسوخ کر دے۔ آپ ؐ کے ظہور کے ساتھ نبوت کا سلسلہ جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا وہ درجہ کمال کی انتہا کو پہنچ کر ختم ہو گیا۔ آپ ؐ آخری نبی ہیں اور آپ ؐ کی نبوت ہمیشہ اور ابد الآباد تک قائم رہے گی۔ آپ ؐ کے بعد آپکی شریعت کو منسوخ کرنے والا اب کوئی نہیں آئے گا۔ نبوت کا باب اللہ تعالیٰ نے بند کر دیا ہے تو رہتی دنیا تک آپکی نبوت قائم رہے گی۔

۲۔ حضرت داؤدؑ کی اس پیشنگوئی میں نہایت وضاحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

> ”میں تیری حمد و ثنا کروں گا۔ تو نے میری سن لی اور میری نجات ہوئی جس پتھر کو معماروں نے رد کیا، وہی کونے کے سرے کا پتھر (چوٹی کا پتھر)[۲] ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا، اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ یہ وہی دن ہے جسے خداوند نے مقرر کیا،

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، زبور: ۹/۸-۹

[۲] بائبل کے بعض ترجموں میں کونے کا سرا، اور مولانا عبدالحق ودیارتھی نے چوٹی کا پتھر لکھا ہے۔

ہم اس میں شادماں ہوں گے اور خوشی منائیں گے۔ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے

آتا ہے۔"[1]

اس پیشینگوئی میں سب سے پہلے حضرت داؤدؑ کا ارشاد ہے کہ "میں تیری حمد و ثنا کروں گا" یہود ایسے بدبخت تھے کہ انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام پر ایسے مکروہ عیب لگائے کہ جن کا ذکر کرنا گناہ عظیم ہے، یہ سب کچھ بائیبل میں موجود ہے۔ رسول ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے تو آپؐ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ان گناہوں اور الزامات سے مبراء اور معصوم قرار دیتے ہوئے سختی سے ان سب عیوب کی تردید فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام مدتوں پہلے رسول اور نبی ہونے کی حیثیت سے یہ سب جانتے تھے کہ میرے اوپر قوم الزامات و عیوب لگائے گی جس کی تردید محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے اور یوں مجھے ان لگائے گئے عیوب سے نجات ملے گی اس لیے فرمایا میں داؤدؑ اس عظیم محمد ﷺ ہستی کی حمد و ثناء کرتا ہوں۔

"وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا۔" رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت و قوم ہی وہ پتھر ہے جسے بنی اسرائیل کے معماروں یعنی علما وغیرہ نے ہٹ دھرمی اور تعصب کی بناپر رد کیا۔ اور کہا کہ بنی اسماعیل میں تو کوئی خوبی ہی نہیں۔ یہ تو ہمارے نزدیک ایک رد شدہ قوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کو بنی اسماعیل میں مبعوث فرمایا جنھوں نے چوٹی کا پتھر ہونے کی حیثیت سے نبوت عالم کے عمل کی تکمیل فرمائی اگر یہ چوٹی کا پتھر یعنی محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف نہ لاتے تو قصر نبوت کی ساری عمارت ہی بے کار ہوتی۔ عربی بائیبل میں اس چوٹی کے پتھر کو 'روش پناہ' کہا گیا ہے جو گنبد کی چوٹی کا پتھر ہوتا ہے پھر وہ عمارت جو دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے بنائی جاتی ہے اس میں تعمیر شدہ برج کے آخری پتھر کو بھی "روش پناہ" کہا جاتا ہے۔ پناہ کے معنی حفاظتی برج کے ہیں۔[2]

مذکورہ تشریح سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قصر نبوت کی چوٹی کے پتھر سے مراد صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے جس نے دنیا میں تشریف لا کر تمام نبوتوں کا خاتمہ فرمادیا اور یوں آپؐ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ بنی اسرائیل میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے خود یا اس کے متعلق خالق کائنات نے یہ کہا ہو یا دعویٰ کیا ہو کہ وہ خاتم النبیین ہے اور اس کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور حضور اکرم ﷺ نے خود اللہ کے حکم سے اپنے لیے خاتم النبیین کا دعویٰ کیا ہے۔

۳۔ حضرت یسعیاہ علیہ السلام سرکار دوعالم ﷺ کی ختم نبوت کے بارے میں فرماتے ہیں:

" اس سے پہلے زبلون اور نفتالی (پسران یعقوبؑ) کی سرزمین کو ذلت دی پر آخر زمانہ

---

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، زبور: ۲۱/۱۱۸-۲۴، ۲۶

(۲) ایضاً، تواریخ: ۱۵/۲۶، صفنیا: ۱۶/۱، ۶/۳

میں غیر قوموں کے جلیل میں سمندر کی طرف یردن کے پار شرف دے گا۔ جو لوگ تاریکی میں چلتے تھے انھوں نے بڑی روشنی دیکھی۔ جو موت کے سائے کے ملک میں رہتے تھے ان پر نور چمکا۔ ہمارے لیے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اس کے کندھے پر ہوگی اور اس کا نام عجیب مشیر خدائے قادر ابدیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ ہوگا اسکی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہ ہوگی۔ وہ داؤدؑ کے تخت اور اس کی مملکت پر ابتدا سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت و صداقت سے اسے قیام بخشے گا۔ رب الافواج کی غیوری یہ کرے گی۔''[۱]

حضرت یسعیاہ علیہ السلام کی اس بشارت کو غور سے پڑھا جائے تو پانچ چیزیں ایسی ہیں جنکا ذکر کیا گیا ہے جن کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سرکار کائنات حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔

''اس نے پہلے زبلون اور نفتالی کی سرزمین کو ذلت دی'' زبلون اور نفتالی حضرت یعقوبؑ کی پسران کی سرزمین جلیل کہلاتی ہے۔ اس کو خداوند تعالیٰ نے ذلت دی۔ یعنی جب بنی اسرائیل بداعمالیوں میں انتہا کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کر دیا اور ان سے انکا ملک چھین لیا۔ اس ذلت آمیز زندگی کے بعد پھر آخری زمانہ میں جب بنی اسرائیل مکمل طور پر دم توڑ چکے ہوں گے تو حکومت اور نبوت ان سے چھین لی جائے گی۔ اس کے بعد وہ وقت آئے گا کہ ان کو مکرّر شرافت دی جائے۔''[۲]

دوسری بصیرت اس متعلق ہے کہ ان کی شرافت کا سامان کس ملک میں پیدا ہوگا؟ غیر قوموں کے جلیل یعنی سرزمین یا علاقہ میں ''سمندر کی جانب یردن کے پار ان کو پھر شرف دے گا'' جلیل کے معنی عبری زبان میں علاقہ یا سرزمین کے ہیں غیر قوموں کے جلیل سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں یہود دوسری قوموں کے ساتھ رہتے ہوں وہ علاقہ کونسا ہے تاریخ عالم گواہ ہے کہ یہود جس علاقے میں دوسری قوموں کے ساتھ رہتے تھے وہ مدینہ منورہ ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ جب ہجرت فرما کر یثرب میں تشریف لائے تو آپؐ کے صدقے یثرب مدینہ منورہ بن گیا اور یوں اس شہر کی ہی قسمت نہیں بدلی بلکہ وہاں کے رہنے والے یہود نے اسلام قبول کرلیا اور یوں وہ لوگ بھی اس شرف و عزت میں حصہ دار بن گئے جو حضور ﷺ کے صدقے مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ اس سرزمین کا بشارت میں دوسرا نشان یہ بتایا گیا کہ ''وہ تاریکی کا ملک تھا۔ موت کے سایہ کی سرزمین تھی۔'' جہالت، بت پرستی، گمراہی، اور قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ وہاں انھوں نے نورانی روشنی دیکھی جس نے دنیا کی قسمت بدل کر رکھ دی۔ وہ نور ایک ایسے لڑکے کے ذریعے عطا کیا گیا جسے خود اللہ تعالیٰ نے اس غرض کے لیے مبعوث فرمایا۔ وہ نور والا ایسی کامل و

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، ایضاً، تواریخ: ۱۵/۲۶، یسعیاہ: ۹/ ۱-۲، ۶-۷

[۲] سیرت سرور کونین ﷺ، ۳/ ۶۴

اکمل شریعت لے کر تشریف لایا جس نے ہر سو امن، سلامتی اور بھائی چارہ کی نہ ختم ہونے والی حقیقی فضا پیدا فرمادی۔ یہ شریعت حضرت محمد ﷺ کو عطا کی گئی۔

''اور سلطنت اس کے کاندھے پر ہوگی''تاریخ گواہ ہے کہ حضور ﷺ کو خالق کائنات نے سلطنت اور شریعت دونوں چیزیں عطا فرمائیں جبکہ بنی اسرائیل میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کو سلطنت و شریعت دونوں چیزیں ایک ہی وقت میں عطا کی گئی ہوں یہی وجہ ہے کہ فرمایا اس کا نام ہے:

''پیلے یو عیص ایل حیورابی اور سر شلوم''[1]

ترجمہ: وہ آنے والا موعود بے نظیر واعظ، خداوند قدرت ہمیشہ رہنے والا باپ ہے۔

اس ارشاد کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ بے نظیر واعظ، قدرت اور طاقت والے ہیں جو ہمیشہ رہیں گے۔ آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نبی اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد دنیا میں قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا کہ وہ کسی بھی قوم کا باپ کہلا سکے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ابوت اور نبوت دائمی ہے۔

اس پیشینگوئی میں لفظ ''شلوم'' کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی سلامتی دینے والا یا مسلم کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی اور ذات مقدسہ ہی شلوم یعنی سلامتی دینے والا یا مسلم ہے۔ عبرانی الفاظ کی بنا پر آپ ﷺ بے مثال واعظ، ہمیشہ دشمنوں پر غالب آنے والے اور تمام اقوام کے والد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا کہ وہ امت کا باپ کہلا سکے۔ ورنہ پیشنگوئی مبہم ہو جائے گی اسی کی توضیح کے لیے فرمایا اس سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہ ہوگی۔[2]

''وہ داؤد علیہ السلام کے تخت اور اسکی مملکت پر ابتداء سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت اور صداقت سے اسے قیام بخشے گا۔ رب الافواج کی غیوری یہ کرے گی۔'' تاریخ گواہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور ابد تک انہی کے قبضہ میں رہے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس پیشنگوئی میں داؤدؑ کا تخت اضافت کے ساتھ شان و شوکت اور پر شکوہ حکومت و تخت کے اظہار کے لیے استعمال ہوا ہو۔ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام دشمنوں سے انتہائی دکھ اور تکلیف اٹھا کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور ہجرت کے بعد اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے ایک زبردست سلطنت کے بانی ہوئے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو بھی مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کے قبیلے والوں اور مشرکین نے بڑی تکلیفیں اور دکھ پہنچائے یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد ہی حضور اکرم ﷺ اپنے جانی دشمنوں پر اس شان و شوکت سے فاتح بن کر غالب آئے جسکی مثال تاریخ عالم میں نہ پہلے کبھی تھی اور نہ ہی قیامت تک

---

(1) میثاق النبیین، ص: ۴۰۴

(2) ایضاً، ص: ۴۰۵

ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے جس عظیم الشان اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی اللہ کے فضل و کرم سے اب تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گی ۔

بنی اسرائیل میں اب تک کوئی موعود ایسا پیدا نہیں ہوا اور یہ سارے نشانات چونکہ حضور ﷺ پر پورے ہوتے ہیں۔ لہٰذا بنی اسرائیل کا غیر قوموں کے علاقہ میں شرف دینے والا صرف آنحضرت ﷺ ہیں اور آپ ﷺ ہی خاتم النبیین مسلم اور سب قوموں کے روحانی باپ ہیں اور حکومت و سلطنت کے اعتبار سے تخت داؤد علیہ السلام کے وارث ہیں۔

۴۔ حضرت یسعیاہؑ نے یہ بشارت ارشاد فرمائی جس میں اقوام عالم کے لیے ایک جھنڈا اور مدینہ منورہ کا ذکر فرمایا:

> ''اور اس دن ایسا ہو گا کہ یشی کی اس جڑ کی جو قوموں کے لیے علم کی طرح کھڑی ہو گی۔ قومیں طالب ہوں گی۔ اور اسکی آرام گاہ جلال بنے گی اور اس دن ایسا ہو گا کہ خداوند دوسری مرتبہ اپنا ہاتھ بڑھا کے اپنے لوگوں کا بقیہ بچ رہا ہوا سور اور مصر فتروش اور کوش اور ایلام اور صنعاء اور حمات اور سمندری اطراف سے پھیر لائے گا۔ اور وہ تمام قوم کے ایک جھنڈا کھڑا کرے گا۔ اور ان اسرائیلیوں کو جو خارج کیے گئے ہیں جمع کرے گا اور سارے بنی یہوداہ کو جو پراگندہ ہوں گے زمین کے چاروں کونوں سے فراہم کرے گا۔''[۱]

اس پیشنگوئی میں یشی کا لفظ استعمال ہوا ہے اہل یہود و نصاریٰ اپنی فطرت کے مطابق ہر لفظ کو جس میں رسول ﷺ کے متعلق بیان ہوا سے اپنے لفظوں کے ہیر پھیر سے اس مطلب کو اپنی قوم یا اپنے پیغمبر کے ساتھ غلط انداز سے منسوب کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ یشی حضرت داؤدؑ کے والد کا نام تھا۔ یہود علماء پیشنگوئی کے اس لفظ یشی کی تشریح میں بیان کرتے ہیں کہ یشی کا ایک ہی بیٹا داؤدؑ تھا یوں موعود کا نسل داؤدؑ سے ہونا فرض کیا جاتا ہے حالانکہ سموئیل اول سے یہ ثابت ہے کہ یشی کے حضرت داؤدؑ کے علاوہ سات بیٹے اور بیٹیاں بھی تھیں۔ ان میں سے ایک بیٹی ابی جبل کا نکاح میترا اسماعیل کے ساتھ ہوا تھا اگر یشی سے مراد حضرت داؤدؑ کے والد لیے جائیں تو اس سے عماسا میترا اسماعیل کا بیٹا تھا۔ پس یوں یشی سے مراد ان کی بیٹی کی اولاد بنی اسماعیل ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ یشی سے عبری زبان میں مراد حضرت داؤدؑ کے والد نہیں بلکہ اس لفظ کو یشماعیل کا مخفف بتایا گیا ہے جس سے مراد سیدنا حضرت اسماعیلؑ کا اسم مبارک ہے۔ عبری بائیبل کا قائدہ ہے کہ اکثر لمبے ناموں کو مختصر یا مخفف کر کے لکھا جاتا ہے۔ یوں یشی ان کے نزدیک یشماعیل کا مخفف ہے اس سلسلے میں تمام مخففات کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں لکھا ہے:

---

[۱] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، یسعیاہ: ۱۱/۱۰-۱۲

‘‘Other abbreviations have the ending “i or ai” the first part of the name being sometime more violently contracted’’۔[1]

جن الفاظ کے آخر میں ’ی‘ یا ’آئی‘ آتا ہے وہ الفاظ اکثر مخفف ہوئے ہیں مثلاً امصی اماصیہ کا، یشی یشعیاہ کا، زکری زکریا کا، اور زبی زبادیاہ کا مخفف ہے۔ انسائیکلوپیڈیا بیبلیکا میں جہاں Names کی بحث ہے وہاں یشی کے بارے میں یوں لکھا ہے:

“Jesse is contracted from yeshmail” [2]

ترجمہ: یشی اسماعیل کا مخفف ہے۔

حضرت یسعیاہؑ جناب یشی کی اس جڑ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ قوموں کو ایک جگہ جمع کرنے کا علم ہو گی یعنی جھنڈا ہو گی تمام قومیں اسکی طلبگار ہوں گی، اور اس کی آرام گاہ جلال بنے گی۔ ساری دنیا کی قوموں کے ایک ہی مطلوب شہنشاہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کا ہی وہ عظیم الشان جھنڈا ہے جس کے نتیجے اقوام عالم کے لوگ جمع ہوئے ہیں اور ان شاءاللہ یہ سلسلہ قیامت تک یوں ہی جاری رہے گا۔ دنیا میں اسلام ہی وہ واحد دین حق ہے جس نے دیگر تمام مذاہب سے خراج وصول کیا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔ رسول ﷺ کی آرام گاہ کے جلال کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی ذی روح آپؐ کے روضہ انور کے ارد گرد آواز بلند نہیں کر سکتا۔ مدینہ میں جا کر ہر کوئی اس نظارے کو دیکھ سکتا ہے۔ قیامت تک کسی کی مجال نہیں کہ روضہ اقدس پر بلند آواز سے گفتگو کرے یہ بشارت و پیشنگوئی حضور ﷺ کی ذات اقدس کے لیے ہی ہے۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ بشارت کے الفاظ ’اسکی آرام گاہ جلال بنے گی‘ کے مصداق حضور ﷺ ہیں۔

اس بشارت کے اگلے الفاظ ہیں ”اس دن ایسا ہو گا کہ خداوند دوسری مرتبہ اپنا ہاتھ بڑھا کے اپنے لوگوں کا باقی حصہ جو بچ رہا ہو گا۔ اسور اور مصر فتروش کوش اور ایلام صنعا اور حمات اور سمندری طرافت سے لائے گا اور سب قوموں کے لیے ایک جھنڈا کھڑا کرے گا۔“ اس مذکورہ بشارت کا رسول ﷺ کے حق میں ثابت ہونے کا عیاں ثبوت تاریخ اسلام کے مطالعے سے کھل کر سامنے آ جاتا ہے وہ اس طرح کہ جب بنی اسرائیل کی گمشدہ یا گمراہ شدہ اقوام جو اسیر یا مصر کوش، فتروش یعنی جنوبی مصر وغیرہ میں سکونت پذیر تھیں سب سرکار کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دست حق پر ایمان لا کر اسلامی فتح کے جھنڈے کے نیچے اکٹھی ہو گئیں اور قیامت تک آپکے جھنڈے تلے رہیں گی تمام اقوام کے لیے ایک جھنڈا کھڑا کرنا اور اقوام کا ان کے نیچے اکٹھا ہونا ختم نبوت کی صریح نشانی ہے۔ مزید الفاظ بشارت کے یہ ہیں کہ ان اسرائیلوں کو جو خارج کیے گئے ہیں جمع کرے گا اور سارے بنی یہوداجو پراگندہ ہو جائیں ان کو زمین کے چاروں کونوں سے فراہم کرے گا۔

---

[1] Encyclopedia Biblica, T-K- Cheyne and J- Sutherland Black, The Macmillan & co- London, 1902,V:3, P:3271

[2] Encyclopedia Biblica, T-K- Cheyne and J- Sutherland Black, V.5,P.1507

بنی اسرائیل کی وہ وقومیں جو پراگندہ ہو کر بت پرست ہو گئیں اوران لوگوں نے وسطی ایشیاءاورافغانستان میں سکونت اختیار کرلی۔ان اقوام کو رسول ﷺ نے یا آپ کے متبعین نے جمع کیااور وہ آج اسلام پر جمع ہیں۔ جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا اسلام تھا۔ مغرب میں عرب شام اور مصر کے اسرائیلی مسلمان ہوئے تو مشرق میں افغانستان اور وسطی ایشیا کے تمام اسرائیلی مسلمان ہوگئے اور یوں زمین کے تمام کونوں سے نبی اسرائیل کو ایک دین یعنی دین اسلام فراہم کر دیا گیا اور یوں یہ دین ہمیشہ رہے گا۔

۵۔ یسعیاہ میں ہے کہ :

> ''میری طرف متوجہ ہواے میرے لوگو! میری طرف کان لگااے میری امت! کیونکہ شریعت مجھ سے صادر ہو گی اور میں اپنے عدل کو لوگوں کی روشنی کے لیے قائم کروں گا۔ میری صداقت نزدیک ہے میری نجات ظاہر ہے اور میرے بازو لوگوں پر حکمرانی کریں گے جزیرے میرا انتظار کریں گے اور میرے بازو پر ان کا توکل ہو گا۔اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھاؤ اور نیچے زمین پر نگاہ کرو کیونکہ آسمان دھوئیں کی مانند غائب ہو جائیں گے اور زمین کپڑے کی طرح پرانی ہو جائے گی اور اسکے باشندے مچھروں کی طرح مر جائیں گے لیکن میری نجات ابد تک رہے گی۔''[1]

اس بشارت میں شریعت اسلامیہ کے نشانات کا ذکر ہے اور اس نور کا جس کے ساتھ جو کوئی بھی اس کی مرضی کے مطابق چلتا ہے نجات پاتا ہے۔اس نور اور روشنی کی برکت سے مسلمانوں نے غیر اقوام پر حکومت کی بحری ممالک کو فتح کیا۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں نے خدا کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے جہازوں کو جلا دیا۔ آسمان کے دھوئیں کی مانند غائب اور زمین کپڑے کی مانند پرانی ہو گئی یعنی آسمان سے وحی الٰہی کی بارش غائب ہو گئی اور شریعت سابقہ کمزور اور بوسیدہ ہو گئیں۔ مگر قرآن مجید کی مبینہ نجات ہمیشہ رہے گی اور اس کی صداقت کبھی موقوف نہ ہو گی۔ یہ بشارت اور نشانات کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر بھی ایک صریح شہادت ثابت ہو سکتی ہے۔

۶۔ شاہ بابل بخت نصر نے ایک خواب دیکھا اور بھول گیا، پھر حضرت دانیال علیہ السلام کو وحی کے ذریعے وہ خواب اور اس کی تعبیر معلوم ہو گئی، جسے آپ علیہ السلام نے بادشاہ کے سامنے اس طرح بیان فرمایا:

''اے بادشاہ تو نے بڑی مورت دیکھی وہ بڑی مورت جسکی رونق بے نہایت تھی، تیرے سامنے کھڑی ہوئی،اور اس کی صورت ہیبت ناک تھی،اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا اسکا سینہ اور بازو چاندی کے اور اسکا شکم اور اسکی رانیں تانبے کی

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، یسعیاہ: ۵۱/۴-۶

تھیں، اسکی ٹانگیں لوہے کی اور اسکے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے، تو اسے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا، اور اس مورت کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا، اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور تابستانی کھلیان کے بھوسے کی مانند ہوئے اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا، اور تمام زمین میں پھیل گیا، وہ خواب یہ ہے اور اس کی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں، اے بادشاہ تو شہنشاہ ہے، جس کو آسمان کے خدا نے بادشاہی و توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے، اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے اس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالہ کر کے تجھ کو ان سب کا حاکم بنایا ہے، وہ سونے کا سر تو ہی ہے، اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہو گی جو تجھ سے چھوٹی ہو گی، اور اس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی،، اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہو گی اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے، ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور کچلتا ہے اسی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی، اور کچل ڈالے گی، اور جو تو نے دیکھا کہ اسکے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو رس سلطنت میں تفرقہ ہو گا، مگر جیسا کہ تو نے دیکھا کہ اس میں لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا، اس میں لوہے کی مضبوطی ہو گی، اور چونکہ پاؤں کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ مٹی کی تھیں، اس لیے سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہو گی، اور جیسا تو نے دیکھا کہ لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا وہ بنی آدم سے آمیختہ ہوں گے، لیکن جیسے لوہا مٹی سے میل نہیں کھاتا ویسا ہی وہ بھی باہم میل نہ کھائیں گے، اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا، جو تا ابد نیست نہ ہو گی، اور اس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائے گی، بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی، اور وہی ابد تک قائم رہے گی، جیسا تو نے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا، اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، خدائے تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونے والا ہے، اور یہ خواب یقینی ہے اور اسکی تعبیر یقینی۔"[1]

اس خواب میں مذکورہ پہلی سلطنت سے مراد بخت نصر کی بادشاہت ہے، اور دوسری سلطنت مادتین [2] کی حکومت ہے جس کے باشندے بخت نصر کے قتل کے بعد اس پر مسلط ہو گئے تھے۔ مگر ان کی سلطنت کلدانیوں [3] کی نسبت کمزور تھی۔

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، دانیال: ۲/۲۱-۴۵

[2] مادتین صوبہ مادیٰ کے باشندوں کو کہا جاتا ہے جہاں مشہور بادشاہ دارالحکومت کرتا تھا اور اس نے بابل پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ (بائیبل سے قرآن تک، ۳/۳۰۱)

[3] کلدانی ایک سامی قوم تھی جو دسویں اور نویں اور نصف چھٹی صدی قبل مسیح میں پائی گئی۔ اس کے بعد یہ بابلی تہذیب میں مدغم ہو گئی۔
https://en.wikipedia.org/wiki/Chaldea, Retrieved on 22-11-2015, 9:15 AM

تیسری بادشاہت سے مراد کیانیوں [1] کی حکومت ہے۔

اس لیے ایران کا بادشاہ خورش [2] حضرت مسیحؑ کی ولادت سے ۵۳۶ سال قبل بابل پر مسلط ہو گیا تھا، اور چونکہ کیانیوں کی حکومت بڑی طاقتور تھی، اس لحاظ سے گویا ان کا تسلط ساری روئے زمین پر تھا۔ چوتھی حکومت سے مراد اسکندریہ فیلفوس رومی کی سلطنت ہے جو قوت کے لحاظ سے لوہے کی مانند تھا۔ سکندر نے فارس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور چند بادشاہوں کو بانٹ دی۔ جس کی وجہ سے یہ سلطنت ساسانیوں کے ظہور تک کمزور رہی، لیکن ساسانیوں کے دور میں پھر مضبوط اور طاقتور ہو گئی، پھر کبھی مضبوط اور کبھی کمزور ہوتی رہی۔ یہاں تک نوشیروان کے دور میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے اللہ نے آپ ؐ کو ظاہری باطنی بادشاہت اور حکومت عطا کی، آپ ﷺ کے متبعین تھوڑی ہی مدت میں مشرق و مغرب پر چھا گئے، اسی طرح فارس کے ان تمام علاقوں پر بھی قابض ہو گئے جن سے اس خواب اور اس کی تعبیر کا تعلق ہے بت سے مراد تمام امتیں اور مروجہ مذاہب ہیں اور پتھر سے مراد اللہ کا دین ہے جس کی مدد سے تمام ادیان عالم کو جو باطل ہیں اس دنیا سے مٹا دیا جائے گا اور ایک اللہ کا یہی دین سب پر غالب آ کر دنیا میں پھیل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ عرب میں ایک نبی امی ﷺ کو مبعوث فرمائے گا اور اس عظیم ہستی کے ذریعے دنیا کے تمام دینوں اور امتوں کو ان کے تابع فرما کر تمام شریعتیں اور ادیان منسوخ فرما دے گا۔ جس طرح پتھر نے ساری زمین کو اپنے احاطے میں لے لیا تھا اسی طرح اللہ کا وہ دین پوری کائنات روئے زمین اور ہواؤں فضاؤں پر محیط ہو گا۔ اپنے نبی کی بدولت ان پڑھوں کو علم عطا کرے گا کمزوروں کو قوت اور دنیا کی نظروں میں حقیر و ذلیل لوگوں کو عزت رفعت اور بلند درجہ مرتبہ عطا فرمائے گا۔

الغرض یہی وہ ابدی بادشاہت ہے جو ہمیشہ قائم و دائم رہے گی اور کبھی نہیں مٹے گی۔ قیامت تک یہ بادشاہت و حکومت رہے گی۔ یہی وہ پتھر ہے جو پہاڑ سے جدا ہو گیا تھا، اور جس نے ٹھیکرے، لوہے، تانبے، چاندی، سونے کو پیس ڈالا تھا اور خود بڑا بھاری پہاڑ بن گیا تھا اور پوری زمین پر چھا گیا تھا اور اس کا مصداق حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

---

[1] کیانیاں قدیم ایرانی بادشاہت کا سلسلہ دوم ہے جس کا ذکر ایرانی داستانوں میں ملتا ہے۔ زرتشتیوں کی مقدس کتاب "اوستا" میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔ https://fa.wikipedia.org/wiki//کیانیاں, 22-11-2015, 10:15

[2] خورش جس کو خسرو، کوروش، خورس اور سائرس اعظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایران کا پہلا عظیم بادشاہ تھا۔ جنوبی ایران سے تعلق رکھنے والے اس جنگجو بادشاہ کی سلطنت مشرق میں دریائے سندھ اور سرزمین ترکستان سے لے کر مغرب میں ساحل اناطولیہ، خط یونان تک پھیلی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو:
https://daleel-pk/20-16/10/27/1398, Retrieved on25-11-2015, 4:30 pm

۷۔ آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے پر حضرت دانیال علیہ السلام کی ایک اور پیشنگوئی یہ ہے کہ:

> ''مجھ کو اس نے خبر دی اور مجھ سے باتیں کیں اور کہا اے دانیال اس بات کو بوجھ اور اس روایت کو سمجھ ستر ہفتے تیرے لوگوں اور تیرے شہر مقدس کے لیے مقرر کیے گئے ہیں تا کہ اس مدت میں شرارت ختم ہو اور خطاکاریاں آخر ہو جائیں اور بدکاری کی بابت کفارہ کیا جائے اور ابدی راست بازی پیش کی جائے۔ رویاء نبوت پر مہر ہو۔''[1]

کلام اللہ کی اصطلاح میں عام طور پر یہ بات ہے کہ ایک دن اللہ کا ایک سال ہوا کرتا ہے اور بعض دفعہ ایک ہزار سال کا اور بعض دفعہ پچاس ہزار سال کا ہے۔ مندرجہ بالا پیش گوئی میں حضور ﷺ کے ظہور کی تاریخ بحساب فی دن ایک سال بعد خرابی بیت المقدس چار سو نوے برس میں ہوئی۔ بیت المقدس ۸۰ء میں تباہ و برباد ہوا اس حساب سے ۵۷۰ء میں حضور سرور عالم ﷺ کا ظہور رہے۔[2] رویاء نبوت پر مہر سے مراد یہ ہے کہ اس نبی کے ظہور کے بعد وحی رسالت بند ہو گی اور وہ راست بازی کے اصول جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قائم ہوئے اتنے ٹھوس ہیں کہ ان میں کسی بھی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔

۸۔ آسمانی بادشاہت کے متعلق کتاب مقدس میں لکھا ہے:

> ''ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا، اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔''[3]

حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو نماز کا طریقہ بتلاتے ہوئے یہ دعا سکھائی: ''تیری بادشاہی آئے۔''[4]

انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لیے اسرائیلی شہروں میں بھیجا تو دوسری طرف وصیتوں کے ساتھ ایک نصیحت یہ بھی کی کہ: ''چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔''[5]

اسی طرح ایک اور جگہ آتا ہے:

> ''ان باتوں کے بعد خداوند نے ستر آدمی اور مقرر کیے، اور جس جس شہر اور جگہ کو خود جانے والا تھا، وہاں انھیں دو دو کر کے آگے بھیجا، جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، دانیال: ۹/ ۲۳-۲۴

[2] سرورِ عالم ﷺ (ترجمہ کتاب: جگت گرو)، صدیق دیندار (مترجم: سید امام صاحب) دیندار انجمن کراچی پاکستان، ص: ۲۳۸

[3] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، متی: ۳/۱

[4] ایضاً، ۶/۱۰

[5] ایضاً، ۱۰/۷

لوگ تمہیں قبول کریں تو جو کچھ تمہارے سامنے رکھا جائے کھاؤ، اور وہاں کے بیماروں کو اچھا کرو اور ان سے کہو کہ خدا کی بادشاہی تمہارے نزدیک آ پہنچی ہے، لیکن جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے لوگ تمہیں قبول نہ کریں تو اس کے بازاروں میں جا کر کہو کہ ہم اس گرد کو بھی جو تمہارے شہر سے ہمارے پاؤں میں لگی ہے تمہارے سامنے جھاڑے دیتے ہیں مگر یہ جان لو کہ خدا کی بادشاہی نزدیک آ پہنچی ہے۔"(۱)

ان بشارات سے معلوم ہوا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں بزرگوں نے اور ان کے حواری اور سترّ شاگردوں نے آسمانی بادشاہت کی خوش خبری سنائی اور عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ بلفظ انہی الفاظ کے ساتھ بشارت دی جن الفاظ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے خوشخبری دے دی تھی، ظاہر ہے کہ وہ بادشاہت جس طرح عہد یحییٰؑ میں ظاہر نہیں ہوئی، اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے عہد میں بھی ظاہر نہیں ہوئی اور نہ ہی حواریوں اور ستر شاگردوں کے دور میں بلکہ ان میں سے ہر ایک بشارت دیتا گیا اور اس کی خوبیاں بیان کرتا رہا۔ اور اس کی آمد کا متوقع رہا۔ اس لیے آسمانی بادشاہت کا مصداق وہ طریقہ نجات ہر گز نہیں ہو سکتا جو شریعت عیسوی کی شکل میں ظاہر ہوا، ورنہ عیسیٰ علیہ السلام اور حواری اور ستر شاگردیوں نہ کہتے کہ وہ قریب آنے والا ہے، اور نہ ان کو نمازوں میں پڑھنے کے لیے تعلیم دیتے کہ "اور تیری بادشاہی آئے" کیونکہ یہ طریقہ تو حضرت عیسیٰؑ کے نبی ہونے کے دعویٰ کرنے کے بعد ان کی شریعت کی شکل میں ظاہر ہی ہو چکا تھا۔ (۲)

لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کا مصداق در حقیقت وہ طریقہ نجات ہے جو شریعت محمدی ﷺ کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ سب حضرات اسی عظیم الشان طریقہ کی بشارت دیتے رہے، اور خود آسمانی حکومت یا بادشاہت کے الفاظ بھی اس امر پر واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بادشاہت سلطنت اور قوت کی شکل میں ہو سکتی ہے کہ عاجزی اور کمزوری کی صورت میں، اس طرح مخالفین کے ساتھ جنگ وجدال اسی سبب سے ہو گا۔

الغرض یہ الفاظ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ اس کے قوانین کی بنیاد ضروری ہے کہ کسی آسمانی کتاب پر ہو، اور یہ تمام باتیں صرف شریعت محمدی ﷺ پر ہی صادق آتی ہے۔ عیسائی علماء یہ کہتے ہیں کہ اس بادشاہت سے ساری دنیا میں ملت مسیحؑ کا پھیل جانا اور اس کا نزول عیسیٰؑ کے بعد ساری دنیا پر چھا جانا مراد ہے، تو یہ تاویل بالکل کمزور اور ظاہر کے خلاف ہے اور وہ مثالیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے انجیل متی میں منقول ہیں وہ اس خیال کی تردید کرتی ہیں مثلاً آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت

---

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، لوقا: ۱۰/۱، ۱۰-۱۱

(۲) مذاہب عالم میں تذکرہ خیر الانام، سید آل احمد رضوی، ماڈرن بک ڈپو آبپارہ، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، بار اول، ص: ۲۰۳-۲۰۴

میں بو دیا۔‘‘[1]

لہذا آسمانی بادشاہت وہی طریقہ نجات ہے جو محمد ﷺ کی شریعت سے ظاہر ہوا حضور ﷺ نے ایسی قوم میں نشو ونما پائی جو ساری دنیا کے نزدیک کاشتکار اور فلاح تھے، اس لیے ان میں اکثر لوگ دیہات کے باشندے تھے، علوم اور صنعتوں سے بے بہرہ، جسمانی لذتوں اور دنیوی آرائشوں سے آزاد تھے، خاص کر یہود کی نظر میں اس لیے کہ یہ لوگ حضرت ہاجرہؑ کی اولاد سے تھے، آپؐ کی بعثت اسی قوم میں ہوئی، لہذا آپؐ کی شریعت ابتداء میں رائی کے دانہ کی مانند بظاہر چھوٹی سی شریعت تھی، مگر وہ اپنے عام اور عالمگیر ہونے کی وجہ سے قلیل مدت میں ترقی پا کر اتنی بڑی ہوگئی کہ تمام مشرق و مغرب کا احاطہ کر لیا، یہاں تک کہ جو لوگ کبھی بھی کسی شریعت کے پابند اور مطیع نہ ہوئے تھے وہ بھی اس کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:

’’ آسمان کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے جسے کسی عورت نے لے کر تین پیمانے آٹے میں ملا دیا، اور وہ ہوتے ہوتے سب خمیر ہو گیا۔‘‘[2]

اس مثال میں آسمانی بادشاہت کو ایک ایسے انسان سے تشبیہ دے رہے ہیں کہ جس نے کھیتی بوئی، نہ کہ کھیتی بڑھنے اور کاٹنے کے ساتھ، اسی طرح رائی کے دانہ سے تشبیہ دی نہ کہ اس کے عظیم الشان درخت بننے سے، اسی طرح خمیر کے ساتھ اس کی تشبیہ دی گئی نہ کہ سارے آٹے کے خمیر بننے کے ساتھ۔ اسی طرح ایک اور تمثیل بیان کی جاتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

’’خدا کی بادشاہی تم سے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی۔‘‘[3]

یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آسمانی بادشاہت سے مراد بذات خود نجات کا طریقہ ہے، تمام عالم میں اس کا پھیلنا اور جہاں پر چھا جانا مراد نہیں ورنہ پھر اس کی اشاعت کا ایک قوم سے چھین جانا اور دوسری قوم کو دیا جانا کچھ بھی مطلب نہیں رکھتا، اس بادشاہت سے مراد وہی بادشاہت ہے جس کی خبر پیچھے حضرت دانیالؑ اپنی کتاب میں دے چکے۔ اس لیے اس بادشاہت کا اور سلطنت کے صحیح مصداق خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ لہذا اس پیشن گوئی کا مصداق اسلام ہے جس نے صداقت اور حقانیت کی بنیاد پر چار سو پھیل کر دنیا پر غلبہ اور استحکام حاصل کیا ہے۔ اور دین اسلام قیامت تک رہے گا کیونکہ آسمانی بادشاہت کی تکمیل صرف دین اسلام کے ذریعے ہوئی۔

۹۔ انجیل متی میں لکھا ہے:

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، متی: ۳۱/۱۳

[2] ایضاً، ۳۳/۱۳

[3] ایضاً، ۴۱/۲۱

''ایک گھر کا مالک تھا جس نے تاکستان لگایا اور اس کی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا۔ اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا اور باغبانوں نے اسے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا۔ پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انھوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا یہی وارث ہے۔ آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔ یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائی گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔ اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے۔ اور وہ اسے پکڑنے کی کوشش میں تھے لیکن لوگوں سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اسے نبی جانتے تھے۔''[1]

اس تمثیل میں مالک مکان سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ باغ کا مطلب شریعت الٰہی ہے۔ اس کا احاطہ گھیرنے، حوض کھودنے اور برج بنانے سے شریعت کے احکام یعنی اوامر ونواہی اور مباحات کی طرف اشارہ ہے۔ سرکش باغبانوں سے مراد دینِ حق کے مخالفین ہیں جو پہلے صرف یہود تھے اور اب یہود ونصاریٰ دونوں ہیں ''اس نے نوکروں کو بھیجا'' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں کیونکہ وہ بھی عبد ہوتے ہیں اور رسول بھی، یہی اشارہ عبدہ ورسولہ میں ہے۔ بیٹے سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں اور یہ عقیدہ نصاریٰ کا ہے اس کا قتل کرنا حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب کیے جانے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ تمثیل کی عبارت کہ ''ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرلے گا اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا'' سے مراد یہ ہے کہ دین حق کی نعمتِ عظمیٰ ان سے چھین لی جائے گی جیسے کہ یہود ونصاریٰ سے چھین لی گئی اور ایک دوسری قوم (مسلمانوں) کو دے دی جائے گی۔

معماروں سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور کونے کے پتھر سے ہمارے نبی اکرم خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں کیونکہ

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، متی: ۲۱/۳۳-۴۶

بنی اسرائیل نے آپ ؐ کو رد کرنا چاہا مگر آپ ﷺ تائید الٰہی سے کونے کا سرا یعنی خاتم النبیین ہو کر رہے۔[1]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دین حق کی خدمت مسلمانوں کے سپرد کی اور ان سے لینے کا مقصد یہ ہے کہ بنو اسحاق سے یہ سلسلہ منقطع ہوا اور بنو اسماعیل کو دے دیا گیا۔ اس لیے فرمایا کہ ''یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظروں میں عجیب ہے'' کہ نبوت بنو اسحاق میں تو چلی آرہی تھی، بنو اسماعیل میں اس کا منتقل ہونا عجیب ہے، پھل لانے والوں سے مراد امتِ محمدیہ ﷺ کے افراد ہیں، جنھوں نے دین حق پر جانیں قربان کرکے اس کے پھل کو دنیا میں عام کر دیا اور اس سے خاص و عام سبھی مستفید ہوئے۔ ''جو اس پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا'' یعنی جو بھی اس دین حق کے شیدائیوں سے ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائے گا۔ اور یہی بات اسلامی تاریخ میں بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہے کہ ایران، شام اور روم و دیگر مضبوط سلطنتیں جو مسلمانوں سے ٹکرائیں نیست و نابود ہو گئیں۔[2] لہٰذا اس بشارت کا ایک ایک جملہ اور ایک ایک لفظ حضور خاتم النبیین ﷺ پر پوری آتی ہے وہی قصر نبوت کے آخری پتھر ہیں۔ جس سے انبیاء علیہم اسلام کی عمارت کی تکمیل ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا جس طرح قرآن و حدیث کی صریح نصوص سے ثابت ہے اس میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں کہ ختم نبوت اساسِ ایمان ہے جس طرح قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم اسلام میں سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں اسی طرح آپ ؐ کی نبوت و ختم نبوت کا تذکرہ سابقہ آسمانی کتب تورات و انجیل میں بھی موجود ہے آپ ؐ کی ختم نبوت کا تذکرہ بڑے واضح الفاظ میں موجود ہے۔ ختم نبوت وہ بنیادی پتھر ہے جس پر اسلام کی عظیم الشان عمارت قائم ہے اور اگر اسے ہٹا دیا جائے تو یہ عمارت نیچے گر جائے گی۔ تورات و انجیل کی بشارات میں آپ کی نبوت کو کونے کے سرے کا پتھر کہا گیا کہ صرف حضور ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے جس نے دنیا میں تشریف لانے کے بعد تمام نبوتوں کا خاتمہ فرما دیا اور یوں آپ ؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ بنی اسرائیل میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنے متعلق یہ دعویٰ کیا ہو کہ وہ خاتم النبیین ہے جب کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنے متعلق یہ دعوی فرمایا تھا۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے مختلف تمثیلوں کے ذریعے بھی قوم کو یہ بات سمجھائی چاہے وہ یہ بات سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ اگر ان تمثیلوں پر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ تمثیلیں آنحضرت ﷺ کی صداقت، دین اسلام اور ختم نبوت کے متعلق ہیں اور آپ ؐ کی نبوت قیامت تک قائم و دائم رہے گی۔

---

[1] بشارت محمدیہ کتب سماویہ میں، اکرام اللہ جان قاسمی، ششماہی السیرۃ، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی، مئی ۲۰۰۱ء، ص: ۷۲

[2] سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، محمد ادریس کاندھلوی، ۲/۵۹۰۔۵۹۱

باب سوم

باب سوم: غیر الہامی مذاہب کی کتب میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ

فصل اول: آنحضرت ﷺ کا تذکرہ ہندومت کی کتب کے آئینے میں

فصل دوم: آنحضرت ﷺ کا تذکرہ بدھ مت کی کتب کے آئینے میں

فصل سوم: آنحضرت ﷺ کا تذکرہ زرتشتی مذہب کی کتب کے آئینے میں

فصل چہارم: آنحضرت ﷺ کا تذکرہ عصرِ حاضر کی کتب میں

فصل اول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ ہندو مت کی کتب کے آئینے میں

جیسا کہ ما قبل صفحات میں یہ بات تفصیل سے بیان کی گئی ہے کہ ہندو مذہب مختلف النوع بتوں، دیویوں اور دیوتاوں پر مشتمل بت پرستی کے عقائد باطلہ سے بھر پور ہے۔ لیکن اس مذہب کی مذہبی کتب یعنی ویدوں اور پرانوں وغیرہ میں ایسی پیشین گوئیاں اور نشانیاں موجود ہیں جن کا تعلق آخری زمانے میں آنے والی ایک عظیم شخصیت سے ہے۔ ان علامات اور پیشین گوئیوں کو دیکھا جائے تو بظاہر یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا مصداق حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس کی وجہ بھی واضح طور پر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر علاقے میں اپنے انبیاء کے ذریعے سے انسانوں کی راہنمائی کی ہے اور اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بشارت بھی انبیاء کے ذریعے سے دی ہے۔ ہندومت میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر اور آپ کے متعلق بشارات کا ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے بلکہ نہ ہونا تعجب اور حیرانگی کی بات ہوتی۔

ہندومت کی مقدس کتب میں آنحضرت ﷺ کے اسماء کا تذکرہ

ہندومت کی کتبِ مقدسہ میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسم گرامی مختلف حوالوں سے آیا ہے۔ آپ کو 'محمد' بھی کہا گیا ہے اور 'احمد' بھی، اور کچھ دیگر صفات جیسے رؤف اور رحیم بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

ویدوں میں اسم 'احمد' کا تذکرہ

۱۔ رگ وید میں اس طرح آیا ہے:

"احمد نے سب سے پہلے قربانی دی اور سورج جیسا ہو گیا۔"[۱]

ایک مقام پر ذکر ہوا:

"احمد لوٹتے ہیں تو روشن طاقت اور ہیرا ثابت ہوتے ہیں۔ مخلوقات اور دولت کی ہر پہلو سے حفاظت کرتے ہیں۔ اور بہترین نجات دہندہ ثابت ہوتے ہیں۔"[۲]

۲۔ یجر وید میں اسم احمد کے متعلق نسبتاً زیادہ تفصیل موجود ہے:

"وہ تمام علوم کا سرچشمہ احمد، عظیم ترین شخصیت ہے۔ یہ روشن سورج کے مانند اندھیروں کو دور بھگانے والا ہے۔ اس سراج منیر کو جان لینے کے بعد ہی موت کو جیتا جاسکتا ہے۔ نجات کا کوئی اور راستہ نہیں"[۳]

---

(1) The Vedas, Dharmics Scriptures Team, New Dehli, India, 2002, Rig-Veda, Book 8, HYMN VI (6) Indra

(2) Ibid

(۳) یجر وید: باب ۳۱، آیت: ۱۸

۳۔ سام وید میں آیا ہے:

"احمد نے اپنے رب سے شریعت کا علم حاصل کیا اور وہ حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ اور میں نے اس سے ایسے ہی نور لیا ہے جیسا کہ سورج سے نور لیا جاتا ہے۔"[1]

۴۔ اتھروید میں کنتاب سوکت کے منتر میں رسول اللہ ﷺ کے اسمِ گرامی "احمد" اور حمد الٰہی کی تبلیغ و بیان کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

"تبلیغ کر اے احمد جیسے پختہ پھل والے درخت پر پرندہ چہچہاتا ہے، تیری زبان معہ ہونٹ قینچیوں کے دو پھلوں کی طرح چلتی ہے۔"[2]

اس منتر میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ تبلیغ فرمائیں کیونکہ درخت کا پھل پک چکا ہے اور کامیابی یقینی ہے۔ مخالفت کے وقت قضاء الٰہی قینچی کے پھل کی طرح مخالف کو کاٹ ڈالے گی اس لیے تبلیغ کے راہ میں کسی قسم کے خوف کی ضرورت نہیں۔ اس منتر میں آپ ﷺ کو احمد نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔ [3]

احمد مرسل ﷺ نے تبلیغ کا فریضہ اتنی اچھی طرح اور عمدگی کے ساتھ ادا کیا کہ دنیا والوں نے دیکھا کہ پورا حجاز پکے ہوئے پھل کی مانند اس محنت و خلوص کو سراہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا اور یوں احمد مجتبیٰ ﷺ کامیاب ہو گئے جبکہ مخالفین قضا کی قینچی سے کاٹ ڈالے گئے۔ اس طرح وید کے رشی نے جو پیش گوئی کی تھی وہ حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔ تاریخِ عالم اس حقیقت اور سچائی کی گواہ ہے۔

اتھروید میں ہی ایک اور مقام پر موجود ہے کہ:

"اے احمد اس کلامِ حکیم کو مضبوطی سے پکڑ کہ یہ گائے اور دولت پانے والی یا تمدن کی بنیاد ہے۔ دیوتاؤں یا قدسیوں (صحابہ) میں اس کلام کو پہنچا، جیسے تیر انداز بہادر نشانہ پر تیر مارتا ہے۔"[4]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اے محمد ﷺ! اس کلام حکیم (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رہنا، قرآن کتابِ حکمت ہے، قرآن تہذیب و تمدن کی جان ہے اور ہر دور میں تہذیب و تمدن کا دعویٰ کرنے والی اقوام کو قرآن کے اصول اپنائے بغیر کوئی چارہ نہ

---

(۱) سام وید، اندرا، فصل سوم، منتر ۸

(۲) اتھروید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۴

(۳) محمدؐ ہندو کتابوں میں، ابن اکبر الاعظمی، دار اندلس لاہور، ۱۹۹۷ء، ص: ۳۴-۳۵

(۴) اتھروید، کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۶

ہو گا۔ چنانچہ بشارات میں ملتا ہے:

"اے احمدؐ! اس کلام کو اتفاق و اتحاد کی دولت پانے ولی عبادت گزار، علم و دانش پانے والے دیوتاؤں (جماعتِ صحابہؓ) میں پہنچا۔ ہم اپنے کلام سے تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں، تو بھی تیر انداز بہادروں کی طرح ان قدسیوں کے دل کو مضبوط کر۔" [1]

ویدوں میں مذکور اسم 'احمد' کا مصداق

جس احمد کا ذکر ویدوں میں کیا گیا ہے اس سے کون ہستی مراد ہے؟ کیا اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں یا کوئی اور متبرک شخصیت اس کا مصداق ہے؟ ویدوں میں موجود ان عبارات کا اگر اسلامی نکتہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو ہمیں کتب سیرت و حدیث میں ایسے کئی اشارات ملتے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ویدوں میں جس احمد کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مصداق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں۔ ذیل میں ہم ویدوں میں ذکر کردہ کچھ ایسی خصوصیات کا تذکرہ کررہے ہیں جو اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ ان ویدوں میں اسم 'احمد' سے مراد آنحضرت ﷺ ہی کی ذات ہیں، وہ صفات حسبِ ذیل ہیں:

الف: آپ ﷺ تمام علوم کا سرچشمہ ہیں

یجر وید میں احمد کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ "وہ تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔" [2] 'تمام علوم کا سرچشمہ' سے کیا مراد ہے؟ ایک بات تو واضح ہے کہ اس سے مراد صرف دینی علوم نہیں ہیں بلکہ دینی و دنیوی ہر طرح کے علوم مراد ہیں۔ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام علوم اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں ودیعت فرمائے تھے۔ جب فرشتوں نے اعتراض کیا تو ان کے اعتراض کا جواب بھی آدم علیہ السلام نے اسی علوم کے خزانے سے دیا۔ قرآن مجید میں یہ واضح نہیں کہ تمام علوم آدم علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو بھی عنایت کیے گئے تھے یا نہیں، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے ساتھ ساتھ تمام علوم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی دیے گئے تھے۔ شوکانیؒ نے اپنی تفسیر 'فتح القدیر' میں حضرت ابو رافعؓ سے مرفوع اثر نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی تمام اسماء کا علم دیا گیا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ [3]

اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام علوم کا علم رسول اکرم ﷺ کو بھی دیا گیا تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ﷺ کا علم حضرت آدم سے پہلے ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو یہ عالمِ ارواح میں اِلقا کیا گیا تھا جس کا قرینہ یہ

---

[1] بشارات، فقیر محمد افضل، نوجوانان دیندار انجمن کراچی، ۱۹۸۳ء، طبع سوم، ص: ۴۷

[2] یجر وید: باب ۳۱، آیت: ۱۸

[3] تفسیر فتح القدیر، ۶۵/۱

ہے کہ ان کی پیدائش کے بعد ہی فرشتوں نے سوال کیا تھا۔اس فصل کی ابتداء میں بھی یہ بات بیان ہو چکی ہے حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے نور محمدی کی تخلیق ہوئی تھی۔گویا پہلے علم احمد مجتبیٰ ﷺ کو دیا گیا بعد میں آدم علیہ السلام کو عطا ہوا۔

خلاصہ کلام یہ کہ تفسیری اور حدیثی روایات کی روشنی میں بنیادی طور پر تمام علوم کا سرچشمہ ذات محمد ﷺ ہی ہیں۔

ب: آپ ﷺ ایک روشن سورج

احمد کی بابت ویدوں میں یہ موجود ہے کہ آپ روشن سورج کی مانند ہیں۔آپ ﷺ کو سورج کی طرح قرار دینا شاید آپ کے نور نبوت سے کنایہ ہے۔اسلامی روایات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق سے قبل ہی آپ کے نور کو خلق کیا گیا۔بعض روایات میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ کی نبوت اس وقت بھی تھی جب آدم علیہ السلام جسم اور روح کے درمیان تھے۔ [1] گویا یہ آپ کی نبوت کا نور ہے جس کی بدولت اس کائنات کو روشنی عطا کی گئی ہے اور آپ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد دنیا سے جہالت کی تمام تاریکیاں بھی چھٹ گئیں۔یہی بات مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک بھی ملتی ہے۔ [2]

ہندمت کی مقدس کتب میں اسم محمد (ﷺ) کا تذکرہ

ہندوؤں کی مقدس کتب میں جہاں اسم احمد کا تذکرہ کیا گیا ہے وہیں بہت سارے مقامات پر اسم محمد کا بھی ذکر ہے۔

۱۔سام وید میں ایک عظیم شخصیت کے بارے بات کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"وہ شخص جس کا نام 'م' سے شروع ہوتا ہے اور 'دال' پر ختم ہوتا ہے۔" [3]

اسی طرح دیگر ویدوں میں بھی اسم 'محمد' کا تذکرہ ہے اور بعض ویدوں میں اس حوالے سے کچھ تفصیل بھی دی گئی ہے۔

۲۔اتھر وید کے کنتاب سوکت میں کئی پیشین گوئیاں ایک ساتھ کی گئی ہیں جن میں اسم محمد کا تذکرہ ہوتا ہے۔جیسا کہ:

"اے لوگو یہ (بشارت) احترام سے سنو۔محمد تعریف کیا جائے گا۔ساٹھ ہزار نوے دشمنوں میں اس کوراما (ہجرت کرنے والے یا امن پھیلانے والے) کو ہم (حفاظت میں) لیتے ہیں۔" [4]

کوراما کا مطلب ہوتا ہے امن وسلامتی پھیلانے والا۔ [5] اس پیشین گوئی میں رسول اکرم ﷺ کی کئی خصوصیات بیان

---

[1] مواہب اللدنیہ، ۸/۱

[2] مکتوبات ربانی، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۲۳، ۱۶۰/۲

[3] سام وید، فصل چہارم، منتر نمبر ۱۱۴۱

[4] اتھر وید، کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۱

[5] اسلام اور ہندومت کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر ذاکر نائیک، ص: ۳۱

کی گئی ہیں جن کی آئندہ صفحات میں تفصیل آئے گی۔ اس مقام پر مقصود یہ ہے کہ اتھروید میں بھی اسم محمد کا تذکرہ موجود ہے۔

پرانوں میں اسم محمد کا تذکرہ

ا۔ بھوشیہ پران [۱] میں اسم محمد کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

"ایک مذہبی رہنما اپنے ساتھیوں کے ہمراہ منظر عام پر آئیں گے ان کا نام 'محمد' ہوگا۔" [۲]

بھوشیہ پران میں ویاس کے حوالے سے مذکور ایک اور پیشگوئی میں محمد اور ان کے کاموں کی بھی کچھ تفصیل ہے:

"ملیچھ [۳] نے سرزمینِ عرب کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔ اس ملک میں آریا دھرم کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس سے پہلے ایک گمراہ دوست بھی منظر عام پر آیا تھا جس کو میں نے ہلاک کر دیا تھا۔ اب وہ دوبارہ نمودار ہوا ہے۔ اسے ایک قوی ترین دشمن نے بھیجا ہے۔ ان دشمنوں کو صراط مستقیم سے روشناس کرانے اور ان کو رہنمائی فراہم کرنے کے لیے۔ "محمد" جن کو برہما کا لقب دیا ہے وہ گناہ گاروں کو صراط مستقیم پر لانے میں مصروف ہیں۔ اے راجہ! تمہیں ان بے وقوف گناہ گاروں کی سرزمین جانے کی ضرورت نہیں۔ تم رات کو جہاں کہیں بھی ہوگے میری مہربانی کے توسط سے پاکی حاصل کرو گے۔ اے راجہ! تمہارا آریا دھرم اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی جھلک تمام مذاہب میں نظر آئے لیکن ایشور پرماتما کے حکم کے مطابق مجھے گوشت خوروں کی اشد ضرورت ہوگی۔ میرے پیروکار ختنہ شدہ ہوں گے۔ ان کے سر پر چوٹی نہیں ہوگی۔ وہ داڑھی رکھیں گے۔ وہ اذان پڑھتے ہوئے انقلاب برپا کریں گے۔" [۴]

بھوشیہ پران کے شلوک میں سرورِ کائنات ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری اور دیگر نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ یہ پیش گوئی مندرجہ ذیل چیزوں یا واقعات کی تفسیر و تشریح بیان کرتی ہے:

---

[۱] بھوشیہ پران کے بارے میں بعض ہندو پنڈتوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ پران نہیں ہے۔ گیتا پریس جو کہ ہندوستان میں بڑا سرکاری پریس ہے وہ اسے پران ماننے کو تیار نہیں؛ لیکن ایسے پنڈتوں کی بھی کمی نہیں جو بھوشیہ کو پران ہی مانتے ہیں مثلاً سناتن دھرم کے گروجی پنڈت شری رام شرما آچاریہ جن کے چیلوں کی تعداد دس لاکھ سے متجاوز ہے وہ اسے پران تسلیم کرتے ہیں۔ (اگر اب بھی نہ جاگے تو، شمس نوید عثمانی، صفہ پبلشرز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۲۹)

[۲] بھوشیہ پران، پرتی سرگ پرو ۳، کھنڈ ۳، شلوک ۵

[۳] ملیچھ لفظ دراصل غیر آریہ نسل کے باشندوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ جیسے عرب غیر عربوں کو عجم کہتے تھے۔

[۴] بھوشیہ پران، پرتی سرگ پرو ۳، کھنڈ ۳، اشلوک ۱۰۔ ۲۴

۱۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام واضح الفاظ میں موجود ہے۔

۲۔ حجاز کے علاقے کو شرارتی لوگوں نے برباد کر دیا ہے اور اس ملک میں آریہ مذہب موجود نہیں ہے۔

۳۔ موجودہ دشمن بھی اسی طرح مارے جائیں گے جسطرح پہلے دشمن جیسے ابرہہ وغیرہ مارے گئے۔

۴۔ حق کے مخالفین اور دشمنوں کی اصلاح اور تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو برہما دیوتا کا لقب دیا ہے اور آپ ﷺ اپنی قوم کی تعمیر و ترقی کرنے میں مصروف ہیں۔

۵۔ ہندوستان کے راجہ کو وہاں جانے میں خطرہ ہے، یہاں مسلمانوں کے آنے پر اس کا تزکیہ ہو جائے گا۔

۶۔ آئندہ آنے والا پیغمبر آریہ دھرم کی صداقت کی تصدیق کرے گا اور ان گمراہ لوگوں کی اصلاح کرے گا۔

۷۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیروکار مختون ہوں گے، وہ داڑھی رکھیں گے، ان کے سر پر چوٹی نہیں ہو گی، وہ ایک عظیم انقلاب برپا کر دیں گے۔

۸۔ ان کے مذہب میں کوئی راز نہیں ہو گا اور ہر مسجد کے میناروں سے نماز کے لیے پکارا جائے گا۔ [۱]

اسی بھوشیہ پران کے پرتی سرگ پرو میں ایک دوسری جگہ مذکور ہے کہ:

> "اسی دوران اپنے پیروکاروں کے ساتھ محمد نامی مقدس ملیچھ وہاں آئیں گے۔۔۔ راجہ بھوج ان سے کہے گا: اے ریگستان کے باشندے، شیطان کو شکست دینے والے، معجزوں کے مالک، برائیوں سے پاک صاف، برحق، باخبر اور خدا کی عشق و معرفت کی تصویر تمہیں نمسکار ہے۔ تم مجھے اپنی پناہ میں آیا ہوا غلام سمجھو۔ راجا بھوج کے پاس رکھی ہوئی پتھر کی مورتی کے بارے میں محمد کہیں گے کہ وہ تو میرا جھوٹا کھا سکتی ہے۔ یہ کہہ کر راجا بھوج کو ایسا ہی معجزہ دکھائیں گے۔ یہ سن کر اور دیکھ کر راجا بھوج بہت متعجب ہو گا اور ملیچھ دھرم پر اس کا اعتقاد ہو جائے گا۔" [۲]

یہ ہزاروں سال پہلے کی پیش گوئی ہے جو واضح الفاظ میں حسبِ ذیل نکات پر روشنی ڈالتی ہے:

۱۔ آپ ﷺ کا نام محمدؐ صاف لفظوں میں بتا دیا گیا ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کو ملک عرب کا رہنے والا بتایا گیا ہے۔

۳۔ آپ ﷺ کے اصحاب کا تذکرہ خصوصیت سے کیا گیا۔ شاید ہی دنیا میں کوئی اور نبی ہو گا جس کے اتنے زیادہ صحابی

---

[۱] اسلام اور ہندومت، احمد دیدات، (مترجم: ڈاکٹر محمد صادق رضاوی)، طاہر سنز پبلشرز لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۲۲۔۱۲۳

[۲] بھوشیہ پران، پرتی سرگ پرو، ادھیائے نمبر ۳، اشلوک ۵-۸

ہوں گے اور وہ بھی ایسے جو چال چلن میں نہایت ہی پاکیزہ اطوار ہوں گے۔

۴۔وہ گناہوں سے پاکیزہ فرشتہ سیرت وصفت ہو گا۔

۵۔ہندوستانی راجہ ان سے دلی عقیدت واحترام رکھتا ہو گا۔

۶۔آپ ﷺ کی دشمنوں سے حفاظت ہو گی جو کہ غیر معمولی طریقے پر حفاظت ہو گی۔

۷۔آپ ﷺ شیطنیت اور بت پرستی کے مٹانے والے ہوں گے اور ہر قسم کی برائی کو ختم کرنے والے ہوں گے۔

۸۔آپ ﷺ کی بابرکت ہستی مطلق اور سرور کامل کی کامل مظہر ہو گی۔

۹۔مہرشی ویاس خود کو آپ ﷺ کے قدموں میں پڑا ہوا اقرار دیتا ہے۔

۱۰۔آپ ﷺ کو نسلِ انسانی کا فخر کہہ کر پکارا گیا ہے۔[۱]

یہ ایک نسبتاً واشگاف اور واضح پیش گوئی ہے جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔اس کا اطلاق بغیر کسی شک کے حضرت محمد ﷺ پر ہوتا ہے۔بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس میں جس راجہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام بھوج ہے جو کہ گیارہویں صدی عیسوی میں شالیواہن راجہ کی دسویں پشت میں سے ہے۔یعنی اس میں ایک ایسے شخص کا نام ہے جو آمدِ رسول ﷺ سے پانچ سو سال بعد ہوا تھا۔پھر یہ پیشگوئی مسلمانوں کے نبی کے بارے میں کیسے ہو سکتی ہے؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا راجہ بھوج ہی صرف ہندوستان میں اس نام سے مشہور نہیں بلکہ اس سے کہیں پہلے بھی کئی بھوج نامی راجے گزرے ہیں۔دراصل فرعون اور قیصر کی طرح بھوج ہندوستان کے راجاؤں کا لقب تھا۔اس نام سے معروف راجہ بھوج سے پیشتر بھی کئی ایک راجہ ہوئے ہیں۔[۲]

کئی ایک حقیقتوں کے علاوہ اس پیش گوئی میں حضرت محمد ﷺ کا نام صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے جس سے ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کسی بھی شخص سے متعلق یہ پیش گوئی دلالت نہیں کر سکتی۔

۲۔ شریمد بھاگوت پران میں اسم محمد کا تذکرہ اس طرح سے کیا گیا ہے:

> ''جب بے شمار ادوار حیات میں اجتماعی خیر کے طلوع ہونے سے انسان کو حق کا فیضان حاصل ہونے والا ہو تب محمد کے ذریعے تاریکیوں کا خاتمہ ہو کر فہم وحکمت کا نور طلوع ہو گا۔''[۳]

---

[۱] سرورِ عالم یعنی جگت گرو، مولانا صدیق دیندار، نوجوانان دیندار انجمن کراچی، ۱۹۸۳ء، طبع بارہ، ص:۱۸

[۲] میثاق النبیین، ص:۸۱

[۳] شری مدبھاگوت پران، مہاتم پران، ۲-اشلوک ۶۷

الغرض ویدوں اور اشلوکوں کے مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے زمینی اور آسمانی دونوں ناموں ہی کو ان کتب میں ذکر کیا گیا ہے اور اس سے مراد حضرت محمد مصطفی ﷺ ہی ہیں کوئی ہندو رشی مراد نہیں، کیونکہ ہندو دھرم میں کسی رشی کا یہ نام نہیں ہے۔ نیز ان کتب میں احمد اور محمد کے حوالے سے جو پیشین گوئیاں کی گئی ہیں ان کا اسلوب تقریباً وہی ہے جو کہ تورات و انجیل وغیرہ کا ہے۔ مندرجہ بالا اقتباسات میں کچھ امور قابل وضاحت ہیں اور ان کا مصداق متعین کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اس پر ان شاء اللہ آگے چل کر صفات کے ضمن میں گفتگو کی جائے گی۔

ہندومت کی مقدس کتب میں آنحضرت ﷺ کی صفات و علامات

ہندو مذہب کی مقدس کتب میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی مختلف صفات و علامات ذکر کی گئی ہیں۔ یہاں ان مقدس کتب میں مذکور صفات و علامات اور ان کے مصداق کا بھی تعین کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ وہ صفات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ نراشنس

یہ نام 'نراشنس' ویدوں کے اندر کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ صرف ویدوں میں تقریباً اکتیس مقامات پر یہ نام استعمال ہوا ہے۔ اس نام کے علاوہ ویدوں میں نراشنس کی زندگی کے متعلق تذکرہ بھی ملتا ہے۔ لفظ نراشنس کسی بھگوان کا لقب نہیں ہے بلکہ اس لفظ کا تعلق ایک ایسے انسان سے ہے جو دو الفاظ 'نر' اور 'آشنس' کا مجموعہ ہے۔ نر کا مطلب انسان، اور آشنس کا مطلب 'تعریف کیا ہوا' ہوتا ہے۔ وید کے مفسر جناب 'ساین' اپنی تفسیر 'ساین بھاشیہ' میں رگ وید سنہتا منڈل: ۵، سوکت: ۵ منتر: ۲ کے تفسیر میں لفظ نراشنس کا معنٰی 'تعریف کیا ہوا انسان' درج کیا ہے۔ سوامی دیانند سرسوتی نے بھی لفظ نراشنس کا ترجمہ 'تعریف کیا ہوا انسان' کیا ہے۔[1]

رگ وید میں نراشنس کا ترجمہ کرنے کے لیے الفاظ کا انتخاب بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ نراشنس کوئی بہت ہی عظیم اور محترم ہستی ہے۔ چنانچہ رگ وید میں ایک جگہ اس طرح آیا ہے:

> "اے نراشنس میٹھی زبان والے۔ قربانیاں دینے والے۔ میں آپ کو قربانیوں کا وسیلہ بناتا ہوں۔"[2]

ہندوؤں کے نزدیک یہ منتر اہم ترین منتروں میں سے ہے۔ وہ اس کو پوجا کے دوران پڑھتے ہیں۔ اس میں نراشنس کی دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں؛ ایک "ہر دل عزیز محبوب" جس سے عام و خاص ہر ایک محبت کرتے ہوں۔ چنانچہ کسی قوم میں کوئی انسان اتنا محبوب نہ ہوا جتنے محمد ﷺ صحابہ کرام اور مسلمانوں میں ہوئے۔ دوسری خصوصیت "میٹھی گفتگو کرنے والے

---

(۱) رگ وید ہندی بھاشیہ، سارودیشک آریہ پرتی ندھی سبھا، ص۔ ۲۵

(۲) رگ وید، منڈل نمبر ۱، سوکت ۱۳، منتر ۳

شیریں کلام'' بیان ہوئی ہے۔ شیرین گفتاری میں بھی آنحضرت ﷺ یگانہ اور واحد تھے۔ آپ ﷺ کی گفتگو کا انداز میٹھا اور واضح اور صاف تھا، نہ آپ کم اور نہ ہی زیادہ بات کرتے تھے، ایسے بات کرتے کہ جیسے موتی جڑ رہے ہوں۔ [1]

چنانچہ اسلامی تاریخ میں بھی آپ ﷺ کو جامع کلمات اور گفتار میں دوٹوک کا خطاب دیا گیا۔ آپ ﷺ کی بات سننے والا کوئی بھی شخص ہمہ تن گوش ہو جایا کرتا تھا۔ اور لوگ اس طرح آپ ﷺ کو بغور سنتے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوں۔ یہ تو آپ ﷺ کی ذاتی گفتگو کا کمال تھا۔ قرآن کی شیریں کلامی آج بھی عرب و عجم کو سرمست رکھتی ہے۔

رگ وید میں ایک دوسرے مقام پر ہے کہ:

''میں نے نراشنس کو دیکھا ہے۔ سب سے زیادہ اولوالعزم، سب سے زیادہ مشہور، جیسا کہ وہ جنت میں ہر ایک کے پیغمبر تھے۔'' [2]

اسی لیے اسلامی روایات میں آپ ﷺ کو سید الانبیاء اور سید الاوصیاء کا خطاب دیا گیا ہے، آپ اولوالعزم اور افضل الانبیاء کے درجے پر فائز ہیں۔ منتر نمبر ۴ میں ہے:

''ہم عظیم نراشنس کی جو بہت بڑا رہنما ہے تعریف و ثنا کرتے ہیں۔ اے کرم کرنے والے! تو ظاہر ہو، تاکہ ہمیں گناہوں سے پاک کرے اور کٹھن راستے سے ہمارا رتھ پار کردے۔'' [3]

اس منتر میں نراشنس سے گزارش کی گئی ہے کہ وہ آئیں اور گنہگاروں کو گناہوں سے پاک کریں۔ آپ ﷺ نے آکر لوگوں کو گناہوں سے پاک کیا اور انہیں اس قدر رغبت اور توجہ دلائی کہ اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس نے خود ہی آکر گزارش کی کہ اسے پاک کردیں۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اس گناہ سے پاکی کے لیے اسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ آپ ﷺ نے اسے ٹالنا بھی چاہا کہ وہ اللہ کے حضور توبہ کرلے اور پاکیزہ ہونے کی امید رکھے مگر وہ مطمئن نہیں ہوا۔ بالآخر اس نے گناہ سے پاکی کے لیے جان دے دی۔ ''کٹھن راستے سے رتھ پار کیے جانے'' سے مراد زندگی کے مصائب و مشکلات سے نجات دلانا ہے اور یہ کام بھی حضرت محمد ﷺ نے خوب کیا ہے۔ رسم و رواج کے جتنے بھی بندھن تھے جن میں جکڑ کر انسانیت سسک رہی تھی، آپ ﷺ نے ان سب کا خاتمہ کیا اور ایک آسان، آزاد اور شریفانہ انسانی دور کا آغاز کیا۔

---

[1] محمدؐ ہندو کتابوں میں، ص: ۵۰۔۵۱

[2] رگ وید، منڈل نمبر ا، سوکت ۱۳، منتر ۹

[3] ایضا، منتر ۴

نراشنس کا تعارف اور شناخت

اتھر وید میں نراشنس کی شناخت اور ان کے تعارف کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے:

"اے لوگو! عزت و احترام کے ساتھ سنو کہ نراشنس کی بڑائی کی جائے گی۔ اس شر نار تھی (ہجرت کرنیوالے) کو ہم ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کے بیچ پاتے ہیں، اس کی سواری اونٹ ہے، اس کی بیس اونٹنیاں ہیں، اس کی ایک سواری کی عظمت فرشتوں کو چھوتی ہے، خدا نے اس مامہ رشی کو سو دینار، (سورن مدرا) دس مالائیں، تین سو گھوڑے، دس ہزار گائے دیں۔" [1]

ان منتروں کے بغور مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس علامتی تشبیہ والے منتروں کا کردار ہمارے سامنے صاف طور پر نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ مثلاً نراشنس کی بڑائی کی جائے گی: جیسا کہ کہا گیا کہ "اے لوگو! عزت و احترام کے ساتھ سنو کہ نراشنس کی بڑائی کی جائے گی۔" پہلے منتر کا جملہ مستقبل کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نراشنس زمانۂ وید کے بعد کسی اور زمانے میں ظہور کرے گا۔ اسی منتر (آیت) میں دوسری بات یہ ہے کہ "نراشنس کی تعریف کی جائے گی۔" پوری انسانی تاریخ میں دنیا کے کسی انسان کی اتنی تعریف نہیں کہ گئی جتنی آنحضرت ﷺ کی ہوئی، دنیا کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ بلاناغہ دن میں پانچ مرتبہ محمد ﷺ کی تعریف کرتا ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ نے صرف اپنے پیروکاروں سے ہی نہیں بلکہ ان لوگوں سے بھی تعریف اور خراج تحسین حاصل کیا جو آپ کے پیروکار اور ماننے والے بھی نہیں ہیں۔

۲۔ پیغمبر امن کا خطاب

اتھر وید میں نراشنس یعنی محمد کو پیغمبر امن بھی کہا گیا ہے اور اس سلسلے میں کئی منتروں میں آپ ﷺ کی اس صفت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اتھر وید کے چند منتر مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ وہ کوراما ہے یعنی وہ امن کا شہزادہ یا مہاجرین کا شہزادہ ہے، جو محفوظ ہے۔ ۶۰،۰۹۰ دشمنوں کے درمیان بھی محفوظ ہے۔ جیسا کہ اتھر وید میں ہے:

"اے لوگو یہ (بشارت) احترام سے سنو۔ محمد تعریف کیا جائے گا۔ ساٹھ ہزار نوے دشمنوں میں اس کوراما (ہجرت کرنے والے یا امن پھیلانے والے) کو ہم (حفاظت میں) لیتے ہیں۔" [2]

---

[1] اتھر وید۔ کانڈ ۲۰ سوکت ۱۲۷، منتر ۲،۳

[2] ایضاً، منتر ا

ب۔ وہ جہانوں کا بادشاہ ہے۔ بہترین انسان ہے اور تمام تر انسانیت کا رہنما ہے ۔ [1]

ت۔ وہ ایک ہر ایک کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور اس نے دنیا میں امن پھیلایا ہے ۔ [2]

ث۔ اس کی حکمرانی میں لوگ خوش ہیں اور پستی سے بلندی تک پہنچے ہیں۔ [3]

ان منتروں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نراشنس دنیا میں مثالی امن وامان قائم کرے گا۔ اور اگر دیکھا جائے تو بنی نوعِ انسانی کی تاریخ میں اس قدر امن وامان کبھی نہیں ہوا جتنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانے میں رہا ہے۔

نیز حضور اکرم ﷺ کی امن پسندی کا تو یہ عالم تھا کہ وہ تمام غزوات جن میں آپ ﷺ نے شرکت کی اس میں دونوں طرف کے مقتولین کی تعداد حیرت انگیز طور پر نہایت کم ہے۔ عہدِ نبوی کے تمام غزوات میں کل ۶۵۶۴ قیدی اور ۷۵۹ لوگ قتل ہوئے اور مسلمانوں میں ۲۵۹ لوگ شہید اور ایک بزرگ قید ہوئے اور تاریخ گواہ ہے کہ دشمن کے ان قیدیوں میں سے ۶۳۴۸ کو اس نبی رحمت ﷺ نے غزوہ حنین کے بعد بغیر کسی شرط کے رہا کر دیا۔ صرف ایک شخص قصاص کے طور پر قتل کیا گیا پھر ۲۱۵ قیدیوں میں ۷۰ کو بدر میں فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ اُس کے بعد جبلِ تنعیم پر مسلمانوں پر حملہ کیا گیا ۸۰ لوگ قید کیے گئے اور اُن کو بھی اسی طرح رہائی مل گئی۔ [4]

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور اوس و خزرج کے علاوہ پورے عرب قبائل کے درمیان صدیوں سے جاری جنگوں کا خاتمہ کر دیا۔

۳۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سواری کا تذکرہ

اتھروید میں ”قابل تعریف شخصیت“ یعنی محمدؐ کی سواری کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی سواری اونٹ ہو گی۔ اور دوسری بات یہ کہ اس کی سواری آسمانوں تک پرواز کی صلاحیت رکھتی ہو گی۔ اس سے مقصود معراج کے سفر کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اتھروید کا منتر ہے:

> ”اس کی سواری اونٹ کی ہو گی۔۔۔ اس کا درجہ اتنا بلند اور اس کی سواری اتنی تیز ہو گی کہ وہ آسمان کو چھوئے گی، پھر اتر آئے گی۔“ [5]

---

[1] اتھروید۔ کانڈ ۲۰ سوکت ۱۲۷، منتر ۷

[2] ایضاً، منتر ۸-۹

[3] ایضاً، منتر ۱۰

[4] ”غزواتِ نبوی اور انسانی اقدار“، فاروق اعظم گھکڑیالوی، ماہنامہ دار العلوم، شمارہ ۵، جلد ۹۱، مئی ۲۰۰۷ء، ص: ۴۴

[5] اتھروید، کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۲

آپ کی ایک صفت کہ ''نراشنس کی سواری اونٹ ہوگی''قرینِ قیاس ہے۔اس لیے کہ سب جانتے ہیں محمد ﷺ جس ملک میں پیدا ہوئے، وہ ریت کے ٹیلوں سے بھرا ہوا صحرا تھا اور آج بھی ایسا ہے۔اور ریتلے صحرا کی سواری اونٹ ہوتی ہے جسے صحرائی جہاز بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی سواری زندگی بھر اونٹ رہی۔

اس حوالے سے کہ 'نراشنس کے پاس بیس اونٹنیاں ہوں گی' یورپ کے ایک مورخ جناب ولیم میور نے لکھا ہے:

''محمد ﷺ کی بیس دودھ دینے والی اونٹنیاں تھیں جو الغابا کی جیت میں ہاتھ آئی تھیں، ان اونٹنیوں کا دودھ ان کے خاندان کے لیے تھا۔''(۱)

دوسری بات یہ کہ اس پیشین گوئی کا مصداق کسی ہندو رشی کو اس لیے بھی نہیں لیا جاسکتا کہ برہمن کے لیے اونٹ کی سواری کرنا جائز نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قوانینِ منو میں لکھا ہے:

''ایک رشی کے لیے اونٹ یا گدھے کی سواری اور برہنہ حالت میں نہانا ممنوع ہے۔ اسے اپنے سانس کو دباتے ہوئے اپنے آپ کو پاک کرنا چاہیے۔''(۲)

اس منتر کے دوسرے حصے میں شاید براق کی طرف کنایہ ہے۔ جس کے ذریعے لمحوں میں معراج کی شب، کائنات کے مختلف گوشوں سے آپ کو آشنا کروا کر واپس دنیا میں پلٹادیا گیا۔اس براق کی سرعت اور رفتار کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ کی انتہاء ہوتی وہاں براق پہلا قدم رکھتا۔ فوراً ہی پہلا آسمان آگیا۔(۳)

۴۔ حضرت محمد ﷺ کے اصحاب کا تذکرہ

حضرت محمد ﷺ کے اصحاب کے تذکرہ کے لیے ویدوں میں تمثیلی زبان استعمال کی گئی ہے یعنی مثال کے ذریعہ آپ ﷺ کے اصحاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس میں مختلف مقامات اور مواقع پر آپ ﷺ کے اصحاب کی تعداد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اتھروید میں ہے:

''اس نے فاتح، رشی کو سو اشرفیاں، دس ہار، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کیں۔''(۴)

---

(1) Life of Mahomet, Sir William Muir, London: Smith, Elder and Company,1861, v.4, p.516

(2) The Sacred Books of The East, F. Max Muller, New Delhi: Motilal Banarsidass, Edition:2, 1967, V.25, p. 472

(۳) الدر المنثور، جلال الدین سیوطی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۶/ ۱۲۶

(۴) اتھروید، کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، آیت ۱۱۳، منتر ۱۳

i۔ سو اشرفیوں کا مصداق

ہندوؤں کی مقدس کتب کے ماہر عالم اور مناظر ڈاکٹر ذاکر نائیک کا خیال ہے کہ ان تمثیلات کی مدد سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اصحاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سو اشرفیوں سے مراد وہ سو لوگ ہیں جو ابتدا میں اسلام لائے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ہمراہ برابر تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتے رہے۔ [1]

ii۔ دس ہار سے مراد

دس ہاروں کی تمثیل سے پیغمبر ﷺ کے ان دس جلیل القدر صحابہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں۔ جن کو اس دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ [2]

iii۔ تین سو گھوڑے

سنسکرت میں یہاں ''آرواہ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ عربی گھوڑے کو کہتے ہیں۔ یہ گھوڑوں کے جس تحفے کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جو بدر کی جنگ سے فاتح بن کر واپس آئے۔ گو کہ دشمن کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی۔ [3]

بدر میں آنحضرت ﷺ پر جس وقت دشمن نے پہلی بار حملہ کیا تو آپ پر اپنی جان نچھاور کر دینے والے تین سو تیرہ جانباز صحابہؓ ایسے تھے جنہوں نے ۱۰۰۰ دشمنوں کو جنگ کے میدان سے مار بھگایا تھا۔اس جنگ میں آپ ﷺ کے تیرہ صحابیؓ شہید ہوئے اور تین سو زندہ افراد واپس گھر لوٹ آئے۔

iv۔ دس ہزار گائے

سنسکرت زبان میں گائے کو 'گو' کہا جاتا ہے، جو کہ جنگ اور امن دونوں حالتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے وطن مکہ سے نکلنے کے آٹھ سال بعد مدینہ سے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ فتح مکہ کے لیے نکلے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کو بغیر کسی خون خرابے کے خوفزدہ کر کے آپ کے سامنے جھکا دیا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے صحابہؓ نے انسانیت کی ایسی تاریخ رقم کی کہ انہوں نے آپ کے سخت دشمنوں کو بغیر بدلہ لیے معاف کر دیا۔ آپ ﷺ نے جب مکہ پر فتح حاصل کی تو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ ۱۰۰۰۰ الوگ تھے۔ فتح مکہ میں شامل اس وقت ان لوگوں کی تعداد کو وید نے اپنے منتر میں ۱۰۰۰۰ اگائیوں سے تشبیہ دی ہے۔ جہاں تک لفظ گائے کا تعلق ہے تو گائے رحم دلی کے لیے پوری دنیا میں مشہور ہے۔اور فتح

---

(۱) اسلام اور ہندو مت کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر ذاکر نائیک، ص: ۳۲

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

مکہ کے موقع پر رحم دلی کی عظیم مثال اور یہ علامت دیکھنے کو ملتی ہے۔

۵۔ حضرت محمد ﷺ کے لیے مقام محمود کا تذکرہ

رگ وید میں حضرت محمد ﷺ کی تین حیثیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

''جس اگنی کا تمام وسیع ولا متناہی روپ کبھی ختم نہیں ہوتا اسے بغیر جسم والی روح کہتے ہیں۔ جب وہ پیکر جسمانی میں ہوتے ہیں تب آسر (سب سے بعد میں آنے والا) اور نراشنس کہلاتے ہیں اور جب کائنات کو منور کرتے ہیں تو ماتریشوا ہوتے ہیں اور اس وقت وہ ہوا کی طرح (روحانی) ہوتے ہیں۔''[1]

اس وید میں بغیر جسم والی روح سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقامِ احمدیت کی طرف اشارہ ہے کہ ابھی آپ پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن آسمانوں میں احمد کے حوالے سے جانے جاتے تھے اور آپ کا نور نبوت بھی موجود تھا۔ وید کے دوسرے حصے جب وہ پیکر جسمانی میں ہوتے ہیں، سے آپ ﷺ کے مقام محمدیت کی طرف اشارہ ہے اور ''جب کائنات کو منور کرتے ہیں تو ماتریشوا ہوتے ہیں اور اس وقت وہ ہوا کی طرح ہوتے ہیں'' اس میں مقام محمود کی طرف اشارہ ہے۔ ''ماتریشوا'' کی تعبیر سے مقام محمود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ رگ وید میں ایک اور مقام پر بھی آنحضرت ﷺ کی تینوں حیثیتوں کا ذکر کیا گیا ہے:

''اگنی کا پہلا ظہور سورگ لوگ میں بجلی کی شکل میں ہوا۔ ان کا دوسرا ظہور ہم انسانوں کے درمیان ہوا۔ تب وہ جات وید (امی) کہلائے۔ ان کا تیسرا ظہور جل میں ہوا۔ انسانوں کی فلاح کا کام کرنے والے ہمیشہ ضوفشاں رہتے ہیں۔ ان کی نعت کرنے والے ہی ان کی اطاعت کرتے ہیں۔''[2]

ایک اور مقام پر یوں بیان ہوا ہے:

''اے اگنی ہم تمھارے تینوں رویوں کو جانتے ہیں۔ جہاں جہاں تمھارا ٹھکانا ہے ان مقامات کو بھی ہم جانتے ہیں۔ ہم تمھارے انتہائی خفیہ نام اور تمہارے پیدا ہونے کے مقام کو بھی جانتے ہیں۔ تم جہاں سے آئے ہو یہ بھی ہم جانتے ہیں۔''[3]

---

[1] رگ وید، جلد ۳، باب ۲۹، آیت ۱۱

[2] ایضاً، جلد ۱۰، باب ۴۵، آیت: ۱

[3] ایضاً، آیت: ۲

ان دونوں اقتباسات سے یہ واضح ہے کہ وید میں آپ کی تین حالتیں بیان کی گئی ہیں: سورگ لوگ یعنی جنت یا عالم بالا میں آپ کے نورانی ظہور کا تذکرہ؛ پھر انسانی ظہور کا تذکرہ ہے اور تیسرا ظہور جل میں ہونے کا ذکر ہے۔ ویدوں میں جل روحانیت کو کہ۔ یعنی وہ ایسا ظہور ہوگا جس میں مادیت کا دخل نہیں ہوگا گویا قیامت کے بعد والے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ اگلے وید میں تین مقامات کا ذکر ہے جس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس سے محمودیت کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔

۶۔ ان کہی/اذان

ہندوؤں کے ہاں رائج ہے کہ مرنے والے کے کان میں نزع کی تکالیف سے بچانے کے لیے ''ان کہی'' کی سرگوشی کی جاتی تھی۔ نزع کے وقت پلنگ یا چارپائی سے اٹھا کر زمین پر لٹا دیا جاتا تھا اور چپکے سے مرنے والے کے کان میں ''ان کہی'' کہی جاتی تھی۔ اس ان کہی کے الفاظ عام ہندوؤں کو معلوم نہیں ہوتے۔ اکبر اعظم کے زمانہ میں ایک برہمن نے یہ الفاظ بتائے تھے اور ساتھ کہا تھا کہ یہ الفاظ اتھر وید میں بھی موجود ہیں۔ ان کہی کے الفاظ یہ ہیں:

لا الہ ہرنی پاپن الا لمبا پرم پدم

جنم بیکنٹھ پراب ہوتی تو جپے نام محمدم[1]

ترجمہ: لا الہ کہنے سے پاپ مٹ جاتے ہیں۔ الا اللہ کہنے سے پرم پدوی (امامت عالم) مل جاتی ہے۔ اگر ہمیشہ کی بہشت چاہتے ہو تو محمد کا نام جپا کر)

ان کہی کے الفاظ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ویدوں میں محمد ﷺ کے نام کو کس قدر اہمیت سے بیان کیا گیا ہے۔ ہندو مذہب پر چونکہ برہمنوں اور پنڈتوں کی اجارہ داری تسلیم کی جاتی ہے۔ عام ہندوؤں کو نہ تو مذہبی کتابیں پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے اور نہ ہی رسائی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ساری باتیں اب تک ایک عام ہندو کی نگاہوں سے پوشیدہ اور سربستہ راز ہی ہیں۔

۷۔ آخری اوتار/آخری نبی کا زمانہ

ہندومت کی کتابوں میں ایک آخری اوتار کی بشارت دی گئی ہے اور یہی بشارت تقریباً تمام اہم کتابوں میں موجود ہے۔ اس آخری اوتار کو کلکی اوتار کہا جاتا ہے۔ آخری رشی یا نبی کو کلکی اوتار کا نام دینے کی بظاہر دو وجوہات ذکر کی جاتی ہیں۔ کلک کا مطلب ہوتا ہے ایک خاص وقت یا زمانہ جو ایک طویل عرصے پر محیط ہوتا ہے۔ ہندووں کے نزدیک طوفانِ نوح کے بعد زمانے کے چار ادوار ہیں:

ا: ست یگ

اس زمانہ کا ایک نام کرتا یگ بھی ہے جس کی مدت سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار (۱۷۲۸۰۰۰) سال ہے۔

---

[1] دبستان مذاہب، کیخسرو اسفندیار، کتابخانہ ظہوری، تہران ایران، طبع اول، ۱۸۲/۲

۲: تریتا یگ

ست یگ کے بعد تریتا یگ آتا ہے،اس کی مدت بارہ لاکھ چھیانوے ہزار (۱۲۹۶۰۰۰) سال ہے۔

۳: دواپر یگ

اور تریتا یگ کے زمانہ کے بعد دواپر یگ آتا ہے۔اس کی مدت آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار (۸۶۴۰۰۰) سال ہے۔

۴: کلیوگ

اور پھر کلیوگ کا زمانہ چار لاکھ بتیس ہزار (۴۳۲۰۰۰) سال ہے۔موجودہ کلک آخری دور ہے اور ہر دور میں اللہ کی طرف سے نبی اور رسول بھیجے جاتے ہیں۔اس آخری کلک (دور) میں جو رشی آئے گا وہ آخری ہو گا۔اس کے بعد قیامت ہی ہو گی۔کلکی کہنے کی دوسری وجہ یہ ذکر کی جاتی ہے کہ کلکی کا یہ معنیٰ ہوتا ہے ''وہ شخص جو اندھیروں کو دور کرے۔'' چونکہ آخری نبی بھی اندھیروں کو دور کرے گا اس وجہ سے اسے کلکی کہا جاتا ہے۔[1]

لفظِ اوتار ایک سابقہ 'او' کے ساتھ 'تر' مادہ میں 'گھن' لاحقہ کی ترکیب سے بنا ہے۔لفظِ اوتار کے معنی ہیں 'زمین پر آنا،' 'ایشور کا اوتار' اس ترکیب کے معنی یہ بنتے ہیں: ''لوگوں کو خدا کا پیغام سنانے والے بزرگ کا زمین پر مبعوث ہونا'' [2]

مشہور ہندو محقق وید پرکاش نے ویدوں سے کلکی اوتار کے متعلق ان تمام نشانیوں اور خصوصیات کو جمع کیا ہے۔

ذیل میں ہم ان علامات و خصوصیات کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر صادق آتی ہیں یا نہیں۔

ایشور کا اوتار یا کلکی اوتار سے مراد کون؟

وید پرکاش کے نزدیک ایشور کے اوتار کا اطلاق رسول اکرم ﷺ پر ہوتا ہے۔وہ اس طرح دلیل دیتے ہیں:

> ''اس ترکیب میں لفظ 'کا' اضافی ہے۔ایشور سے وابستہ کون ہو سکتا ہے؟ اس سے وابستہ اس کا بندہ ہی ہوتا ہے۔رگ وید میں ایسے شخص کو ''کیری'' کہا گیا ہے۔کیری لفظ کے معنی ''ایشور کی تعریف کرنے والا'' کے ہوتے ہیں اور عربی میں اس کا ترجمہ ''احمد'' ہوتا ہے۔اشکال یہ ہے کہ اس طرح تو جتنے بھی اللہ کی تعریف کرنے والے ہیں کیا سبھی احمد کہلائیں گے؟ لیکن ایسا نہیں ہے۔اللہ کی سب سے بڑھ کر تعریف کرنے والے پر لفظ کیری یا ''احمد'' لفظ صادق آتا ہے۔آدمؑ بھی اللہ کی تعریف کرنے والے تھے مگر ان کا نام احمد نہیں ہوا اور جو لفظ جس وجود کیلئے مشہور ہو جاتا ہے اسی سے وجود کا علم ہوتا

---

[1] الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، صفی الرحمان مبارک پوری، دار کنوز المعرفہ جدہ، ۴۱۵/۱

[2] کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ، ڈاکٹر وید پرکاش اوپادھیائے، گرین ویو سوسائٹی شیخوپورہ روڈ لاہور، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۰

ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ سے وابستہ ہر شخص کیری (احمد) نہیں ہو سکتا۔ یہاں ہمیں نبیوں اور اوتاروں کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف آخری اوتار (خاتم النبیین ﷺ) کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ سنسکرت زبان میں 'اوتار' انگریزی میں 'پرافٹ' اور عربی زبان میں 'نبی' دنیا کے نجات دہندہ کو کہتے ہیں۔ ہر ملک و قوم کیلئے علیحدہ علیحدہ اوتار ہوئے ہیں۔ کیونکہ ایک اوتار (نبی) سے تمام ملکوں اور قوموں کی بھلائی غیر متوقع ہے لیکن آخری اوتار (خاتم النبیین ﷺ) کی بات اور ہے۔ کیونکہ جب ان کا ظہور ہوگا تب اس کا دین تمام اقوام واوطان میں پھیل جائے گا۔اب ہم اوتار کے اسبابِ نزول پر غور کریں گے۔"[۱]

۸۔آخری اوتار کا نام

اس آخری اوتار کا جو نام بھوشیہ پران میں بتایا گیا ہے وہ اس طرح ہے:

"آخری زمانے میں جو رشی ہوگا اس کا نام 'سروانما' ہوگا"[۲]

انما کا معنٰی یہ ہے کہ ایسا شخص جس کی تعریف وتوصیف کی جائے اور "سرو" کا مطلب ہے سب سے بڑھ کر۔[۳] عربی زبان کے مطابق اگر دیکھیں تو یہی 'محمد' کا بھی ترجمہ بنتا ہے۔ گویا سروانما اور محمد مترادف الفاظ ہیں۔البتہ فرق یہ ہے کہ ایک سنسکرت میں استعمال ہوتا ہے اور دوسرا عربی میں۔

۹۔آخری اوتار کے والدین کے نام

کلکی پوران میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"اوتار وشنویش کی بیوی سوموتی (سومتی) سے پیدا ہوگا۔"[۴]

سومتی کے معنی "امانت دار" اور "بہترین اخلاق والی" کے ہیں اور والد کا نام "وشنویش" آیا ہے جس کے معنی "اللہ کا بندہ" ہوتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نام "حضرت آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا" ہے جس کے معنی امانت دار اور امن والی بی بی کے ہوتے ہیں جبکہ والد بزرگوار کا نام 'حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ' ہے۔اور عبداللہ کا معنی اللہ یعنی وشنو

---

(۱) کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ، ص:۲۱۔۲۲

(۲) الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، ۱/ ۴۱۶

(۳) ایضاً، ۱/ ۴۱۶

(۴) کلکی پران، ادھیائے ۲، اشلوک ۱۱

کا 'ایش' یعنی بندہ، (عبد اللہ) ہوتے ہیں۔ [1]

۱۰۔ کلکی اوتار کا خاندان اور جائے پیدائش

بھاگوت میں ذکر ہوا ہے:

''وہ شمبھل گرام میں 'برہمنوں کے سردار' کے گھر میں پیدا ہوگا۔'' [2]

یہاں برہمن سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کا خاندان اعلیٰ حسب ونسب کا مالک ہوگا کیونکہ برہمن اعلیٰ نسل کے ہندوؤں کو کہا جاتا ہے۔

شمبھل گرام کا معنیٰ ومفہوم

بظاہر یہ کسی جگہ یا مقام کا نام ہے لیکن ہندو مذہبی کتابوں کے بعض ماہرین کے مطابق شمبھل گرام کسی علاقے کا ذاتی نہیں بلکہ ایک صفاتی نام ہے۔ اس حوالے سے معروف ہندو محقق وید پرکاش کی تحقیق کے مطابق شمبھل کسی گاؤں کا نام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر یہ کسی گاؤں کا نام ہوتا تو اس کے اوصاف بھی بتائے جاتے۔ لیکن پرانوں میں کہیں شمبھل گرام کی کیفیت کا ذکر نہیں۔ ہندوستان میں تلاش کرنے پر اگر کہیں شمبھل نامی گاؤں ملتا بھی ہے تو آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے کوئی ایسا انسان وہاں نہیں پیدا ہوا جو لوگوں کے لیے نجات دہندہ ہو۔ پھر آخری اوتار کوئی محض کھیل یا مذاق تو نہیں ہے کہ اوتار (نبی خاتم ﷺ) کی بعثت ہو جائے اور قوم میں ذرہ بھر بھی تبدیلی نہ آئے۔ لہٰذا لفظ شمبھل کو خصوصیت سے سمجھ کر اس میں موجود مولد کی حقیقت پر غور کرنا ضروری ہے۔

۱۔ شمبھل کا اصل مادہ ''شم'' ہے جس کے معنیٰ ''پرامن کرنا'' کے ہیں، یعنی ایسا مقام جو پُرامن ہو۔

۲۔ 'شم' اور 'ور' دونوں کی ترکیب سے 'سم+ور=سمور مشتق ہوا ہے۔ قواعد کی رو سے شمبھل لفظ کی تکمیل ہوئی۔ جس کا مطلب وہ شخص جو لوگوں کو اپنی جانب کھینچتا ہے یا جس کے ذریعے کسی کا انتخاب ہوتا ہے۔

۳۔ لغت ۸۸-۱۲-۱ میں لفظ شمبر کے معنی پانی دیئے گئے کے مذکور ہے۔ 'ر' اور 'ل' دونوں حروف یکساں ہونے کی وجہ سے ''شمبھل'' کے معنی پانی کے قریب والا مقام کے ہوں گے۔

البتہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ شمبھل کے معنی پانی کے ہیں تو پانی کے قریب والا مقام یا گاؤں کے معنیٰ کیونکر اخذ ہوئے ؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ موضوع گفتگو یہاں پر علاقہ یا گاؤں ہے نہ کہ پانی؛ مثلاً اگر کہا جائے ''گنگا میں گھوش'' تو اس کے معنیٰ یہ کیے جاتے ہیں کہ 'گنگا کے قریب واقع گاؤں میں گھوش نہ کہ گنگا کے پانی میں گھوش۔ لہٰذا آپ لفظِ

---

[1] الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، ۱/ ۴۱۷

[2] بھاگوت پران، باب ۱۲، اشلوک ۱۸، منتر ۲

شمبھل سے بھی یہی معنی اخذ کر سکتے ہیں۔ اگر گنگا میں گھوش، جملے میں نشان مانا جاتا ہے تو اس جملے میں بھی نشان مانا جا سکتا ہے۔ آخری اوتار کے مقام کے موضوع کے حوالے سے قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ مقام جس کے آس پاس پانی ہو اور پر کشش اور امن دینے والا مقام ہو۔ اوتار کی سرزمین اور علاقہ مقدس ہوتا ہے لہذا اس مقام میں بھی تقدس لازم ہے جہاں تشدد وغیرہ نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ وہ مقام یا علاقہ ایک زیارت گاہ ہونا بھی لازم ہے یعنی لوگوں کیلئے وہ دینی مقام ہو۔

'شمبھل' کے لفظی معنی بلد الامین کے ہیں۔ آخری اوتار کا مقام، امن دینے والا، تشدد اور حسد سے پاک ہونا۔ آخری اوتار کیلئے ضروری نہیں کہ وہ بھارت میں ہو اور سنسکرت یا ہندی زبان بھی بولے۔ اگر ہر ملک کی زبان، وضع قطع اور نام ایک ہی ہوتی ہے۔ یہ کہنا لاعلمی ہے کہ اوتار صرف ہندوستان میں ہو۔ کیا ہندوستان ہی ایشور کا پیارا مقام ہے؟ اور دوسرے ممالک پیارے نہیں ہیں؟ کیا دنیا صرف ہندوستان ہے؟ دیگر ممالک اس دنیا میں نہیں ہیں؟ [1]

۱۱۔ تاریخِ پیدائش

کلکی پران میں آخری اوتار کی ولادت کے بارے میں درج ہے کہ وہ بیساکھ کو پیدا ہوں گا۔ پران کا اشلوک کہتا ہے:

"کلکی اوتار ۱۲ بیساکھ کو پیدا ہوگا۔" [2]

تاریخی حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو رسول اللہ ﷺ کی تاریخ پیدائش ہندی ماہ و سال کے اعتبار سے ۱۲ بیساکھ ۶۲۸ بکرمی ہی ہے۔ یہ دن عام الفیل کے ماہِ ربیع الاول کا دوسرا سوموار بنتا ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا دن ہے۔ [3]

وید پرکاش صاحب کی تحقیق کے مطابق پرانوں میں مادھو ماس یعنی ربیع الاول کی بارہ تاریخ بھی بتائی گئی ہے۔ ممکن ہے دونوں ہی تاریخوں کا پرانوں میں ذکر ہو۔ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ اگر زمانے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ بھارت میں آج سے چودہ سو سال پہلے کوئی ایسی شخصیت نہیں پیدا ہوئی جو آخری اوتار کے معیار و خصوصیات پر پوری اترتی ہو۔ تمام پرانوں میں کلکی اوتار کا مقام پیدائش سمبھل بتایا گیا ہے۔ سمبھل یا شمبھل ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ [4]

۱۲۔ کلکی کے والدین کی وفات

بھاگوت پران میں درج ہے کہ کلکی کے والد اس کی ولادت سے پہلے ہی فوت ہو جائیں گے۔ اسکند ۱۲ میں ملتا ہے:

"کلکی اوتار کے والد اس کی ولادت سے قبل فوت ہو جائیں گے اور اس کی والدہ بھی

---

[1] کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ، ص: ۱۱۸

[2] کلکی پران، ادھیائے ۲، اشلوک نمبر ۱۵

[3] الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، ۱/ ۴۱۷

[4] کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ، ص: ۳۶

پیدائش کے کچھ عرصے بعد وفات پاجائے گی۔'' [1]

بالکل یہی واقعہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آیا کہ آپ ﷺ کے والد آپ ﷺ کی وفات سے پہلے انتقال فرماگئے اور والدہ بھی چند سال بعد دار فانی سے کوچ فرماگئیں۔ [2]

۱۳۔ کلکی کی شادی اور زوجہ کا تذکرہ

بھاگوت پران میں ہے کہ کلکی کی ازدواج کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

''کلکی اوتار سالمل دیپ کی کسی معزز خاتون سے شادی کریں گے۔ شادی کے معاملات ان کا ایک چچا اور تین بھائی سنبھالیں گے۔'' [3]

پرانوں کے اس بیان کی روشنی میں اگر ہم رسول اکرم ﷺ کی ازدواج کا مطالعہ کریں تو یہ بیان ان پر ہر لحاظ سے صادق آرہاہے۔ پہلی بات تو یہ کہ سالمل دیپ کیا چیز ہے؟ زمانہ قدیم کے ہندو سالمل دیپ سے دو جگہیں مراد لیتے تھے؛ کنعان اور جزیرۃ العرب۔ کلکی اوتار کی نشانیوں کے متعلق جتنی گفتگو ہوئی ہے ان میں سے کسی نشانی کا تعلق کنعان سے نہیں ہے؛ لہٰذا اس میں شک نہیں کہ اس سے مراد جزیرہ العرب ہے۔ دوسرا یہ کہ پران کی پیشین گوئی کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی شادی کے انتظامات اور ذمہ داریاں بھی آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالبؓ نے ادا کیں اور ان میں آپ کے تین چچازاد بھائی جعفرؓ، طالبؓ اور عقیلؓ بھی شریک ہوئے۔

۱۴۔ کلکی اوتار کا غار میں مالک سے حصولِ علم

''کلکی اوتار کسی پہاڑ کے غار میں پرشورام سے علم حاصل کرے گا۔'' [4]

اس پیشگوئی کو دیکھا جائے تو یہاں دو باتیں سامنے آتی ہیں: ایک تو یہ کہ کلکی اوتار ایک غار میں تعلیم حاصل کرے گا۔ اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے غارِ حرا میں ہی پہلی وحی نازل ہوئی جہاں سے تعلیم ربانی کا آغاز ہوا۔

اور دوسری یہ بات کہ پرشورام سے کیا مراد ہے؟ ہندو مذہب میں پرشورام سے مراد ایک فرشتہ ہے جو کافروں پر اللہ کا عذاب مسلط کرتا ہے؛ پرشورام کا مطلب ہوتا ہے مقدس روح۔ اگر ہم جبریل کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدے کو دیکھیں تو بعینہ وہ بھی جبریل کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں کہ یہ فرشتہ ہمارا دشمن ہے۔ دوسری طرف جبریلؑ کا نام

---

[1] بھاگوت پران، اسکند ۱۲، بحوالہ الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، صفی الرحمن مبارکپوری، ص: ۱/ ۴۱۸

[2] الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، ۱/ ۴۱۷

[3] ایضا، ۱۸/۱

[4] ایضاً، ۱/ ۴۱۹

قرآن مجید میں روح القدس بھی ذکر ہوا ہے۔ اس اعتبار سے پرشورام اور روح القدس یعنی جبریل ایک ہی چیز ہوئے اور یوں یہ پیشگوئی دیگر پیشین گوئیوں کی طرح رسول اللہ ﷺ پر ہی مکمل طور پر صدق کرتی ہے۔

۱۵۔ دعوت اور ہجرت کا تذکرہ

کلکی پران میں آخری اوتار کی دعوتی زندگی اور ہجرت کے بارے میں بھی کچھ پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ جیسے:

"کلکی اوتار اپنے گاؤں شمبھل گرام جو کہ سالمل دیپ میں واقع ہے دین کی طرف دعوت دے گا جس پر اس کے گاؤں کے لوگ مخالف ہو جائیں گے اور وہ شمال کی طرف پہاڑوں میں گھرے ایک شہر کی طرف ہجرت کے لیے مجبور ہو جائے گا۔ پھر ایک مدت کے بعد وہ اپنے گاؤں کی طرف تلوار لے کر لوٹے گا اور اسے فتح کر لے گا اور اس کے بعد پورا ملک ہی فتح کر لے گا۔"[1]

اس پیشین گوئی میں رسول اکرم ﷺ کی مکہ زندگی، آپ ﷺ کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اور پھر فتح مکہ کے ساتھ واپس لوٹنے کی طرف واضح الفاظ میں اشارات موجود ہیں۔

۱۶۔ معراج میں براق کی سواری کا تذکرہ

بھاگوت پران میں اس حوالے سے آیا ہے کہ:

"کلکی اوتار کو بجلی سے بھی تیز رفتار گھوڑا دیا جائے گا جس پر سوار ہو کر وہ زمین اور ساتوں آسمانوں کا سفر کرے گا۔"[2]

یہ پیشین گوئی دراصل رسول اللہ ﷺ کے معراج کے سفر کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ گویا کلکی اوتار کا براق پر سوار ہونا، اور زمین و آسمانوں سفر کرنا اور اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرنا ہندومت کے علماء کے نزدیک ایک ثابت شدہ امر ہے۔ چنانچہ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:

"اورنگ آباد[3] کے قریب الور کے پہاڑی سلسلے میں ایک پہاڑ میں کھودے گئے بہت

---

[1] الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، ۱/ ۴۲۰

[2] بھاگوت پران، ۱۲، جلد دوم، باب ۱۹، اشلوک ۲۰

[3] اورنگ آباد بھارت کے صوبۂ مہاراشٹر کا ایک مشہور تاریخی شہر ہے، اورنگ آباد مغل بادشاہ حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کے نام سے موسوم ہے۔

https://ur.wikipedia.org/wiki/اورنگ_آباد_(مہاراشٹر),Retrieved on 12-12-2016, at 3:00 p.m

سے گھر ہیں جو کہ ہندووں کے مؤنث خداؤں کے لیے مختص ہیں۔ان گھروں کی تاریخ دوہزار سال قبل تک بتائی جاتی ہے۔انہی گھروں میں گھر نمبر 16 ہے جسے رنگ محل کہا جاتاہے اس میں بڑے بڑے رسولوں کے مجسمے ہیں اور مجسمے کے سامنے اس کی سواری کی بھی تصویر ہے۔ان رسولوں میں کلکی اوتار کا نمبر دسواں ہے لیکن اس کا مجسمہ نہیں۔ چھت پر کلکی اوتار کی سواری کی تصویر کشیدہ کی گئی ہے جس پر براق کے تمام اوصاف پورے آتے ہیں۔"[۱]

۱۷۔فرشتوں کی مدد کاحاصل ہونا

کلکی پران میں آپ ﷺ کی فرشتوں کے ذریعہ مدد کااس طرح تذکرہ ہوا ہے:

"کلکی اوتار کی جنگوں میں فرشتوں کے ذریعے مدد کی جائے گی۔"[۲]

سیرت اور تاریخ کی کتب میں بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ جنگ بدر اور جنگ احد میں فرشتوں کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی گئی تھی۔

۱۸۔کلکی کے چار مددگار

کلکی پران میں کلکی اوتار کے چار مددگاروں کا بھی تذکرہ کیا گیاہے۔کلکی پران ادھیائے کے اشلوک نمبر ۵ میں ہے:

" کلکی اوتار چار مددگاروں کے ذریعے شیاطین کا مقابلہ کرے گا۔"[۳]

اس حوالے کوئی دورائے نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بھی چاروں خلفا کے ذریعے مدد کی گئی اور آپ کے دین نے ان چار خلفاء کے ذریعے جو ترقی کی وہ کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ان کا دور اسلام کا سنہری دور کہلاتا ہے۔

۱۹۔کلکی جہانوں کا سردار

کلکی اوتار کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ سارے جہاں کا سردار ہو گا۔[۴] اس کے لیے پرانوں میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ 'جگت پتی' ہے، جس کا معنٰی سارے جہاں کا سردار ہوتا ہے۔یہ وصف بھی رسول اللہ ﷺ کا ہے جنہیں تمام جہانوں کا سردار اور تمام انسانوں کے لیے ہادی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

---

[۱] الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، صفی الرحمن مبارکپوری، ص:۱/ ۴۲۱

[۲] کلکی پران، ادھیائے نمبر ۲، اشلوک نمبر ۷

[۳] ایضاً، اشلوک ۵

[۴] بھاگوت پران، ۱۲، ادھیائے ۲، اشلوک ۱۹

۲۰۔ کلکی ایک آخری رسول

پرانوں میں کلکی اوتار کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ آخری رسول ہو گا۔ چنانچہ بھاگوت پران میں آیا ہے:

''بڑے رسولوں کی تعداد چوبیس ہے اور کلکی اوتاران میں سے آخری ہو گا۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے رسولوں کی حقیقی تعداد اگرچہ حتمی طور پر معلوم نہیں ہے تاہم ایک بات جو کہ اٹل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے گا تو وہ جھوٹا شمار ہو گا۔ اس لحاظ سے پرانوں کی یہ پیشین گوئی بھی آپ ﷺ کی ہستی پر ہی صادق آتی ہے۔

آخری اوتار کے مبعوث ہونے کے اسباب

ویدوں میں آخری اوتار کی بعثت کے درج ذیل اسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے:

۱۔ شہنشاہیت کا بربری ہونا اور عوام کے خیالات کا وحشی ہو جانا اور اپنی نفسانی برتری کے مقابل میں دوسروں کی جانوں تک کی پرواہ نہ کرنا۔ حکمرانوں کی بدکاریاں، محصولات میں بے تکے اضافہ، دینِ حق کے مبلغین پر سنگباری کرنا۔

۲۔ درختوں میں پھلوں، پھولوں کا نایاب اور کمی ہونا۔ ۳۔ دریاؤں میں پانی کا کم ہونا۔

۴۔ بے دینی کا عروج اور دوسروں کو مار پیٹ کر ان کی دولت لوٹ لینا، عام طور پر لڑکیوں کو قتل کر کے دفن کرنا۔

۵۔ نسلی امتیاز کی توسیع، یکسانیت کے احساس کا ختم ہونا، اعلیٰ، ادنیٰ (چھوت) یعنی لامساس کی لعنت میں گرفتار ہو جانا۔

۶۔ غیر اللہ کی پرستش، اگرچہ کائنات کا خالق ایک ہی خدا ہے مگر اس کے علاوہ دیوتاؤں کی پرستش، درختوں، پودوں اور پتھروں کو ہی خدا سمجھنے کا مشرکانہ رجحان عام ہونا۔

۷۔ بھلائی کی آڑ میں برائی، بھلائی کے وعدے سے فریب دے کر نقصان پہنچانا۔

۸۔ حسد، بغض و عداوت، تصنع، ریاکاری وغیرہ کا عام ہو جانا اور لوگوں میں ہمدردی کا فقدان پیدا ہونا، باہم معاندانہ خیال سے دیکھنا، اللہ پر ایمان کا فقدان، مومنانہ وضع قطع برائے ریاکاری اختیار کرنا گویا کہ وہی اہل اللہ ہیں۔

۹۔ دین کے نام پر بے دینی کرنا۔ دین سے حقارت اور بے دینی میں رغبت رکھنا وغیرہ۔

۱۰۔ مومن فقراء کی حفاظت اور نیک لوگوں کے معاشرے میں بدحال ہونے پر، اُن کی حفاظت کیلئے آنا۔

۱۱۔ اللہ کی اطاعت کا فقدان ہونا، لوگوں میں کلام اللہ سے عقیدت نہ ہونا، احکامِ خدا کی نافرمانی وغیرہ۔

جب ایسے حالات دنیا میں برپا ہوں گے تو ان تمام برائیوں کو مٹانے کیلئے آخری اوتار کی بعثت ہو گی۔[2]

---

[1] بھاگوت پران، ۱۲، ادھیائے ۲، اشلوک ۲

[2] کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ، ص: ۲۵۔۲۶

تاریخ اور سیرت پر نظر رکھنے والے ماہرین و محققین اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ وہی تمام احوال ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے موجود تھے۔ اور پھر ان کا قلع قمع کرنے کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث برسالت فرمایا گیا۔

۲۱۔ آخری اوتار کے ظہور کے وقت حالات

اوتار (رسول) مستقبل میں ظاہر ہوگا لیکن اس کے آنے سے پہلے ظلم وجور کی وجہ سے زمین دب کر پانی میں غرق ہو جائے تو مستقبل میں آنے والے اوتار سے فائدہ ہی کیا ہے۔ گیتا میں مذکور ہے:

تنزل میں جس وقت آتا ہے دھرم
ادھرم آکے کرتا ہے بازار گرم
یہ اندھیر جب دیکھ پاتا ہوں میں
تو انسان کی صورت میں آتا ہوں میں
یعنی ایسے وقت میں اوتار کا نزول ہوتا ہے۔
بھلوں کو بروں سے بچاتا ہوں میں
بروں کو جہاں سے مٹاتا ہوں میں
جڑیں دھرم کی پھر جماتا ہوں میں
عیاں ہو کے یگ یگ میں آتا ہوں میں [۱]

وید پرکاش اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اب قابل غور بات یہ ہے کہ جن حالات کے بعد اوتار کا نزول ہوتا ہے کیا وہ حالات گزر رہے ہیں؟ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ آخری اوتار کلیوگ میں ہوگا۔ اور کلیوگ کی ابتدا کو پانچ ہزار انہتر سال ہو گئے ہیں۔ آخری اوتار کا زمانہ تقریباً یا کچھ گزر جانے کے قریب ہے۔ اور دوسرا قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ آخری اوتار اس زمانے میں ہوگا جبکہ جنگوں میں تلواروں اور گھوڑوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بھاگوت پران میں ہے کہ دیوتاؤں (ملائکہ) کے ذریعے عطاشدہ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر آٹھوں خصوصیات اور اعزاز والے کائنات کے سردار تلوار سے بدکاروں کا قلع قمع کریں گے۔ لیکن یہ تلواروں یا گھوڑوں کا دور نہیں بلکہ ایٹم بم اور ٹینکوں وغیرہ کا دور ہے۔ تلوار اور گھوڑوں کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، جبکہ آخری اوتار کا قیام تلواروں اور گھوڑوں کے زمانہ میں ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پیش تر گھوڑوں اور تلواروں کا استعمال جاری تھا اور تقریباً اس کے سو سال بعد عرب میں سوڈا اور کوئلے کے اشتراک سے بارود تیار ہونے لگا۔ [۲]

---

[۱] گیتا اور قرآن، ص: ۲۵۲

[۲] کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ، ص: ۳۲۔۳۳

۲۲۔ حسن وجمال

کلکی کے متعلق پرانوں میں درج ہے کہ وہ بے مثال حسین ہوں گے، یعنی وہ اتنے حسین ہوں گے کہ ان کے حسن کی مثال موجود نہیں ہوگی۔ چنانچہ بھاگوت پران میں ہے:

''وہ بے انتہا حسن وجمال کا مالک ہوگا۔ ایسا حسن جس کی کوئی مثال نہیں۔''[۱]

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا حسن وجمال کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا حسن آپ کی سیرت وصورت ہر دو کا خاصہ ہے۔ اس کی وضاحت اگلے باب میں آئے گی۔

۲۳۔ کلکی کے بدن کی خوشبو

شریمد بھگوت پران کی رو سے، کلکی کے جسم کی مہکتی ہوئی خوشبو کے اثر سے لوگوں کے قلوب پاک ہو جائیں گے۔[۲] یعنی ان کے جسم مبارک کی خوشبو ہوا میں شامل ہو کر لوگوں کے قلوب کو پاک کرے گی۔

چنانچہ یہ ملتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے جسم مبارک کی خوشبو اتنی تھی کہ آپ ﷺ جس سے بھی مصافحہ کرتے اس کے ہاتھ میں دن بھر خوشبو باقی رہتی تھی۔ رسول اکرم ﷺ جہاں خود بھی خوشبو کو پسند فرماتے وہاں آپ ﷺ کے بدن مبارک سے بھی نہایت نفیس خوشبو پھوٹتی تھی، جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مشامِ جاں ہمیشہ معطر رہتا تھا۔ آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کی خوشبو ہی اتنی نفیس تھی کہ کسی دوسری خوشبو کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ دُنیا کی ساری خوشبوئیں آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کی خوشبوئے دلنواز کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ ابو نعیمؒ اور خطیبؒ نے آپ ﷺ کی ولادت کی صبح کے حوالے سے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا ایک قول یوں نقل کیا ہے:

''نظرتُ إليه فإذا هو كالقمر ليلة البدر، ريحه يسطع كالمسك الأذفر''[۳]

ترجمہ: میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میں نے آپ ﷺ کے جسمِ اقدس کو چودھویں رات کے چاند کی طرح پایا، جس سے تروتازہ کستوری کے حلے پھوٹ رہے تھے۔

اسی طرح جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو رضاعت کے لئے اپنے گھر کی طرف لے کر چلیں تو سارے راستے خوشبو سے معطر ہو گئے۔ وادئ بنو سعد کا کوچہ کوچہ نبی اکرم ﷺ کے بدنِ اقدس کی نفیس خوشبو سے مہک اٹھا تھا۔ چنانچہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

---

(۱) بھاگوت پران، ۲۰/۲/۱۲

(۲) ایضاً

(۳) شرح المواہب اللدنیہ، محمد بن عبدالباقی الزرقانی، عالم الکتب بیروت، ۵۳۱/۵

''وَ لَمَّا دَخَلتُ به إلي منزلي لَم يَبْقِ منزلٌ مِن مَنَازِل بَني سَعدّ إلا شَمَمنَا منه رِيحِ الْمِسک'' [1]

ترجمہ: جب میں حضور ﷺ کو اپنے گھر لائی تو قبیلہ بنو سعد کا کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جس سے ہم نے کستوری کی خوشبو محسوس نہ کی۔

نبی کریم ﷺ کے بچپن کے متعلق حضرت ابو طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ:

''فَإذَا هُوَ في غَايَة اللينِ وطيبِ الرَّائحة كَأنَّه غمسٌ في الْمِسک'' [2]

ترجمہ: آپ ﷺ کا جسمِ اطہر نہایت ہی نرم و نازک اور اس طرح خوشبودار تھا جیسے وہ کستوری میں ڈبویا ہوا ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''كَانَ رَسُولُ الله صَلي الله عَليه وآله وَسَلم أَحسَنُ النَّاسِ لَوناً وأطيبُ النَّاس ريحاً'' [3]

ترجمہ: رسول اللہ رنگ کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ حسین تھے اور خوشبو کے لحاظ سے سب سے زیادہ خوشبودار۔

۲۴۔ آٹھ مخصوص صفات

بھاگوت پران اسکند ۱۲ دوسرے ادھیائے میں کلکی کو اشٹ ایشوریہ گڑانوت یعنی 'آٹھ صفات جاہ و حشم' والے کہا گیا ہے۔ وہ حسبِ ذیل ہیں:

i۔ پرگینا (علم و دانائی)

ii۔ کلینا (اعلیٰ نسبی)

iii۔ ایندری دمن (ضبطِ نفس)

iv۔ شرتی گنان (علم الکتاب)

v۔ پراکرم (شجاعت)

---

(۱) سبل الھدی والرشاد، محمد بن یوسف الصالحي، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱/۳۸۷

(۲) مفاتیح الغیب، فخر الدین محمد بن عمر الرازی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۳۱/: ۲۱۴

(۳) السیرة النبویة، حافظ علی بن ابی محمد ابن عساکر، ۱/۳۲۱

vi-ابھو بھاشتا (کم سخنی)

vii-دان (جود و سخا)

viii- گرتکنیتا (شکر گزاری)[1]

i- پرگینا (علم ودانائی)

علم ودانائی میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے مطابقت یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ماضی، حال اور مستقبل کی تمام باتیں بتانے میں کامل استطاعت رکھتے تھے۔ جیسا کہ لوگوں کا تزکیہ نفس اور علم وحکمت کی تعلیم دیناآپ ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو پیشین گوئیاں فرمائیں وہ بھی حرف بحرف پوری ہوئیں۔ ماضی کے حوالے سے آپ کی اخبار کی سابقہ کتب اور ان کے علمانے تصدیق کی اور مستقبل کے حوالے سے کی گئی آپ کی پیشین گوئیوں پر خود زمانے نے مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

ii- کلینا (اعلیٰ نسبی)

کلکی برہمن خاندان میں سے ہوں گے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی کعبۃ اللہ کے متولی خاندان کے ممتاز گھرانے بنو ہاشم میں پیدا ہوئے، جو مقدس کعبہ کا محافظ تھا۔یعنی آپ ﷺ کی ولادت ۵۷۱ء میں قبیلہ قریش کے ممتاز خاندان بنو ہاشم میں ہوئی، جو باشندگانِ عرب کا معزز ترین اور سلسلہ قدیم سے محافظ کعبہ خاندان تھا۔

آپ ﷺ کا نسب سب سے پاکیزہ، اعلیٰ وارفع ہے، واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ)) [2]

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ابراہیم (علیہ السلام) کی نسل سے اسماعیل (علیہ السلام)، بنی اسماعیل سے کنانہ، بنی کنانہ سے قریش، قریش سے بنو ہاشم، اور بنو ہاشم سے مجھے منتخب کیا۔

اور جب روم کے بادشاہ ہرقل نے ابوسفیان سے اللہ کے رسول ﷺ کے نسب کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ ہم میں سب سے اعلیٰ نسب والے ہیں، ہرقل نے کہا: انبیاء ورسل ایسے ہی ہوتے ہیں۔

---

[1] بھاگوت پران اسکند ۱۲ ،ادھیائے ۲

[2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فَضْلِ نَسَبِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَسْلِيمِ الْحَجَرِ عَلَيْهِ قَبْلَ النُّبُوَّةِ، حدیث: ۶۰۷۷، ۷/ ۵۸

iii۔ ایندری دمن (ضبطِ نفس)

صفاتِ جاہ و حشمت میں تیسری صفت 'حواس کو قابو میں لانا' ہے۔ بھارت کی مذہبی کتابوں میں کلکی کے مضمون میں مرقوم ہے کہ کلکی ضبطِ نفس کے حامل ہوں گے۔ حضرت محمد ﷺ کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ خود ستائی سے مبرا، کریم، پر سکون اور حواس کو قابو میں رکھنے والے (ایندریئے جیت) اور سخی تھے۔ حواس ارادے کے ماتحت کام کرتے ہیں لہٰذا ارادے کو قابو میں میں لانا ہی حواس کو قابو میں لانا ہے۔ [۱]

iv۔ شرتی گنان (علم الکتاب)

یہ بزرگی کی آٹھ صفات میں سے چوتھا وصف ہے۔ سنسکرت میں ''شرت'' کے معنی ''سنا ہوا کلام'' کے ہیں۔ جو رسولوں کے ذریعے سنا گیا ہو اور کتاب کی صورت میں محفوظ ہوتا ہے۔ اور یہ لفظ 'شر' کے مادہ سے بنا ہے۔ اس کے معنیٰ 'سننا' کے ہیں، لہٰذا وحی کے ذریعہ سنا گیا کہ الہٰی کلام جس کتاب میں ہو اس کو 'وشرتی' کہا جاتا ہے۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ پر فرشتہ حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے کلام اللہ (شرتی) کا نزول ہوتا تھا۔ اس کو سن کر آپ ﷺ لکھا دیتے تھے۔ قرآنِ کریم آپ ﷺ کا شرتی گنیان ہے۔ لین پول اس کی تائید میں لکھتا ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ پر فرشتہ کے ذریعے اللہ کا کلام بھیجا جانا برحق ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ آروی سمتھ بھی اس سے متفق ہے۔ ایک وحی میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کو اللہ کی پیغمبری کا عہدہ (عہدہ ءنبوت) پانے والے کہا گیا ہے۔ سر ولیم میور نے بھی حضرت محمد ﷺ کے متعلق لکھا ہے:

''وہ اللہ کے رسول اور نمائندے تھے۔'' اس طرح حضرت محمد ﷺ اور کلکی میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ [۲]

v۔ پراکرم (شجاعت)

آپ ﷺ بزرگی کی آٹھ میں سے شجاعت پانچواں وصف ہے۔ آنحضرت ﷺ قوتِ جسمانی میں بھی انتہائی کمال رکھتے تھے۔ اس کے ثبوت میں کئی تاریخی حقائق موجود ہیں۔ مثلاً ایک پہلوان جس کا نام 'رکانہ' تھا، اس سے آپ ﷺ نے سوال کیا: اے رکانہ! تیرا خدا سے نہ ڈرنے اور ایمان نہ لانے کا سبب کیا ہے؟ رکانہ پہلوان نے حق کی وضاحت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو بڑا بہادر پہلوان ہے، اگر میں کشتی میں تجھے زیر کر دوں تو کیا تو ایمان لے آئے گا؟ اس نے قبول کیا تو آپ ﷺ اسے دو مرتبہ مغلوب کیا۔ پھر بھی وہ پہلوان آپ ﷺ پر ایمان نہ لایا، اور اللہ کی ذات سے منکر رہا۔ [۳]

---

[۱] الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، ۱/ ۴۲۱

[۲] کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ، ص: ۵۱

[۳] الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، ۱/۴۳

vi۔ابھو بھاشنا(کم گوئی)

کم گوئی و کم سخنی بزرگ انسان کی بہت بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے۔آنحضرت ﷺ بھی خاموش طبع تھے، لیکن آپ ﷺ جو کچھ فرماتے تھے وہ اتنا اثر انگیز ہوتا تھا کہ سننے والے آپ ﷺ کی باتیں کبھی نہیں بھولتے تھے۔ باہمی گفتگو میں بھی آپ ﷺ پُر سکون رہا کرتے تھے، لیکن عرب کے لوگ آپ ﷺ کی باتیں سننا بہت پسند کرتے تھے۔

vii۔دان (جودوسخاوت)

خیرات و صدقات مذہب کا لازمی حصہ ہے۔ غریبوں کو خیرات دینا آٹھ میں سے ساتواں وصف ہے جو کہ انسان کو نورانی بناتا ہے۔ تقریباً ہر ایک بزرگ کے ہاں یہ تسلیم شدہ امر ہے۔ کلکی کو پرانوں میں 'اشٹ ایشور گناوت' کہا گیا ہے یعنی ان میں آٹھوں صفات کا من حیث المجموع رہنا قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ تو ہمیشہ عطا کرنے میں مصروف رہتے تھے اور آپ ﷺ کے مکان پر غریبوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ آپ ﷺ کسی کو مایوس نہیں کرتے تھے۔

viii۔ کرتگنیتا(شکر گزار ہونا)

ان آٹھ صفاتِ حشمت و بزرگی میں شکر گزار ہونا (احسان مندی) بھی ایک عظیم وصف ہے۔اس خوبی کے بغیر کوئی شخص بزرگی نہیں پا سکتا۔ کلکی میں شکر گزاری کا آٹھوں وصف موجود رہنے کی پیش گوئی پرانوں میں مرقوم ہے۔ حضور ﷺ کی ذات میں بھی مذکورہ بالا سات صفات کی موجودگی واضح ہے اور آپ ﷺ میں شکر گزاری کی موجودگی کا کوئی مورخ بھی اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔انصار کے متعلق کہے گئے فقرات آپ ﷺ کی شکر گزاری کی وضاحت کرتے ہیں۔

۲۵۔کلام اللہ کا مبلغ

کلکی کے متعلق معروف ہے کہ وہ جس مذہب کو قائم کریں گے وہ ویدک مذہب ہی ہوگا اور ان کے وسیلے سے ہدایت کردہ تعلیمات الٰہی تعلیمات ہوں گی۔[1] یہ واضح ہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے نازل شدہ کتاب، اللہ کا کلام ہے۔

پس گذشتہ بحث کی روشنی میں ہندومت کی مقدس کتب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس مذہب میں رسول اللہ ﷺ کا غیر معمولی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کے حقیقی وصفاتی نام، جائے پیدائش، آپ ﷺ کے والدین، ازواج مطہرات کا ذکر، آپ کی جنگوں، آپ کے مسکن، سواری کے جانور اور آپ کے مشن کی تکمیل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے متعلق اس حد تک تفصیل کے ساتھ گفتگو ہمیں کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی ہے۔

یہ امر کہ رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ ہندو مذہب کی مقدس کتابوں میں موجود ہے، کوئی افسانوی یا من گھڑت بات نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا معاصر ہندو محققین بجا طور پر اعتراف کرتے ہیں۔

---

[1] کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ، ص: ۵۳

فصل دوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ بدھ مت کی کتب کے آئینے میں

ہندومت کی طرح بدھ مت کے مذہبی لٹریچر میں بھی بعض ایسے خصائص اور اشارات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا تعلق دینِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ذات وصفات سے ہے۔ ذیل میں ان خصائص وعلامات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

بدھ مذہب میں آنحضرت ﷺ کے مذہب کا ذکر

بدھ مت کے دور میں لکھی گئی کتابوں میں دین اسلام کے متعلق بھی گفتگو کی گئی ہے۔ یہ گفتگو عام طور پر 'کالچکر' تحریروں میں کی گئی ہے۔ البتہ ان تحریروں میں اسلام کی صحیح طور پر وضاحت اور تصویر کشی نہیں کی گئی ہے بلکہ اسلام کے حوالے سے چند ایک باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس بات کا بدھ مت کے بعض معاصر دانشور بھی ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ الیگزینڈر برزن کہتے ہیں کہ:

کالچکر تحریروں میں جو اسلام کا تذکرہ ہے تو وہ اسلام کی کس صورت کا بیان ہے؟ ان کتابوں میں جو اشارہ ہے وہ پورے دینِ اسلام کی طرف نہیں ہے۔ یہ بھی یقینی بات ہے کہ ان کی مراد وہ اسلام نہیں جسے آج ہم دیکھتے یا جانتے ہیں اور جس پر اس کی متعدد شکلوں میں آج بھی عمل کیا جاتا ہے۔ کالچکر کی تحریریں تو ایک ایسی اجنبی قوم کے متعلق بات کرتی ہیں جن کی طرف سے انہیں مستقبل میں شمبھالہ حکومت پر یلغار کا خطرہ تھا اور یہ حکومت اس پہاڑی علاقے میں قائم تھی جہاں کالچکر تعلیمات پھل پھول رہی تھیں۔ آنے والے وقت کے ان حملہ آوروں کے عقائد کا جو بیان کالچکر تحریروں میں درج ہے اس سے تو یہ لگتا ہے کہ یہ لوگ مشرقی شیعہ اسمعیلی فرقے کے ابتدائی زمانے کے پیروکاروں سے تعلق رکھتے تھے۔۔۔ اس مفروضے کی تائید میں ہمارے پاس جو مرکزی ثبوت ہے وہ "مختصر راجائی کالچکر تنتر" سے فراہم ہوتا ہے۔ اس اشلوک میں ان آئندہ حملہ آوروں کے آٹھ پیغمبروں کی فہرست دی گئی ہے۔ آدم، نوح، ابراہیم اور پانچ مزید - موسیٰ، عیسیٰ، سفید پوش، محمد ﷺ اور مہدی آٹھواں نابینا ہو گا۔ ساتویں کا ظہور مکہ کی سرزمین میں واقع بغداد میں ہو گا اس دنیا (کی وہ جگہ) جہاں ذات (اسورا) کا بڑا حصہ طاقتور و بے رحم ملیچھوں کی صورت اختیار کرلے گا۔

یہ سات پیغمبروں کی وہی فہرست ہے جو اسماعیلی حضرات کے ہاں جانی جاتی ہے البتہ اس میں سفید پوش کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سفید پوش تیسری صدی عیسوی کی شخصیت مانی کی طرف اشارہ ہے جو مانویت کے بانی تھے۔ ابتدائی اسمعیلی مفکرین پر اگرچہ ممکن ہے کہ نام نہاد "مانوی اسلام" کے کچھ مانوی اثرات پڑے ہوں لیکن اسمعیلی علماء الہیات مانویت کو بطور بدعت وزندقہ رد کرنے میں عام مسلمانوں سے متفق رہے ہیں۔[1]

کالچکر تحریروں کی اس فہرستِ پیامبران میں آٹھ پیغمبر گنوانے کی وجہ بتاتے ہوئے برزن لکھتا ہے کہ:

---

[1] اسلام، بدھ مت کی نظر میں، الیگزینڈر برزن؛ ملاحظہ ہو:
https://studybuddhism.com , Retrieved on: 22-9-2016, At 2:15 pm

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلے کے اشلوک میں وشنو کے جو آٹھ اوتار بتائے گئے ہیں، تو ان انبیاء کی تعداد کو بھی اس کے مطابق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا اندازہ اس نکتے سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان پیغمبروں کے پیروکار اسور اذات کے لوگ کہے گئے ہیں۔ بدھ مت کی کونیات میں اُسورا ایک طرح کے حاسد مزاج، نیم دیوتا ہیں جو ہندو دیوتاؤں کے رقیب کے طور پر سامنے آتے ہیں اور ان سے ہمیشہ بر سرپیکار رہتے ہیں۔ اگر ہندو خدا وشنو کے آٹھ اوتار ہیں تو پھر آٹھ ہی اسورا پیغمبر ہونے چاہییں جو ان سے مقابلہ کر سکیں۔[1]

بدھ مت میں آنحضرت ﷺ کے ذکر کا اسلوب

بدھ مت کی جو تحریریں دسویں صدی عیسوی کے اختتام اور گیارھویں صدی کے شروع میں سامنے آئی ہیں ان کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مت میں رسول اکرم ﷺ کے متعلق مختلف خیالات و تصورات رہے ہیں اور مسلمانوں کے لیے جو اصطلاح استعمال ہوئی ہے وہ ''طائی'' ہے۔ طائی اسلام سے پہلے سب سے زیادہ طاقتور عرب قبیلہ تھا اور فارسی زبان میں ''تازی'' عربوں کا نام پڑ گیا۔ مثال کے طور پر آخری ساسانی پادشاہ 'یزدگرد سوّم' نے عرب حملہ آوروں کے لیے تازی کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ کالچکر تحریریں مسلمانوں کے کچھ عقائد اور رسومات کا تذکرہ بھی کرتی ہیں۔ جیسا کہ ''شان دار کالچکر تنتر کے مزید تنتر کا اصل'' میں مسلمانوں کے متعلق آیا ہے کہ ''اُن کی ایک ہی ذات ہے، وہ چوری نہیں کرتے اور سچ بولتے ہیں۔ وہ پاک صاف رہتے ہیں، دوسروں کی بیویوں سے احتراز کرتے ہیں، مسلم زاہدانہ طریقوں پر عمل کرتے ہیں اور اپنی بیویوں کے وفادار رہتے ہیں۔'' مختصر راجائی کالچکر تنتر اشلوک میں ان مسلمانوں کے آٹھ پیغمبروں کی فہرست دی گئی ہے یعنی ''آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، سفید پوش، محمد (ﷺ) اور مہدی۔''[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بدھ مت میں نبی ہی سمجھا گیا ہے جبکہ بعض کالچکروں میں آپ کو اوتار بھی قرار دیا گیا ہے۔ داؤد ظفر ندیم لکھتے ہیں کہ پنڈاریکا اپنی کتاب ''بے داغ روشنی ''مختصر راجائی کالچکر تنتر کی وضاحتی شرح'' میں لکھتا ہے: محمد، رحمن کے ایک اوتار تھے۔ اور ''مختصر راجائی کالچکر تنتر، باب ۲، شعر ۱۶۴'' میں موجود ہے کہ ''ہر تخلیق شدہ چیز خالق کی پیدا کردہ ہے، ساکت اور متحرک۔ اسے خوش کرنے سے، طائیوں (مسلمانوں) کے لیے نجات کا باعث، جنت ہے۔ اور یقیناً یہ رحمٰن کی تعلیمات ہیں انسانوں کے لیے۔ پنڈاریکا ''بے داغ روشنی'' مختصر راجائی کالچکر تنتر' کی وضاحتی شرح میں اس کی تشریح کچھ یوں کرتا ہے: '' طائی (مسلمانوں) کا کہنا ہے کہ رحمن خالق نے ہر بر سر عمل شے کو پیدا کیا، چاہے وہ متحرک

---

[1] اسلام، بدھ مت کی نظر میں، الیگزینڈر برزن؛ ملاحظہ ہو:
https://studybuddhism.com , Retrieved on: 22-9-2016, At 2:15 pm

[2] مختصر راجائی کالچکر تنتر باب: ا، شعر: ۱۵۳

ہو یا ساکت ہو۔ مسلمانوں یعنی طائی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ نجات اس سے ملتی ہے کہ رحمن ان سے خوش ہو جائے اور اس سے ان کو یقینی طور پر (جنت میں) ایک اونچا نیا جنم ملے گا۔ اسے ناراض کرنے سے جہنم میں (دوبارہ جنم لے کر) جانا ہو۔[1]

گینڈاریکا اس کی مزید تفصیل لکھتے ہوئے بتاتے ہیں: ''طائی لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ جو لوگ مر جاتے ہیں ان کو رحمٰن کے فیصلے کے مطابق ایک بالاتر جنم میں (جنت میں) یا جہنم میں اپنے انسانی جسم کے ساتھ خوشی یا عذاب ملے گا۔'' مختصر راجائی کالچکر تنتر'' (باب ۲، شعر ۱۷۴) میں آیا ہے ''ہمیشہ رہنے والی آخرت کی زندگی سے ہی فرد کو اپنے ان تجربات کے نتیجے کا سامنا ہوتا ہے جو اس دنیا میں اپنے پہلے کے کیے ہوئے کرموں کا پھل ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو ایک جنم سے دوسرے جنم میں جاتے ہوئے انسانی کرموں کا بوجھ اترنے کا امکان نہ رہے گا۔ اس طرح سمسار سے اخراج نہ ہو سکے گا اور نکش میں قدم دھرنے کی نوبت نہ آئے گی خواہ اس کو ہستیٔ لا محدود کے معنی ہی میں کیوں نہ لیا جائے۔ یہ خیال طائیوں میں بلاشبہ پایا جاتا ہے۔ بودھی سیاق و سباق میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام محض ابتلا کے عذاب سے نجات کی، یا بدتر پنر جنم حالتوں سے نجات کی بات کر رہا ہے۔ یہ نجات جنت میں ایک اعلیٰ تر دوسرا جنم ہے۔ بدھ مت اس سے آگے، ہمہ جانب سرایت شدہ سمسار کے عذاب سے نجات کی بات کرتا ہے اور سمسار میں جنم در جنم سلسلہ ابدی ہے سوائے اس کہ آپ اس بارہ میں کچھ کریں، یعنی دھرم کی طرف رُخ کریں۔ واجر سورج کی تابانی، عظیم کالچکر تنتر کی عبارت کے مطلب کی وضاحت، باب پنجم کی شرح، گہری آگہی میں لکھا ہے۔ ''مسلمانوں کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہر فرد جو عارضی جنم لیتا ہے یا جس کا کوئی ایک پہلو سمسار میں جنم لیتا ہے اس کی روح کا مقصد ہے خدا کی خوشنودی حاصل کرنا۔ اس کے سوا وہ کسی اور طرح کے نروان کا دعویٰ نہیں رکھتے۔ 'ذمہ داری اٹھانے کے سوتر' میں مہاتما بدھ نے فرمایا: ''وہ لوگ جو اپنے کیے کے ذمہ دار ہوں واقعی موجود ہیں مہاتما بدھ کی مراد ان لفظوں سے یہ ہے کہ انسان ایک ایسی ذات کا تسلسل ہے جو اپنے کرموں کی ذمہ دار ہے اور اس ذمہ داری کا اطلاق محض اس تسلسل پر لاگو ہوتا ہے جو اپنی ماہیت میں نہ تو دائمی ہے نہ مٹ جانے والی ہے۔[2]

بدھ مذہب میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پیش گوئیاں

بدھ مذہب کی مختلف کتب میں کچھ ایسی پیش گوئیاں کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول خدا ﷺ کے متعلق ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے چند اہم بدھ کتابوں سے پیشین گوئیاں نقل کی جاتی ہیں:

---

[1] اسلام کا تصور نبوت اور بدھوں کا تصور بدھ (۲) —داؤد ظفر ندیم؛ ملاحظہ ہو:
http://daleel.pk/2016/09/05/6697,Retrieved on: 23-9-2016, At 6:00 pm

[2] ایضاً

آنحضرت ﷺ کے میتیا ہونے کا تذکرہ

بدھ مت کی کتب میں آپ ﷺ کی درج ذیل خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے:

"اس وقت دنیا میں ایک اعلیٰ ہستی مبعوث ہو گی، اس کا نام برگزیدہ میتیا ہو گا۔ کامل معرفت والا، حکمت، نیکی اور سرور مطلق والا، تمام عالمین کا عالم بے نظیر، ہدایت کے متمنی لوگوں کا ہادی، ملائکہ اور انس کا معلم، ایک بدھ اعظم جیسا میں اس وقت ہوں۔ وہ خود کامل طور پر جانے گا اور دیکھے گا۔ گویا کہ یہ کائنات اس کے روبرو اپنی ساری ارواح، عرفاء، جن و شیاطین، برہمنوں، کشتریوں ویشوں کے ساتھ موجود ہے۔ جیسا میں براء العین اسے دیکھ اور جان رہا ہوں صداقت اپنی پیاری، کامل، اپنی اٹھتی ہوئی خوبصورتی میں ہو گی۔ اور اعلیٰ زندگی کی معرفت معہ اپنے کمال و صفائی، اصلی روح اور الفاظ دونوں کی وساطت سے ظاہر کی جائے گی۔ جیسا کہ میں اب ظاہر کرتا ہوں اس کے ساتھ ہزاروں صحابہ کی جماعت ہو گی جیسا کہ میرے ساتھ چند سو کی جماعت ہے۔" (۱)

اس پیش گوئی میں جتنی بھی خصوصیات بیان کی گئی ہیں یہ رسول اللہ ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ جہاں تک لفظ میتیا کا تعلق ہے تو مختلف کتب میں اس کا تلفظ مختلف ہے، لیکن اس کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں۔

جیسا کہ بعض کتب میں مرقوم ہے کہ لفظ میتیا، میتیہ، میتریا، میتری اور میتریا کا مطلب ہے معرفت، حکمت، نیکی و حلم، تعلیم و ہدایت میں کمال رکھنے والا، مخلوق سے ہمدردی، محبت، شفقت سے پیش آنے والا، ان کی خیر خواہی چاہنے والا، یہ تمام صفات رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ (۲)

مشرق کی مقدّس کتابوں کی پیشگوئی

مشرق کی مقدس کتابوں میں آپ ﷺ کے متعلق اس طرح پیشگوئی موجود ہے:

"میں ہی اکیلا بدھا نہیں ہوں، جس پر قیادت اور ضابطے کا انحصار ہے۔ میرے بعد ایک اور بدھا مایتری فلاں فلاں خصلتوں کے ساتھ آئے گا۔ اب میں سینکڑوں لوگوں کا رہبر ہوں وہ ہزاروں کا رہبر اور رہنما ہو گا۔" (۳)

---

(۱) بدھ کی کتب مقدسہ، ۴/۳۵/۷۳۔۷۴

(۲) مذاہب عالم میں تذکرہ خیر الانام، ص: ۶۲

(۳) مشرق کی مقدّس کتب، ماحاپاری نیاناسٹا، سورۂ نمبر ۵، آیت ۳۶، ۱۱/۹۷

آخری بدھ میتریا کے بارے میں پیشگوئی

آخری بدھ میتریا کے بارے میں پیشگوئی اس طرح موجود ہے کہ:

''انندا نے بدھ سے پوچھا کہ آپ کے جانے کے بعد کون ہمیں تعلیم دے گا۔ اور بدھ نے جواب دیا کہ میں پہلا بدھا نہیں ہوں جو روئے زمین پر آیا بلکہ مناسب وقت میں ایک اور بدھا اس روئے زمین پر آئے گا، ایک مقدّس (انسان)، ایک روشن فکر (انسان)، چال چلن میں حکمت سے نوازا ہوا (انسان)، مبارک (انسان)، کائنات کو جاننے والا، انسانوں کا بے نظیر راہنما، فانی (مخلوق) اور فرشتوں کا آقا۔ وہ آپ کے سامنے وہی ابدی حق آشکارا کرے گا، جس کی میں نے آپ کو تعلیم دی ہے۔ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرے گا، جو اپنے ابتداء میں بھی عالی شان ہو گی، اپنے عروج میں بھی عالی شان ہو گی، اپنے مقصد میں بھی عالی شان ہو گی۔ وہ ایک مذہبی زندگی کی تشہیر کرے گا، جو خالص اور کامل ہو گی۔ جیسا کہ میں (اپنے مذہب) کی تشہیر کرتا ہوں۔ اس کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہو گی جبکہ میرے (شاگردوں کی تعداد) سینکڑوں میں ہیں۔ انندا نے کہا کہ ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے؟ بدھ نے جواب دیا، وہ مایتریا کے نام سے جانا جائے گا۔'' [1]

لغات کے مطابق سنسکرت کے لفظ 'مایتریا' یا اس کا ہم پلہ پالی زبان کا لغت 'مے تیا' کے معنی ہوتے ہیں، پیار کرنے والا، رحمدل، نرم دل اور سخی (انسان)۔ اس کے اور معانی بھی ہیں مثلاً رحم کرنا اور دوستی، ہمدردی وغیرہ۔ عربی زبان کا ایک لفظ جو ان سارے لفظوں کے برابر ہے، وہ لفظ 'رحمت' ہے۔

بدھا کو پہچاننے کے اصول

کارس کی انجیل کے مطابق مبارک (انسان) نے فرمایا: ''دو ایسے مواقع ہیں جس میں تاتھاگا، کا ظہور نہایت آشکارا اور روشن ہو گا۔ اس رات جس میں تاتھاگا عالی شان اور اکمل بصیرت حاصل کرے گا۔ اور وہ رات جس میں وہ انتقال کرے گا، حد سے زیادہ روشن ہو گی۔ جس سے زمین میں (بدھا) کی موجودگی مفقود ہو جائے گی۔ گوتم بدھ کے مطابق بدھا کو پہچاننے کے لئے چھ اصول ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) بدھا عالیشان اور اکمل بصیرت رات کے وقت حاصل کرے گا۔

(2) وہ اپنی بصیرت کے اکمل ہونے میں نہایت روشن ہوں گے۔

(3) بدھا اپنی فطری موت مرے گا۔

(4) وہ رات کے وقت وفات پائے گا۔

---

[1] The Gospel Of Buddah, Paul Carus, London: The Open Court Publishing Company, 1915, p.244,245

(5) وہ اپنی موت سے پہلے نہایت ہی روشن چہرے والا ہوگا۔

(6) اس کے انتقال کے بعد اس زمین پر بدھا کی موجودگی مفقود ہو جائے گی۔[1]

بدھا کے بشارت کردہ اوصاف کا مصداق

بدھا کے ان اصولوں کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو بدھا کے بعد یہ تمام اوصاف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بدرجہ اتم واکمل نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ہم ترتیب وار ہر ایک اصول کا جائزہ لیتے ہیں:

پہلا اصول: بدھا رات کے وقت عالی شان اور اکمل بصیرت حاصل کرے گا:

اگر سیرت رسول ﷺ پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عالی مرتبہ اور اکمل بصیرت اور پیغمبری رات کے وقت حاصل کی۔ جیسا کہ سورۃ القدر میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

دوسرا اصول: وہ بصیرت کے اکمل ہونے میں نہایت روشن ہوں گا:

رسول اکرم ﷺ پہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ کا تاثر ویسا ہی تھا جیسا ایک نارمل انسانی احساس ہوتا ہے لیکن آپ کو مکمل یقین تھا کہ جو وحی دی جا رہی ہے وہ ہر اعتبار سے درست اور دنیوی واخروی کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جب اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تو اس وقت بھی یہی کلمات کہے کہ اس دعوت کو قبول کرلو کامیاب ہو جاؤ گے۔ بنو مالک بن کنانہ کے ایک شیخ سے مروی ہے:

> ”میں نے نبی کریم ﷺ کو ذوالمجاز نامی بازار میں چکر لگاتے ہوئے دیکھا نبی کریم ﷺ فرما رہے تھے، لوگو! لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلو تم کامیاب ہو جاؤ گے اور ابو جہل مٹی اچھالتے ہوئے کہتا جاتا تھا لوگو! یہ تمہیں تمہارے دین سے بہکانہ دے یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے معبودوں کو اور لات وعزیٰ کو چھوڑ دو لیکن نبی کریم ﷺ اس کی طرف توجہ نہ فرماتے تھے ہم نے ان سے کہا کہ ہمارے سامنے نبی کریم ﷺ کا حلیہ بیان کیجئے انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے دو سرخ چادریں زیب تن فرما رکھی تھیں درمیانہ قد تھا جسم گوشت سے بھرپور تھا چہرہ نہایت حسین وجمیل تھا بال انتہائی کالے سیاہ تھے انتہائی اجلی سفید رنگت تھی اور گھنے بال تھے۔“[2]

---

(1) The Gospel Of Buddah, p.244,245

(2) طبقات الکبریٰ، ۱/۱۸۴

تیسرا اور چوتھا اصول: بدھا فطری موت مرے گا اور موت سے پہلے نہایت روشن چہرے والا ہوگا:

یہ وصف بھی رسول اللہ ﷺ پر صادق آتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی وفات فطری طریقے سے ہوئی۔ اگرچہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا بھی ابتدا میں یہ خیال تھا کہ آپ ﷺ کی عام لوگوں کی طرح وفات نہیں ہو سکتی بلکہ آپ سب سے آخر میں اس دنیا سے جائیں گے، لیکن پھر ان کو بھی یقین کرنا پڑا جب حضرت ابو بکرؓ نے سورۃ آل عمران کی آیت (وما محمد) کی تلاوت کی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– دَعَا فَاطِمَةَ ابْنَتَهُ فَسَارَّهَا فَبَكَتْ ثُمَّ سَارَّهَا فَضَحِكَتْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لِفَاطِمَةَ مَا هَذَا الَّذِى سَارَّكِ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ –ﷺ– فَبَكَيْتِ ثُمَّ سَارَّكِ فَضَحِكْتِ قَالَتْ سَارَّنِى فَأَخْبَرَنِى بِمَوْتِهِ فَبَكَيْتُ ثُمَّ سَارَّنِى فَأَخْبَرَنِى أَنِّى أَوَّلُ مَنْ يَتْبَعُهُ مِنْ أَهْلِهِ فَضَحِكْتُ''[1]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے مرض الموت میں سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کچھ آہستہ سے فرمایا تو وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ بلایا اور کچھ آہستہ سے فرمایا تو وہ ہنسنے لگیں۔ ہم نے (سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد) پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ اول یہ فرمایا تھا؟ اسی مرض میں میری روح قبض ہوگی۔ یہ سن کر میں رونے لگی، دوسری مرتبہ یہ فرمایا: میں اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ ﷺ سے ملوں گی۔ تو یہ سن کر میں خوش ہوئی۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات مکمل فطری طریقے کے مطابق ہوئی۔ آپ بھی باقی انسانوں کی طرح اپنے وقت مقررہ پر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کی وفات میں کوئی مافوق الفطرتی نہیں پائی جاتی۔

پانچواں اصول: اس بدھا کے انتقال کے بعد زمین پر بدھا کی موجودگی مفقود ہو جائے گی:

آنحضرت ﷺ بھی اپنی تدفین کے بعد، کبھی بھی روئے زمین پر جسمانی حالت میں نہیں دیکھے گئے۔ اور اس سے آپ ﷺ کی ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ کسی اور بدھا نے آپ کے بعد نہیں آنا ہے۔

بدھا کے مطابق 'میتریا' کی شناخت

دھمپد اور ماتا یاستا کے مطابق اس موعود انسان کی درج ذیل صفات ہوں گی:

ا۔ تمام مخلوقات کے لئے رحمت

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فَضَائِلِ فَاطِمَةَ بِنْتِ النَّبِيِّ عَلَيْهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، حدیث نمبر: ۶۴۶۶، ص: ۱۴۲

۲۔ پیغمبر امن

۳۔ امن ساز

۴۔ دین میں سب سے زیادہ کامیاب وکامران انسان

بدھانے میتریا کے جو درج بالا اوصاف بیان کیے ہیں ان میں سے پہلے تین اوصاف پر تو پچھلے صفحات میں تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ البتہ چوتھے وصف پر گفتگو کی جائے گی۔ اگر انسانی تاریخ کے رہنماؤں اور مصلحین کی تاریخ دیکھ لی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ ہر پہلو سے دنیا کی تاریخ میں اگر کوئی کامیاب ترین ہستی گزری ہے تو وہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ہے۔ اس بات کا اعتراف صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معتقدین نے ہی نہیں کیا بلکہ جانی دشمنوں نے بھی کیا ہے۔ جس کی کچھ تفصیل چوتھی فصل میں آئے گی البتہ ایک دو حوالے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

عصر حاضر کے ایک غیر مسلم مؤرخ اور محقق (Michael H. Hart) نے اپنی معروف تصنیف The 100, A Ranking of the Most Influential persons in History میں کائناتِ انسانی کی تاریخ میں عظیم، نامور اور تاریخی کارہائے نمایاں کی حامل شخصیات کی فہرست میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی سب سے پہلے نمایاں طور پر لکھا ہے اور وہ خود اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels despite of humble origins, Muhammad founded and promulgated one of the worlds great religions and became immensely effective political leader- Today, thirteen centuries after his death, his inflence is still powerful and pervasive. It may initially seem strange that Muhammad has been ranked higher than Jesus. There are two principal reasons for that decision- First, Muhammad played a far more important role in the development of islam than that done by Jesus for Christianity Furthermore, Muhammad (unlike Jesus) was a secular as well as a religious leader- In fact, as the driving force behind the Arab conquests, he may well rank as the most influential political leader of all time.It is this unparalleled combination of secular and religious inflence which I feel entitles Muhammad to

be considerd the most influential single figure in human history." (1)

ترجمہ: دنیا کی سب سے زیادہ بااثر شخصیات میں سے محمد (ﷺ) کا میرا پہلا انتخاب کچھ قارئین کو حیران کردے گا اور ہوسکتا ہے بعض حلقوں کی طرف سے اس پر سوال کیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذات محمد (ﷺ) ہی وہ ذات اقدس ہے جو دنیوی و مادی اور مذہبی و روحانی دونوں سطحوں پر سب سے بڑھ کر کامیاب رہی۔ ایک انتہائی متوسط خاندان سے تعلق رکھنے والے محمد (ﷺ) نے نہ صرف دنیا کے ایک عظیم مذہب کی بنیاد رکھی بلکہ اس کی اشاعت بھی کی اور ایک انتہائی سحر انگیز سیاسی موثر راہنما بن گئے۔ ان کی وفات کے تیرہ سو سال بعد ان کا اثر آج بھی پائیدار، مضبوط اور اسی طرح جاری و ساری ہے۔ ابتدائی طور پر یہ بات حیرت انگیز ہوسکتی ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) کا رتبہ و مرتبہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے بلند تر ہے۔ اس فیصلے کی دو بنیادی وجوہات ہیں: اول یہ کہ حضرت محمد (ﷺ) نے اشاعت اسلام اور اس کی ترویج و ترقی میں جو کچھ کیا وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ علاوہ ازیں حضرت محمد (ﷺ) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے برعکس مذہبی و لادینی سبھی لوگوں کے راہنما تھے۔ فی الحقیقت عربوں کی فتوحات کے پیچھے انہی کی زبردست قوت کام کر رہی تھی۔ انہیں بلا تامل تاریخ کی ایسی اثر انگیز اور موثر شخصیت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جن کی مثال نہیں ملتی اور نہ ہی مل سکتی ہے۔ مذہب و دنیاوی زندگی پر ان کے وہ عظیم اور گہرے اثرات ہیں جن کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ محمد ﷺ تاریخ انسانی کی واحد مثال ہیں۔

آپ ﷺ کی بااثر شخصیت کو A-J- Arberry نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"When he (Muhammad) died in 634, Islam was secure as the paramount religion and political system of all Arabia."(2)

---

(1) The 100, A Ranking of the Most Influential persons in History, Michael H- Hart, New York: Hart Publishing Company, Inc. 1978, p.3

(2) Aspects of Islamic Civilization, A-J- Arberry, US: University of Michigan Press, 1967, p. 11

ترجمہ: جب ۶۳۴ء میں آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت دین اسلام پورے عرب خطہ میں ایک غالب دین اور سیاسی نظام کے طور پر مستحکم ہو چکا تھا۔

وہ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

"From the Atlantic coast, to the borders of China the call to prayer, in the tongue of Macca, rang out from minaret, summoning the faithful to prostrate themselves to the Lord of the world- The rapidity spread of Islam, through extensive provinces which had long been Christian, is a crucial fact of history which has naturally engaged the speculative allousion of many critical investigator."(1)

ترجمہ: سرزمینِ مکہ سے اٹھنے والی حق کی یہ آواز ہر طرف پھیل چکی تھی۔ بحر اوقیانوس کے ساحل سے چین کی سرحدوں تک مساجد کے میناروں سے بلند ہونے والی صدائے دلنواز مومنین کو ربِ کائنات کے حضور سر بسجود ہونے کی دعوت دے رہی تھی۔ اسلام کا اس درجہ تیزی سے پھیلاؤ خصوصاً ان دور دراز علاقوں میں جو ایک عرصہ دراز سے عیسائی رہ چکے تھے ایک ایسی اٹل تاریخی حقیقت ہے جس نے بہت سے نقاد تاریخ نگاروں کی توجہ کو واضح طور پر اپنی طرف مبذول کر لیا ہے۔

غیر مسلم محققین کا یہ اقرار اور شہادت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب رہے تھے۔ اور کیسے انہوں نے اسلام کی تعلیمات کو محدود عرصے میں دنیا میں پھیلا دیا۔

میتریا کے اخلاقی اوصاف اور ان کا مصداق

ماتا یاستا، دھاپد کے مطابق میتریا اخلاق و اقدار کے مبلّغ کی حیثیت کے مطابق مندرجہ ذیل صفات کا حامی ہو گا:

۱۔ سچّا ۲۔ خوددار ۳۔ شریف اور عالیشان ۴۔ غرور نہ کرنے والا ۵۔ مخلوقات کا بادشاہ ۶۔ اپنے عمل اور کلام میں دوسروں کے لئے نمونہ۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ کی صدق گوئی

رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے چرچے تو قبل از ظہورِ اسلام بھی دور دور تک پھیل چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سچے

---

(1) Aspects of Islamic Civilization, p. 12

(۲) ماتا یاستا، دھاپد، ص: ۱۵۱

تھے سچ کو پسند فرماتے تھے اور جھوٹ سے آپ سخت نفرت کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے مشرکینِ مکہ کو اسلام کی دعوت دی تو اس وقت سب لوگوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ آپ سچے ہیں اور آپ سے ہم نے سچ کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا۔ چنانچہ جب آپ نے دعوتِ اسلام پیش کی تو اسلام کے بدترین دشمن ثابت ہونے والے ابو جہل کا جواب تھا:

''قَد نَعلَم يَا مُحَمدُ إنكَ تَصل الرحم، وتصدق الحديث، ولا نُكذبكَ، وَلكن نُكذبُ الذي جئت به''[1]

ترجمہ: ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، اور باتیں بھی سچی کرتے ہیں، ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کو آپ لے کر آئے ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ نے تمام کفارِ مکہ کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے اپنے بارے میں رائے لی تو انہوں نے کہا:

'' مَا جَرَّبنا عَلَيكَ إلّا صِدْقًا ''[2]

ترجمہ: ہم نے آپ سے سچ ہی سنا ہے (یعنی آپ سچے ہیں)

اسی طرح جب اسلام اور کفر کے لشکر میدان بدر میں ایک دوسرے کے خلاف صف بندی کر رہے تھے تو اخنس بن شریق کی تنہائی میں ابو جہل سے ملاقات ہوئی، اس نے ابو جہل سے کہا: اے ابو الحکم! ہم یہاں تنہا ہیں۔ میرے اور تیرے علاوہ کوئی ہماری گفتگو کو نہیں سن رہا ہے، اس لیے مجھے یہ بتاؤ کہ: تمہاری محمد (ﷺ) کے بارے میں کیا رائے ہے؟ وہ سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابو جہل نے کہا: خدا کی قسم! محمد (ﷺ) یقیناً سچے ہیں اور آج تک انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔[3]

رسول اللہ ﷺ اعلیٰ شان اور اخلاق کا نمونہ

کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر ظلم وستم کا کوئی ایسا حربہ نہیں تھا جسے نہ آزمایا ہو، یہاں تک کے وہ اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اسلام کے یہ بدترین دشمن آپ ﷺ کے سامنے موجود تھے اور مکمل طور پر آپ ﷺ ہی کے رحم و کرم پر تھے اور آپ ﷺ کے فیصلے کے منتظر تھے، آپ ﷺ نے پوچھا:

"تمہیں معلوم ہے کے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادر زادے ہیں۔ تو حضور ﷺ

---

(1) الشفاء تعریف حقوق المصطفیٰ، ۱/۱۷۳

(2) ایضاً

(3) ایضاً

نے فرمایا: آج کے دن تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، جاؤ تم سب آزاد ہو۔"[1]

اس فرمان میں رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق اور بلند ترین مرتبے کی داستان سمٹی ہے۔ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

قول و فعل میں آپ ﷺ کا دوسروں کے لیے نمونہ ہونا

بدھا کے میتر کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی کہ وہ قول و فعل میں دوسروں کے لیے نمونہ عمل ہوگا۔ یہ بات بھی رسول اکرم ﷺ میں بدرجہ اتم واکمل موجود ہے۔ کیونکہ آپ کی تخلیق کا مقصد یہ بتایا گیا کہ آپ ﷺ کی پیروی کی جائے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں قول و فعل کا کوئی تضاد نہیں پایا جاتا اور ہر اعتبار سے دوسروں کے لیے اعلیٰ نمونہ عمل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے میں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں کوئی چیز بیچی تھی، لیکن جو چیز میں نے بیچی وہ ساری کی ساری اس وقت میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش نہ کر سکا تھا بلکہ اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا۔ لہٰذا میں نے وعدہ کیا کہ آپ ﷺ یہیں ٹھہریں میں ابھی بقیہ لے کر آتا ہوں، میں چلا گیا اور میں یہ بات بھول کر دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ تین دن کے بعد مجھے اچانک یاد آیا کہ میں تو آپ ﷺ کے ساتھ وعدہ کر کے آیا تھا کہ میں بقیہ چیز آپ ﷺ کو لا کر دیتا ہوں آپ میرا انتظار کریں۔ کہتے ہیں کہ جب وہ چیز لے کر میں وہاں پہنچا تو رحمت عالم ﷺ اسی جگہ تشریف فرما تھے جہاں میں حضور ﷺ کو چھوڑ کر گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے کسی ناراضگی اور غصے کا اظہار نہ فرمایا بلکہ اپنے من موہنے انداز میں اتنا فرمایا:

"يَا فَتىٰ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيّ وَ أَنَا هٰهُنا مُنذُ ثَلَاث أَنْتَظِرکَ"[2]

ترجمہ: اے نوجوان! تو نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا تھا میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔

اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک وعدے اور قول و قرار کی کس قدر اہمیت تھی کہ ایک بار اگر زبان دے دی تو اس کی پاسداری بھی کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر قول و فعل کی پاسداری کی کوئی مثال نہیں ہو سکتی ہے۔

بدھا کے خدام و جانثار

مشرق کی مقدس کتابوں کے مصنف لکھتے ہیں:

"پھر مبارک انسان نے اپنی برادری سے خطاب کیا اور فرمایا کہ جو کوئی بھی آراھت (بدھا) اس طویل عرصے میں گزرے ہیں۔ ان سب کے جانثار خدمت

---

(1) سیرۃ النبی ﷺ، ابن ہشام، ۲/۲۶۱

(۲) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۱/۱۶۵

گار تھے ان مبارک انسانوں کے، جیسا کہ آنند میرا (خدمت گار) ہے۔"[1]

آنند سے شاید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے جو آپ ﷺ کی بڑے خدمت گار اور جانثار تھے۔

الغرض اس ساری بحث سے یہ واضح ہوتا ہے دیگر مذاہب کی طرح بدھ مت میں بھی پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ بدھ دھرم کو اپنی اصل میں اگر مبنی بر حق مذہب تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننے میں شاید کوئی تردد نہ کیا سکے کہ یہ پیشین گوئیاں کسی الوہی تعلیم کے نتیجے میں دی گئی ہیں اور بدھا نے بھی دیگر چنیدہ بزرگوں کی طرح اپنا فرض نبھاتے ہوئے بعد میں آنے والے اپنے پیروکاروں کو دین حق کی طرف اشارات دے دیے تاکہ آخری نبی کا ظہور ہو تو وہ گمراہ نہ ہو سکیں۔ بدھ مذہب میں ہندومت کے برعکس اس قدر وسعت قلبی نہیں ملتی کہ ان پیشین گوئیوں کا اعتراف ہی کر لیا جائے یا ان کو زیر بحث ہی لایا جائے۔ شاید اس لیے کہ بدھ مت کے پیروکاروں کی ایک غالب اکثریت ایسے علاقوں میں رہتی ہے جہاں مسلمان نہیں ہیں یا بہت کم تعداد میں اور نہایت غیر مؤثر ہیں۔ مسلمانوں کے علاقوں میں رہنے والے بدھا کے پیروکاروں کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ نہایت اقلیت میں ہیں جس کے نتیجے میں اپنے مذہب کی حفاظت کا داعیہ قوی ہونا فطری ہے اور مذہب کی حفاظت کا داعیہ جب پیدا ہو جائے تو دوسرے مذاہب کی بڑائی کا اعتراف نہ کرنا اور اپنے مذہب کے بلند مرتبہ ہونے کا احساس طبعی ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کے برعکس بدھ مت میں ان پیشین گوئیوں کے حوالے سے مسلمانوں کے خیالات کی کبھی تائید سامنے نہیں آئی۔

---

(1) The Sacred Books of The East, v. 11, P. 97

فصل سوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ زرتشتی مذہب کی کتب کے آئینے میں

پارسی مذہب کی مقدس کتابوں میں بھی ایسی پیشین گوئیاں ملتی ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زرتشت کے ہاں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبریں موجود تھیں اور اپنے پیروکاروں کو آنیوالے نبی برحق کے متعلق پیشین گوئی کر دی گئی تا کہ وہ وقت آنے پر برحق نبی کو پہچان کر ان پر ایمان لا سکیں۔ اس فصل میں ہم زرتشت کی پیش گوئیوں کا جائزہ لیں گے اور ان کے مصداق کو زیر بحث لائیں گے۔

'زند اوستا' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ

'زند اوستا' میں فاتح سوی شنت کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی منطبق ہوتا ہے۔ چنانچہ 'زند اوستا' میں مرقوم ہے:

> "اس کا نام فاتح مہربان اور اس کا نام 'استوت ایریتا' (تعریف کیا گیا یعنی محمد) ہو گا۔ وہ رحمت مجسم ہو گا کیونکہ وہ تمام جہان کے لیے رحمت ہو گا۔ وہ حاشر ہو گا۔ اس لیے کہ کامل انسان اور روحانی انسان ہونے کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کی ہلاکت کے برخلاف مبعوث ہو گا۔ وہ مشرک لوگوں اور ایماندار لوگوں کی بدیوں کی اصلاح کرے گا یعنی مشرکین، بت پرست اور زرتشتی مذہب کے پیروؤں دونوں کی بدیوں کی اصلاح کریں گے۔" (۱)

زند اوستا کی اس پیش گوئی کا محور دنیا میں واحد ایک ہی عظیم ترین ہستی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہی ہیں جن پر یہ پیش گوئی لفظ بہ لفظ صادق آتی ہے۔

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فاتح مہربان ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حسنِ سلوک سے عیاں ہے جو فتح مکہ کے وقت کفار کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روا رکھا۔ اپنی جان کے سخت دشمن، اہلِ اسلام کے خون کے پیاسے مشرکینِ مکہ کو فتح پانے کے بعد معاف کر دیا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی 'محمد' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصفِ خاص 'رحمۃ للعالمین' یعنی تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونا ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ہیں، ان میں سے کسی ایک کو بھی یہ وصف عطا نہیں ہوا۔ وہ صرف اپنی اپنی قوم کے لیے رحمت تھے نہ کہ تمام عالمین کے لیے۔

۳۔ سرکارِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاشر ہونا، جن کے مبارک قدموں پر دنیا کی اقوام کو اکٹھا کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی بھی نبی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا ہے۔

۴۔ بت پرستوں، مشرکوں اور نار پرستوں کی اصلاح کرتے ہوئے انہیں دینِ حق میں شامل کرنا، یہ خصوصیت اور

---

(1) The Sacred Books of The East, V. 23, P.220

شرف بھی صرف آنحضرت ﷺ کو ہی حاصل ہوا ہے۔

فاتح سوی شنت کا مصداق

سوی شنت کے معنی، 'تعریف کیا گیا' ہے۔ جس کا عربی میں ترجمہ بنتا ہے، 'محمدؐ'۔ مندرجہ بالا سطور میں مذکور یہ پیشگوئی بظاہر آپ ﷺ پر ہی صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس میں دو اوصاف بیان کیے گئے ہیں: ۱۔ فاتح ہونا ۲۔ رحمت ہونا۔

تاریخی شواہد کی روشنی میں پارسی مذہب میں ہمیں ایسی کسی شخصیت کا سراغ نہیں ملتا جس میں یہ دونوں اوصاف ایک ساتھ موجود ہوں۔ لہٰذا اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا مصداق پارسی مذہب سے باہر موجود ہے۔ اور اگر پارسی مذہب سے باہر دیکھا جائے تو فتح اور رحمت یہ دونوں اوصاف رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ہی نظر آتے ہیں۔ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی جنگی زندگی کو ہی دیکھ لیں تو وہاں ہمیں رحمت کے مظاہر ہر جگہ ملتے ہیں۔ ایک طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بار بار جنگ کے لیے نکل رہے ہیں تو دوسری طرف آپ امن کے لیے بھی کوششیں کر رہے ہیں۔ گویا جنگ کا میدان ہو یا امن کا دور آپ ﷺ کا رحمت کا وصف آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتا۔

جنگ کے سلسلے میں حضور ﷺ نے ابتداء میں ہی جنگی طریقوں کی اصلاح کی۔ اس کے بعد اس کے لیے ایسے پاکیزہ اصول طے کیے کہ یہی جنگ جس کا نام سنتے ہی روح کانپ اٹھتی تھی اور مفتوح قومیں کھلی آنکھوں موت کا مشاہدہ کرنے لگتی تھیں، انسانیت کی بے راہ روی اور اخلاقی، جانی اور مادی تحفظ کا ذریعہ بن گئیں۔

نبی کریم ﷺ نے جنگ کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا تھا جو اس عہد میں جنگ کا لازمی جزو بنے ہوئے تھے جنگی اسیروں اور سفیروں کا قتل، لاشوں کی بے حرمتی، معاہدین کا قتل، مجروح افراد کا قتل، غیر اہل قتال کا قتل، اعضا کی قطع و برید، آگ سے جلانا، لوٹ مار کرنا، قطعِ طریق کرنا، فصلوں اور بستیوں کی تخریب کاری، بد عہدی و پیمان شکنی، فوجوں کی پراگندگی و بد نظمی، لڑائی کا شور و ہنگامہ، سب کچھ آئینِ جنگ کے خلاف قرار دیا گیا اور جنگ صرف ایک ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی دشمن کو کم سے کم ممکن نقصان پہنچا کر اس کے شر کو دفع کرنے اور خود کو محفوظ کرنے کی کوشش کرے۔ آپ ﷺ نے اس سلسلے میں جو اقدامات اٹھائے ان پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کس قدر رحم دل فاتح تھے۔

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے پہلے سے ہدایت فرما دی تھی کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، جو کوئی جان بچا کر بھاگے اس کا پیچھا نہ کیا جائے اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے، اسے امان دی جائے۔ اور جب آنحضرت ﷺ کہیں فوج بھیجتے تو ہدایت کر دیتے کہ عبادت گاہوں کے بے ضرر خادمین اور خانقاہ نشین زاہدوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ سے منع فرمایا۔ جیسا کہ عبداللہ بن یزیدؓ روایت کرتے ہیں:

''نَهَی النَّبِي ﷺ عَنِ النَّهْبٰی وَالْمُثلة''[1]

ترجمہ: نبی ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ سے روکا ہے۔

اسی طرح جنگوں میں فصلوں، کھیتوں کو خراب کرنا، بستیوں میں لوگوں کا قتل عام، جلاؤ گھیراؤ، جنگجوؤں کے گروہوں میں عام تھا۔ اسلام نے اسے فساد قرار دیا اور اس کی کلی ممانعت قرآن اس طرح کی گئی ہے:

﴿وَإِذا تَوَلّىٰ سَعىٰ فِى الأَرضِ لِيُفسِدَ فيها وَيُهلِكَ الحَرثَ وَالنَّسلَ وَاللَّهُ لا يُحِبُّ الفَسادَ﴾[2]

ترجمہ: جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصلوں اور نسلوں کو برباد کرے اور اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں کرتا۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ جب شہر میں داخل ہونے لگے تو فوج میں اعلان کروا دیا تھا کہ کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے اور کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے۔[3]

قاصدین اور پیغام لانے والوں کے قتل کو بھی آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔ مسیلمہ کذاب کے قاصد جب اس کا گستاخانہ پیغام لے کر حاضر ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَولَا أَنَّ الرُّ سُلَ لَا تُقتَلُ، لَضَرَبْتُ أَعناقَكُمَا))[4]

ترجمہ: اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔

عرب کی جنگ میں اس قدر شور و ہنگامہ برپا ہوتا تھا کہ اس کا نام ہی 'غوغا' پڑ گیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد بھی عربوں نے یہی طریقہ اپنانا چاہا تھا مگر داعیِ اسلام نے اس کی اجازت نہ دی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں:

''كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكُنّا إِذَا أَشرَفنا علىٰ وادٍ هَلَّلنا وكبَّرنَا، إرتفعَت أصواتُنا، فقَالَ النبي ﷺ: إربعُوا علىٰ أنفُسكُم، إنكم لا تدعون أصم ولا

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب المظالم، باب النھی بغیر اذن صاحبہ، حدیث نمبر: ۲۳۴۲، ص: ۷۷۶

[2] سورۃ البقرۃ: ۲/۲۰۵

[3] الرحیق المختوم، ص: ۴۳۴

[4] سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الرسل، حدیث نمبر: ۲۷۷۳، ۳/۳۸

غائبًا، إنه معكم إنه سميع قريب"[1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب کسی وادی پر پہنچتے تھے تو زور وشور سے تکبیر اور تہلیل کے نعرے بلند کرتے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا: اے لوگوں وقار کے ساتھ چلو، تم جس کو پکار رہے ہو وہ نہ بہرہ ہے اور نہ غائب۔ وہ تو تمہارے ساتھ ہے، سب کچھ سنتا ہے اور بہت قریب ہے۔

فتح مکہ کا اگر حال دیکھا جائے تو ایک طاقت پر دوسری طاقت کی فتح اور خاص طور پر دشمن کے بڑے شہر کی تسخیر کے موقع پر وحشی عرب ہی نہیں بلکہ متمدن ممالک روم وایران میں بھی جو کچھ ہوتا تھا، اسے پیش نظر رکھیے اور اس کے بعد غور کیجیے کہ وہی عرب جو چند برس پہلے تک جاہلیت کے طریقوں کے عادی تھے اسی شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتے ہیں جس سے آٹھ ہی برس پہلے ان کو بری طرح تکلیفیں دے دے کر نکالا گیا تھا اور انہیں دشمنوں پر فتح حاصل کرتے ہیں جنھوں نے فاتحین کو گھر سے بے گھر کرنے پر قناعت نہیں کی تھی بلکہ جس جگہ اُنہوں نے پناہ لی تھی وہاں سے بھی ان کو نکال دینے کے لیے کئی مرتبہ چڑھ کر آئے تھے۔ ایسے شہر اور ایسے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے مگر کوئی قتل عام نہیں کیا جاتا، لوٹ مار نہیں کی جاتی، کسی کی جان ومال اور عزت وآبرو سے تعرّض نہیں کیا جاتا، پرانے اور سخت دشمنوں میں سے کسی پر انتقام کا ہاتھ نہیں اٹھتا، شہر مکہ کی فتح کی پوری کارروائی میں صرف چوبیس آدمی مارے جاتے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب کہ دست درازی میں پیش قدمی خود ان کی طرف سے ہوئی۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فاتح سوی شنت کی جو صفات اور علامات بتائی گئی ہیں ان کا اکمل مصداق رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ساری صفات آپ ﷺ سے ہی مترشح ہوتی ہیں۔

'استوت ایریتا' کا مفہوم

یہ لفظ استو سے ماخوذ ہے، جس کا سنسکرت اور ژندی زبانوں میں معنی ہے 'تعریف کرنا'۔ اور موجودہ فارسی زبان میں فعل 'ستودن' تعریف کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کو فارسی کے لفظ ایستادن سے بھی اخذ کیا جا سکتا ہے، جس کا مفہوم 'کھڑا ہونا' ہے، اس لیے استوت ایریتا کے معنی ہیں: "وہ جس کی تعریف کی گئی ہو"۔ اور یہی عربی لغت میں احمد ﷺ کا ترجمہ ہے، جو آپ ﷺ کا دوسرا نام ہے۔ لہٰذا یہ پیش گوئی آپ ﷺ کے دونوں ناموں کی نشاندہی کرتی ہے، جو محمدّ ﷺ اور احمد ﷺ ہیں۔ یہ پیش گوئی مزید یہ کہتی ہے کہ وہ مادی دنیا کے لیے رحمت ہو گا۔[2]

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب مایکرہ من رفع الصوت فی التکبیر، حدیث نمبر: ۲۸۳۰، ص: ۴۵۲

(2) The Sacred Books of The East, V. 23, P.308

پیغمبر اسلام ﷺ کے صحابہ کا تقدس

زند اوستا کے زمیاد یاشت میں مرقوم ہے:

> ''اور اس کے دوست (صحابہ) سامنے آئیں گے، استوت ایریتا کے دوست، جو شیطان کو ہرانے والے، اچھی سوچ رکھنے والے، اچھا بولنے والے، اچھے اعمال والے، اور اچھی قانون کی پابندی کرنے والے اور جن کی زبانیں باطل و جھوٹ کا ایک حرف بھی بولنے کے لیے کبھی بھی نہیں کھولی۔'' [۱]

یہاں بھی آپ ﷺ کو 'استوت ایریتا' کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں پیغمبر اسلام ﷺ کے دوستوں کا ذکر مثل ہم نواؤں کے کیا گیا ہے، جو باطل کے خلاف لڑیں گے، جو بہت نیک اور مقدس بندے ہوں گے، جو اچھے اخلاق رکھتے ہوں گے اور ہمیشہ سچ بولیں گے۔ اس پیش گوئی میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر کے ہمراہ ان کے وفادار، پاکیزہ اور سچے ساتھی ہوں گے۔ بائبل میں بھی دس ہزار قدسیوں کا ذکر ہے۔ حقیقت تو یہ کہ آپ ﷺ کے صحابیوں اور پیروکاروں کی پاکیزگی کا ہونا ہی کسی پیغمبر کی سچائی اور کامیابی کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ کسی پیغمبر کے لیے اپنے تابعین کو ایک مثالی نمونہ میں ڈھالنے کے لیے خود کو عملی طور پر سب سے زیادہ صادق اور پاکیزہ ہونا ضروری ہے اور جس نے اپنے ہزاروں ساتھیوں کو صادق القول بنا دیا وہ خود کتنا بڑا راستباز و صادق ہو گا۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے آتے ہی آتشکدوں کی آگ کا ٹھنڈا پڑ جانا

تاریخ میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے آتے ہی آتشکدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔ لہٰذا یہ پیش گوئی بھی نہایت عظیم الشان ہے۔ جناب زرتشت نے فرمایا:

> ''تو اس خانہ میں جلتی رہ تو اس آتشکدہ میں شعلہ زن رہ، تو اس میں ترقی کر ایک مدت تک کے لیے نہایت زبردست اصلاحِ دنیا کے عہد تک، نیکی کے قیام اور زبردست انقلابِ دنیا تک'' [۲]

اس آیت کا مطلب بڑا واضح ہے کہ آتشکدے نئے مذہبی دور میں بالکل موقوف ہو جائیں گے، بلکہ جناب زرتشت نے اس انقلابِ مذہبی تک بطورِ نشان اور عہد کے جلانے کا حکم دیا تھا۔ جب وہ آتشی شریعت والا موعود زبردست انقلابِ مذہبی کا پیغمبر آ گیا تو آتشکدہ کو سرد ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ یہی اہلِ دنیا نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔

---

(1) The Sacred Books of The East, V.4 P. 175

(2) Ibid, V.4, P.214

دساتیر میں محمدؐ ﷺ کا تذکرہ

دساتیر میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیش گوئی کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

"جب زرتشتی لوگ شریعت پر عمل چھوڑ دیں گے اور بدکار ہو جائیں گے تو عربوں میں سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کے پیروایران کے تاج و تخت اور سلطنت کے مالک ہو جائیں گے اور ایران کے سرکش لوگ مغلوب ہو جائیں گے۔آتشکدہ کے بجائے حضرت ابراہیم کے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے اس کی طرف نماز پڑھیں گے اور یہ رحمۃ للعالمین ہوں گے۔ ایران، مدائن، طوس و بلخ اور مقاماتِ مقدسہ اور اس کے ارد گرد ملکوں پر قابض ہو جائیں گے اور ان کا شارع (نبی) کلام (کے معجزے) والا ہو گا۔"[1]

یہ اس پیشگوئی کے الفاظ ہیں جس میں رسول اکرم ﷺ کی شناخت کے لیے درج ذیل علامات بتائی گئی ہیں:

۱۔مذہبِ زرتشت کا بگڑ جانا۔

۲۔اس مصلح کا ملک عرب سے ہونا۔

۳۔محمد ﷺ کے پیروکاروں کی کامیابی اور کشور کشائی

۴۔ایران جیسی عظیم اور سرکش سلطنت کا بے سروسامان، عرب بادیہ نشینوں کے ہاتھوں مغلوب ہو جانا۔

۵۔آتشکدوں کے بجائے خانہ ابراہیمؑ کی طرف منہ کر کے نماز کا ادا کرنا۔

۶۔بتوں سے خانہ کعبہ بلکہ سارے عرب کو پاک کرنا۔

۷۔محمد ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا۔

۸۔محمد ﷺ کا کلام معجزانہ اور بلیغ ہونا۔

۹۔طوس، بلخ اور مدائن پر مسلمانوں کی حکومت کا قائم ہو جانا۔

۱۰۔تمام قوموں کے مقدس مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ ہونا۔

الغرض اس پیش گوئی میں ذکر کی گئیں علامات کی نشاندہی آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک سے ہوتی ہے۔لہٰذا پارسی قوم کے لیے ضروری ہے کہ یا تو ان علامات اور اوصاف سے مزین کسی شخصیت کو پیش کریں یا پھر تسلیم کریں کہ ان کی کتب میں موجود اسوت اریتا سے مراد آنحضرت ﷺ کی ہی ذات ہیں۔ جنہوں نے بتوں سے حجاز کو پاک کیا اور ایسے اصحاب تربیت کیے جو

---

(1) The Sacred Books of The East, V.4 P. 175

بے مثل، صادق اور نیک کردار کے حامل تھے، جس کی آمد پر ایران کے آتش کدے بجھ گئے اور وہ ایران کے تخت و تاج اور مذہب کا مالک ہو گیا۔

اسی طرح پیروکاروں کے متعلق جو پیش گوئی کی گئی ہے وہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں رسول اللہ ﷺ کے براہ راست پیروکاروں کے ہاتھوں انجام پذیر ہو چکی ہے۔ جس پر فارس کی تاریخ آج تک گواہ ہے۔ حکیم جاپاس مذہبِ زرتشت کے ایک بڑے عالم گزرے ہیں، جنہیں ستارہ شناسی میں خاص صلاحیت حاصل تھی۔ انہوں نے 'گشتاسب' شاہِ ایران کے حکم سے نجوم کی ایک کتاب 'جاپاس نامہ' تحریر کی۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

> "جب ستارے خانہ آتشی، برج حمل میں جمع ہو جائیں گے، زہرہ برج حمل میں ہو گا۔ آفتاب برج ثور اور برج جوزا دونوں میں اور صریح برج دلو میں ہو گا تو اس وقت ایک مردِ کامل سرزمینِ عرب سے نکلے گا جو نسلِ ہاشمی سے ہو گا۔ بزرگ سرو بزرگ تن و بردین جدّ خویش بود، وہ سپاہ کثیر کے ہمراہ ایران پر حملہ کرے گا اور گویا ایران کو از سرِ نو آباد کرے گا۔ زمین اس کے انصاف سے بھر جائے گی، حتیٰ کہ بھیڑیے بکری کے ساتھ پانی پئیں گے۔" [1]

الغرض زرتشتی کتب مقدسہ میں رسول اللہ ﷺ کی صفات اور علامات کا تذکرہ بھی آپ ﷺ کی رسالتِ حقہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس پر شاہد قرآن مجید اور وہ تاریخی حقائق ہیں جن میں تواتر اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ اسی طرح دساتیر میں سوی شنت کے پیروکاروں کے متعلق جو پیشین گوئی کی گئی ہے وہ عہد خلافت راشدہ میں رسول اللہ ﷺ کے براہ راست پیروکاروں کے ہاتھوں انجام پذیر ہو چکی ہے۔ جس پر فارس آج تک گواہ ہے۔

---

[1] جاپاس نامہ بحوالہ محمدؐ عربی، قمر انبالوی، ص: ۱۴

فصل چہارم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ عصرِ حاضر کی کتب میں

پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ دنیا کے تمام اہم الہامی و غیر الہامی مذاہب کی کتب میں موجود ہے۔ یہ تذکرہ پیشین گوئیوں کی صورت میں بھی موجود ہے اور آپ کی صفات کے تذکرے کی صورت بھی۔ آنحضرت ﷺ کا ذکر جس طرح مذہبی کتب میں ہے اسی طرح عصر حاضر کے ممتاز دانشوروں اور راہنماؤں کی کتب بھی آپ ﷺ کی عظمت و شان کے ذکر سے خالی نہیں ہیں۔

اگرچہ غیر مسلم سکالرز میں بھی ایسوں کی کمی نہیں ہے جن کے قلم نے دینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے متعلق دریدہ دہنی سے کام لیا ہے۔ تاہم ایسے لوگوں میں ایسے مصنفین بھی موجود ہیں جنہیں تمام تر مخالفت اور پروپیگنڈے کے باوجود آنحضرت ﷺ کی عظمت کا کسی نہ کسی حوالے سے اعتراف کرنا ہی پڑا ہے۔ اس فصل میں معروف غیر مسلم مفکرین اور اہل قلم کی کتب میں آنحضرت ﷺ کی عظمت کے مختلف پہلوں کے متعلق تحریرات کا جائزہ لیا جائے گا۔

ا۔ ہسٹری ڈی لاٹر کی (Historie de la Turquie)

انیسویں صدی عیسوی کے معروف فرانسیسی مؤرخ، شاعر اور سیاست دان الفانسو ڈی لامارٹن (۱۷۹۰-۱۸۶۹) اپنی شہرہ آفاق کتاب (Historie de la Turquie) میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور مقصد میں کامیابی کا تجزیہ کرتے ہوئے سوال کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس طرح وسائل کی کمی اور مشکلات و مشقتوں کے باوجود اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی ہے وہ غیر معمولی ذہانت اور صلاحیتوں کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ ڈی لامارٹن کے نزدیک محمد ﷺ کا موازنہ تاریخ کی کسی اور شخصیت سے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> “If greatness of purpose, smallness of means, and astounding results are the three criteria of human genius, who could dare to compare any great man in modern history with Muhammad? The most famous men created arms, laws and empires only۔ They founded, if anything at all, no more than material powers which often crumbled away before their eyes۔ This man moved not only armies, legislations, empires, peoples and dynasties, but millions of men in one-third of the then inhabited world; and more than that, he moved the altars, the gods, the religions, the ideas, the beliefs and souls---the forbearance in victory, his ambition, which was entirely devoted to one idea and in no manner striving for an empire; his endless prayers, his mystic conversations with God, his death and his triumph after death; all these attest not to an imposture but to a firm conviction which gave him the power to restore a dogma۔ This dogma was twofold,

the unit of God and the immateriality of God; the former telling what God is, the latter telling what God is not; the one overthrowing false gods with the sword, the other starting an idea with words:
Philosopher, orator, apostle, legislator, warrior, conqueror of ideas, restorer of rational dogmas, of a cult without images; the founder of twenty terrestrial empires and of one spiritual empire, that is Muhammad- As regards all standards by which human greatness may be measured, we may well ask, is there any man greater than he?(1)

ترجمہ: اگر مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور حیرت انگیز نتائج کسی انسان کی غیر معمولیت کا معیار ہوں تو کون ہے جو جدید انسانی تاریخ میں محمد کا مقابلہ کر سکے؟۔ زیادہ مشہور لوگوں نے ہتھیار بنائے، قوانین بنائے اور سلطنتیں تخلیق کیں اور کچھ پایا تو یہ کہ ان کی مادی طاقت ان کی آنکھوں کے سامنے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ اس شخص نے افواج، قوانین، سلطنتوں، عوام اور خواص کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ دنیا میں رہنے والی ایک تہائی آبادی کے کروڑوں انسان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور اس بھی زیادہ اس شخص نے مذہبی رسومات کو، نام نہاد خداؤں کو، ادیان کو، خیالات و نظریات کو، ارواح اور عقائد کو متاثر کیا۔ جسکا مقصد کبھی بھی بادشاہت نہیں رہا جو کہ صرف ایک عظیم الشان مقصد سے وابستہ رہا کامیابی اور تحمل کے ساتھ اس کی بے انتہا عبادات اور اپنے رب سے مکاشفات، اسکی موت اور بعد از مرگ اسکی کامیابی اسکی وہ خوبیاں ہیں جو کسی مکر و فریب کی بجائے ایمان کی اس بلند ترین حالت کو ثابت کرتی ہے جو قوت دیتی ہے بنیادی عقیدے کو بحال کرنے کی۔ یہ بنیادی عقیدہ دو اجزا پر مشتمل ہے ایک جز تمام خداؤں کا انکار کرتا ہے تو دوسرا جز بتاتا ہے خدا کیا ہے۔ ایک جز تلوار کے زور پر جھوٹے خداؤں کو دور کرتا ہے تو دوسرا جز تبلیغ کے زور پر اصل خدا سے تعارف کراتا ہے۔ محمد کیا نہیں تھے؟ ایک فلاسفر، خطیب، رسول، قانون ساز، جنگجو، نظریات کو فتح کرنے والے ایک عقلی عقیدہ کو بحال کرنے والے، ۲۰ سرحدوں والی سلطنتوں اور ایک روحانی

(1) Lamartine - Histoire de la Turquie, Paris 1854, Vol II, p. 276-77

سلطنت کے خالق...انسانی عظمت کے کسی بھی معیار کو لے لیجئے، ہم صرف ایک سوال کرتے ہیں کہ کیا کوئی محمد سے عظیم شخص آیا ہے؟

گویا ڈی لامارٹن کے نزدیک آپ ﷺ اس لیے بھی سب سے بڑھ کر اہمیت کے حامل ہیں کہ آپ نے جو سلطنت قائم کی اس نے آپ کے سامنے ہی کامیابیاں سمیٹنا شروع کر دی تھیں اور آپ کے بعد بھی وہ ہر سو پھیلتی اور بڑھتی ہی رہی۔ دوسری بات یہ کہ دنیا کے دیگر رہنماؤں کے برعکس آپ کی کامیابی کسی ایک میدان میں نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے عقائد، افکار اور مادی زندگی سب کو ہی محنت کا میدان بنا دیا اور ہر چیز کو بدل کر رکھ دیا۔ یہ ایک ایسی کامیابی ہے جو کہ دنیا میں کسی اور شخصیت کو حاصل نہیں ہوئی۔ لہذا بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے عظیم شخص کوئی اس دنیا میں نہیں آیا۔

۲۔ دا جینوئین اسلام (The Genuine Islam)

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے مشہور آئرش سوانح نگار، ادیب، ڈرامہ نگار اور نقاد جارج برنارڈ شا (۱۸۵۶-۱۹۵۰) نے آنحضرت ﷺ کی ذات کے متعلق اپنی کتاب میں ان الفاظ میں تجزیہ کیا ہے:

> "I believe if a man like him were to assume the dictatorship of the modern world he would succeed in solving its problems in a way that would bring much needed peace and happiness-I have studied him - the man and in my opinion is far from being an anti–Christ. He must be called the Savior of Humanity.I have prophesied about the faith of Mohammad that it would be acceptable the Europe of tomorrow as it is beginning to be acceptable to the Europe of today."(1)

> ترجمہ: میرا یقین ہے کہ اگر محمد جیسے شخص کو جدید دنیا کی مطلق العنان حکومت سونپ دی جائے تو وہ اس دنیا کے مسائل اس طرح سے حل کرے گا کہ دنیا حقیقی مسرتوں اور راحتوں سے بھر جائے گی۔ میں نے انھیں پڑھا ہے وہ کسی بھی طرح کے مکر و فریب سے کوسوں دور ہیں انہیں بجا طور پر انسانیت کا نجات دہندہ کہا جا سکتا ہے۔ میں نے پیشینگوئی کی تھی کہ محمد کا عقیدہ یورپ کے لیے آنے والے کل میں اتنا ہی قابل قبول ہو گا کہ جتنا آج قابل قبول بننے لگا ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا سطور میں دیکھا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت کو حقیقت پسندی سے پڑھنے اور پرکھنے والا معروف یورپی نقاد کیسے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ دنیا کے مسائل کا حل رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کامل کی پیروی میں ہے۔ دنیا کی حقیقی

(1) The Genuine Islam, George Bernard Shaw, 1936, Vol- 8,P.126

مسرتیں آپ کے طریقہ کار پر عمل پیرا ہوئے بنا حاصل نہیں کی جا سکتی ہیں۔ ان سطور میں مستقبل کے یورپ کے لیے بھی پیش گوئی ہے کہ اہلِ یورپ کے لیے بھی بالآخر فطری طور پر قابل قبول دین آنحضرت ﷺ کا دین اسلام ہی ہوگا کیونکہ یہ دین دنیا کے مکروفریب سے دور اور فطرت کی رعنائیوں سے بھرپور ہے۔

۳۔ ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ(Heros and Heros Worship)

تھامس کارلائل (۱۷۹۵-۱۸۸۱) انیسویں صدی کے معروف سکاٹش دانشور، مؤرخ اور نقاد ہیں۔ اپنی معروف کتاب ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ(Heros and Heros Worship)میں وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اہلِ مغرب کی بہتان طرازیوں پر سراپا حیرت اور شکوہ کناں ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی حیرت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "How one man single-handedly, could weld warring tribes and Bedouins into a most powerful and civilized nation in less than two decades?" (1)

ترجمہ: یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک آدمی خالی ہاتھ جنگ وجدل میں مشغول قبائل اور بدوؤں کو اس طرح سے آپس میں جوڑ لے کہ وہ ۲۰ سال کے مختصر عرصہ میں ایک انتہائی طاقتور اور مہذب قوم بن جائیں؟

اور پھر اس کے بعد حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "…The lies (Western slander) which well-meaning zeal has heaped round this man (Muhammed) are disgraceful to ourselves only…How one man single-handedly, could weld warring tribes and wandering Bedouins into a most powerful and civilized nation in less than two decades…-A silent great soul, one of that who cannot but be earnest. He was to kindle the world; the world's Maker had ordered so."(2)

ترجمہ: جھوٹ اور تہمتیں جو مغربی اقوام نے اس شخص پر بڑے جوش و خروش سے لگائی ہیں خود ہمارے لیے شرمندگی کا باعث ہیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک آدمی خالی ہاتھ جنگ وجدل میں مشغول قبائل اور بدوؤں کو اس طرح سے آپس میں جوڑ لے کہ وہ دو دہائیوں سے بھی کم کے مختصر عرصہ میں ایک انتہائی طاقتور اور مہذب قوم بن جائیں

---

(1) Heros and Hero Worship, Thomas Carlyle, London: Chapman and Hall,1869, p.102
(2) Ibid

؟ایک تنہا مگر عظیم شخص ایک اولوالعزم انسان جسے اس دنیا کو روشن کرنا تھا کیونکہ اس کا حکم اسے اس کے خدا نے دیا تھا۔

کارلائل کے خیال میں مغربی بہتان تراشوں نے جوش میں آکر اس آدمی (محمد ﷺ) کے گرد جھوٹ کا انبار لگا دیا ہے جو ان کے اپنے لئے غیر پروقار ہے۔ایک خاموش عظیم روح جس کی طرح کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا،اس نے سنجیدگی سے اپنے فرمان کے ذریعہ دنیا میں روشنی کرکے دنیا جگمگادی۔ [1]

کارلائل کی اس بات کی تائید ایک اور مغربی دانشور ایس پی سکاٹ (۱۸۴۶۔۱۹۲۹ء) [2] کے ہاں بھی تقریباً انہی الفاظ میں ملتی ہے۔وہ آنحضرت ﷺ کو پیغمبر برحق سمجھتے ہیں اور ہسٹری آف دا مورش ایمپائر ان یورپ (History of the Moorish Empire in Europe) میں وہ آپ ﷺ کے ناقدین سے بجا طور پر سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں شک وشبہات کا اظہار کرنے والوں کی ہرزہ سرائی سنتا ہوں تو ششدر رہ جاتا ہوں اگر محمد ﷺ رسول برحق نہ تھے تو اب تک پھر کوئی رسول دنیا میں آیا ہی نہیں۔ [3]

۴۔ہسٹری آف سرسن ایمپائر (History of the Saracen Empire in Europe)

معروف انگریز مؤرخ اور سیاسی رہنما ایڈورڈ گبن (۱۷۳۷۔۱۷۹۴) جو کہ سلطنت روما کی تاریخ پر ایک اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں،اسلامی تاریخ بھی ان کی خاص دلچسپی کے موضوعات میں شامل تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو بطور ایک مذہبی پیشوا سے زیادہ بطور ایک مربی اور سیاسی رہنما کے دیکھتے ہوئے اس امر پر اظہارِ حیرت کرتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے بارہ صدیاں پہلے جو نظریہ اپنے پیروکاروں کو دیا تھا ان کے پیروکار آج تک اسی پر کاربند ہیں اور اس راستے سے انھیں دنیا کا کوئی لالچ اور ترغیب موڑ نہیں سکی ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب ہسٹری آف سرسن ایمپائر میں گبن لکھتے ہیں:

> "It is not the propagation but the permanency of his religion that deserves our wonder, the same pure and

---

[1] Heroes and Heroe Worship, Thomas Carlyle ,p.103

[2] ایس پی سکاٹ (Samuel Parsons Scott) ایک امریکی سکالر، مؤرخ اور قانون دان تھے۔انہوں نے یورپ سمیت مختلف ممالک کا سفر کیا اور مختلف تصنیفات بھی کیں۔ملاحظہ ہو:

https://en.wikipedia.org/wiki/Samuel_Parsons_Scott, Retrieved on 12-1-2017, at 5:00 p.m

[3] If the object of religion be the inculcation of morals, the diminution of evil, the promotion of human happiness, the expansion of the human intellect, if the performance of good works will avail in the great day when mankind shall be summoned to its final reckoning it is neither irreverent nor unreasonable to admit that Muhammad was indeed an Apostle of God.(*History of the Moorish Empire in Europe*, S- P- Scott, p. 126)

perfect impression which he engraved at Mecca and Medina is preserved, after the revolutions of twelve centuries by the Indian, the African and the Turkish proselytes of the Koran---The Mahometans have uniformly withstood the temptation of reducing the object of their faith and devotion to a level with the senses and imagination of man. I believe in One God and Mahomet the Apostle of God, is the simple and invariable profession of Islam. The intellectual image of the Deity has never been degraded by any visible idol; the honors of the prophet have never transgressed the measure of human virtue, and his living precepts have restrained the gratitude of his disciples within the bounds of reason and religion.[1]

ترجمہ: ہمیں اس کے دین کے فروغ سے زیادہ اس کے دین کی استقامت پر حیرت ہونی چاہیے۔ وہی خالص اور مکمل احساس جسے اس نے مکّہ اور مدینہ میں کندہ کیا وہی احساس ہمیں ۱۲ صدیاں گزرنے کے بعد بھی قرآن کے ماننے والے انڈین، افریقی اور ترکوں میں نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے بڑی کامیابی سے ان ترغیبات کا مقابلہ کیا جو انسانوں کی کسی بھی عقیدے سے وابستگی کو کم کرکے انکو انکے نفس کی خواہش پر چھوڑ دیتی ہیں۔ میں اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاتا ہوں اور اس بات پر کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یہ ایک سادہ اور نہ قابل ترمیم دینی اعلان ہے۔ یہاں خدا کے منطقی تصور کو بتوں کے ذریعے گھٹایا نہیں اور نہ ہی رسول کی عظمت کو انسانی حدوں سے بڑھایا گیا۔ اسکی زندگی نے ایسی مثال قائم کی جس نے اس کے ماننے والوں کو مذہب اور معقولیت کی حدوں میں رکھا۔

گویا جزوی اختلافات کے باوجود مسلمان اسلام کے دیے ہوئے اصولوں یعنی توحید ورسالت اور عقیدہ قیامت کی اصل پر آج بھی اسی طرح مکمل طور پر کاربند ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھے، اور یہ اسلام کی فطری تعلیم و تربیت کا ایک نتیجہ ہے۔

۵۔ محمد اینڈ محمڈن ازم (Mohammed and Mohammadanism)

کتاب محمد اینڈ محمڈن ازم کے مصنف، سکالر ''بوس ورتھ'' کے نزدیک آنحضرت ﷺ میں ایک مذہبی پیشوا اور سیاسی

[1] History of the Saracen Empire, Edward Gibbon and Simon Ocklay, London: 1870, p- 54

رہنما دونوں کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ لیکن آپ ﷺ کے ہاں پاپائیت یا الوہیت کا کوئی دعویٰ نہیں ملتا اس کے باوجود آپ ﷺ نے ایک مکمل الوہی حکومت قائم کی جو کہ صرف آپ کا ہی کارنامہ ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> "He was Caesar and Pope in one; but he was Pope without Pope's pretensions, Caesar without the legions of Caesar: without a standing army, without a bodyguard, without a palace, without a fixed revenue; if ever any man had the right to say that he ruled by the right divine, it was Mohammed, for he had all the power without its instruments and without its supports."(1)

> ترجمہ: وہ خود میں ایک قیصر اور پوپ تھے پاپائیت سے منسوب الزامات اور دعووں سے مبرّا اور قیصرانہ فوج اور شان و شوکت، محافظین، محلات اور آمدنی کے بغیر۔ اگر کبھی بھی کسی بھی شخص کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس نے الوہی حکومت کی ہے تو وہ شخص محمد کے علاوہ کوئی اور ہو نہیں سکتا بغیر الوہیت کے، الوہیت کی تمام تر طاقت لیے ہوئے۔

ان کے نزدیک پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کسی کھلی ہوئی کتاب کی مانند ہے۔ دنیا کے کسی رہنما کے متعلق ایسی تفصیلات نہیں ملتیں جو پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق ہمیں دستیاب ہیں۔ وہ اس سلسلے میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ کو سورج کی کرنیں قرار دیتے ہیں، جو بلا تمیز ہر کسی کو منور کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کی زندگی اسرار میں پھیلی ہوئی ہے اور نہ اس پر کسی قسم کے سائے ہیں، ہم محمد (ﷺ) کے بارے میں لوتھر اور مارٹن سے بھی کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ محمد (ﷺ) کی ذات (اقدس) کے ساتھ دیومالائی، لیجنڈری اور مافوق الفطرت عناصر سے وابستہ نہیں بلکہ آپکی پوری زندگی کی تفصیل تمام جزئیات کے ساتھ ہمارے پاس پہنچی ہے۔ آپکی زندگی دراصل سورج کی طرح ہے جسکی کرنیں پوری دنیا کا احاطہ کرتی ہیں۔ آپ کے کردار کا سب سے حسین پہلو آپ کی جاہ و حشم سے بے نیازی ہے۔ آپ قانون ساز، تاریخ ساز، حکمران، جرنیل اور قاضی تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپکی شخصیت کا نمایاں ترین پہلو یہ ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے اور اللہ کا پیغام دنیا تک پہنچانے کیلیے تشریف لائے تھے۔ زہد و عبادت میں اِن کا کوئی ثانی نہیں اور اِن کی کامرانیوں کی مثال نہیں ملتی۔(۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے آپ ﷺ کی ہی ایک ایسی ذات ہے جن کی سیرت بہت زیادہ تفصیل سے لکھی گئی ہے، اور یہ خود آپ ﷺ پر ختمِ نبوت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں سال بعد بھی

---

(1)Mohammed and Mohammadanism, Bosworth Smith, London: Smith, Elder & Co ,1876, p. 92
(2) Ibid, p. 235

آپ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔

۶۔ محمد مکہ میں (Mohammad at Mecca)

'محمد مکہ میں' (Mohammad at Mecca) کے مصنف ولیم منٹگمری واٹ[1] کے نزدیک محمد ﷺ کے ماننے والوں کی اپنے عقیدے سے شدید لگاؤ، اٹل اور بے لچک وابستگی کو بھی آپ کے سچے ہونے کی دلیل کے طور پر سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "His readiness to undergo persecutions for his beliefs, the high moral character of the men who believed in him and looked up to him as leader, and the greatness of his ultimate achievement – all argue his fundamental integrity. To suppose Muhammad an impostor raises more problems than it solves. Moreover, none of the great figures of history is so poorly appreciated in the West as Muhammad." [2]

> ترجمہ: اپنے عقیدے کی خاطر کسی بھی قسم کے ظلم اور زیادتی کو برداشت کرنے کی آمادگی، اس کے ماننے والوں کا بلند اخلاق و کردار، اس کے ماننے والوں کا رشد و ہدایت کے لیے اسی کی طرف دیکھنا اور اس کی کامیابیوں کی شان و عظمت، یہ سب اسکی ایمانداری اور دیانت داری کی طرف دلالت کرتی ہیں اسی لیے یہ خیال کرنا کہ وہ (معاذ اللہ) جھوٹے تھے، مشکلات کو حل کرنے کی بجائے بڑھا دیتا ہے۔ مزید برآں مغرب میں کسی بھی عظیم شخص کی ایسی بے توقیری اور قدر ناشناسی نہیں دیکھی گئی ہے جیسا کہ محمد کے لیے کی گئی ہے۔

---

[1] ولیم منٹگمری واٹ (William Montgomery Watt) (۱۹۰۹-۲۰۰۶ء) سکاٹش مؤرخ، مستشرق، پادری اور پروفیسر تھے۔ جامعہ ایڈنبرگ میں عربی زبان اور اسلامیات کے پروفیسر رہے۔ انھوں نے اسلام، قرآن اور محمد ﷺ پر کئی اہم کتابیں لکھیں، جن میں 'محمد مکہ میں' (۱۹۵۳) اور 'محمد مدینہ میں' (۱۹۵۶)، جو سیرت کے میدان میں کلاسیکی تصور کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو:
https://ur.wikipedia.org/wiki/ولیم_منٹگمری_واٹ, Retrieved on 1-1-2017, at 11:30 p.m

[2] Mohammad at Mecca, Montgomery Watt, London: Oxford University Press, 1953, p. 52

۷۔ The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History

معروف امریکی مؤرخ اور سکالر مائیکل ایچ ہارٹ (متوفی ۱۹۳۲) نے اپنی مشہور زمانہ The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History لکھی تو اس میں آنحضرت ﷺ کو سب سے پہلے رکھا اور اس کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ جن میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محمد ﷺ تاریخ کی وہ واحد شخصیت ہیں جو دینی و دنیوی ہر دو میدانوں میں کامیاب و کامران رہے ہیں۔ مصنف کو شاید لوگوں کی حیرت کا اندازہ تھا اس لیے وہ اس تفصیل کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular level."(1)

> ترجمہ: میں نے محمد کو پہلی پوزیشن (اہمیت) دیتے ہوئے سب سے اہم اور متاثر کن شخصیت قرار دیا ہے۔ ہارٹ لکھتے ہیں: "کچھ قارئین کے لئے محمد کا دنیا کے سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والے شخص کی حیثیت سے انتخاب تعجب کا باعث ہو گا اور ہو سکتا ہے دوسرے بھی ایسا سوال کریں لیکن تاریخ میں صرف وہی ایک ایسی کامیاب ترین شخصیت ہے جس نے مذہبی اور دنیاوی امور (Religious and Secular) میں دونوں سطحوں پر نہایت اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔

مصنف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کو دیگر ممتاز لوگوں سے جو چیز نمایاں اور اہم ترین قرار دینے کا سبب ہے وہ آپ کا علاقائی اور قومی پس منظر ہے جہاں ہر طرح کی علمی و تہذیبی پس ماندگی تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے عدیم النظیر کارنامہ سرانجام دیا۔ چنانچہ مصنف اس پہ روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

> "The majority of the persons in this book had the advantage of being born and raised in centers of civilization, highly cultured or politically pivotal nations-Muhammad, however, was born in the year 571, in the city of Makkah, in southern Arabia, at that time a backward area of the world, far from the centers of trade, art, and learning."(2)

---

(1) The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History, Michael H. Hart,P. 33
(2) Ibid

ترجمہ: اگرچہ اس کتاب میں شامل دیگر شخصیات کی کثیر تعداد کو معاشرتی / تہذیبی مراکز میں پیدائشی طور پر بلند مقام، بہت زیادہ تہذیب وتمدن سے آراستہ اور سیاسی طور پر اہم اقوام سے تعلق ہونے کا فائدہ حاصل تھا، تاہم محمد جنوبی عرب کے شہر مکہ میں سن ۵۷۱ عیسوی میں اس وقت پیدا ہوئے جب یہ علاقہ دنیا کا پسماندہ ترین علاقہ تھا اور علم وہنر سے بہت دور تھا۔

مصنف نے ظاہر ہے اپنے بے شمار یہودی مبلغین کی موجودگی کے باوجود آنحضرت ﷺ کو فوقیت دی ہے۔ اس کا سبب ان کی نظر میں کیا تھا اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ اس کے درج ذیل دو اہم اسباب تھے:

"There are two principal reasons for that decision First, Muhammad played a far more important role in the development of Islam than Jesus did in the development of Christianity- Although Jesus was responsible for the main ethical and moral precepts of Christianity [those that differed from Judaism)."(1)

ترجمہ: اس فیصلہ کی دو اہم ترین وجوہ ہیں: اوّل: محمد یہودیوں سے بہت زیادہ بلند درجہ پر فائز ہیں۔ دوم: محمد نے (اپنے عمل سے) مسلمانوں کی (اخلاقی) ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس کے برعکس یہودی عیسائیت کی تبلیغ میں لگے رہے جبکہ وہ عیسائیوں کی اخلاقی، سماجی عادات اور اطوار کی درستگی کے ذمہ دار بھی تھے۔

۸۔ سینٹ پال(St. Paul)

سینٹ پال(۲) نظریہ عیسائیت کے بانی اور اس کے بنیادی مبلغین میں سے بھی ہیں۔ ان کے نزدیک محمد ﷺ کا اصل کارنامہ قول وعمل یعنی نظریہ اور اسوہ کی یک جائی بھی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"Muhammad, however, was responsible for both the theology of Islam and its main ethical and moral principles- In addition, he played the key role in proselytizing the new faith, and in establishing the

---

(1)The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History,p.8-9

(۲) پولوس(Paul:5-67) یسوع مسیح کے حواری اور مسیحی علم الٰہیات کے مبلغ ومفسر، عہد نامہ جدید کے کئی اہم خطوط کے مصنف تھے۔ پولوس کا شمار مسیحیت میں مسیح کے بعد سب سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ انھوں نے یروشلم میں ممتاز یہودی عالم ربی گملی ایل سے تعلیم حاصل کی۔ ابتداء میں کٹر یہودی تھا لیکن ایک خواب کے ذریعے عیسائی ہوگیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد مسیحی تبلیغ میں ان کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ ملاحظہ ہو:
https://ur.wikipedia.org/wiki/پولس, Retrieved on: 13-1-2017, at 2:00 p.m

religious practices of lslam- Moreover, he is the author of the Muslim holy scriptures, the Quran [in other words opponents will most certainly allege this], a collection of certain of Muhammad's insights that he believed had been directly revealed to him by Allah."[1]

ترجمہ: محمد نے نظریہ اسلام اور اس کے آداب واخلاقی اصولوں کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ میں نئی روح پھونکنے اور اپنے عمل کے ذریعہ دین قائم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔نئے عقیدے کی آبیاری اور احکام اسلامی کے پھیلاؤ میں انہوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔وہ اسلام کی مقدس کتاب قرآن کے مصنف ہیں جس میں انہوں نے اپنی افکار کا اظہار کیا ہے جس پر ان کا عقیدہ تھا۔

یہ آپ ﷺ کے کردار اور عمل کی طاقت ہی تھی جس نے مکہ کے پتھر دل مشرکین و کفار کو بھی رام کر لیا تھا۔آپ ﷺ سراپا رحمت کی مجسم شکل تھے۔

۹۔ آئیڈیلز آف اسلام، سپیچز اینڈ رائیٹنگز(Ideals of Islam, Speeches and Writings)

کتاب Ideals of Islam, Speeches and Writings میں سروجنی نائیڈو[۲] کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا اصل کارنامہ جمہوریت کی ترویج ہے۔وہ جمہوریت کو مسلمانوں کے ہاں عبادات میں موجود مساوات سے تعبیر کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"It was the first religion that preached and practiced democracy; for, in the mosque, when the call for prayer is sounded and worshippers are gathered together, the democracy of Islam is embodied five times a day when the peasant and king kneel side by side and proclaim: God Alone is Great.[3]

ترجمہ: یہ وہ پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کی تبلیغ اور اسکی ترویج کی ۔جب مسجد

---

[1] The 100: A Ranking of The Most Influencial Persons in History, p.8-9

[۲] سروجنی نائیڈو(Sarojini Naido:1879-1949)انگریزی کی عظیم شاعرہ، مجاہدہ آزادی، دانشور و مدبّر خاتون کے ساتھ ساتھ قائدانہ صلاحیت کی حامل، مقرر، محب وطن اور ہندو مسلم اتحاد و یگانگی کی حامی تھیں۔حیدر آباد کے ایک برہمن بنگالی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد اگھورے ناتھ چٹوپادھیائے ایک سائنسدان اور ماہر تعلیم تھے اور نظام کالج، حیدر آباد، دکن کے صدر مدرس بھی رہے۔ملاحظہ ہو:

https://en.wikipedia.org/wiki/Sarojini_Naidu, Retrieved on: 16-1-2017, at 10:00 a.m

[3] Ideals of Islam, Speeches and Writings, Sarojini Naidu, Madaras: 1918, p.18

میں پانچ وقت اذان دی جاتی ہے اور نمازی، نماز کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں تو اسلامی جمہوریت مجسم ہو جاتی ہے اور کسان اور بادشاہ گھٹنے سے گھٹنا ملائے خدا کی تکبیر بیان کرتے ہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔

اسلام کے اجتماعی نظام میں خطبہ حجۃ الوداع کے مندرجات اسلام کے نظام عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کا ایک جامع خلاصہ ہیں جن پر آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے عمل کر کے دکھایا۔

۱۰۔ دی ٹاک آف پرافٹ The Table Talk of the Prophet

اسٹینلے لینی پول[1] نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے بعد وہی جملہ کہا جو آپ کے تمام مسلمان سیرت نگاروں نے کہا ہے کہ آپ جیسا نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ وہ اپنی کتاب ٹیبل ٹاک آف دی پرافٹ، (Table Talk of the Prophet) میں لکھتے ہیں:

> "He was the most faithful protector of those he protected, the sweetest and most agreeable in conversation.Those who saw him were suddenly filled with reverence; those who came near him loved him; they who described him would say, "I have never seen his like either before or after-" He was of great taciturnity, but when he spoke it was with emphasis and deliberation, and no one could forget what he said."[2]

ترجمہ: وہ ان کا نہایت ایمان دار حفاظت کرنے والا تھا جن کی اس نے حفاظت کی، گفتار میں انتہائی شیریں اور متحمل۔ جنہوں نے بھی اسے دیکھا وہ احترام کے جذبے سے مغلوب ہوئے۔ جو اس کے قریب آئے اس پر فدا ہوئے۔ جنہوں نے بھی اس کے بارے میں کچھ بتانا چاہا، یہی کہا کہ "میں نے ان جیسا نہ پہلے نہ بعد میں کبھی دیکھا ہے" ان کی خاموشی میں بھی ان کی عظمت تھی لیکن جب بھی انہوں نے بات کی زور دے کر اور بہت سوچ بچار کی اور کوئی بھی ان کی کہی ہوئی بات کو بھول نہ سکا۔

---

[1] سٹینلے لینی پول(Stanley Lane-Poole:1854-1931) برطانوی مستشرق اور ماہر آثارِ قدیمہ تھے۔ ۱۸۹۷ سے ۱۹۰۴ء تک ڈبلن یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔ ملاحظہ ہو:
https://en.wikipedia.org/wiki/Stanley_Lane-Poole, Retrieved on: 18-1-2017, at 1:30 p.m

[2] Introduction In: Speeches and Table Talk of the Prophet Muhammad, Stanley Lane-Poole, London: Macmillan & Co. 1882, p. xvi

آپ ﷺ خوش خلقی اور اخلاق کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز تھے۔ یہ آپ ﷺ کی جاذب طبیعت کا اثر تھا کہ ۲۳ سال کے محدود عرصہ میں سارے حجاز کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

۱۱۔ **محمد اے بائیو گرافی آف دی پروفٹ**(Muhammad:A Biography of the Prophet)

معروف یورپی محقق اور اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے مذاہب پر کئی کتابوں کی مؤلفہ کیرن آرم سٹرانگ نے نوے کی دہائی میں آنحضرت ﷺ پر ایک کتاب لکھی جو کہ مشہور و معروف ہے۔ اس کتاب کے سبب تالیف کے متعلق وہ کہتی ہیں کہ میں نے اپنی کتاب کا نام ''پیغمبرِ اسلام کی سوانحِ حیات'' اس لیے رکھا تاکہ لوگوں کو بتلاسکوں کہ آپ ﷺ کی تعلیم کو قدیم قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ آپ ﷺ کی تعلیمات آج کے دور کے جدید تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ سلمان رشدی کی کتاب پیغمبر اسلام ﷺ پر بہتان ہے اس لیے میں نے اس کے جواب میں یہ کتاب لکھی۔[(1)]

مغربی دنیا میں اسلام کی طرف سے مرد کو ایک سے زائد شادیاں کرنے کے متعلق دی گئی اجازت کو لے کر عموماً دینِ اسلام کو نشانہ تنقید بنایا جاتا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ پر بھی اس حوالے سے ناعاقبت اندیش تنقید کرتے رہتے ہیں۔ کیرن آرمسٹرانگ اس پس منظر کو نہ صرف سمجھتی ہیں بلکہ اس کی وضاحت کرنے کی بھی کوشش کرتی ہیں کہ اسلام میں کثرت ازدواج کا مطلب کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتی ہیں کہ غزوہ احد میں ہر شہید مسلمان نے اپنے پیچھے بیویاں اور بچے چھوڑے جن کا کوئی والی وارث نہیں تھا۔ اس غزوہ کے بعد قرآنی آیت نازل ہوئیں جن میں چار شادیوں کی اجازت دی گئی تھی۔ اسلام میں کثرتِ ازدواج کی اجازت کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اسے عورت کے مصائب اور تکالیف کا ایک بڑا سبب بتایا جاتا ہے۔ لیکن جب یہ اجازت دی گئی اس وقت یہ ایک نہایت عمدہ معاشرتی قدم تھا۔ اسلام سے پہلے مردوں اور عورتوں کو ایک سے زیادہ بیویاں اور شوہر رکھنے کی اجازت تھی۔ شادی کے بعد عورتیں اپنے میکے میں ہی رہتی تھیں جہاں انکے شوہر ان سے ملنے آتے تھے۔ یہ معاشرتی نظام ایک قانونی روایت سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ شوہروں کی زیادہ تعداد ہونے کی وجہ سے بچوں کی ولدیت کا تعین بھی مشکل تھا اور بچے اپنی ماں سے پہچانے جاتے تھے اسی وجہ سے مرد نان و نفقہ اور اولاد کی پرورش سے آزاد تھے۔ اسلام سے پہلے عورت حق وراثت اور حق ملکیت سے محروم تھی۔ جو بھی آمدنی اسکی طرف آتی تھی وہ اس کے گھر والوں خاص طور گھر کے مردوں کے پاس چلی جاتی تھی۔ عورت کے لیے کاروبار چلانا اور جائیداد کا انتظام و انصرام سنبھالنا ایک مضحکہ خیز خیال محسوس ہوتا تھا۔ عورت کو کوئی انفرادی حقوق حاصل نہیں تھے اور اسکی حیثیت مرد کی ملکیت سے زیادہ نہیں تھی۔ اسلامی کثیر الازدواجی در حقیقت ایک سماجی قانون سازی ہے۔ جس میں عورت کو مرد کی خواہش پورا کرنے کا آلہ نہیں بنایا بلکہ کمزور اور بے سہارا خواتین

---

(1) Muhammad:A Biography of the Prophet, Karen Armstrong, NY: Harper Collins Publishers, 1993, p-53-54

کے لیے گھروں کا اور نگہبانوں کا انتظام کیا، تمام تر حقوق، عزت اور احترام کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر وراثت میں وہ حقوق دے جو مغربی خواتین کو ۱۹ویں صدی عیسوی تک میسر ہی نہیں تھے۔[1]

۱۴۔ٹو دا ریڈر: دی قرآن (To the Reader: The Koran)

مغرب میں یہ وبا عام ہے کہ اسلام کے بارے میں شبہات پیدا کیے جائیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت کو شبہات کی دبیز تہہ کی نیچے مستور کیا جائے تاکہ آپ کی ذات کو پڑھنے اور سمجھنے کی طرف کوئی متوجہ ہی نہ ہو۔ جارج سیل (George Sale:1697-1736) انہی شبہات کے تناظر میں کہتے ہیں کہ میں اپنی تحقیق میں کوئی ایسا ثبوت نہیں پاتا جس میں حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر شبہے کا اظہار کیا جا سکے۔[2]

جارج سیل برطانیہ کے معروف محقق ہیں۔ گو کہ پیشے کے اعتبار سے سپاہی تھے لیکن قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ خصوصی دلچسپی کے موضوعات تھے۔ ۱۷۳۶ء میں قرآن کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔

۱۵۔ محمد اینڈ اسلام: ان دا آوٹ لائن آف ہسٹری (Muhammad and Islam: In the Outline of History)

پروفیسر ایچ جی ویلز (H.G Herbert Wells:1866-1946)[3] کے نزدیک پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت ماپنے کا یہ سادہ سا پیمانہ بھی کافی ہے کہ پیغمبر اسلام پر ایمان لانے والے کون لوگ تھے۔ اپنی کتاب (Muhammad and Islam: In the Outline of History) میں وہ لکھتے ہیں:

> "Because those who knew Muhammad best believed in him the most… Muhammad was no impostor at any rate…there can be no denying that Islam possesses many fine and noble attributes… They created a society more free from widespread cruelty and social oppression than any society had ever been in the world before."[4]

---

(1) Muhammad:A Biography of the Prophet, Karen Armstrong, pp.53-54

(2) To the Reader: The Koran, George Sale, London: J. B. Lippincott & Co.,1860, pp.vi-vii

(۳) ایچ جی ویلز انگریزی کا ادیب تھا جس نے ناولز، بائیو گرافیز اور کہانیوں سمیت متعدد کتب لکھیں۔ سائنس فکشن کے بڑے لکھاریوں میں اس کا نام آتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

https://en.wikipedia.org/wiki/H._G._Wells, Retrieved on: 17-1-2017, at 2:30 p.m

(4) Muhammad and Islam: In the Outline of History, H.G- Wells, University of Michigan Library:1920,V.2, p. 269

ترجمہ: پیغمبر اسلام کی صداقت کا یہی بڑا ثبوت ہے کہ جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ جانتے تھے آپ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضرت محمد ﷺ ہرگز جھوٹے نبی نہ تھے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام میں ایسی سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی جس سے ظلم اور سفاکی کا خاتمہ کیا گیا۔ جو دنیا میں پہلے نہ تھی۔

ویلز نے آنحضرت ﷺ کی سیرت کا باریک بینی سے مطالعہ کر لیا تھا جس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کے حلیے اور شخصیت کے متعلق ان کے تبصرے سے کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام بڑی ہی دل آویز شخصیت کے مالک تھے آپ ﷺ کے تبسم میں ایک ایسی حلاوت اور لطافت تھی جو دل موہ لیتی تھی آپ ﷺ تمام عربوں سے زیادہ، خوش شکل اور خوبصورت تھے۔ آپ ﷺ معاملات میں ہمیشہ سچے اور انصاف پسند تھے۔ (۱)

۱۳۔ اسلام دوراہے پر (Islam at the Crossroads)

اسلام کی تیز رفتار ترقی کے متعلق بعض ناقدین جب کوئی اور جواب تلاش نہیں کر پاتے تو وہ یہ شوشا چھوڑتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ یہ بات مغربی اہل قلم صدیوں سے لکھتے چلے آرہے ہیں اور اس کی تردید بھی خود مغربی محققین کرتے رہتے ہیں۔ ڈی لیسی اولیری (۲) پیغمبر اسلام اور دیگر فاتحین کے متعلق کتاب 'اسلام دوراہے پر' (Islam at the Crossroads) میں اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "History makes it clear, however, that the legend of fanatical Muslims sweeping through the world and forcing Islam at the point of the sword upon conquered races, is one of the most fantastically absurd myths that historians have ever repeated"(3)
>
> ترجمہ: یہ روایت کہ تشدد پسند مسلمانوں نے تلوار کے زور پر اسلام پھیلایا اور نسلوں کو فتح کیا، ایک انتہائی ناقابل یقین احمقانہ خیالی کہانی ہے جو تاریخ نویسوں نے بار بار دہرائی ہے۔

---

(1)Muhammad and Islam: In the Outline of History, V.2, p. 269

(۲) ڈی لیسی اولیری (De Lacy O' Leary:1872-1957) ایک برطانوی مستشرق تھے اور University of Baristol میں پروفیسر تھے۔ عربوں اور قبطیوں کی ابتدائی تاریخ پر متعدد کتب لکھیں۔ ملاحظہ ہو:
https://en.wikipedia.org/wiki/De_Lacy_O%27Leary, Retreived on: 18-1-2017, at 10:00 a.m

(3) Islam at the Crossroads, De Lacy O'Leary, London: Kegan Paul, 1923, p.8

۱۴۔ A History of the Intellectual Development of Europe

کتابA History of the Intellectual Development of Europeمیں جان ولیم ڈریپر [۱] کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا پر مرتب ہونے والے اثرات تاریخ کی کسی بھی شخصیت سے زیادہ ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ۵۶۹ء میں جسٹینن کی وفات ہوئی اس کے چار سال بعد عرب کے شہر مکہ میں ایک ایسا انسان محمد ﷺ پیدا ہوا جس نے سب لوگوں سے بڑھ کر نسل انسانی پر عظیم ترین اثر ڈالا۔ [۲]

۱۵۔ دی لائف آف محمد (The Life of Mahomet)

انیسویں صدی کے معروف امریکی ادیب، سوانح نگار اور مؤرخ واشنگٹن ارونگ (۱۷۸۳۔ ۱۸۵۹) کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر دین اسلام کی تبلیغ سے کوئی مادی نفع اٹھانا نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اقتدار حاصل کر کے اپنے قرابت داروں کو نوازتے۔ لیکن آپ نے ایسا کچھ نہ کیا بلکہ آپ کے پیش نظر محض اپنے دین کی بالادستی تھی۔ چنانچہ وہ، دی لائف آف محمد(The Life of Mahomet) میں لکھتے ہیں:

> "His military triumphs awakened no pride, nor vain glory, as they would have done had they been effected for selfish purposes- In the time of his greatest power he maintained the same simplicity of manner and appearance as in the days of his adversity- So far from affecting regal state, he was displeased if, on entering a room, any unusual testimonial of respect was shown to him." [3]

ترجمہ: محمد ﷺ عظیم سپہ سالار اور شجاع تھے اس کے باوجود آپ ﷺ کا مشن اپنے دین کو فروغ دینا تھا، جب آپ ﷺ حکمران بنے تو اپنے عزیزوں کو دوسروں پر ترجیح نہیں دی بلکہ آپ ﷺ تو دین الٰہی کی بالادستی چاہتے تھے۔

---

[۱] جان ولیم ڈریپر(John William Draper:1811-1882) انگلش امریکن سائنس دان، فلاسفر، فیزیشن، کیمسٹ اور مؤرخ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے مذہب اور سائنس کے موضوع پر بھی کام کیا۔ ملاحظہ ہو:

https://en.wikipedia.org/wiki/John_William_Draper, Retrieved on: 18-1-2017, at 9:00 a.m

[2] A History of the Intellectual Development of Europe, John William Draper, NY: Harper and Brothers Publishers,1836, P.244

[3] The Life of Mahomet, Washington Irving, Leipzig: Bernard Tauchnitz, 1850, pp. 272-273

۱۶۔لائف آف محمد (Life of Muhammad)

ہندوستان میں انگریز گورنر سر ولیم میور (۱۸۱۹- ۱۹۲۳)[1] معروف مستشرق ہیں۔ لائف آف محمد میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں کئی ایک نازیبا باتیں کہی ہیں، لیکن اسی کتاب میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی عظمت شان کا اعتراف بھی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہمیں بلا تکلف اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ تعلیم نبوی ﷺ نے ان تاریک توہمات کو ہمیشہ کے لیے جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکال دیا جو صدیوں سے اس ملک پر چھائے ہوئے تھے، بت پرستی نابود ہو گئی، توحید اور اللہ کی بے پناہ رحمت کا تصور محمد ﷺ کے متبعین کے دلوں میں گہرائیوں اور زندگی کے اعماق میں جا گزیں ہو گئی، معاشرتی اصلاحات کی بھی کوئی کمی نہ رہی۔ ایمان کے دائرہ میں برادرانہ محبت، یتیموں کی پرورش، غلاموں سے احسان و مروت جیسے جوہر نمودار ہو گئے امتناع شراب میں جو کامیابی اسلام نے حاصل کی اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوئی۔۔۔ آپ ﷺ اپنے دور ہی کے عظیم ترین انسان نہیں تھے بلکہ آنے والے تمام انسانوں کی عظیم ترین ہستی تھے آپ ﷺ ایک عظیم ترین مدبر حکومت اور سیاستدان کی طرح مختلف الخیال اور مختلف العقیدہ اور آپس میں منتشر لوگوں کو یکجا اور متحد کرنے کا کام بڑی مہارت سے سرانجام دیا۔۔ یہ رسول خدا کا زور اعتقاد اور اعتماد نفس تھا کہ وہ مکے میں ناکامیوں کے باوجود ایک مخالف شہر میں گئے اور تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔۔۔ ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ محمد ﷺ نے ہمیشہ کے لیے اکثر توہمات باطلہ کو کالعدم کر دیا۔ ان کی سیرت کی عمدگی سے خود بخود لوگ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرست ہو گئے۔"[2]

۱۷۔ بوناپارٹ ایٹ اسلام (Bonaparte et Islam)

کرسچن چیر فیلز (Christian Cherfils:1858-1926)فرانس کے ممتاز محقق گزرے ہیں انھوں نے اپنی معروف کتاب (نپولین) بوناپارٹ ایٹ اسلام میں پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق نپولین کے کئی اقوال نقل کیے ہیں۔ نپولین کے نزدیک پیغمبر اسلام ﷺ ایک عظیم سالار تھے جنھوں نے بہت قلیل وقت میں دنیا میں کئی طرح کے انقلاب برپا کیے:

> "Muhammad was a prince; he rallied his compatriots around him- In a few years, the Muslims conquered half of the world- They plucked more souls from false gods, knocked down more idols, razed more pagan temples in fifteen years than the followers of Moses and Jesus did in fifteen centuries- Muhammad was a

---

[1] سر ولیم میور(Sir William Muir:1819-1905) سکاٹش مستشرق، اسلام کا عالم، ایڈن برگ یونیورسٹی کا پرنسپل تھا۔ ہندوستان کے شمال مغربی صوبوں میں لیفٹیننٹ گورنر تعینات تھا۔ ملاحظہ ہو:

https://en.wikipedia.org/wiki/William_Muir, Retrieved on: 17-1-2017, at 9:00 p.m

[2] Life of Muhammad, Sir William Muir, v.4, p- 97-98

great man- He would indeed have been a god, if the revolution that he had performed had not been prepared by the circumstances."[1]

ترجمہ: محمد (ﷺ) دراصل اصل سالارِ اعظم تھے۔ آپ نے اہلِ عرب کو درسِ اتحاد دیا۔ ان کے آپس کے تنازعات ومناقشات ختم کیے۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ کی امت نے نصف دنیا کو فتح کرلیا۔ چند سالوں کے قلیل عرصے میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کرلی۔ مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملادی گئیں، بت خانوں میں رکھی ہوئی مورتیوں کو توڑ دیا گیا۔ حیرت انگیز کارنامہ تھا رسول معظم (ﷺ) کی تعلیم کا کہ یہ سب کچھ صرف پندرہ ہی سال کے عرصے میں ہوگیا۔ جبکہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پندرہ سو سال میں اپنی امتوں کو صحیح راہ پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تھے۔ حضرت محمد (ﷺ) عظیم انسان تھے۔ جب آپ دنیا میں تشریف لائے اس وقت اہل عرب صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ دنیا کی اسٹیج پر دیگر قوموں نے جو عظمت وشہرت حاصل کی اس قوم نے بھی اس طرح ابتلاء ومصائب کے دور سے گزر کر عظمت حاصل کی اور اس نے اپنی روح اور نفس کو تمام آلائشوں سے پاک کرکے تقدس وپاکیزگی کا جوہر حاصل کیا۔

وہ مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"I hope the time is not far off when I shall be able to unite all the wise and educated men of all the countries and establish a uniform regime based on the principles of Qur'an which alone are true and which alone can lead men to happiness."[2]

ترجمہ: مجھے امید ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب میں تمام ممالک کے پڑھے لکھے اور دانشمند لوگوں کو جمع سکوں گا اور قرآن کے بتائے ہوے اصولوں کے مطابق ایک عالمی نظام حکومت قائم کرلوں گا جو سچائی پر مبنی ہوگا اور انسان کو حقیقی مسرت دے سکے گا۔

---

(1) Bonaparte et Islam, Christian Cherfils, France: Pedone Ed., 1914, pp. 105,125

(2) Ibid

۱۸۔مہاتما گاندھی

مہاتما گاندھی[(۱)] سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعہ کے بعد اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تلوار کے زور پر اسلام کے پھیلنے کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "I became more than ever convinced that it was not the sword that won a place for Islam in those days in the scheme of life- It was the rigid simplicity, the utter self-effacement of the prophet, the scrupulous regard for his pledges, his intense devotion to his friends and followers, his intrepidity, his fearlessness, his absolute trust in God and his own mission- These, and not the sword carried everything before them and surmounted every trouble- When I closed the second volume [of a book on the Prophet's biography], I was sorry there was not more for me to read of that great life." [(2)]

ترجمہ: میرا اس پر یقین پہلے سے بڑھ چکا ہے کہ یہ تلوار نہیں تھی جس کے ذریعے اسلام نے اپنا مقام حاصل کیا بلکہ ایک غیر لچک دار سادگی، پیغمبر اسلام کی نفس کشی، اپنے وعدوں کا احترام، اپنے دوستوں اور ماننے والوں کے لیے انتہائی درجہ کی وابستگی، ان کی بہادری اور بے خوفی اور اپنے خدا اور اپنے مشن پر غیر متزلزل اور مطلق ایمان نے انھیں کامیابیاں دلائیں اور اسی سے انہوں نے ہر مشکل پر قابو پایا ۔ جب میں نے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات کی) دوسری جلد ختم کر لی تو معذرت خواہ ہوں کہ میرے لیے عظیم زندگی کے بارے میں پڑھنے کے لیے مزید کچھ نہیں ہے۔

مہاتما گاندھی کے اس اعتراف کی ایک وجہ خود ان کا برصغیر میں اسلام کا مشاہدہ بھی ہے کہ جس طرح اس خطے پر مسلمانوں کی سینکڑوں سال حکومت رہی ہے، اگر طاقت کے بل بوتے پر اسلام نے پھیلنا ہوتا تو شاید سارا ہندوستان بھی مسلمان

---

(۱) موہن داس کرم چند گاندھی (Mohandas Karamchand Gandhi:1869-1948) بھارت کے سیاسی اور روحانی رہنماء اور آزادی کی تحریک کے اہم ترین کردار تھے۔ انہوں نے ستیہ گرہ اور اہنسا (عدم تشدد) کو اپنا ہتھیار بنایا۔ ستیہ گرہ، ظلم کے خلاف عوامی سطح پر منظم سول نافرمانی ہے جو عدم تشدد پر مبنی ہے۔ بھارت میں انھیں احترام سے مہاتما گاندھی اور باپو کہا جاتا ہے۔ انہیں بھارت سرکار کی طرف سے بابائے قوم (راشٹر پتا) کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

https://ur.wikipedia.org/wiki/موہن_داس_گاندھی, Retrieved on: 18-1-2017, at 1:00 p.m

(2) Young India, Mahatma Gandhi, Madras:1924, p.34-35

ہوتا مگر ایسا ہر گز نہیں ہوا۔

۱۹۔ محمد: دا پروفٹ آف اسلام (Muhammad:The Prophet of Islam)

پروفیسر کے ایس راما کرشنا راؤ، یونیورسٹی آف میسور میں ڈیپارٹمنٹ آف فلاسفی کے ہیڈ ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں انھوں نے، محمد: دا پروفٹ آف اسلام (Muhammad:The Prophet of Islam) تصنیف کی جس میں رسول اللہ ﷺ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

"محمد کی شخصیت کی مثال ملنی بہت مشکل ہے جو مکمل سچائی پر مبنی ہے۔ میں اس کی صرف ایک جھلک دیکھ سکا ہوں۔ محمد کی ڈرامائی کامیابی کے لیے قابل دید مناظر ہیں جن میں محمد ایک بادشاہ، مجاہد، مبلغ، سیاست دان، تاجر، خطیب، اصلاح کرنے والے، یتیموں اور غلاموں کے محافظ، عورتوں کو آزادی دینے والے، منصف، ولی، باپ اور شوہر ہیں۔"[1]

اسلام کو رسول اللہ ﷺ نے تلوار کے ذریعے پھیلایا، یا دعوت کے ذریعے۔ اس بحث کو پروفیسر کرشنا ان الفاظ میں سمیٹتے ہیں:

> "The theory of Islam and Sword for instance is not heard now frequently in any quarter worth the name- The principle of Islam that there is no compulsion in religion is well known." [2]
>
> ترجمہ: اسلام اور تلوار کا نظریہ کی مثال اب سنائی نہیں دیتی۔ اسلام کا جانا پہچانا اصول یہ ہے کہ مذہب میں کوئی جبر نہیں ہے۔

اب تک کی ساری گفتگو کی روشنی میں یہ عیاں ہوتا ہے کہ عصر حاضر کی کتابیں بھی رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے بیان سے خالی نہیں ہیں اور اس میں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب سے تعلق رکھنے والے نامور مفکرین، مؤرخین اور سوانح نگار شامل ہیں۔ اگرچہ غیر مسلم دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے متعلق غلط فہمیاں بھی پھیلانے کی کوششیں کی گئی ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری بھی ہے لیکن انہی معاشروں کے اندر سے گزشتہ صدیوں میں ایسے نامور محقق بھی پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے انصاف کی نظر سے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا اور اپنے نتائج تحقیق کو بلا کم وکاست بیان کر دیا اور ان الزامات کی تردید کی جو مذہبی حلقوں کی طرف سے پیغمبر اسلام ﷺ پر لگائے جاتے رہے ہیں۔ درج بالا کتب کے اقتباسات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ماضی کی کئی نامور شخصیات نے بنا کسی مذہبی تعصب کے آنحضرت ﷺ کی شخصیت کے متعلق انہی اوصاف کی گواہی دی ہے جو اہل اسلام روز اول سے کہتے آ رہے ہیں۔

---

[1] Muhammad:The Prophet of Islam, K.S. Ramakrishna Rao,Chennai: Islamic Foundation Trust, 1989, p.11
[2]Ibid,p.12

باب چہارم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص وامتیازات کا قرآن کریم اور دیگر کتب کے مابین تقابلی جائزہ

فصل اول: غیر الہامی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں

فصل دوم: الہامی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں

فصل سوم: عصرِ حاضر کی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص وامتیازات قرآن کریم کی روشنی میں

فصل اول

غیر الہامی کتب میں آنحضرت ﷺ کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں

نبی کریم ﷺ کے خصائص وامتیازات کا مطلب

اللہ تعالی نے تمام کائنات میں رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ اوصاف وکمالات سے نوازا ہے، تاہم ان اوصاف وکمالات میں بہت سارے اوصاف وکمالات ایسے ہیں جن میں دیگر انبیائے کرام اور رسول بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں، لہذا وہ اوصاف وکمالات آپ کے لیے بیشک ثابت ہیں اور آپ میں بدرجہ اکمل واحسن پائے جاتے ہیں اور جن کے انکار کی ہر گز کوئی گنجائش نہیں، لیکن ان اوصاف وکمالات کو آپ کے خصائص اور امتیازات میں شمار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ خاصیت اور امتیاز کا مطلب ہے جو صاحب خصوصیت اور صاحب امتیاز کے ساتھ خاص ہو اور اس کے علاوہ کسی دوسرے میں موجود نہ ہو، جیسا کہ کتبِ لغت میں ''خاصة'' کا معنی اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وخاصة الشيء ما يختص به دون غيره [1]

ترجمہ: کسی شی کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو صرف اس کے ساتھ خاص ہو، دوسرے میں نہ ہو۔

لہذا خاصیت اور امتیاز کے مذکورہ بالا معنی کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کے خصائص اور امتیازات سے مراد آپ کے صرف وہ کمالات وصفات ہیں جو اللہ تعالی نے تمام بنی نوع انسان یعنی تمام انبیاء ورُسل اور تمام بشر میں صرف آپ کو عطا فرمائے ہیں، اور جن کے ذریعے اللہ تعالی نے آپ کو تمام بنی نوع انسان پر فضیلت بخشی ہے اور ان اوصاف وکمالات میں کسی اور پیغمبر یا انسان کو آپ کا شریک نہیں کیا، چنانچہ نضرۃ النعیم میں آپ کے خصائص کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''هي ما اختص الله تعالى به نبيّه صلّى الله عليه وسلّم وفضّله به على سائر الأنبياء والرّسل عليهم الصّلاة والسّلام وكذلك سائر البشر.'' [2]

ترجمہ: خصائص وہ ہوتے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو خاص فرمایا ہے، اور جن کے ذریعے اللہ تعالی نے آپ کو تمام انبیاء ورسل اور اسی طرح تمام انسانوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ایسے ہی خصائص وامتیازات کا تذکرہ ہندوازم، بدھ ازم اور زرتشت ازم کی غیر الہامی کتب میں بھی ملتا ہے۔ ذیل میں ان صفات کا تذکرہ قرآن مجید کے تناظر میں کیا جارہا ہے۔

---

(۱) المعجم الوسیط، ۱/ ۲۳۸

(۲) نضرة النعيم في مكارم أخلاق الرسول الكريم، صالح بن عبداللہ بن حمید، دارالوسیلہ للنشر والتوزیع جدہ، طبع رابع، ص:۱/ ۴۴۷

(ا)۔ہندوازم کی کتب میں آنحضرت ﷺ کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں

غیر الہامی مذاہب کی کتب میں حضرت محمد ﷺ کے جن خصائص وامتیازات کا تذکرہ موجود ہے قرآن مجید بھی ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ سب سے پہلے ہندوازم کی کتب میں موجود حضور ﷺ کی صفات کا قرآن مجید کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

(ا)۔علم وحکمت کا چراغ

سام وید میں آنحضرت ﷺ کو علم وحکمت کا مینارہ کہا گیا ہے جو دوسروں کو روشنی فراہم کرتا ہے:

''احمد نے اپنے رب سے پر حکمت شریعت حاصل کی، میں اس سے سورج کی طرح روشنی حاصل کرتا ہوں۔''[۱]

سام وید میں بیان کردہ اس منتر میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بشارت اسمِ احمد سے دی گئی ہے۔اور آپ ﷺ کے متعلق دو خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

ا۔آپ ﷺ حکمت سے لبریز شریعت اور علم کے حامل ہیں۔ گویا آپ ﷺ حکیم اور عالم ہیں۔

۲۔آپ ﷺ کو سورج کی مانند روشن کہا گیا ہے۔یعنی آپ ﷺ کی پر حکمت تعلیمات دراصل لوگوں کے لیے چراغِ ہدایت اور روشنی کا مینار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیات قرآن مجید میں بھی آئی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا﴾[۲]

ترجمہ: اس کے بعد اب اے نبیؐ، ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک شریعت پر قائم کیا ہے۔

اس آیت میں آپ ﷺ کو شریعت عطا کیے جانے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جیسا کہ درج ذیل آیت میں آپ ﷺ کو حکمت عطا کیے جانے کا ذکر ہے:

﴿ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾[۳]

ترجمہ: یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں۔

آپ ﷺ کی شریعت، علم اور حکمت کی روشنی بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے روشنی کا چراغ ہے، قرآن مجید اس مفہوم کو

---

[۱] سام وید، فصل سوم، منتر ۸

[۲] سورۃ الجاثیہ: ۱۸/۴۵

[۳] سورۃ بنی اسرائیل: ۳۹/۱۷

یوں ادا کرتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا؛ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ (۱)

ترجمہ: اے نبیؐ، ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اُس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن کرنے والا سورج بنا کر۔

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مینارہ علم و حکمت بنا کر بھیجا جس سے سارا جہاں فیضیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ان تمام خصوصیات کو جمع فرمادیا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (۲)

ترجمہ: بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

آپ ﷺ نے اللہ کے دیے ہوئے علم اور حکمت کے ذریعہ گمراہی میں پڑے لوگوں کو باہر نکالا اور انہیں ہدایت کی روشنی سے منور کیا۔ آپ ﷺ کے وجود پر نور سے جہالت کے اندھیرے چھٹ گئے اور علم کی روشنی پھیل گئی۔

(۲)۔ رسول اللہ ﷺ بحیثیت مبلغ

اتھر وید میں ہے کہ احمد ﷺ کو تبلیغ کا حکم ہوا:

" اے احمد تبلیغ کر جیسے پختہ پھل والے درخت پر پرندہ چہچہاتا ہے، تیری زبان مع ہونٹ قینچیوں کے دو پھلوں کی طرح چلتی ہے۔" (۳)

احمد کو تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے تبلیغ کے اس عمل کو پھلدار درخت پر چڑیوں کے چہچہانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چڑیوں

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۴۵، ۴۶

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/۱۶۴

(۳) اتھر وید کانڈ ۲۰ سوکت ۱۲۷، ۱۲، منتر ۴

کی چہچہاہٹ بڑی نغمہ وسرور کی حامل ہوتی ہے۔ادھر دین اسلام کی تبلیغ کی اساس قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾[۱]

ترجمہ: وہ رسول کہ تم پر اللہ کی روشن آیتیں پڑھتا ہے تاکہ انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اندھیریوں سے اجالے کی طرف لے جائے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾[۲]

ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں۔

تبلیغ احکام کے حوالے سے اتھر وید میں ایک اور جگہ پر ملتا ہے کہ:

اے احمد! اس کلامِ حکیم کو مضبوطی سے پکڑ کہ یہ گائے اور دولت پانے والی یا تمدن کی بنیاد ہے۔ جیسے تیر انداز بہادر نشانہ پر تیر مارتا ہے۔''[۳]

اس منتر میں جو باتیں بتائی گئی ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی انہی باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾[۴]

ترجمہ: پس اے محمدؐ، تم، اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔

دوسرے مقام پر ایک اور آیت سے یہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ

---

[۱] سورۃ الطلاق: ۱۱/۶۵

[۲] سورۃ الانفال: ۲/۸

[۳] اتھر وید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۶۰

[۴] سورۃ ھود: ۱۱۲/۱۱

وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور اے محمدؐ، یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمہیں سناتے ہیں، وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں ان کے اندر تم کو حقیقت کا علم ملا اور ایمان لانے والوں کو نصیحت اور بیداری نصیب ہوئی۔

قرآن کریم کی ان آیات کا مضمون وید کے منتر سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔ احمد کو حکم ہوا کہ اس حکمت و دانش کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ کہ یہ تہذیب و تمدن کی جان ہے۔ اس کلام کو دیوتا صفت قدسیوں میں پہنچا جیسے ایک بہادر تیر مارتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ احمد ﷺ نے یہ کام کر دکھایا۔

(۳)۔ آنحضرت ﷺ کو نیند سے بیدار کر کے تبلیغ و عبادت کا حکم دینا

اتھر وید میں ہے کہ احمد کو نیند سے جگا کر حکم دیا گیا کہ وہ اٹھیں اور تبلیغ و عبادت کا فریضہ انجام دیں:

"اِندر (اللہ تعالیٰ) نے اپنی حمد گانے والے (احمد) کو جگایا۔ اُٹھ ادھر اُدھر لوگوں کے پاس جا، مجھ غالب کی تو بڑائی کر وہ سب نعمتیں تجھے دے گا۔"[2]

اس منتر میں وید کے رشی نے حضرت محمد ﷺ کی ابتدائی وحی کو ہزاروں سال پہلے بیان کر دیا۔ اس منتر میں قرآن شریف کی سورۃ المدثر کی پہلی آیت کا ترجمہ ہے۔ وید کہتا ہے کہ اندر نے احمد کو جگایا جبکہ قرآن بھی فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ؛ قُمْ فَأَنذِرْ﴾[3]

ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور (لوگوں کو غفلت سے) خبردار کرو۔

وید کہتا ہے لوگوں کے پاس ادھر ادھر جا۔ مجھ ہی غالب کی بڑائی کر اور قرآن فرماتا ہے:

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾[4]

ترجمہ: اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔

وید میں موجود ہے کہ مجھ غالب کی تو بڑائی کر وہ سب نعمتیں تجھے دے گا۔ اور قرآن کریم بھی آپ ﷺ کو عطا و رضا کی بابت فرماتا ہے:

---

[1] سورۃ ھود: ۱۱/۱۲۰

[2] اتھر وید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۶۰

[3] سورۃ المدثر: ۷۴/۱-۲

[4] سورۃ المدثر: ۷۴/۳

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾[1]

ترجمہ: اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

آپ ﷺ پر نعمتوں کی فراوانی کے متعلق سورۃ الکوثر میں فرمایا:

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾[2]

ترجمہ: (اے نبیؐ) ہم نے تمہیں کوثر (کثیر نعمات) عطا کر دیا۔

پس سونے سے جگانا، لوگوں میں تبلیغ کا حکم دینا، توحید کا واعظ بنانا، اور اللہ تعالیٰ سے سب نعمتوں کا ملنا یا سب نیک لوگوں کا آپ ﷺ کی تبلیغ کا پھل دینا، یہ تمام اس قسم کی خصوصیات ہیں جو سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی اور پیغمبر کی زندگی میں نظر نہیں آتے۔ آپ ﷺ کی ذات کے علاوہ کسی رشی کو یوں سوتے سے جگا کر توحید کے وعظ و تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا اور پھر اس کی وہ بے نظیر کامیابی کہ سب لوگوں نے اسے قبول کر لیا ہو، اس کی محنت کو پھل اس کثرت سے لگا ہو کہ پکے پھل والے درخت پر جس طرح پرندہ خوشی سے چہچہاتا ہے اسی طرح وہ شب و روز حمد الٰہی کے ترانے گاتا ہو۔

(۴)۔ صاحبِ ہجرت، شہزادۂ امن اور دشمنوں کے شرّ سے محفوظ رسول

دینِ اسلام بذاتہٖ امن اور سلامتی کا دین ہے۔ اس عظیم دین کا حسن دیکھئے کہ اسلام ''سلامتی'' اور ایمان ''امن'' سے عبارت ہے اور اس کا نام ہی ہمیں امن و سلامتی اور احترام انسانیت کا درس دینے کیلئے واضح اشارہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ، صبر و برداشت، عفو و درگزر اور رواداری سے عبارت ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کی ذات امن و سلامتی کی بانی اور داعی ہے۔ اس کا اقرار اتھروید میں یوں کیا گیا ہے:

> '' اے لوگو یہ (بشارت) احترام سے سنو۔ محمد تعریف کیا جائے گا۔ ساٹھ ہزار نوے دشمنوں میں اس کو راما (ہجرت کرنے والے یا امن پھیلانے والے) کو ہم (حفاظت میں) لیتے ہیں۔''[3]

اتھروید کی اس بشارت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ دنیا میں اعلیٰ اخلاق پر فائز اور امن و آشتی کے علمبردار ہونے کے سبب تعریف کیے جائیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ دشمنوں سے بچنے کے لیے ہجرت اختیار کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمائے گا۔

---

[1] سورۃ الضحیٰ: ۵/۹۳

[2] سورۃ الکوثر: ۱/۱۰۸

[3] اتھروید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منترا

چنانچہ اسلامی تواریخ بتاتی ہیں کہ جب مکہ کے مشرکین آپ ﷺ کی جان کے درپے ہوگئے تو آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، یہ ۱۲ ربیع الاول اور بعثت کا تیرہواں سال تھا۔ (۱) اور اسی سال سے سن ہجری کا آغاز ہوا۔ ہجرت کے اس واقعے کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ، وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ؛ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (۲)

ترجمہ: وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکرینِ حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کردیں یا قتل کرڈالیں یا جلاوطن کردیں وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

یہ اشارہ ہے دارالندوہ میں کفار مکہ کی اس نشست کی طرف جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کو قید یا محبوس کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی اور ابوجہل نے مشورہ دیا تھا کہ تمام قبیلے ملکر آپ ﷺ کو قتل کردیں مگر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو خبر دے دی اور آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غارِ حرا کی طرف چلے گئے اور ہجرتِ مدینہ کا واقعہ پیش آیا۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام کے حق دار ٹھہرے۔ جیسا کہ قرآن مجید ایسے افراد کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (۴)

ترجمہ: بخلاف اِس کے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے، وہ رحمت الٰہی کے جائز امیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے۔

---

(۱) تاریخ طبری، ص: ۳۳۸

(۲) سورۃ الانفال: ۳۰/۸

(۳) النکت والعیون (تفسیر ماوردی) ابوالحسن علی بن محمد ماوردی، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۶۳/۲؛ الکوثر فی تفسیر القرآن، محسن علی نجفی، مصباح القرآن، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۵ء، ۵۱۰/۱

(۴) سورۃ البقرۃ: ۲۱۸/۲

اس محمد (تعریف کیے گئے) کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ کورم یعنی زمین پر امن پھیلانے والا ہے انبیاء عالم میں رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت نہایت اہم ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کے کل انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کر کے مذہبِ عالم کے فساد کو ختم کر دیا۔ آپ ﷺ کے شہزادۂ امن ہونے کی دوسری وجہ نسلِ انسانی میں مساوات کی تعلیم دینا ہے۔ ذات پات کے لحاظ سے ، رنگ و نسل کے اعتبار سے، ملک اور قوم کی بناء پر کسی ایک شخص کو دوسرے شخص پر کوئی فضیلت نہیں۔ [1]

اتھر وید میں ایک اور مقام پر آپ ﷺ کے شہزادۂ امن ہونے کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

"سب طرف شہرت والے نے گھر کی تعمیر کے دوران حکومت یا عدالت ہاتھ لیتے ہی
سب طرف امن کر دیا ہے۔ یہ بات ہر شوہر اپنی بیوی سے ذکر کر رہا تھا۔" [2]

سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر سے مراد کوئی ایسا گھر ہے جو پوری قوم میں محترم ہو۔ اور جس کی تعمیر میں کوئی جھگڑا ہو گیا ہو، اور اس جھگڑے کا فیصلہ اس تعریف کیے گئے نے کیا ہو۔ اور اس نے ایسا فیصلہ کیا ہو جس کی دھوم ہر طرف مچ گئی ہو۔

چنانچہ سیرتِ ابن ہشام اور تاریخ طبری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ پینتیس سال کے تھے تو خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر ہوئی جس میں تمام اہلِ مکہ شریک تھے۔ اس کا ایک پتھر جسے حجرِ اسود کہتے ہیں بڑا متبرک اور تاریخی حیثیت کا حامل سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ پتھر لگانے کا شرف اس کے حصے میں آئے۔ بات لڑائی اور جنگ و جدال تک پہنچ گئی ۔ بالآخر طے ہوا کہ اگلے روز پہلا شخص جو مسجد حرام میں داخل ہو اس سے فیصلہ کرایا جائے۔ اس کے بعد سب سے پہلے محمد ﷺ داخل ہوئے۔ لوگ خوش ہو گئے کہ یہ تو امین ہے۔ الغرض آپ ﷺ نے ایک بڑی چادر لانے کو کہا، آپ ﷺ نے اس چادر کے بیچ میں حجر اسود رکھا اور ہر قبیلہ کے سردار سے کہا کہ چادر کا کونہ پکڑ کر اٹھائیں۔ سب نے ایسا کیا۔ جب پتھر اپنی جگہ کے برابر پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے اسے اس کی جگہ فٹ کر دیا۔ یہ فیصلہ اتنا عمدہ تھا کہ ساری قوم عش عش کر اٹھی۔ [3]

اتھر وید کی اس بشارت کا ایک مطلب یہ بھی لیا گیا ہے کہ گھر کی تعمیر سے مراد بتوں اور ناخداوں سے خانہ کعبہ کی پاکی و صفائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام محمد ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کیا تھا۔ اس وقت بجائے اس کے کہ آپ ﷺ ان سفاک دشمنوں سے بدلہ لیتے آپ ﷺ نے انہیں معاف کر کے ملک میں فوراً امن وامان قائم کر دیا اور یوں آپ ﷺ کے قیامِ امن کا تذکرہ زبان زدہ عام ہو گیا۔ [4]

---

[1] میثاق النبیین، ص: ۱۰۲

[2] اتھر وید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۷

[3] ملاحظہ ہو: سیرۃ النبی ﷺ، ابن ہشام، ۱۲۸/۱؛ تاریخ الامم والملوک، ۲۸۹/۲

[4] محمد ﷺ ہندو کتابوں میں، ص: ۴۱

آپ ﷺ دوسروں کو معاف کرنے، اور امن وآشتی کے کتنے زیادہ خواہاں تھے اس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾[1]

ترجمہ: اے محمدؐ، ہم نے جو تم کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

رسول اللہ ﷺ امن وامان اور سکون کے علمبردار ہو کر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی نظر حقیقت شناس اس پر پڑی کہ یہ کام نا تنہا کسی حکومت وسلطنت سے ہو سکتا ہے نہ ہی صرف قانون یا قانونی مشینری سے، جب تک انسان کو صحیح معنوں میں انسان نہ بنایا جائے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے افراد سازی کا کام انجام دیا اور جن لوگوں کی آپ ﷺ نے تربیت فرمائی ان کو اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ کا خطاب دیا۔ اور مختلف مقامات پر ان کی صفات کا تذکرہ کیا۔

ایک مقام پر فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ؛ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ؛ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ؛ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ؛ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ؛ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ؛ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ؛ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ؛ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾[2]

ترجمہ: یقیناً فلاح پائی ہے ایمان والوں نے جو: اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغویات سے دور رہتے ہیں، زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں، البتہ جو اُس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں، اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں، اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔

ان افراد کی خصوصیات ایک جگہ اس طرح بیان فرمائیں:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ

---

[1] سورۃ الانبیاء: ۱۰۷/۲۱

[2] سورۃ المومنون: ۲۳/۱۔۹

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾[1]

ترجمہ: اُن میں ایسے لوگ صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز و ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آجائے گی۔

اسی طرح سورہ فرقان کی آیات ۶۳ تا ۶۸ میں بھی اس گروہ کی خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے جس کی تربیت آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں ہوئی۔ اوران ساری خصوصیات سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کن خطوط پر اپنے اصحاب کی تربیت فرمائی اور یہ وہ خصوصیات ہیں جو معاشرے میں امن و سکون اور اطمینان کی ضامن ہیں۔

اتھروید کی مذکورہ بشارت میں کہا گیا کہ اللہ محمد ﷺ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ سفاک اور ظالم دشمنوں کے درمیان وہ تنہا ہوگا مگر اسے کوئی نہ مار سکے گا۔ وہ شدید جنگوں میں صفِ اول میں لڑے گا، ہر خطرہ اور خوفناک موقع پر وہ موجود ہوگا مگر کوئی اسے قتل نہ کر سکے گا۔ منتر کی ضمائر سے ظاہر ہے کہ دشمن اس کثرت اور اس بے پناہ طغیان بغاوت سے اسے بچانے والا خدا ہوگا۔ دشمن کی کثرت پر خدا کی معنت اور رفاقت اسے ہمیشہ غالب رکھے گی۔ تمام تر مخالفتوں کے باوجود دشمن آپ ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں نے انہیں بہت ستایا اور سینکڑوں کو شہید بھی کیا، لیکن نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اٹھائی۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾[2]

ترجمہ: اے پیغمبرؐ! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔

اس آیت کے نزول تک مدینہ منورہ میں بعض صحابہ نبی کریم ﷺ کے مکان پر پہرہ دیا کرتے تھے، جب یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرما دیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں:

''كَانَ النَّبِيُّ(صلى الله عليه وسلم) يُحْرَسُ حَتَّى نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ (وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ) فَأَخْرَجَ رَسُولُ اللَّهِ(صلى الله عليه وسلم) رَأْسَهُ مِنَ الْقُبَّةِ

---

[1] سورۃالنور:۲۴/۳۷

[2] سورۃالمائدۃ:۵/۶۷

فَقَالَ لَهُمْ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ انْصَرِفُوا فَقَدْ عَصَمَنِي اللَّهُ'' [1]

ترجمہ: آیتِ کریمہ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے نازل ہونے تک نبی کریم ﷺ کا پہرہ دیا جاتا تھا، پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اپنے چبوترے سے سر مبارک باہر نکال کر پہرہ دینے والوں سے فرمایا کہ اے لوگو! واپس چلے جاؤ، اللہ تعالی نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا۔

(۵)۔ معراج اور براق کی سواری

دین اسلام میں رسول اللہ ﷺ کی معراج اور براق کا تذکرہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔اس کی گواہی ہندومت کی کتاب اتھر وید میں اس طرح دی گئی ہے:

''اس کی سواری اتنی تیز ہو گی کہ وہ آسمان کو چھوئے گی، پھر اتر آئے گی۔'' [2]

اسی طرح بھاگوت پران میں ہے:

''کلکی اوتار کو بجلی سے بھی تیز رفتار گھوڑا دیا جائے گا جس پر سوار ہو کر وہ زمین اور ساتوں آسمان کا سفر کرے گا۔'' [3]

اس منتر میں اسراء اور معراج کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اسراء و معراج کی جو فضیلت آپ ﷺ کو ملی وہ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی کو نہیں ملی۔ آپ ﷺ کی اس خصوصیت کا ذکر قرآن میں ہے اور یہ آپ ﷺ کی ایسی خصوصیت ہے جس میں کوئی نبی یا رسول نبی کریم ﷺ کا شریک نہیں۔ واقعہ اسراء و معراج ہجرت سے دو تین سال پہلے رونما ہوا۔ اس واقعہ کے دو حصے ہیں؛ ایک حصہ اسراء کہلاتا ہے، یعنی رات کے اندھیرے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ آپ ﷺ کو لے جانا''اسراء'' کہلاتا ہے۔ اور اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہوا:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [4]

ترجمہ: پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اُس مسجد

---

[1] سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ المائدۃ، حدیث نمبر: ۳۳۲۰، ص: ۵/ ۲۵۱

[2] اتھر وید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۲

[3] بھاگوت پران ۱۲، جلد دوم، باب ۱۹، اشلوک ۲۰

[4] سورۃ بنی اسرائیل: ۱/۱۷

تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ؛ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ؛ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ؛ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ؛ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ؛ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ؛ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ؛ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ؛ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ؛ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ؛ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ؛ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾[1]

ترجمہ: وہ سامنے آ کھڑا ہوا جبکہ وہ بالائی افق پر تھا، پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا، تب اُس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اُسے پہنچانی تھی، نظر نے جو کچھ دیکھا، دل نے اُس میں جھوٹ نہ ملایا، اب کیا تم اُس چیز پر اُس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے؟ اور ایک مرتبہ پھر اُس نے، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اُس کو دیکھا، جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے، اُس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا، نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی، اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

ایسے بلند مقام پر پہنچنا اور نیچے جھکنا یا اترنا حضور ﷺ کا خدا تعالیٰ سے تعلق اور زمین پر لوگوں سے وابستگی کا اظہار ہے۔ درحقیقت مخلوق کی محبت میں نیچے جھکنے یا اترنے نے ہی آپ ﷺ کو وصالِ حق کی نعمت کا حقدار ٹھہرایا تھا۔

دوسرا حصہ مسجد اقصیٰ سے اوپر آسمانوں تک آنا جانا 'معراج' کہلاتا ہے۔ اور یہ احادیث مبارکہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں پچیس صحابہ کرام سے اسراء و معراج کی روایات جرح و تعدیل کے ساتھ نقل کی ہیں۔ نیز قرآن کریم کے ارشادات اور احادیث متواترہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ معراج کا سفر روحانی نہیں تھا بلکہ جسمانی بھی تھا۔ کی۔ چونکہ آیت کریمہ میں 'عبد' روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور لفظ 'سبحان' بھی تعجب اور کسی عظیم الشان کام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر معراج صرف روحانی ہوتی جیسا کہ خواب ہوتا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ خواب میں تو کوئی بھی انسان جا سکتا ہے۔

---

[1] سورۃ النجم: ۵۳/۷-۱۸

(۶)۔ عمومی بعثت

رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام عالمین کے لیے ہے۔اس حوالے سے اتھر وید کے الفاظ یہ ہیں:

"وہ دنیا کا سردار جو دیوتا (نُورٌ علیٰ نُور) ہے، سب سے افضل انسان ہے۔ سارے لوگوں کا رہنما اور سب قوموں میں معروف ہے۔"[1]

اس منتر میں تمام صفات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے خاص ہیں۔ حضور ﷺ ہی سب سے پہلے نبی ہیں جو تمام قوموں کی طرف ہادی بنائے گئے۔ ویدوں کے رشیوں میں کوئی شخص نہیں جو افضل البشر کہلایا ہو یا ہادی کل ہو اور ہر طرف جس کی شہرت ہو۔ لیکن رسول کریم ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سارے عالم یعنی تمام عرب و عجم اور تمام انس و جن کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور (اے نبیؐ،) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

ایک مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾[3]

ترجمہ: اے محمدؐ، کہو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اُس خدا کا پیغمبر ہوں۔

اسی طرح آپ ﷺ اور کتاب کو سارے جہانوں کے لیے نذیر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾[4]

ترجمہ: نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لیے نذیر ہو۔

نبی کریم سے پہلے انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت خاص خاص علاقوں اور قوموں تک محدود رہتی تھی۔ جیسا کہ قرآن

---

[1] اتھر وید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۷

[2] سورۃ سبا: ۲۸/۳۴

[3] سورۃ الاعراف: ۱۵۸/۷

[4] سورۃ الفرقان: ۱/۲۵

مجید کی درج ذیل آیات اس پر شاہد ہیں:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنا نُوحاً إِلى قَوْمِهِ﴾﴿وَإِلى عادٍ أَخاهُمْ هُوداً﴾﴿وَإِلى ثَمُودَ أَخاهُمْ صالِحاً﴾﴿وَلُوطاً إِذْ قالَ لِقَوْمِهِ﴾﴿وَإِلى مَدْيَنَ أَخاهُمْ شُعَيْباً﴾ [1]

ترجمہ: ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ اور عاد کی طرف انہی کی برادری کے (ایک فرد) ہود کو بھیجا۔ اور قوم ثمود کی طرف انہی کی برادری کے (ایک فرد) صالح کو بھیجا۔ اور لوط جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ اور اہلِ مدین کی طرف ہم نے انہی کی برادری کے (ایک فرد) شعیب کو بھیجا۔

تفسیر طبری میں اگرچہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی لکھا گیا ہے کہ

''لم يرسل الله رسولا إلى الناس عامة إلا نوحا، بدأ به الخلق، فكان رسول أهل الأرض كلهم، ومحمد صلى الله عليه وسلم ختم به'' [2]

ترجمہ: اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عامۃ الناس کے لیے رسول بنا کر بھیجا، ان سے خلق کی ابتداء کی، آپؑ تمام اہلِ زمین کے رسول تھے، اور محمد ﷺ پر رسالت کا اختتام ہوا۔

لیکن قرآن کریم کی آیتِ کریمہ ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنا نُوحاً إِلى قَوْمِهِ﴾ [3] کے اسلوب سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت بھی دیگر انبیاء کی طرح صرف اپنی قوم کی طرف ہوئی تھی، کیونکہ قرآن کریم نے آپ کے لیے بھی إِلى قَوْمِهِ کی وہی تعبیر اختیار فرمائی ہے جو دیگر انبیائے کرام کے لیے اختیار کی ہے۔ نیز تفسیر طبری نے اس پر کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی ہے، دوسری طرف صحیحین میں حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں نبی کریم ﷺ صراحۃً فرما رہے ہیں کہ:

((أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلاَةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ

---

[1] سورۃ الاعراف: ۷/ ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۰، ۸۵

[2] جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۹/ ۲۳۳

[3] سورۃ الاعراف: ۷/ ۵۹

إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً))''[1]

ترجمہ: مجھے پانچ خصوصیتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، ایک مہینہ کی مسافت پر رعب کے ذریعہ میری تائید کی گئی، میرے لیے ساری زمین سجدہ گاہ اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا گیا، لہذا میری امتی پر جہاں کہیں بھی نماز کا وقت آجائے، پس اس کو چاہیے کہ وہ نماز پڑھے، میرے لیے اموال غنیمت حلال کر دیے گئے، جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھے، اور مجھے شفاعت کا حق دیا گیا، مجھ سے پہلے نبی کسی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔

گویا حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت صرف اپنی قوم کی طرف تھی اور اقوام عالم کے لیے بعثتِ عامہ صرف نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے۔ آپ ﷺ تمام عالمین کے باعثِ ہدایت اور باعثِ رحمت بنائے گئے۔ اور آپ ﷺ کی شریعت کے مخاطب بھی تا قیامت تمام اقوام ہیں۔

(۷)۔ درود و سلام

اتھر وید میں ہے کہ: ''اس کی اعلیٰ ترین تعریف و ثنا ہو گی۔''[2]

منتر کا یہ جملہ حقیقتاً خبر ہے۔ یعنی لوگ آپ ﷺ کی بہترین تعریف و ثنا کریں گے۔ اور واقعی محمد ﷺ کی ایسی حمد و ثنا کی گئی ہے کہ کسی قوم نے خود اپنے انبیاء کی بھی ویسی مدح و ثنا نہیں کی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾[3]

ترجمہ: اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر درود و سلام خود اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی سنت ہے۔ جہاں فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے وہاں تمام اہلِ ایمان کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ آپ ﷺ پر درود و سلام اور آپ ﷺ کی حمد و ثناء کا سلسلہ جاری رکھیں اور اس کا

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً، حدیث نمبر: ۴۳۸، ص: ۲۵۷

[2] اتھر وید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۷

[3] سورۃ الاحزاب: ۵۶/۳۳

عظیم اجر قرار دیا گیا ہے۔

۸۔بے مثال سخاوت

بے مثال سخاوت وفیاضی کے حوالے سے اتھر وید میں ملتا ہے کہ :

"یہاں اے گایو! یہاں اے گھوڑو! یہاں اے انسانو! ترقی کرو اور بڑھو، کیونکہ فقیروں کا سہارا اور ہزاروں کی خیرات کرنے والا یہاں بیٹھا ہے۔"[۱]

یہ اسلامی دور حکومت میں ہمہ گیر ترقی کا بیان ہے کہ محمد ﷺ کی حکومت کے زیرِ سایہ ہر چیز نے ترقی کی۔اس قوم میں سے جو دنیا کی ترقی کے میدان میں سب سے پیچھے تھی کتنے قدوسی پیدا ہوئے، کتنے جنگجو اور بہادر نکلے اور کس قدر جلد قوموں نے اسلام قبول کیا، اس ترقی کا قائد آنحضرت ﷺ کی ذات مقدس تھی جو سب سخیوں سے بڑھ کر اور غریب پرور تھے۔رسول اللہ ﷺ اپنے خلق سخاوت، خلق جود وکرم اور خلق عطاونوازش میں بے مثل اور بے مثال اور باکمال ہوئے۔کوئی بھی اس خلق میں بھی آپ کے برابر نہ تھا، نہ ہی کوئی آپ کے معارض اور مد مقابل تھا، حتی کہ آپ کی پہچان اور شناخت یہ خلق سخاوت اور جود وکرم بن گیا تھا۔اس لئے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے کہ :

" مَا سُئِلَ النَّبِيُّ – صلى الله عليه وآله سلم – عَنْ شَيْءٍ قَطُّ فَقَالَ لاَ "[۲]

ترجمہ: کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ سے کچھ مانگا جائے اور آپ ﷺ نے انکار کر دیا ہو۔

جیسا کہ تفسیر قرطبیؔ اور صحیح بخاری وغیرہ میں آپ ﷺ کی اس خاصیتِ جود وسخا کو حضرت ابو طالبؓ کے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے :

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلأَرَامِلِ[۳]

ترجمہ: آپ ﷺ خوبصورت ہیں، آپ ﷺ کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :

---

(۱) اتھر وید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷، منتر ۱۲

(۲) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء وما یکرہ من البخل، حدیث نمبر: ۵۶۸۷، ۲۲۴۴

(۳) الجامع لاحکام القرآن، ۲۳۶/۵؛ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ، باب ماجاء فی الاستسقاء، حدیث نمبر: ۱۳۳۱، ۲۱۵/۴

''كَانَ رَسُولُ اللَّهِ(ﷺ) أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ،فَلَرَسُولُ اللَّهِ(ﷺ)أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ'' [1]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے اور آپ ﷺ کی سخاوت رمضان کے مہینے میں انتہائی عروج پر ہوتی تھی۔ جب جرائیلؑ آپ ﷺ سے ملنے آتے تھے۔ وہ رمضان میں ہر رات آتے تھے اور قرآن کی دُہرائی کراتے تھے۔ جب جرائیل آپ ﷺ سے ملاقاتیں کرتے ان ایام میں آپ کی سخاوت اپنی شدت میں تیز آندھی سے بھی بڑھ کر ہوتی تھی۔

آپ ﷺ کے جودوسخا اس قدر مسلم اور آپ ﷺ کی زندگی کا روشن پہلو تھا کہ محدثین نے آپ کی اس صفت پر متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر آپ ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ:

﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ؛ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ؛ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ [2]

ترجمہ: لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو، اور سائل کو نہ جھڑکو، اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔

بظاہر یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے مگر اہلِ ایمان سے بھی ان صفات کا اپنے اندر پیدا کرنے کا تقاضا کیا جارہا ہے۔ اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت نمونہ عمل ہے۔

(۹)۔ شیریں گفتار

رگ وید میں نراشنس کی دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں:

''اے نراشنس میٹھی زبان والے، قربانیاں دینے والے، میں آپ کو قربانیوں کا وسیلہ بناتا ہوں۔'' [3]

اس منتر میں حضرت محمد ﷺ کی دو خصوصیات کا تذکرہ ہے۔ ایک 'ہر دل عزیز محبوب' اور دوسری 'میٹھی گفتگو کرنے والے شیریں کلام' یعنی شیریں گفتاری۔ ابن اکبر الاعظمی لکھتے ہیں:

''شیریں گفتاری میں بھی حضرت محمد ﷺ یگانہ تھے آپ ﷺ کی گفتگو میٹھی اور

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب حدثنا عبدان، حدیث نمبر: ۶، ص: ۱۳

[2] سورۃ الضحیٰ: ۹/۹۳۔۱۱

[3] رگ وید، منڈل نمبر ۱، سوکت ۱۳، منتر ۳

واضح تھی، نہ کم اور نہ ہی زیادہ بولتے تھے، ایسے بولتے کہ جیسے موتی جڑ رہے ہوں۔آپ ﷺ کو جامع کلمات اور دوٹوک کا خطاب دیا گیا ہے۔آپ ﷺ کی بات سننے والا ہمہ تن گوش ہو جاتا۔اور لوگ اس طرح بغور سنتے گویا سروں پر چڑیاں بیٹھیں ہوں۔یہ تو آپ ﷺ کی ذاتی گفتگو کا حال تھا۔قرآن کی شیریں کلامی آج بھی عرب و عجم کو سرمست رکھتی ہے۔"[۱]

یہی وجہ ہے کہ عرب کے بدوؤں اور گمراہ لوگوں کو آپ ﷺ نے اس طرح ہدایت کی کہ دوبارہ وہ بھٹک نہ سکے۔اس بات کا اقرار اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح فرمایا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾[۲]

ترجمہ: (اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اِن لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردو پیش سے چھٹ جاتے اِن کے قصور معاف کر دو، اِن کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا اعلیٰ اخلاق اور شیریں کلامی کا اثر تھا کہ لوگ آپ ﷺ کی بات سنتے تھے اور ان کے دلوں پر نقش ہو جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ کشادہ روئی سے باتیں کرنے سے ہر ایک کو اس بات کا موقع ملتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی عظمت و منزلت سے مرعوب ہوئے بغیر نہایت اطمینان کے ساتھ آپ ﷺ سے گفتگو کرے، اپنے ضمیر کی آواز کو کھل کر بیان کرے اور اپنی حاجت و دل کی بات آپ ﷺ کے سامنے پیش کرے۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ))[۳]

---

[۱] محمدؐ ہندو کتابوں میں، ص:۵۰۔۵۱

[۲] سورۃ آل عمران:۱۵۹/۳

[۳] مسند احمد، حدیث نمبر:۸۵۹۵، ۱۳۷/۱۸

ترجمہ: مجھے صالح اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

اور قرآن مجید نے بھی یہ اعلان فرمایا کہ

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ [۱]

ترجمہ: اور بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔

جب آپ ﷺ بات کرتے تو کشادہ روئی اور مہربانی کو ظاہر کرنے والا تبسم آپ کے کلام کو شیریں اور دل نشیں بنا دیتا تھا۔ چنانچہ ابودرداءؓ سے روایت میں ہے کہ:

''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ إذا حدث بحدیث تبسم في حدیثه'' [۲]

ترجمہ: جب رسول اکرم ﷺ بات کرتے تھے تو تبسم فرمایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ سامنے والے کی بات کو آپ ﷺ کبھی منقطع نہیں کرتے تھے، ہر ایک کی بات کو آرام سے سنتے اور نرمی و ملائمت سے اپنا اظہارِ خیال فرماتے تھے۔

(۱۰)۔ گناہوں سے پاک کرنے والا

رگ وید کے منتر میں نراشنس کی دو خصوصیات کا تذکرہ ملتا ہے:

''ہم عظیم نراشنس کی جو بہت بڑا رہنما ہے تعریف و ثناء کرتے ہیں۔ اے کرم والے تو ظاہر ہو، تاکہ ہمیں گناہوں سے پاک کرے اور کٹھن راستے سے ہمارا رتھ پار کرے۔'' [۳]

اس منتر میں نراشنس سے خاص گزارش یہ کی جارہی ہے کہ وہ آکر گنہگاروں کو گناہوں سے پاک کرے۔ آپ ﷺ نے آکر لوگوں کو گناہوں سے پاکی کی وہ رغبت دلائی کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہوگیا تو اس نے از خود آکر گزارش کی کہ اسے پاک کر دیں۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اس پاکی کے لیے اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ آپ نے اسے ٹالنا بھی چاہا کہ وہ اللہ کے حضور توبہ کرلے اور پاک ہو جانے کی امید رکھے مگر پھر بھی وہ مطمئن نہ ہوا۔ بالآخر پاکی کے لیے جان دے دی۔ ''کٹھن راستے سے رتھ پار کیے جانے'' کا مطلب زندگی کی مشکلات سے نجات دلانا ہے اور یہ کام بھی محمد ﷺ نے خوب کیا ہے۔ رسم ورواج کے جتنے بندھن تھے، اور جن میں جھکڑ کر انسانیت سسک رہی تھی۔ آپ ﷺ نے ان سب کو توڑ پھینکا اور ایک آسان، آزاد اور

---

[۱] سورۃ القلم: ۶۸/۴

[۲] بحار الانوار، شیخ محمد باقر المجلسی، مؤسسۃ الوفاء، بیروت لبنان، ۲۹۸/۱۶

[۳] رگ وید، منڈل نمبر ۱، سوکت ۱۰۶، منتر ۴

شریفانہ انسانی دور شروع کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ بھی ذمہ داری تھی اور آپ ﷺ کا فریضہ منصبی تھا کہ وہ لوگوں کو تعلیمِ کتاب و حکمت سے پہلے تزکیہ فرمائیں۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ [۱]

ترجمہ: وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود اُنہی میں سے اٹھایا، جو اُنہیں اُس کی آیات سناتا ہے، اُن کی زندگی کا تذکیہ کرتا ہے، اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اس آیت پر اگر غور کیا جائے تو بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ پیغمبر کے تین فرائض بیان ہوئے ہیں۔ پہلا کام اللہ کی آیات پڑھنا، دوسرا کام تزکیہ کرنا اور تیسرا کام کتاب و حکمت کی تعلیم دینا۔ لیکن اگر ذرا غور سے جائزہ لیا جائے تو اصل کام تزکیہ یعنی پاک کرنا ہی ہے۔ اسی کے لئے اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور اسی تزکیہ کے لئے شریعت اور اس کے فلسفے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ تزکیہ کا کام شروع ہو جاتا ہے تو لوگوں کو صراط مستقیم مل جاتی اور وہ راہ راست پر آکر گمراہی سے نکل جاتے ہیں۔ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [۲]

ترجمہ: اے نبیؐ، تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ، اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمہاری دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہو گی، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان پاکی حاصل کرنے کی کوشش تو کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود کچھ آلائشیں اس کے دامن میں رہ جاتی ہیں۔ کامل تزکیہ عطا کرنا اللہ کی عنایت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو گناہوں سے پاک کر کے انہیں نیکی کے راستے پر ڈال دیں۔

---

[۱] سورۃ الجمعۃ: ۲/۶۲

[۲] سورۃ الاعراف: ۱۵۷/۷

(۱۱)۔ مقام محمود پر فائز ہونا

رگ وید میں محمد کی تین حیثیتوں کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

''جس اگنی کا تمام وسیع ولا متناہی روپ کبھی ختم نہیں ہوتا اسے بغیر جسم والی روح کہتے ہیں۔ جب وہ پیکر جسمانی میں ہوتے ہیں تب آسر (سب سے بعد میں آنے والا) اور نراشنس کہلاتے ہیں اور جب کائنات کو منور کرتے ہیں تو ماتریشوا ہوتے ہیں اور اس وقت وہ ہوا کی طرح (روحانی) ہوتے ہیں۔'' (۱)

اس وید میں شروع سے بغیر جسم والی روح سے حضرت ﷺ کے مقام احمدیت کی طرف اشارہ ہے کہ ابھی آپ ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن آسمانوں میں بطور احمد جانے جاتے تھے اور آپ کا نور نبوت بھی موجود تھا۔ وید کے دوسرے حصے جب ''وہ پیکر جسمانی سے آپ ﷺ کے مقام محمدیت کی طرف اشارہ ہے اور ''جب کائنات کو منور کرتے ہیں تو ماتریشوا ہوتے ہیں اور اس وقت وہ ہوا کی طرح ہوتے ہیں۔'' اس میں مقام محمود کی طرف اشارہ ہے۔ ''ماتریشوا'' سے مقام محمود کی طرف اشارہ ہے۔ رگ وید میں ایک اور مقام پر بھی محمد کی تینوں حیثیتوں کا ذکر کیا گیا ہے:

''اگنی کا پہلا ظہور سورگ لوگ میں بجلی کی شکل میں ہوا۔ ان کا دوسرا ظہور ہم انسانوں کے درمیان ہوا۔ تب وہ جات وید (امی) کہلائے۔ ان کا تیسرا ظہور جل میں ہوا۔ انسانوں کی فلاح کا کام کرنے والے ہمیشہ ضوفشاں رہتے ہیں۔ ان کی نعت کرنے والے ہی ان کی اطاعت کرتے ہیں۔'' (۲)

ایک اور مقام پر یوں بھی وارد ہوا ہے:

''اے اگنی ہم تمہارے تینوں رویوں کو جانتے ہیں۔ جہاں جہاں تمہارا ٹھکانا ہے ان مقامات کو بھی ہم جانتے ہیں۔ ہم تمہارے انتہائی خفیہ نام اور تمہارے پیدا ہونے کے مقام کو بھی جانتے ہیں۔ تم جہاں سے آئے ہو یہ بھی ہم جانتے ہیں۔''(۳)

ان دونوں اقتباسات سے یہ واضح ہے کہ وید میں آپ کی تین حالتیں بیان کی جارہی ہیں۔ سورگ لوگ یعنی جنت یا عالم بالا میں آپ کے نورانی ظہور کا تذکرہ پھر انسانی ظہور کا تذکرہ ہے اور تیسرا ظہور جل میں ہونے کا ذکر ہے۔ ویدوں میں جل

---

(۱) رگ وید، منڈل ۳، سوکت ۲۹، منتر ۱۱

(۲) ایضاً، منڈل ۱۰، سوکت ۴۵، منتر ۱

(۳) ایضاً، منتر ۲

روحانیت کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ ظہور ایسا ہو گا جس میں مادیت نہیں ہو گی گویا بعد از قیامت والے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ اگلے وید میں تین مقامات کا ذکر ہے جس سے یہ تشریح کی جاسکتی ہے کہ اس سے محمودیت کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔

محمود کا معنیٰ و مفہوم

محمود ایک ایسا مقام ہے جس پر حضور نبی اکرم ﷺ کو فائز کیا جائے گا۔ کچھ علماء نے اس سے نبی اکرم ﷺ کا قیام فرما ہونا مراد لیا ہے۔ مقام چونکہ ظرف ہے اس لئے نبی اکرم ﷺ کو روز قیامت جس مقام پر کھڑا کیا جائے گا وہ مقامِ محمود ہے۔ جبکہ بعض علماء نے مذکورہ بالا معنیٰ کے بجائے مقامِ محمود سے مراد وہ خاص مقام، منصب، درجہ، مرتبہ اور منزلت مراد لیا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کو روز محشر فائز کیا جائے گا۔ اس معنی میں زیادہ وسعت، زیادہ صحت اور زیادہ بلاغت ہے۔ مقامِ محمود کی تمام روایات اور احادیث جو رسول اللہ ﷺ کے مقامِ محمود کو بیان کرتی ہیں انہیں جمع کیا جائے تو یہی معنی ان کی مراد کو شامل ہوتا ہے۔ اکثر علماء اور آئمہ تفسیر نے اسی دوسرے معنیٰ کو اختیار کیا ہے۔ یہی معنی راجح اور مختار ہے۔ اس کو مقامِ محمود کیوں کہا گیا؟ اس کی تفصیل و تشریح کتبِ حدیث میں بھی آئی ہے اور تمام تفاسیر میں بھی موجود ہے۔ اس حوالے سے عمدہ تفسیر ابن کثیر نے کی ہے۔ ابنِ کثیر مقامِ محمود کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''إِفْعَلْ هذَا الَّذِي أَمَرْتُكَ به، لِنُقِيمُكَ يَوْمَ القِيَامَة مُقَامًا يَحْسُدُكَ فِيه الْخَلَائِقِ كُلِّهم وَخَالَقَهُم، تَبَارَكَ وتَعَالَى''[1]

ترجمہ: اے محبوب! آپ یہ عمل (نماز تہجد) ادا کیجئے جس کا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے تا کہ روزِ قیامت آپ کو اس مقام پر فائز کیا جائے جس پر تمام مخلوقات اور خود خالقِ کائنات بھی آپ کی حمد و ثناء بیان فرمائے گا۔

قرآن مجید کی تلاوت کا آغاز سورۃ الحمد سے ہوتا ہے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[2] (تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے)، محمود، حمد سے ماخوذ ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنا اسم گرامی بھی محمود ہے۔ ''جس کی تعریف کی جائے۔'' محمود اس کو کہتے ہیں جس کے ذاتی کمالات، خصائص، فضائل اور عظمت و کمال کی حمد و تعریف کی جائے۔

قرآن مجید میں آپ ﷺ کی اس صفت یعنی مقام محمود کیے جانے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ محمود سے نوازے گا جس پر ساری مخلوق آپ ﷺ کی مدح و ستائش کرے گی۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام انسانوں میں اللہ تعالیٰ یہ مقام صرف آپ ﷺ کو عطا کریں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

---

[1] تفسیر القرآن العظیم، ۱۰۳/۵

[2] سورۃ الفاتحہ: ۱/۱

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾(۱)

ترجمہ: اور رات کو تہجد پڑھو، یہ تمہارے لیے نفل ہے، بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے۔

چنانچہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کو زندہ کیا جائے گا، تو میں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہونگے، مجھے میرا رب سبز لباس پہنائے گا، پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور میں اللہ کی [ثناخوانی] میں اللہ کی مرضی سے بہت کچھ کہوں گا، تو یہی مقام محمود ہے۔(۲)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًاالْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي أَنْتَ وَعَدْتَهُ إِلَّا حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))(۳)

ترجمہ: اذان سن کر جو یہ کہے، اے میرے پروردگار، اے اس دعوت کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب، محمد کو وسیلہ وفضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، اس شخص کے لیے میری شفاعت جائز ہو گی۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُو يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الأُذُنِ، فَبَيْنَا هُمْ كَذَلِكَ اسْتَغَاثُوا بِآدَمَ، ثُمَّ بِمُوسَى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ- صلى الله عليه وسلم- فَيَشْفَعُ لِيُقْضَى بَيْنَ الْخَلْقِ، فَيَمْشِي حَتَّى يَأْخُذَ بِحَلْقَةِ الْبَابِ، فَيَوْمَئِذٍ يَبْعَثُهُ اللَّهُ مَقَامًا مَحْمُودًا، يَحْمَدُهُ أَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ))(۴)

ترجمہ: قیامت کے روز آفتاب اتنا قریب ہو گا کہ پسینہ کان کے نصف حصہ تک پہنچ جائے گا۔ اہل محشر اسی حال میں آدم سے مدد چاہیں گے پھر موسیٰ سے پھر محمد

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۷۹/۱۷

(۲) مسند احمد، حدیث: ۱۱۱۲۶، ۴۵۶/۳

(۳) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء، حدیث: ۶۱۴، ص: ۶۴۲

(۴) ایضاً، کتاب الزکاۃ، باب من سأل الناس تکثرا، حدیث: ۱۴۷۵، ص: ۴۷۸

(ﷺ) سے، تو وہ شفاعت کریں گے کہ مخلوق کا فیصلہ فرما دیا جائے۔ آپ ﷺ چلیں گے اور باب جنت کا حلقہ پکڑ لیں گے۔ اس روز اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود تک پہنچائے گا، جہاں سارے اہلِ محشر آپ کی توصیف و تعریف کریں گے۔

المختصر کتاب و سنت میں رسول اسلام ﷺ کا مقام محمود پر فائز ہونا ایک حتمی حقیقت ہے اور یہ مقام دراصل مقامِ شفاعت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ اور یہی مفہوم متعدد احادیث میں بھی وارد ہوا ہے۔

(۱۲)۔ ملائکہ کی غائبی تائید

کلکی پران میں مذکور کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی اپنے فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائے گا:

''جنگ کے اندر فرشتوں کے ذریعے کلکی اوتار کی مدد کی جائے گی۔'' [۱]

قرآن اور تاریخی حقائق میں بھی یہ بات ایک معلوم حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جنگ بدر اور احد میں فرشتوں کے ذریعے مدد کی گئی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ؛ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ؛ بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ﴾ [۲]

ترجمہ: آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے، یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے، کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟ بے شک، اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اُسی آن تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کیلئے پہلے تو ایک ہزار فرشتے بھیجے پھر تین ہزار ہو گئے پھر پانچ ہزار، یہاں اس آیت میں تین ہزار اور پانچ ہزار سے مدد کرنے کا وعدہ ہے اور بدر کے واقعہ کے بیان کے وقت ایک ہزار فرشتوں

---

[۱] کلکی پران، ادھیائے نمبر ۲، اشلوک نمبر ۷

[۲] سورۃ آلِ عمران: ۳/۱۲۳۔۱۲۵

کی امداد کا وعدہ ہے۔ فرمایا آیت ﴿أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾[1] اور تطبیق دونوں آیتوں میں یہی ہے کیونکہ مردفین کا لفظ موجود ہے پس پہلے ایک ہزار اترے پھر ان کے بعد تین ہزار پورے ہوئے آخر پانچ ہزار ہو گئے۔''[2]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غائبی امداد کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾[3]

ترجمہ: اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اُس نے تم پر کیا ہے جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔

اس آیت اور اس کے بعد چند آیات میں جنگ خندق اور غزوہ بنی قریظہ کے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ جس لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی وہ قریش قبیلہ غطفان اور یہود کا لشکر تھا۔ اس لشکر نے مدینہ کو محاصرے میں لیا۔ مہینہ بعد سخت آندھی چلی اور سخت سردی کے باعث دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور نظر نہ آنے والے لشکر سے مراد فرشتے ہی ہو سکتے ہیں۔[4]

(۱۳)۔ ختمِ نبوت کا بیان

بھاگوت پران میں کلکی اوتار کے بارے میں ملتا ہے کہ وہ آخری پیغمبر ہوں گے:

''بڑے بڑے پیغمبر چوبیس ہیں۔ کلکی اوتار آخری پیغمبر ہو گا۔ جو سارے پیغمبروں کا خاتمہ ہو گا۔''[5]

ختم نبوت آنحضرت ﷺ کا امتیازی وصف اور مسلمانوں کے ایمان کا حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کے سلسلہ کو ختم کر کے دین کو مکمل کر دیا ہے، اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نبی کریم ﷺ کی ختمِ نبوت پر قرآن مجید میں واضح الفاظ موجود ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

---

[1] سورۃ الانفال: ۹/۸

[2] تفسیر القرآن العظیم، ۳/ ۱۲۳-۱۲۷

[3] سورۃ الاحزاب: ۹/۳۳

[4] الکوثر فی تفسیر القرآن، ۳۲۴/۴

[5] بھاگوت پران، سکنڈ ۱۲، ادھیائے ۳، اشلوک ۲۵

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾[1]

ترجمہ: (لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

اس حوالے سے متعدد احادیث بھی موجود ہیں جن میں آپ ﷺ کی ختمِ نبوت کا تذکرہ موجود ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((إنّ مثلی ومثل الأنبیاء من قبلی، کمثل رجل بنی بیتاً فأحسنه وأجمله الاموضع لبنة من زاویة، فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون: هلا وضعت هذه اللبنة؟ فأنااللبنة وأنا خاتم النبیین))[2]

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے، مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ﷺ ہوں۔

اس حدیث میں آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی ختم نبوت کو ایک بلیغ مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک اعلیٰ اور خوبصورت محل نما عمارت تعمیر کی جس کی تزئین و آرائش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی لیکن کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس قصر رفیع الشان کو دیکھنے آتے اور اس کی تعریف کرتے لیکن کونے میں اینٹ کی خالی جگہ دیکھ کر کہتے کہ کتنا اچھا ہوتا کہ اینٹ رکھ کر اس کو بھی مکمل کر دیا جاتا۔ آگے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نبوت کے اس عالیشان محل کی تکمیل میری بعثت سے ہو گئی اور قصر نبوت کی وہ آخری اینٹ میں ہوں۔ اس تصریح کے بعد اس روایت سے کسی نئے نبی کے حوالے سے کوئی اور معنی نکالنے کی مطلقاً گنجائش نہیں رہی۔

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۴۰/۳۳

(۲) الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، حدیث نمبر: ۳۳۴۲، ص: ۵۹۵؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین، حدیث نمبر: ۲۲۸۶، ص: ۱۰۱۳۵

(۱۴)۔ سراپائے حسن وجمال

حضور نبی اکرم ﷺ کے حسنِ لامحدود کا احاطہ ممکن نہیں۔ آپ ﷺ کے حسن کی مثال تو بحر بیکراں کی سی ہے جس میں کوئی ایک آدھ موج اچھل کر اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے اور دور دور تک پھیلے سمندر کی گہرائیوں میں اترنا کسی کے لئے ممکن ہی نہیں۔ بعینہ حقیقت حسن محمدی ﷺ تک رسائی کسی فرد بشر کی بات نہیں کہ محدود نظر اس کا کماحقہ ادراک کر ہی نہیں سکتی۔

ہندو مت کی کتب میں بھی آپ ﷺ کے حسن اور خوبصورتی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''وہ ایسا خوبصورت ہوگا کہ اس کے حسن وجمال کی مثال نہ ہوگی۔''[۱]

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنے محبوب نبی ﷺ کے چہرۂ انور کا ذکر بڑی محبت اور اپنائیت کے انداز میں فرمایا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں تقریباً سترہ ماہ مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ اس پر یہود طعنہ زن ہوئے کہ مسلمان اور ان کا نبی یوں تو ہمارے دین کے مخالف ہیں مگر نماز کے وقت ہمارے ہی قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعتِ مبارکہ پر گراں گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر میں تبدیلیء قبلہ کی خواہش پیدا ہوئی جو کہ اتنی شدت اختیار کر گئی کہ اس کو پورا ہوتا دیکھنے کے لئے دورانِ نماز چہرۂ اقدس اٹھا کر بار بار آسمان کی طرف دیکھتے۔ اللہ رب العزت کو اپنے محبوب بندے کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ عین نماز کی حالت میں تبدیلیء قبلہ کا حکم وارد ہوا، جس میں باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کا خصوصی ذکر فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[۲]

ترجمہ: اے حبیب! ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیے۔

ایک اور مقام پر اپنے محبوب ﷺ کے روئے زیبا کا تذکرہ استعاراتی اور علامتی زبان میں انتہائی دلنشین انداز سے کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

﴿وَالضُّحَىٰ؛ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ؛ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾[۳]

---

[۱] بھاگوت پران، سکنڈ ۱۲، ادھیائے ۲، اشلوک ۲۰

[۲] سورۃ البقرۃ: ۲/۱۴۴

[۳] سورۃ الضحیٰ: ۹۳/۱۔۳

ترجمہ: قسم ہے چاشت (کی طرح آپ کے چہرۂ انور) کی، قسم ہے سیاہ رات کی (طرح آپ کی زلفِ عنبریں کی) جب وہ (آپ کے رُخ زیبا یا شانوں پر) چھا جائے) آپ کے رب نے (جب سے آپ کو منتخب فرمایا ہے) آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی (جب سے آپ کو محبوب بنایا ہے) ناراض ہوا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ان آیات مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

''وَالأَنسَبُ بهذَا المقَامِ في تَحقيقِ المرَام أَن يُقَال أَنّ في الضُّحَي إيماءٌ إلى وجهه صلي الله عليه وآله وسلم كما أن في الليل أشعارا إلي شعره عليه الصلوة والسلام''[1]

ترجمہ: اس سورت کا نزول جس مقصد کے لئے ہوا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ضُحیٰ میں آپ ﷺ کے چہرۂ انور اور لیل میں آپ ﷺ کی مبارک زلفوں کی طرف اشارہ ہے۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

''الضُّحٰی: بوجهها، و الليل: شعره''[2]

ترجمہ: ضحی سے مراد آپ ﷺ کا روئے منور اور لَیل سے مراد آپ ﷺ کی مبارک زلفیں ہیں۔

امام فخر الدین رازی اور مرحوم آلوسی وغیرہ کے ہاں بھی اس آیت کی اس تفسیر میں تائید ملتی ہے۔اس کے علاوہ متعدد احادیث میں آپ ﷺ کے شمائل اور آپ ﷺ کے حسن و جمال کے بارے میں تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ کا حسن و جمال کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ آپ کے حسن و جمال کے متعلق مشہور صحابی حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں:

''رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– فِى لَيْلَةٍ إِضْحِيَانٍ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– وَإِلَى الْقَمَرِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَإِذَا هُوَ عِنْدِى أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ'' [3]

---

(1) شرح الشفاء للقاضی عیاض، ملا علی قاری، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۰۱ء، طبع اول، ۸۲/۱

(2) شرح المواهب اللدنية، علامہ زرقانی، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اول، ۴۴۴/۸

(3) سنن الترمذی، کتاب الادب، باب مَا جَاءَ فِى الرُّخْصَةِ فِى لُبْسِ الْحُمْرَةِ لِلرِّجَالِ، حدیث نمبر: ۲۸۱۱، ۱۱۸/۵

ترجمہ: ایک رات چاند پورے جوبن پر تھا اور اِدھر حضور ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ اُس وقت آپ ﷺ سرخ دھاری دار چادر میں ملبوس تھے۔ اُس رات کبھی میں رسول اللہ ﷺ کے حسنِ طلعت پر نظر ڈالتا تھا اور کبھی چمکتے ہوئے چاند پر، پس میرے نزدیک حضور ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین لگ رہے تھے۔"

اسی طرح ایک اور صحابی حضرت عمرو بن العاص ؓ نبی کریم ﷺ کے حسن وجمال کو اس سے بھی زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَ ما كان أحد أحبّ إليّ مِن رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم و لا أجل في عيني منه، و ما كنت أطيق أن أملأ عيني منه إجلالا له و لو سئلت أن أصفه ما أطقت لأني لم أكن أملأ عيني منه"[1]

ترجمہ: میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہ تھا اور نہ ہی میری نگاہوں میں کوئی آپ ﷺ سے حسین تر تھا، میں حضور رحمتِ عالم ﷺ کے مقدس چہرہ کو اُس کے جلال وجمال کی وجہ سے جی بھر کر دیکھنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ اگر کوئی مجھے آپ ﷺ کے محامد ومحاسن بیان کرنے کے لئے کہتا تو میں کیونکر ایسا کر سکتا تھا کیونکہ (حضور رحمت عالم ﷺ کے حسنِ جہاں آرا کی چمک دمک کی وجہ سے) آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر دیکھنا میرے لئے ممکن نہ تھا۔

المختصر ہندومت کی کتب میں متعدد مقامات پر ایسی بشارات اور اشارات ملتے ہیں جن کا مصداق کامل رسول اسلام ﷺ کی ذات کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس مقالے کی وسعت کو دیکھتے ہوئے ان تمام آیات کا احاطہ کرنا مشکل ہے جن کو ہندو قدیم کتب میں لکھا گیا ہے۔ جو علامات اور بشارات رسول اسلام ﷺ کے متعلق ان کتب میں بیان ہوئی ہیں ان کی تصدیق قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ میں واضح انداز میں پائی جاتی ہے جو کسی بھی متلاشی حق کے لیے ایک بین اور واضح دلیل ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب كَوْنِ الإِسْلاَمِ يَهْدِمُ مَا قَبْلَهُ وَكَذَا الْهِجْرَةُ وَالْحَجُّ، حدیث نمبر: ۱۲۱، ۱/۱۱۲

(۲)۔ بدھ ازم کی کتب میں آنحضرت ﷺ کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں

بدھ ازم کی دینی مصادر میں بھی رسولِ اسلام ﷺ کے متعلق بشارات موجود ہیں، اگرچہ زیادہ نہیں مگر جو موجود ہیں ان کا مصداقِ کامل رسول اللہ ﷺ کی ذات کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔ ذیل میں ایسی چند صفات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

خصوصیت نمبر ا:

بدھ مت کی کتب مقدسہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق درج ذیل صفات ملتی ہے:

"اس وقت دنیا میں ایک اعلیٰ ہستی مبعوث ہو گی، اس کا نام برگزیدہ میتیا ہو گا۔ کامل معرفت والا، حکمت، نیکی اور سرورِ مطلق والا، تمام عالموں کا عالم ہے، نظرِ ہدایت کے متمنی لوگوں کا ہادی، ملائکہ اور انس کا معلم۔ ایک بدھ اعظم جیسا میں اس وقت ہوں وہ خود کامل طور پر جانے گا اور دیکھے گا گویا کہ یہ کائنات اس کے روبرو اپنی ساری ارواح، عرفاء، جن و شیاطین، برہمنوں، کشتریوں، ویشوں کے ساتھ موجود ہے۔ جیسا میں براء العین اسے دیکھ اور جان رہا ہوں صداقت اپنی اصل، پیاری، کامل، اپنی اٹھتی ہوئی خوبصورتی میں ہو گی۔ اور اعلیٰ زندگی کی معرفت معہ اپنے کمال وصفائی اصلی روح اور الفاظ دونوں کی وساطت سے ظاہر کی جائے گی۔ جیسا کہ میں اب ظاہر کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہزاروں صحابہ کی جماعت ہو گی جیسا کہ میرے ساتھ چند سو کی جماعت ہے۔"(۱)

اس بشارت کے ضمن میں آنے والی چند خصوصیات کی وضاحت ضروری ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ رحمت

سنسکرت کے لفظ میتریا کو پالی زبان میں 'میتیا' کہا جاتا ہے۔ جس کے معنٰی ہمدردی، محبت اور رحم کرنے والے کے ہیں۔ عربی زبان میں ان تمام الفاظ کا مترادف لفظِ 'رحمت' استعمال ہوتا ہے۔ مہاتما بدھ کی اس بشارت عظمیٰ میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو مندرجہ ذیل صفات کا حامل بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ (۲)

ترجمہ: اے محمدؐ، ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری

---

(۱) بدھ کی کتبِ مقدسہ، ۴/۷۴، ۷۳

(۲) سورۃ الانبیاء: ۲۱/۱۰۷

رحمت ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (۱)

ترجمہ: (اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اِن لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردو پیش سے چھٹ جاتے۔

ایک مقام پر ہے:

﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (۲)

ترجمہ: اور تم میں سے جو (ظاہری طور پر) ایمان لے آئے ہیں، ان کے لیے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مومن و کافر ہر ایک کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور اپنی امت کے لیے اس نے رؤف ورحیم بنایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (۳)

ترجمہ: (لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

ان تمام آیات کے اندر اور اس قسم کی بیسیوں آیات میں محمد رسول اللہ ﷺ کو رحیم، رؤف اور نرم دل کہا گیا ہے۔ اور آپ ﷺ کی اس نرمی اور رحم کے جذبات کو مؤمنوں اور مسلمانوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ کل قوموں اور کل عالموں پر اسے

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۱۵۹/۳

(۲) سورۃ التوبۃ: ۶۱/۹

(۳) سورۃ التوبہ: ۱۲۸/۹

محیط کر دیا گیا ہے۔ پس آپ ﷺ کی ذات میں رحمت کی اس فراوانی اور کثرت کے اعتبار سے محمد رسول ﷺ میتیا یعنی مہربان دوست یا رؤف ورحیم ہیں۔

۲۔کامل معرفت والا

آنحضرت ﷺ کا معرفت میں یہ کمال ہے کہ ذات وصفات الٰہی اور قرب کے تمام مدارج کو قرآن شریف میں کھول کر بیان کر دیا۔ توحید جو مذاہبِ سابقہ میں مبہم اور شرک کے ظلمات میں ڈھکی ہوئی تھی اس کو واضح اور مبرہن کر دیا۔ صفاتِ الٰہی جو مشرکین نے تقسیم کر رکھی تھیں انہیں خدا کے لیے خاص کر دیا اور تمام صفات الٰہیہ کا موصوف صرف اسی مالک کو ٹھہرایا اور ہر عیب و نقص کی اس سے نفی کر دی۔ کوئی بُرا نام خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ قربِ الٰہی کو صفات الٰہی میں رنگین ہونے کا نام دیا اور خدا تک پہنچنے والا راستہ تَخَلَّقُوْا بِاِخْلَاقِ اللہِ قرار دیا۔ آپ ﷺ کے کمالِ معرفت کا یہ عالم ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾[1]

ترجمہ: کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟

شرحِ صدر سے مراد سینے کو معارف الٰہی و حقائقِ ملکوتی کے لیے کشادہ کرنا ہے۔ یعنی ان حقائق کو بذریعہ وحی اس طرح درک کرنا جیسے اپنے وجود کو درک کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے اور کسی شک و تردد کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔[2]

۳۔حکمت

حکمت میں اس قدر آپ ﷺ بہرہ مند تھے کہ آپ ﷺ نے ہر عقیدہ اور اصولِ دین پر دلائل عقلیہ اور براہین ماہرہ بیان فرمائیں۔ ہستی باری تعالیٰ، ضرورت رسالت، عالمِ معاد کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جس پر دلائل قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں موجود نہیں۔ قرآن مجید نے آپ ﷺ کو معلم کتاب اور معلم حکمت کا خطاب دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾[3]

ترجمہ: (اللہ) وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان

---

[1] سورۃ الشرح: ۱/۹۴

[2] الکوثر فی تفسیر القرآن، ۲۰۱/۱۰

[3] سورۃ الجمعۃ: ۲/۶۲

کے سامنے اُس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

۴۔ نیکی

نیکی میں حضور ﷺ کا اس قدر شغف تھا کہ کوئی لمحۂ زندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے خالی نہیں۔ اسی قرآن مجید نے آپ ﷺ کے خلقِ عظیم کے مرتبے پر فائز ہونے کا اعلان فرمایا:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾[۱]

ترجمہ: اور بے شک آپ (ﷺ) اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔

۵۔ علم کی انتہاء

علم کی یہ انتہاء کہ دنیا کے تمام انبیاء اولین و آخرین کی صداقتوں کا نچوڑ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا۔ کوئی تاریخی واقعہ، جو قران مجید میں مذکور ہوا وہ غلط نہ ہوا اور کوئی انکشاف جو آئندہ کے متعلق کیا گیا وہ باطل نہیں ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ، لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾[۲]

ترجمہ: یقیناً قرآن بڑی عزت والی کتاب ہے، جس تک باطل کی کوئی رسائی نہیں ہے، نہ اس کے آگے سے، نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ اس ذات کی طرف سے اتاری جارہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، تمام تعریفیں اسی کی طرف لوٹتی ہیں۔

۶۔ سرورِ کامل

آپ ﷺ کے دل میں یہ عالم کہ اللہ تعالیٰ کو شکوہ یا زمانے کی ناسازگاری کا کوئی گلہ آپ ﷺ کی زبان پر نہ آیا بلکہ بڑی سے بڑی تکلیف اور مصیبت کے وقت بھی الحمدُللہ کے سوا کچھ بھی زبان پر نہ آیا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ خود رسول اللہ ﷺ کی دلجوئی فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ؛ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ﴾[۳]

---

[۱] سورۃ القلم: ۶۸/۴

[۲] سورۃ فصلت: ۴۱/۴۱۔۴۲

[۳] سورۃ الحجر: ۱۵/۹۷۔۹۸

ترجمہ: اور بتحقیق ہمیں علم ہے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے آپ ﷺ یقیناً دل تنگ ہو رہے ہیں۔ پس آپ (ﷺ) اپنے رب کی ثنا کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی دلجوئی فرماتا ہے کہ ہمیں علم ہے آپ ﷺ ان کافروں کی باتوں سے دل تنگ ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ آگاہ ہیں کہ ہر بات اللہ کے علم میں ہے لیکن محض تسلی اور اظہارِ شفقت کے لیے فرمایا کہ ہمیں علم ہے۔ یعنی ہم آپ ﷺ کے حامی اور اس راہ میں پیش مشکلات اور پریشانیوں سے آگاہ ہیں۔ بس آپ ﷺ اللہ کی تسبیح و تقدیس کریں۔

۷۔ ہادی برحق

ہدایت میں یہ کامیابی کہ کسی دوسرے نبی کو یہ مرتبہ و کمال حاصل نہ ہوا۔ اپنی زندگی میں ہزاروں مسلمانوں کو خدا کے حضور سجدے میں گرنے اور اسلام کی خاطر جانیں قربان کرنے کو تیار دیکھ لیا۔ وہ یتیم اور بے کس انسان جو ایک وقت اکیلا اور تنہا تھا، اس پر ایک گھڑی ایسی بھی آئی کہ اسکے اشارے پر جنگ تبوک کے لیے چالیس ہزار جانثار جوانوں کا لشکر لڑنے مرنے کو تیار ہو گیا۔ وصال حق سے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر مومنین کا ایک لاکھ سے زائد ہونا تاریخی کتب میں ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی جس کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾[1]

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے اپنے امر میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی ایمان (کو جانتے تھے) لیکن ہم نے اسے روشنی بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ تو یقیناً سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔

خصوصیت نمبر ۲:

انجیل بدھا میں آخری میتریا کے متعلق پیش گوئی اس طرح سے کی گئی ہے:

"آنند نے بدھ سے کہا، آپ کے جانے کے بعد کون ہمیں تعلیم دے گا۔ بدھ نے

---

[1] سورۃ الشوریٰ: ۵۲/۴۲

فرمایا،" اس دنیا میں میں کوئی ایک ہی بُدھ ہو کر نہیں آیا ہوں اور نہ میں اس سلسلہ کا خاتم ہوں، مناسب وقت میں ایک اور بدھا روئے زمین میں ابھرے گا، ایک مقدّس نورٌ علیٰ نورٍ، رحمت کا حصہ وافر جسے دیا جائے گا، اقبال مند، اسرارِ کائنات کا عالم ہو گا، نسلِ انسانی کا بے نظیر ہادی اور جن اور انسان کا معلم ہو گا وہ انہی ازلی صداقتوں کا اظہار تم پر کرے گا جو میں نے تمہیں سکھائی ہیں، وہ اپنے دین کی تبلیغ کرے گا۔ جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے شاندار ہے منتہاء کمال اور انتہائی عروج کے مقام پر پُر شکوہ ہو گا۔ وہ دینداری کی زندگی کا اظہار کرے گا جو سرتاسر کامل اور مطہر ہو گی جیسا کہ میں اب کرتا ہوں۔ اس کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہو گی جبکہ میرے (شاگردوں کی تعداد) سینکڑوں میں ہے۔ آنند نے اطمینان کا سانس لیا اور پوچھا کہ ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے؟ بدھ نے جواب دیا، وہ میتریا کی حقیقت سے معروف ہو گا۔"[1]

اس بشارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاتما بدھ نے نہ صرف گزشتہ بدھوں کی تصدیق کی ہے بلکہ وہ آئندہ آنے والے ایک عظیم الشان بدھ کی بشارت دیتے ہیں کہ جس کی صفات وہ یہ بیان فرماتے ہیں۔ وہ نہایت ہی مقدس یعنی گناہوں سے پاک انسان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کے اہلِ بیت کو بھی گناہوں سے پاک کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾[2]

ترجمہ: اللہ کا ارادہ بس یہی ہے ہر طرح کی ناپاکی کو اے اہلِ بیت! آپ سے دور رکھے۔ اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسا پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

ایک تاریک اور جاہل معاشرے کے اندر روشنی پھیلانے کی وجہ سے نُور اور دنیا کی تمام قوموں کی ہمیشہ ہمیشہ رہنمائی اور ہدایت کرنے کی وجہ سے نورٌ علیٰ نور ہو گا۔ جیسا کہ سابق الذکر سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۵۲ میں ہدایت کو اپنا نور اور آپ ﷺ کو اس ہدایت کا حامل اور ہادی قرار دیا اس طرح آپ ﷺ کی ذات گویا نورٌ علیٰ نور قرار پائی۔

مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں:

"ويُرْوَى أَنّه لَمّا خَلَقَ اللهُ تَعَالى آدمَ، أَلْهَمَهُ أَن قَال: يَا رَبِّ، لِمَ كَنيتَني أَبَا مُحَمَّد، قَالَ اللهُ تعالى: يا آدمُ إرفع رَأسَكَ، فَرَفَعَ رَأسَه فَرَأى نُورَ مُحمد(ﷺ) في

(1) The Gospel Of Buddah, p.244,245

(۲) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۳۳

سُرَادق العَرش، فَقَالَ: يَا رَبّ، مَا هذا النُّورُ؟ قَالَ: هذا نُورُ نَبی مِن ذُريتك إسمُه في السَّمَاء أَحمَد، وفِي الأرض محمد، لَولَاه مَا خَلَقتُكَ وَلَا خَلقتُ سماءً وَلَا أرضًا‘‘ [۱]

ترجمہ: مروی ہے کہ جب اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انھیں الہام کیا۔ انھوں نے کہا کہ اے میرے رب آپ نے میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم اپنا سر اٹھا، انھوں نے سر اٹھایا تو عرش کی چھت پر محمد ﷺ کا نور دیکھا؛ اور پوچھا اے میرے رب یہ نور کیا ہے؟ اللہ تعالی نے جواب دیا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے ایک نبی کا نور ہے جس کا آسمان میں نام احمد ہو گا اور زمین محمد، اگر وہ نہ ہوتے تو میں نہ آپ کو پیدا کرتا اور نہ آسمان و زمین کو۔

ایک خاصیت یہ بتائی گئی کہ اس کو حکمت دی جائے گی۔ قرآن مجید نے تو آنحضرت ﷺ کو دی جانے والی کتاب کا نام بھی حکمت رکھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ﴾ [۲]

ترجمہ: یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت والی ہے۔

اس بشارت کے مطابق آپ ﷺ کا اقبال مند اور اسرارِ کائنات کا عالم ہونا اس امر سے ظاہر ہے کہ یہ قرآن عالم الغیب و الشہادۃ کا کلام کہلاتا ہے اور اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو اس کائنات کے اسرار کے علوم سے نوازا ہے۔ جب آپ ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو متعدد رموز اور اسرار سے روشناس کروایا۔ ارشاد باری ہوتا ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا﴾ [۳]

ترجمہ: پاک ہے وہ جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے اس مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا جسکے گرد و پیش میں ہم نے برکتیں رکھیں تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔

گویا رسول اللہ ﷺ کو معراج پر لے جانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اپنے حبیب کو اپنی نشانیاں اس طرح دکھانا چاہتا ہے

---

[۱] المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، احمد بن محمد قسطلانی، المکتبۃ الوقفیۃ قاہرہ، ۱/ ۴۷

[۲] سورۃ یونس: ۱/۱۰

[۳] سورۃ بنی اسرائیل: ۱/۱۷

کہ ایمان بالغیب کے ساتھ ایمان بالشہود کی منزل پر بھی فائز ہو جائیں۔

پھر فرمایا کہ وہ نسلِ انسانی کا بے نظیر ہادی ہو گا۔قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (۱)

ترجمہ: اور بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرنے والے ہیں۔

وہ جن وانس کا بھی معلّم ہو گا، چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (۲)

ترجمہ: آپ تو محض تنبیہ کرنے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک رہنما ہوا کرتا ہے۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ کی تعریف میں فرمایا گیا کہ اگر باقی انبیاء علیہم السلام ایک ایک قوم کے ہادی ور ہنما بن کر آئے ہیں تو آپ ﷺ ساری قوموں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔اسی طرح بشارت میں ہے کہ وہ انہی ازلی صداقتوں کا اظہار تم پر کرے گا جو میں نے تمہیں سکھائی ہیں۔قرآن مجید کا بھی یہی دعویٰ ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً؛ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ (۳)

ترجمہ: اللہ کی طرف سے ایک پاک رسول جو انہیں پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، ان صحیفوں میں مستحکم تحریریں درج ہیں۔

وہ اپنے دین کی تبلیغ کرے گا جو اپنی حقیقت میں شاندار ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی ایک گذشتہ دین کی اشاعت کرے، بلکہ اس کا دین کامل اور حقیقت کے اعتبار سے اتمام دین کی شان رکھنے والا ہو گا۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (۴)

ترجمہ: آج ہم نے آپ کے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور آپ کے لیے اسلام کو پسندیدہ دین قرار دیا۔

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۵۲/۴۲

(۲) سورۃ الرعد: ۷/۱۳

(۳) سورۃ البیّنۃ: ۹۸/ ۲۔۳

(۴) سورۃ المائدۃ: ۳/۵

وہ انتہاء کمال اور انتہائی عروج کے مقام پر ہوگا۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق فرمایا گیا:

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾[1]

ترجمہ: اور رات کو تہجد پڑھو، یہ تمہارے لیے نفل ہے، بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے۔

دنیا کے بڑے بڑے علماء اور فلاسفرز نے آپ ﷺ کی تعریف کی ہے۔ بشارت میں ہے کہ وہ دینداری کی زندگی ظاہر کرے گا جو سر تا سر کامل اور مطہر ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے واقعتاً ایسی پاک و پاکیزہ زندگی اور کامل نمونہ عمل پیش کیا کہ جہاں آپ ﷺ کے جانی دشمن اس کے معترف نظر آئے وہاں آپ ﷺ کی برکت سے ہزاروں لوگوں کی زندگیاں بھی پاک ہو گئیں۔

مہاتما بدھ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہوگی جب کہ میرے شاگردوں کا شمار سینکڑوں میں ہے۔ یہ کس قدر واضح اور بیّن نشانی ہے کہ جو میتریا اعظم کے متعلق بدھ نے فرمایا۔ فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار کی جمعیت موجود تھی۔ مگر حضور ﷺ کی وفات کے وقت یہ تعداد ساٹھ سے ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ اس خداوندِ عالم کی طرف سے یہ اپنے رسول ﷺ کی تائید اور نصرت تھی کہ اس کی جان کے سارے دشمن اس کے مطیع اور فرمانبردار ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی محبت ان کے دلوں میں گھر کر گئی تھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ؛ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾[2]

ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیں۔

الغرض بدھ مت کی مقدس کتب میں بھی ایسے میتریا اور نبی برحق کی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے کہ جن کا مصداق خود ان کے مذہب میں ابھی تک نہ آسکا۔ یہ ان میں مذکور ان تمام صفات کا اکمل ترین مصداق ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی شکل میں دنیا میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے ان صفات و کمالات کی آج تک ساری دنیا بلا تفریق رنگ و نسل اور مذہب شاہد اور معترف ہے۔

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل: ۷۹/۱۷

[2] سورۃ النصر: ۱/۱۱۰۔۲

(۳)۔ زرتشتی کتب میں آنحضرت ﷺ کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں

زنداوستا میں فاتح سوی شنت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ پر منطبق ہوتا ہے۔ زرتشتی کتب میں رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے۔

خصوصیت نمبر ا:

زنداوستا میں ہے:

> ''اس کا نام فاتح مہربان اور جس کا نام ' استوت اریتا' (تعریف کیا گیا یا محمد) ہو گا۔ وہ رحمت مجسم ہو گا، کیونکہ وہ تمام جہان کے لیے رحمت ہو گا۔ وہ حاشر ہو گا۔ اس لیے کہ کامل انسان اور روحانی انسان ہونے کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کی ہلاکت کے برخلاف مبعوث ہو گا۔ وہ مشرک لوگوں اور ایماندار لوگوں کی بدیوں کی اصلاح کرے گا یعنی مشرکین، بت پرست اور زرتشتی مذہب کے پیروؤں دونوں کی بدیوں کی اصلاح کریں گے۔'' (۱)

اس بشارت میں موجود 'استوت اریتا' یا 'استوتریتہ' کا مطلب تعریف کیا گیا یعنی محمد کے ہیں۔ اس کا مصدر لفظ 'استوٗ' ہے۔ زبان سنسکرت اور ژند دونوں میں اس کے معنیٰ تعریف کرنا ہے۔ (۲) اور آپ ہی کو تمام قوموں کو یکجا کرنے والا، حامی، مددگار اور دستگیری کرنے والا کہا گیا ہے۔ جسے تمام بنی نوعِ انسان کی رہنمائی کے لیے بھیجا جائے گا۔ آپ ﷺ کی پوری دعوت رنگ، نسل، علاقہ اور زبان کی حدود سے بالاتر ہے جو انسانی برادری کو اخوت، مساوات اور نظریاتی برابری کے اصولوں پر قائم کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت تمام نوعِ انسانی کے لیے تاقیامت ہے۔ قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے اسے بیان کیا گیا ہے۔

ا۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ﴾ (۳)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

۲۔ ﴿ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (۴)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے یہ فرقان (قرآن) اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے

---

(1) The Sacred Books of The East, V. 23, P.220

(۲) میثاق النبیین، ص: ۶۵

(۳) سورۃ سباء: ۲۸/۳۴

(۴) سورۃ الفرقان: ۱/۲۵

جہانوں والوں کے لیے خبر دار کرنے والا ہو۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت کارخ پوری انسانیت کی طرف ہے۔ ہر قوم، ہر نسل اور ہر علاقہ کے لوگ آپ ﷺ کی دعوت کے مخاطب ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کی دعوت میں علاقیت یا نسلیت نہیں ہے۔

خصوصیت نمبر ۲:

دینِ اسلام کی تعلیمات میں پیغمبر اسلام ﷺ کے صحابہ کرام کو ایک خاص تقدس اور مقام و منزلت حاصل ہے۔ جیسا کہ زنداوستا کے زمیاد یاشت میں بھی استوت اریتا کے دوستوں کے متعلق اس طرح درج ہے:

''اور اس کے دوست (صحابہ) سامنے آئیں گے، استوت ایریتا کے دوست، جو شیطان کو ہرانے والے، اچھی سوچ رکھنے والے، اچھا بولنے والے، اچھے اعمال والے، اور اچھی قانون کی پابندی کرنے والے اور جن کی زبانیں باطل و جھوٹ کا ایک حرف بھی بولنے کے لیے کبھی بھی نہیں کھولی۔'' (۱)

قرآن مجید نے آپ ﷺ کے مخلص صحابیوں کا تذکرہ کچھ ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (۲)

ترجمہ: محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں۔ آپ انہیں رکوع و سجود میں دیکھتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے فضل اور خوشنودی کے طلبگار ہیں، سجدوں کے اثرات سے ان کے چہروں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں بتائی گئی اصحاب رسول ﷺ کی ان صفات اور زرتشتی کتب میں موجود اصحابِ کی صفات میں کس قدر مماثلت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے اصحاب کے متعلق دیگر الہامی کتب میں بھی تذکرہ ملتا ہے۔

خصوصیت نمبر ۳:

اسلامی تاریخ اور مصادر میں تو ملتا ہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے دنیا میں تشریف لاتے ہی آتشکدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ

---

(1) The Sacred Books of The East, V.4, P. 286

(۲) سورۃ الفتح: ۲۹/۴۸

جائے گی، اور آپ ﷺ کی پیدائش پر ایسا ہی ہوا، مگر زرتشتیوں کے ہاں بھی ان کی کتب میں یہ روایت ملتی ہے جیسا کہ جناب زرتشت نے فرمایا:

''تو اس خانہ میں جلتی رہ تو اس آتشکدہ میں شعلہ زن رہ، تو اس میں ترقی کر ایک مدت تک کے لیے نہایت زبردست اصلاحِ دنیا کے عہد تک، نیکی کے قیام اور زبردست انقلابِ دنیا تک''[1]

آیت مذکورہ کا مطلب بڑا واضح ہے کہ آتشکدے نئے دورِ مذہبی میں بالکل موقوف ہو جائیں گے، بلکہ جناب زرتشت نے اس انقلابِ مذہبی تک بطورِ نشان اور عہد کے جلانے کا حکم دیا تھا۔ جب وہ آتشی شریعت والا موعود زبردست انقلابِ مذہبی کا پیغمبر آ گیا تو آتشکدہ کو سرد ہو جانا چاہیے، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔

خصوصیت نمبر ۴:

دساتیر میں محمد ﷺ کی پیش گوئی کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

''جب زرتشتی لوگ شریعت پر عمل درآمد چھوڑ دیں گے اور بدکار ہو جائیں گے تو عربوں میں سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کے پیروکار ایران کے تاج و تخت اور سلطنت کے مالک ہو جائیں گے اور ایران کے سرکش لوگ مغلوب ہو جائیں گے۔ آتشکدہ کے بجائے حضرت ابراہیم کے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے اس کی طرف نماز پڑھیں گے اور یہ رحمۃ للعالمین ہوں گے۔ ایران، مدائن، طوس و بلخ اور مقاماتِ مقدسہ اور اس کے ارد گرد ملکوں پر قابض ہو جائیں گے اور ان کا شارع (نبی) کلام (کے معجزے) والا ہو گا۔''[2]

اس پیش گوئی کے الفاظ ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی شناخت کے لیے درج ذیل علامات بتائی گئی ہیں:

ا۔ زرتشتی مذہب اصولاً اور اخلاقاً بگڑ چکا تھا۔ زرتشتی شرک میں مبتلا تھے۔ قرآن مجید میں ان کے بارے میں حکم ہوا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾[3]

---

(1) The Sacred Books of The East, V.4 P. 214

(2) Ibid, V.4 P. 175

(۳) سورۃ الحج: ۲۲/۱۷

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی ہوئے، اور صابئی، اور نصاریٰ، اور مجوس، اور جن لوگوں نے شرک کیا، ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے روز فیصلہ کردے گا، ہر چیز اللہ کی نظر میں ہے۔

۲۔ مصلح یعنی رسول اللہ ﷺ کا تعلق ملک عرب سے ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ؛ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ؛ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ؛ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾[1]

ترجمہ: یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے، اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے، تاکہ تو اُن لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق خدا کو) متنبّہ کرنے والے ہیں، صاف صاف عربی زبان میں۔

آپ ﷺ نہ صرف عرب تھے بلکہ افصح العرب تھے۔ جیسا کہ تفسیر حقی اور تفسیر آلوسی وغیرہ میں ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أنا أَفصَحُ العَرَبِ: وَبُعِثتُ بِجَوَامِعِ الكَلِمِ))[2]

ترجمہ: میں عربوں میں سے سب سے زیادہ فصیح ہوں، اور مجھے جامع کلمات کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔

۳۔ آپ ﷺ کے پیروکاروں کی کامیابی اور فتح کا یہ عالم ہوگا کہ ایران جیسی زبردست اور سرکش طاقت کا بے سرو سامان بادیہ نشین عرب قوم کے ہاتھوں مغلوب ہو جائیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے متعلق فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾[3]

ترجمہ: محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔

قرآن مجید میں رومیوں کے مغلوب ہونے اور دوبارہ ایرانیوں پر فتح پانے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] سورۃ الشعراء: ۱۹۲/۲۶۔۱۹۵

[2] روح القرآن فی تفسیر القرآن (تفسیر حقی)، اسماعیل حقی البروسوی، المطبعۃ العثمانیۃ، مصر، ۱۴۳۲ھ، ۱۰/۱۵۰

[3] سورۃ الفتح: ۲۹/۴۸

﴿غُلِبَتِ الرُّومُ؛ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ﴾[1]

ترجمہ: رومی مغلوب ہو گئے۔قریبی ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے۔

قرآن کی پیش گوئی ۶۲۷ء میں پوری ہوئی اور ہرقل نے ایک حملے میں ایرانیوں کو مغلوب کر دیا۔دونوں فریق اپنی قوت بحال کرنے کی فکر میں تھے لیکن اپنی زندگی کی اخری گھڑیاں گن رہے تھے۔چونکہ ذاتِ الٰہی کا قطعی فیصلہ ہو چکا تھا کہ یہ دونوں زمینیں نورِ توحید سے منور ہوں اور رومیوں اور ایرانیوں کی پژمردہ روحیں اسلام کی فضا سے فیضیاب ہوں۔چنانچہ کلد ہی خسرو پرویز اپنے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا۔شیرویہ بھی آٹھ ماہ کے بعد راہی اجل ہوا۔اس کے بعد کئی فرمانروا آئے اور گئے مگر کسی کو قرار نصیب نہ ہوا حتیٰ کہ اسلامی افواج نے اپنے حملوں میں اس صورتحال کا خاتمہ کر دیا۔اور یوں اسلامی فتوحات کا سلسلہ طویل ہوتا گیا۔[2]

۵۔رسول اللہ ﷺ آتشکدوں کے بجائے خانہ ابراہیمؑ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے۔اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾[3]

ترجمہ: یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں لو، ہم اُسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو مسجد حرام کی طرف رُخ پھیر دو اب جہاں کہیں تم ہو،اُسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرو۔

۶۔رسول اللہ ﷺ نے بتوں سے خانہ کعبہ بلکہ سارے عرب کو پاک کر دیا۔بعثت نبوی ﷺ کے ۲۱ سال بعد تک یعنی ۸ ہجری تک بیت اللہ شرک اور بت پرستی کا مرکز بنا رہا اور طریقہ جاہلیت کے مطابق مشرک حج کرتے رہے۔سن ۸ ہجری میں آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو بیت اللہ شریف کو بتوں اور تصویروں سے پاک کیا۔

۷۔آپ ﷺ کا عالمین کے لیے رحمت ہونا بھی ایک علامت بتلائی گئی۔قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾[4]

---

[1] سورۃالروم:۳۰/۱۔۲

[2] فروغِ ابدیت، جعفر سبحانی، العصر پبلیکیشنز،لاہور، ۲۰۱۰ء، طبع سوم، ۱/۴۴

[3] سورۃالبقرۃ:۲/۱۴۴

[4] سورۃالانبیاء:۲۱/۱۰۷

ترجمہ: اے محمدؐ، ہم نے جو تم کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

۸۔آپ ﷺ کا کلام معجزانہ اور بلیغ ہو گا۔قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾[1]

ترجمہ: اگر تم لوگوں کو اس (کتاب) کے بارے میں شبہ ہو جو ہم نے اس بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا کوئی سورۃ بنا لاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حامیوں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

سابقہ محسوس معجزات کی طرح یہ معجزہ کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ایک ابدی معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لیے ایک چیلنج ہے۔قرآن ایک فکری اور مکمل دستورِ حیات پر مشتمل ایک معجزہ ہے۔

ان ابحاث کی روشنی میں دو باتیں عیاں ہوتی ہیں۔ایک تو یہ کہ ہندوازم، بدھ مت اور زرتشتیوں کے دینی ادب میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ تعلیمات الہامی تھیں جو ان مذاہب کے بزرگوں نے اپنے ماننے والوں کو دیں۔اس لیے کہ ان میں واقع صفات اور خصائل کے کامل مصداق رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی کا ملاً قرار پاتی ہیں۔دوسرا یہ کہ ان صفات کا تذکرہ قرآن مجید نے بھی کیا ہے جس سے مزید ان تعلیمات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔اور اس بات کا تعین کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ ان خصائص و کمالات یا اشارات کا مرکز رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدس ہے۔اور یہ اسلام کے دینِ حق اور رسالتمآب ﷺ کے آخری نبی و رسول اور آپ ﷺ کی صداقت و حقانیت پر ایک بیّن اور واضح برہان ہے، جو کسی بھی راہِ ہدایت کے متلاشی کے لیے مشعلِ راہ بن سکتی ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۲/۲۳

فصل دوم

الہامی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں

تورات میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیات وامتیازات

تورات میں بیان کردہ بشارات میں آپ ﷺ کی درج ذیل خصوصیات بیان کی گئی ہیں:

خصوصیت نمبرا: بنی اسماعیل میں سے موسیٰ علیہ السلام کے مانند ایک نبی بھیجوں گا

عہد نامہ قدیم میں ملتاہے کہ اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام سے فرمایا:

"میں انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی پیدا کروں گا۔"[1]

یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے حضرت موسی علیہ السلام کے مانند ایک نبی پیدا کروں گا۔بنی اسرائیل کے بھائیوں سے یہاں مراد بنواسمعیل ہیں (چچازاد بھائی ہیں)، کیونکہ بنی اسرائیل حضرت اسحاق علیہ السلام کے اولاد میں سے ہیں، اور بنی اسمعیل حضرت اسمعیل علیہ السلام کے اولاد ہیں، اور حضرت اسحاق وحضرت اسمعیل دونوں آپس میں بھائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں، البتہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہؓ، اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سارہؓ ہیں۔اس خصوصیت کی طرف قرآن کریم کی ان آیات میں اشارہ پایاجاتاہے:

۱۔ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ [2]

ترجمہ: پروردگاران کے درمیان ایک رسول کو مبعوث فرما۔

۲۔ ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ [3]

ترجمہ: اس خدانے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجاہے جوان ہی میں سے تھا۔

۳۔ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ [4]

ترجمہ: یقیناً خدانے صاحبانِ ایمان پر احسان کیاہے کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیجاہے۔

نبی کریم ﷺ کا حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھ کئی ساری چیزوں میں مماثلت ہیں، دونوں صاحب کتاب ہیں، دونوں کی شریعت سیاستِ مدنیہ اور احکامِ جہاد پر مشتمل ہیں، نیز دونوں کی شریعت طہارت، عبادات، عقوبات اور حلال وحرام کے احکام پر مشتمل ہیں۔اس مماثلت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں اشارہ پایاجاتاہے:

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء: ۱۷/۱۸

[2] سورۃ البقرۃ: ۱۲۹/۱

[3] سورۃ الجمعۃ: ۲/۶۲

[4] سورۃ آل عمران: ۱۶۴/۳

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا﴾ [1]

ترجمہ: یقین جانو ہم نے تمہارے پاس تم پر گواہ بننے والا ایک رسول اسی طرح بھیجا ہے جیسے ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔

خصوصیت نمبر ۲: ان کے زبان پر اپنا کلام جاری کروں گا

کتاب مقدس میں دوسری خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے:

"میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ اسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر بیان کرے گا، نہ سنے تو میں اس کا حساب نہ سننے والے سے لوں گا۔" [2]

تورات کی مذکورہ آیت میں آپ کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنا کلام آپ کے منہ میں ڈالا، لهذا آپ وحی کے مطابق کلام کرتے ہیں، اور اس میں کوئی تبدیل نہیں کرتے۔ نبی کریم ﷺ کی یہ خصوصیت قرآن کریم میں بھی مذکور ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ [3]

ترجمہ: یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ [4]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو (آخرت میں) ہم سے آملنے کی توقع نہیں رکھتے جب اُن کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، جبکہ وہ بالکل واضح ہوتی ہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ

---

(۱) سورۃ المزمل: ۱۵/۷۳

(۲) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء: ۱۸/۱۸-۱۹

(۳) سورۃ النجم: ۵۳/۳،۴

(۴) سورۃ یونس: ۱۰/۱۵

نہیں، کوئی اور قرآن لے کر آؤ، یا اس میں تبدیلی کرو۔ (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو کسی اور چیز کی نہیں، صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ اگر کبھی میں اپنے ربّ کی نافرمانی کر بیٹھوں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے۔

خصوصیت نمبر۳: اللہ تعالی کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے پر ان کا سخت مؤاخذہ ہوگا

تیسری خصوصیت بصورت تہدید یہ ذکر کی گئی ہے کہ:

"اگر وہ نبی اللہ تعالی کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جن کا اللہ تعالی نے حکم نہیں دیا، تو وہ مارا جائیگا۔" (۱)

قرآن کریم بھی یہی فرماتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْتَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ،لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ،ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾ (۲)

ترجمہ: اور اگر یہ پیغمبر کچھ (جھوٹی) باتیں بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے، پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔

پس اگر محمد ﷺ سچے نہ ہوتے تو قتل کیے جاتے اللہ ان کے طریقے اور دعوت کو مٹا دیتا، اور ان کے ذکر کو روئے زمین سے مٹا دیتا مگر اللہ نے ان باتوں میں سے کوئی ایک بات نہیں کی بلکہ اس کے برعکس حضرت محمد مصطفی ﷺ ہمیشہ غالب رہے اور آپ کا دین دور دور تک یعنی دنیا کے کناروں تک جا پہنچا۔

خصوصیت نمبر۴: کوہ فاران سے دس ہزار مقدسوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگا

تورات میں ایک خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ:

" وہ فاران سے جلوہ گر ہوا، اور دس ہزار قدسیوں میں سے آیا، اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔" (۳)

تورات کی اس پیشن گوئی میں نبی کریم ﷺ کی یہ خصوصیت اور امتیاز مذکور ہے کہ وہ فاران (یعنی مکہ مکرمہ) کے پہاڑوں میں طلوع ہوگا۔ تورات کی پہلی کتاب 'تکوین' (پیدائش) میں کوہ فاران کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت

---

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء: ۱۸/۱۸

(۲) سورۃ الحاقۃ: ۶۹/۴۴،۴۶

(۳) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء: ۲/۳۳

ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسمعیل علیہ السلام نے اس میں سکونت اختیار کی تھی۔

''ہزاروں قدسیوں میں سے آیا'' اس جملے میں تحریف ہوئی ہے، تورات کے قدیم نسخوں میں یہ جملہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ ''وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا''، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی فاران کے پہاڑوں سے دس ہزار مقدسوں (صحابہ) کے ساتھ طلوع ہوا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے تھے۔

''اس کے ہاتھ میں ان کے لیے آتشی شریعت تھی'' اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ میں سے آپ کی رسالت نہ ماننے والوں کے لیے آپ کے ہاتھ میں جہاد کے سخت احکام ہوں گے۔ اس خصوصیت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [1]

ترجمہ: محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلے میں سخت ہے، اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمدل ہیں۔

تورات کے قدیم تراجم میں یہاں ایک جملہ اور بھی مذکور ہے کہ وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا قرآن کی آیت کریمہ ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [2] میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ [3]

خصوصیت نمبر ۵: قومیں اس کی مطیع ہوگی

تورات کی کتاب پیدائش میں ہے کہ:

''یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا
جب تک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔'' [4]

اس بشارت میں نبی کریم ﷺ کی یہ خصوصیت ذکر کی گئی ہے کہ قومیں ان کی مطیع ہوگی، اور یہ خصوصیت کسی پر پوشیدہ نہیں کہ عہدِ رسالت سے لے کر آج ۱۴۳۸ھ تک بے شمار قومیں نبی کریم ﷺ پر ایمان لا چکی ہیں، اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ قیامت تک اور کتنی قومیں آپ پر ایمان لائیں گی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] سورۃ الفتح: ۲۹/۴۸

[2] ایضاً

[3] بائیبل سے قرآن تک، ۲۵۷/۳

[4] کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، پیدائش: ۱۰/۴۹

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ، وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ (۱)

ترجمہ: جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے، اور (اے نبیؐ) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ بے شمار قومیں نبی کریم ﷺ کی مطیع بن چکی ہیں، بن رہی ہیں اور بنیں گی۔ اس عبارت میں شیلوہ کا مصداق نبی کریم ﷺ ہیں، مترجمین نے اس کا بھی ترجمہ کیا ہے کہ یہ "له كلُّ شئ" کے معنی میں ہے۔

خصوصیت نمبر ۶: میں اسے بڑی قوم بناؤں گا

تورات کی کتاب تکوین (پیدائش) میں حضرت اسمعیل علیہ السلام سے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا کہ:

" اسمعیل کے حق میں میں نے تیری دعا سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا، اور اسے برومند کروں گا، اور اسے بہت بڑھاؤں گا، اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔" (۲)

اس میں 'بڑی قوم' کا لفظ رسول کریم ﷺ کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ، اس لیے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں رسول کریم ﷺ کے علاوہ بڑی قوم والا کوئی شخص موجود نہیں۔ ٹھیک اسی طرح اللہ تعالی نے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام دونوں کی دعا نقل فرمائی ہے جو یہ ہے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (۳)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاک صاف کرے۔ بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔

خصوصیت نمبر ۷: متفرق خصوصیات کا بیان

زبور کی ایک بشارت میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں صفات ذکر کی گئی ہیں، اگرچہ ان کے بارے میں یہودی کہتے

---

(۱) سورۃ النصر: ۱۱۰/۱۔۲

(۲) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، پیدائش: ۲۰/۱۷

(۳) سورۃ البقرۃ: ۱۲۹/۲

ہیں کہ اس وقت تک کوئی ایسا نبی ظاہر نہیں ہوا جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہو، علماء پروٹسٹنٹ کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی عیسی علیہ السلام ہے، لیکن مسلمانوں کا مدلل دعویٰ ہے کہ ان اوصاف کا صحیح مصداق حضرت محمد ﷺ ہیں، وہ اوصاف یہ ہیں:

"وہ بے انتہا حسین ہو گا، وہ تمام انسانوں میں افضل ہو گا، نعمت اس کے دونوں ہونٹوں سے بہے گی، وہ برکتوں والا ہو گا، وہ تلوار لٹکانے والا ہو گا، وہ طاقتور ہو گا، حق و صداقت اور وقار و سکون والا ہو گا اور سچائی کا علمبردار ہو گا، اس کے ہاتھ سے بڑے عجیب طور سے ہدایت پھیلے گی، اس کا تیر تیز ہو گا، قومیں اس کی ماتحت ہو جائیں گی، وہ نیکی کو پسند کرنے والا اور گناہوں کو مبغوض رکھنے والا ہو گا، بادشاہوں کی بیٹیاں اس کی خدمت گذار ہوں گی، تحائف اور ہدیے ان کو پیش کیے جائیں گے، قوم کے دولتمند اس کے مطیع ہو جائیں گے، اس کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ دنیا کی سردار بنے گی، اس کا نام تمام نسلوں میں یکے بعد دیگرے مشہور اور مذکور ہو گا، قومیں اس کی ہمیشہ مدح و ثناء کرے گی۔"(۱)

یہ تمام خوبیاں اور اوصاف محمد ﷺ میں نہ صرف موجود ہیں، بلکہ کامل اور مکمل طور پر موجود ہیں، اور کسی اور پیغمبر کے بارے میں کتب سابقہ میں اتنی کثرت سے ایسے اوصاف یکجا مذکور بھی نہیں، اس لیے یہ صرف نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ان میں سے بیشتر اوصاف کی تفصیل ماقبل میں بیان ہو چکی ہے۔

انجیل میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیات و امتیازات

موجودہ زمانے کے انجیل میں نبی کریم ﷺ کی جن اوصاف و خصوصیات کا ذکر ملتا ہے، ان میں نمایاں اوصاف و خصوصیات درج ذیل ہیں:

خصوصیت نمبر ۱: آسمان کی بادشاہی

انجیل متّی میں ہے کہ:

" ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔"(۲)

آگے جا کر متّی میں کہا گیا ہے کہ:

---

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، زبور: ۴۵/۳۔۱۱

(۲) ایضاً، متّی: ۳/۱

"جب اس نے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے) سنا کہ یوحنا پکڑوا دیا گیا تو گلیل کو روانہ ہوا۔۔۔اس وقت سے یسوع نے منادیٰ کرنا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔۔۔اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا۔"[1]

انجیل کی مذکورہ آیت میں نبی کریم ﷺ سے متعلق یہ بشارت مذکور ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے آسمان کی بادشاہی قریب آنے کی خوشخبری سنائی۔ انجیل متّی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو جب اسرائیلی شہروں میں تبلیغ کے لیے بھیجا تو من جملہ دوسری نصیحتوں کی ایک نصیحت یہ بھی کی کہ:

"چلتے پھرتے یہ منادیٰ کرنا کہ آسمان کی بادشاہت قریب آگئی ہے۔" [2]

آسمان کی بادشاہت یا آسمانی بادشاہت سے مراد وہ طریقہ نجات ہے جو شریعت محمدی ﷺ کی صورت میں نمودار ہوا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری سب اس عظیم الشان طریقہ شریعت کی بشارت دیتے رہیں، اور خود آسمانی حکومت یا بادشاہت کے الفاظ بھی اس امر پر واضح دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بادشاہت حقیقتاً سلطنت اور قوت کی شکل میں ہو سکتی ہے۔ نیز مذکورہ الفاظ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ اس کے قوانین کی بنیاد کے لیے ضروری ہے کہ کسی آسمانی کتاب پر ہو، اس لیے اس بادشاہت کا صحیح مصداق حضور ﷺ کی نبوت کے سوا اور کوئی نہیں۔

آسمان کی بادشاہی کی مثال

انجیل متّی میں ہے کہ:

"اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنی کھیت میں بو دیا، وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔" [3]

مطلب اس تمثیل کا یہ ہے کہ آسمانی بادشاہت یعنی شریعت محمدی ﷺ جو طریقہ نجات ہے، ابتداء میں رائی کے دانہ کی مانند بظاہر چھوٹی سی شریعت تھی، مگر وہ اپنی وسعت اور عالمگیریت کی وجہ سے قلیل مدت میں ترقی پا کر اتنی بڑی ہوگئی کہ تمام

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، متّی: ۱۲/۴۔۱۷۔۲۳

[2] ایضاً، ۱۰/۷

[3] ایضاً، ۱۳/۳۱

مشرق و مغرب کا احاطہ کر لیا، یہاں تک کہ جو لوگ کبھی بھی کسی شریعت کے پابند و مطیع نہیں ہوئے تھے، وہ بھی اس کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ انجیل مرقس میں یہی تشبیہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

”خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالیں اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے اپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے، پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے، کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا۔“ (۱)

یہ تشبیہ انجیل لوقا میں بھی موجود ہے۔(۲) انجیل متّی، انجیل مرقس اور انجیل لوقا میں مذکور بشارت تقریباً وہی بشارت ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے:

﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ (۳)

ترجمہ: ان کے وہ اوصاف جو تورات اور انجیل میں میں مذکور ہیں، ان کی مثال اس کھیتی سی ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار اس سے خوش ہوتے ہیں۔

یہ خصوصیت دراصل نبی کریم ﷺ کی شریعت کی خصوصیت ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وسعت اور پھیلاؤ نبی کریم ﷺ ہی کی برکت اور محنت سے ہے، اس لیے یہ گویا آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی محنت کے نتیجے میں اللہ تعالی نے آپ کی شریعت کو اتنا پھیلایا کہ اس سے پہلے کوئی شریعت اتنا نہیں پھیلا۔ چنانچہ اسلام آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن چکا ہے۔

خصوصیت نمبر ۲: ابد تک کے لیے مددگار (فارقلیط) کی بعثت

انجیل یوحنا میں حضرت عیسی علیہ السلام کا اپنی قوم کو ارشاد ہے کہ:

”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے، اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار (فارقلیط) بخشے کہ ابد تک تمہارے

---

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، مرقس: ۲۶/۴۔۲۹

(۲) ایضاً، لوقا: ۱۸/۱۳۔۱۹

(۳) سورۃ الفتح: ۲۹/۴۸

ساتھ رہے۔"[1]

اس کے بعد ذکر ہوتا ہے کہ:

"اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے، تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو۔" [2]

اس کے بعد انجیل میں آتا ہے کہ:

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔" [3]

انجیل یوحنا کی مذکورہ عبارات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے فارقلیط کے آنے کی بشارت دی، اب فارقلیط سے روح یا روح القدس مراد نہیں لی جاسکتی، کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک روح القدس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لاہوتی حیثیت سے جدا نہیں ہے، لہذا لا محالہ فارقلیط کوئی ایسی شخصیت ہونی چاہیے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جدا ہو، اور وہ احمد مجتبیٰ و محمد مصطفی ﷺ کی ذات ہیں۔ انجیل میں اصل لفظ "احمد" تھا، لیکن چوتھے انجیلی نے اپنی عادت کے مطابق اس نام کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کر کے "پاراکلی طوس یا پیر کلوطوس" لکھ دیا۔ پھر عربی میں ترجمہ کرنے والوں نے یونانی لفظ "پاراکلی طوس یا پیر کلوطوس" کو معرّب کر کے 'فارقلیط' بنا دیا۔ اب اگر فارقلیط کا اصل پاراکلی طوس ہے، جیسا کہ عسائیوں کا دعویٰ ہے تو اس کا ترجمہ مددگار، وکیل اور شفیع سے کیا جاتا ہے۔ اور اگر فارقلیط کا اصل 'پیر کلوطوس' ہے، جیسا کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے تو اس کا ایک اردو ترجمہ ہے: بہت سراہا گیا، اور یہ لفظ "محمد" کا ترجمہ ہے، اور دوسرا معنیٰ ہے: بہت حمد کرنے والا، یہ لفظ احمد کا ترجمہ ہے۔ فارقلیط کا صحیح ترجمہ یہی ہے جو "پیر کلوطوس" کے اعتبار سے ہیں، یعنی بہت سراہا گیا یا بہت حمد کرنے والا، لیکن اگر 'پاراکلی طوس' کے تراجم بھی لیے جائیں، یعنی: مددگار، وکیل اور شفیع، تو یہ بھی نبی کریم ﷺ کے صفاتی نام ہیں، لہذا دونوں تقدیر پر مدعیٰ ثابت ہے۔ [4]

---

[1] کتاب مقدس، عہد نامہ جدید، یوحنا: ۱۴/۱۵۔۱۶

[2] ایضاً، یوحنا: ۱۴/۲۹

[3] ایضاً، یوحنا: ۱۶/۷

[4] بائبل سے قرآن تک، ۳/۳۲۴

پھر جن مترجمین نے ''مددگار، وکیل اور شفیع'' سے فارقلیط کا ترجمہ کیا ہے، یہ اوصاف ''روح القدس'' پر صادق بھی نہیں آسکتی، لیکن جن پیغمبر کے بارے میں یہ بشارت دی گئی ہے، ان پر یہ صفات بلا تکلف صادق آتی ہیں، لہذا اس سے نبی کریم ﷺ ہی مراد ہے، جس کی مزید تائید حضرت عیسی علیہ السلام کے اس فرمان سے بھی ہوتا ہے کہ دنیا میں میری موجودگی تک وہ نہیں آسکتا، میرے جانے کے بعد ہی وہ آئیں گے، اور میں نے تمہیں ابھی سے اس لیے بتایا کہ تم اس پر یقین کرو، اور وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہیں گے، یعنی وہ قیامت تک کے لیے مبعوث ہوں گے، اور میری تصدیق کریں گے، اس سے آپ ﷺ کے خاتم النبیین کی طرف اشارہ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ بشارت نبی کریم ﷺ سے متعلق ہے، اور انجیل کی عبارتوں میں جہاں کہیں فارقلیط سے مراد روح القدس لیا گیا ہے وہ تحریف ہے۔ جیسا کہ ہمارے دلائل سے واضح ہے۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے اس پیشن گوئی کا نبی کریم ﷺ سے متعلق ہونا بالکل واضح انداز میں ثابت ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾ [1]

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ تعالی کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

قرآن کے علاوہ دیگر الہامی کتب تورات، زبور، اور انجیل میں تحریفات کے باوجود نبی کریم ﷺ کی جو خصوصیات اور امتیازات موجود ہیں، ان میں سے اپنی کوشش کے حد تک نمایاں خصوصیات گذشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ قلمبند کردی گئی، اور حقیقت یہ ہے کہ ان الہامی کتب میں اتنی تحریفات ہوئی ہیں اور اب تک جاری ہیں کہ آج کل ان کے کسی بات پر اعتماد کرنا بہت مشکل ہے، اس لیے اختصار سے ہی کام لیا گیا۔ نیز جو خصوصیات ان کتب سے یہاں نقل کی گئی ہیں، ان میں سے بعض کے بارے میں یہود یوں اور عیسائیوں کا مسلمانوں کے ساتھ اختلاف بھی ہے، یہود کا دعویٰ ہے کہ حس پیغمبر کی بشارت دی گئی

---

[1] سورۃ الصف: ٦/٦١

ہے ان کا ابھی تک ظہور نہیں ہوا، اور عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ ان بشارتوں کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہیں۔ مگر مذکورہ دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان پیشن گوئیوں اور بشارتوں کا تعلق نبی کریم ﷺ سے ہیں، اور آپ ہی ان کا صحیح مصداق ہیں۔

فصل سوم

عصرِ حاضر کی کتب میں آنحضرت ﷺ کے خصائص وامتیازات قرآن کریم کی روشنی میں

نبی کریم ﷺ کی سیرت وصورت پر عہدِ رسالت سے اب تک بے شمار چھوٹی بڑی تصنیفات وتالیفات لکھی جاچکی ہیں۔ یہ کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد نے تحریر کی ہیں، جن میں سے مسلمان بھی ہیں، سکھ، ہندو، عیسائی اور یہودی وغیرہ بھی۔ مسلمان مصنفین اور مؤلفین نے تحصیلِ سعادت کے لیےاور آپ کی مبارک سیرت وصورت اور نورانی تعلیمات کو بہتر سے بہتر انداز میں امت کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور آپ کی جامع اور مصروف ترین زندگی کے مختلف پہلو پر روشنی ڈالی ہے، لیکن تعجب ہے ان غیر مسلم سکالرز اور مؤرخین پر جنہوں نے آپ کی سیرت مبارکہ اور پاک صورت اور آپ کی نورانی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا، اور اتنے متاثر ہوئے کہ باوجود غیر مسلم ہونے کے آپ ﷺ کی سیرت وصورت پر مستقل کتابیں لکھی، اور پُر زور انداز میں آپ کے نہایت عظیم الشان انسان، عظیم مصلح ومدبر، پیکر استقلال واستقامت، جلیل القدر پیشوا ومربّی، محسن انسانیت، رحمتِ عالم، عظیم بانی انقلاب، بے مثال معلم اور سچے نبی اور رسول جیسے بے شمار اوصاف وکمالات کا نہ صرف ببانگ دہل اعتراف کیا ہے، بلکہ دل کی گہرائیوں سے مضبوط الفاظ وتعبیرات میں آپ کی ذات اور آپ کی خدمات کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا ہے۔

اگرچہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ حضور اکرم ﷺ غیر مسلموں کے بیان کردہ اوصاف وکمالات کے ذرہ برابر بھی محتاج نہیں، اور نہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی صداقت میں اس کی چنداں ضرورت ہے، لیکن آپ کے بارے میں ان لوگوں نے جس مبنی برانصاف رائے کا اظہار واعتراف کیا ہے، اس پر وہ خود اس کے مستحق ہوئے ہیں کہ کم از کم ان کی اس خوبی سے صرف نظر نہ کیا جائے، بلکہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔ اسی نقطہ نظر سے ذیل میں اُن کے بیان کردہ سینکڑوں اوصاف وکمالات میں سے صرف چند اوصاف وکمالات نقل کیے جاتے ہیں، جن سے بڑے بڑے غیر مسلم سکالرز اور، مؤرخ اور لیڈرز بہت متاثر ہوئے ہیں، اور اس کے نتیجے میں آپ ﷺ کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے، اور ہر مسلمان کے لیے اس میں غور وفکر کا بڑا سامان ہے:

ا۔ انسانیت کے لیے مثالی نمونہ

لالہ برج موہن سروپ بھٹناگر فیروز آبادی آپ ﷺ کے متعلق لکھتا ہے: حضرت محمد ﷺ کی زندگی انسانیت کا ایک اعلیٰ ترین اور مثالی نمونہ ہونے کے ساتھ عمل سے مالامال ہے۔ انہوں نے فرض شناسی اور خدمت انسانی کی زندہ مثالیں پیش کیں، انہوں نے ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں بت پرستی اور توہم پرستی کو مٹا کر وحدانیت کا سبق سکھایا۔[1]

اسی طرح مہاتما سیتا دھاری لکھتا ہے کہ دینِ اسلام کے پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی دنیا کو بے شمار سبق سکھاتی ہے، اور آپ ﷺ کی زندگی تقریباً ہر حیثیت سے دنیا کے لیے سبق آموز ہے بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھ، سمجھنے والا دماغ اور

---

[1] مقام رسول ﷺ، علامہ محمد ادریس اعوان، دار الکتاب کراچی، ۱۹۹۹ء، ص: ۷۵

محسوس کرنے والا دل موجود ہو۔[1]

حکیم پنڈت کرشن کنوردت شرما کہتا ہے کہ وہ جلیل القدر پیغمبر جس کا اسوہ حسنہ کائنات کے لیے ہر شعبہ عمل میں تقلید کا ایک بہترین اور افضل نمونہ بن گیا، وہ مینارِ رشد و ہدایت، وہ سراجِ صداقت و حقانیت جس کی ضیا باریاں ہر زمانہ میں گم گشتگان بادیہ ضلالت کے لیے صراط مستقیم کا پیام ثابت ہوئی اور ہوتی رہے گی۔[2]

یہ اور اس طرح کی مثالیں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و عمل کے حوالے سے غیر مسلم علماء و محققین نے اپنی کتب میں درج کی ہیں۔ ان کے حوالے سے اسلامی تاریخ اور سیرت کے علاوہ قرآن مجید نے بھی نمایاں طور پر روشنی ڈالی ہے۔

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کا مذکورہ وصف "یعنی اعلیٰ ترین ماڈل اسوۂ حسنہ کا حامل ہونا" قرآن کریم نے بالکل صراحت کے ساتھ سورۃ احزاب میں بیان فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور یومِ آخرت پر یقین اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی بڑی تاکید کی ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾[3]

ترجمہ: بیشک تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

غیر مسلم سکالرز بھی نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے منصفانہ مطالعہ کے نتیجے میں بالآخر اس بات پر پہنچتے ہیں کہ آپ کی زندگی پوری انسانیت کے لیے عظیم ماڈل ہے، جس کا قرآن نے اپنے عہد نزول میں اعلان فرمایا ہے۔ افسوس ہم مسلمان اس پر غور کریں اور آپ کی مبارک تعلیمات پر زندگی کے ہر شعبہ میں عمل پیرا ہو جائیں۔

۲۔ بلند اور اعلیٰ اخلاق کے حامل

بابو مکٹ دھاری پرشاد بیرسٹر کہتا ہے: حضرت محمد صاحب کی تعلیمات کی طرح حضرت محمد صاحب کے اخلاق بھی بہت بلند تھے۔[4]

---

[1] نقوش رسول ﷺ، محمد طفیل، ادارہ فروغِ اردو لاہور، ۱۹۸۳ء، ص: ۴۸۱/۴

[2] ایضاً، ص: ۴۸۰/۴

[3] سورۃ الاحزاب: ۲۱/۳۳

[4] مقام رسول ﷺ، ص: ۸۶

راجہ رادھا پرشاد سہنا کہتا ہے کہ آپ (یعنی رسول کریم ﷺ) کا ہر قول و فعل استقامت اور راستی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، اور آپ کا کوئی قدم بھی اخلاق کے جادہ مستقیم سے منحرف نہ تھا۔[۱]

مغربی فاضل مارکس ڈاڈ کہتا ہے کہ حضرت محمد کا اخلاق وہی تھا جو ایک شریف عرب کا ہو سکتا ہے، آپ امیر و غریب کی یکساں عزت کرتے تھے، اور اپنے گرد و پیش لوگوں کی خدمت کا بہت خیال رکھتے تھے۔[۲]

پروفیسر ماؤنٹ لکھتے ہیں کہ محمد کے اخلاق بہت ہی کریمانہ اور شریفانہ تھے، معاشرت بہت ہی اچھی تھی، گفتگو شیریں اور انتہائی نرم تھی، آپ صائب الرائے اور بہت ہی سچے تھے۔ محمد کی دینی فطرت و جبلت ہر محقق اور پاکیزہ مقاصد رکھنے والے کے لیے جاذب توجہ ہے، اس لیے کہ اس کے اندر خلوص اور سچائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آپ کا شمار انسانیت کے محسنین میں کیا جائے۔[۳]

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کا مذکورہ وصف 'یعنی اخلاق کے نہایت اعلیٰ اور بلند مرتبہ پر فائز ہونا' قرآن کریم نے سورہ نور میں بے غبار صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾[۴]

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوالدرداء رضی االلہ عنہ نے آپ کے اخلاق کے بارے میں استفسار کیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہایت درست، جامع اور مختصر جواب دیتے ہوئے فرمایا: "كان خلقه القرآن"[۵] یعنی قرآن کریم میں جو کچھ ہے یہی آپ کے اخلاق تھے۔ آج کے دور میں اگر کسی عام انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو پورے معاشرے اور سوسائٹی پر اس کا اخلاقی رعب داب ہوتا ہے، اور لوگوں کے دل و دماغ پر اس کی حکمرانی ہوتی ہے، اگرچہ سوسائٹی کا سیاسی حاکم کوئی دوسرا ہو، تو ایک ایسی شخصیت جس کو اللہ تعالیٰ خود حسنِ اخلاق کے اس عظیم ایوارڈ سے نوازے جس سے آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو نہیں نوازا، اس کا اعتراف آپ کے دشمن کیسے نہیں کریں گے۔

---

[۱] مقام رسول ﷺ، ص: ۸۵

[۲] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۰

[۳] ایضاً، ص: ۴/۴۹۰

[۴] سورۃ القلم: ۴/۶۸

[۵] مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۶۴۵، ۶/۹۱

۳۔ کائنات کی پر عظمت شخصیت

اندرا کالج بمبئی کے ایک ہندو پروفیسر مسٹر شانتا رام لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ مشاہیر کی سوانح حیات پڑھنے میں صرف کیا ہے، لہذا میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت محمد صاحب ایک عظیم انسان ہیں کہ جن کے مقابلے کا انسان روئے زمین پر نظر نہیں آتا۔[۱]

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مجھے اس بات کا اظہار کرتے ہوئے دکھ محسوس ہوتا ہے کہ جب اور جہاں حضرت محمد صاحب کے احسانات اور اخلاق عظیمہ کا ذکر ہوتا ہے، اور جب ہم دنیا کے ایک عظیم الشان رہبر کے حالات سنتے ہیں تو بعض ہندو بھائی کسی قدر تعصب کا اظہار کرتے ہیں۔[۲]

پنڈت ہردے پرشاد کہتا ہے کہ اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ حضرت محمد ﷺ کون تھے، تو میں اس کے جواب میں برملا کہوں گا کہ آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے بزرگ پیغمبر، توحید کے علمبردار، حقانیت کے طرفدار، سچائی کے دلداہ اور ایشور (اللہ تعالیٰ) کے پرستار تھے۔ آپ کی اصلاح قابل داد تھی اور تا قیامت یاد رہے گی۔[۳]

مسٹر جان آرکس کہتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ محمد اپنی زندگی میں کبھی رذیل حرکت کے مرتکب ہوئے ہوں، البتہ نہایت اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔[۴]

ڈاکٹر شیلے رقمطراز ہے کہ محمد گذشتہ اور موجودہ لوگوں میں سب سے اکمل و افضل تھے، اور آئندہ ان کا مثال پیدا ہونا محال اور قطعاً غیر ممکن ہے۔[۵]

آپ ﷺ کی بے عیب اور کمالات و فضائل سے بھرپور زندگی مسلم و غیر مسلم مفکرین کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے اور وہ آپ ﷺ کی مثال لانے سے قاصر ہو جاتے ہیں لہٰذا آپ کے فضائل کا اعتراف فطری طور پر ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کے اس وصف 'کائنات کے عظیم انسان' کی طرف قرآن کریم کی درج ذیل آیت کریمہ میں واضح اشارہ پایا جاتا ہے:

---

(۱) مقام رسول ﷺ اپنوں اور غیروں کی نظر میں، محمد اکرم کمبوہ، دار الکتاب اردو بازار لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۶۹

(۲) نقوش رسول ﷺ، ص: ۴/۴۸۹

(۳) مقام رسول ﷺ، علامہ محمد ادریس اعوان، ص: ۶۹

(۴) نقوش رسول ﷺ، ص: ۴/۴۸۹

(۵) ایضاً، ص: ۴/۴۹۰

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (۱)

ترجمہ: یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہم کلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے۔

۴۔ دنیا کے عظیم مقدس معلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کا اقرار کرتے ہوئے مہاتما گاندھی لکھتے ہیں کہ میں دنیا کے مذاہب کا مطالعہ کرنے کا عادی ہوں، میں نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا ہے، بانی اسلام نے اعلی اخلاق کی پاکیزہ تعلیم دی ہے، جس نے انسان کو سچائی کا راستہ دکھایا اور برابری کی تعلیم دی، میں نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھا ہے، اس میں مسلمانوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ سب کے لیے مفید باتیں اور ہدایتیں ہیں۔ (۲)

مسٹر این۔اے نگایا تھن آف برہما لکھتا ہے کہ ہندوؤں اور بدھوؤں کی مذہبی کتب کے مطابق جب کبھی دنیا کو ایک معلم کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو ایک جلیل معلم مبعوث کیا جاتا ہے۔ حضرت محمد نے محمدیت کی تخلیق نہیں فرمائی، بلکہ سچائی اور امن کے اصولوں کا اعلان فرمادیا۔ (۳) مہاتما نارائن صاحب سوامی رقم طراز ہیں:

" گیتا میں ہے کہ جب خرابیاں حد سے متجاوز ہو جاتی ہیں تو ان کو دور کرنے کے لیے سدھارکوں کا جنم ہوا کرتا ہے، اسی اصول کے ماتحت حضرت محمد کا جنم عرب میں ہوا۔" (۴)

جرمنی کے مشہور پروفیسر ہوگ کہتے ہیں کہ میں نے محمد کی اس تعلیم کو بغور پڑھا ہے جو انہوں نے خَلقِ خدا کی خدمت اور اصلاحِ اخلاق کے لیے دی، میری رائے کے مطابق اگر کوئی غیر مسلم بھی اسلام کی ہدایتوں پر عمل کرے تو وہ بہت کچھ ترقی کر سکتا ہے، موجودہ زمانے میں سوسائٹی کی اصلاح کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اسلام کی تعلیم کو رائج کیا جائے۔ (۵)

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۵۳/۲

(۲) نقوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ۴۸۱/۴

(۳) مقام رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص: ۷۷

(۴) ایضاً، ص: ۷۶

(۵) نقوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ۴۸۱/۴

فرانس کے عظیم جرنیل نپولین بونا پارٹ نے لکھا کہ محمد دراصل سرورِ اعظم تھے، آپ نے اہل عرب کو درس اتحاد دیا، ان کے آپس کے تنازعات و مناقشات ختم کیے، تھوڑی ہی مدت میں آپ کی امت (مسلمہ) نے نصف دنیا کو فتح کر لیا، ۱۵ سال کے قلیل عرصہ میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر لی، مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملا دی گئیں، یہ حیرت انگیز کارنامہ تھا آنحضرت کی تعلیم کا۔[۱]

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکالا اور الٰہی راستے کی طرف ہدایت کی۔ آپ ﷺ کے مذکورہ وصف کی طرف قرآن کریم کی درج ذیل آیات میں واضح اشارہ پایا جاتا ہے:

۱۔﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾[۲]

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، تاکہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آؤ، یعنی اس ذات کی طرف سے (حکم ہے) جس کا اقتدار سب پر غالب ہے۔

۲۔﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾[۳]

ترجمہ: اور (یہ پیغمبر) ان کو کتاب (یعنی قرآن) اور حکمت (یعنی سنت) کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

۳۔﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[۴]

ترجمہ: (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے، تاکہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کر دو جو ان کے لیے اتاری گئی، اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

---

(۱) نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۸

(۲) سورۃ ابراہیم: ۱/۱۴

(۳) سورۃ آل عمران: ۱۶۴/۳

(۴) سورۃ النحل: ۴۴/۱۶

۴۔﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾[۱]

ترجمہ: اور ہم نے تم پر یہ کتاب اس لیے اتاری ہے تاکہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کھول کر بیان کر دو جن میں انہوں نے مختلف راستے اپنائے ہوئے ہیں، اور تاکہ یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا سامان ہو۔

خلاصہ ان آیاتِ مبارکہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو ایسا معلم اور شارحِ کتاب وسنت بھیجا کہ وہ لوگوں کے سامنے کتاب وسنت کی تعلیمات کی اس طرح واضح اور مکمل تشریح کریں کہ جس کے نتیجے میں یہ گمراہی کے اندھیروں سے ہدایت کی روشنی میں آئیں، اور غور وفکر سے کام لیں کہ ان کی تخلیق کا مقصد اور ہدف کیا ہے، یعنی اللہ تعالی کی رضامندی اور خوشنودی، جس کے حصول کے لیے کتاب وسنت کی تعلیمات پر ایمان لانا اور عمل پیرا ہونا اولین شرط ہے۔

۵۔انسانیت کے محسن ومہربان

مدراس کے ہندو فاضل مسٹر ونکٹار تنام لکھتے ہیں کہ اسلام کے داعی محمد (ﷺ) تاریخ کے صفحات پر نہایت صاف روشنی میں کھڑے ہیں، حالانکہ ان کے مقابلے میں مسیح کی تاریخ دھندلی ہے، اور بدھ کی ان سے زیادہ دھندلی ہے۔ انہوں (یعنی محمد) نے بت پرستی اور دوسرے مکروہ مروجات کو باطل قرار دے کر خالص سامی وجدان کے ساتھ وحدانیت الہی کا اعلان کیا، وہ اللہ کے ایک سچے بندے اور اس کے فرمانبردار پیغام رساں تھے، محمد رسول اللہ نے دنیا کے ساتھ اتنا احسان کیا ہے کہ کسی دوسرے انسان نے نہیں کیا۔[۲]

مسٹر پیٹر کریبٹس کہتا ہے کہ محمد نے عورتوں کے حقوق کی ایسی حفاظت کی کہ اس سے پہلے کسی نے نہ کی تھی، اس کی قانونی ہستی قائم ہوئی جس کی بدولت وہ مال وراثت میں حصہ کی حقدار ہوئی، وہ خود اقرار نامے کرنے کے قابل ہے، اور برقعہ پوش مسلمان خاتون کو ہر ایک شعبہ زندگی میں وہ حقوق حاصل ہوئے جو آج بیسویں صدی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ آزاد عیسائی عورت کو حاصل نہیں ہیں۔[۳]

سوامی بھوانی دیال سنیاسی کہتا ہے کہ محمد کے سوانح حیات سب کے لیے نمونہ ہیں، اور ان کی تعلیمات سے ہر دھرم اور قوم کے لوگ خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ محمد صاحب نے اخوت اور مساوات کی بے بہا تعلیم دے کر دنیا پر ایک نہایت

---

[۱] سورۃ النحل: ۱۶/۶۴

[۲] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۵

[۳] ایضاً، ۴/۴۸۶

زبردست احسان کیا ہے، انہوں نے دوسرے دھرم کے لوگوں کے ساتھ رواداری برتنے کی تعلیم بھی دی ہے، اور اسلام کی اشاعت کا اصلی سبب اس کی یہی پُراوصاف تعلیم اور اس کے بانی کی پاک صاف اور قابل تقلید زندگی ہے۔[1]

پروفیسر روچی رام ممبر پنجاب کونسل کہتا ہے کہ میں پیغمبر اسلام کی عزت واحترام میں نہایت مسرت سے اپنے مسلمان احباب کے ساتھ شریک ہوتا ہوں، آپ ﷺ نے انسانی ترقی کے لیے جس قدر کوشش فرمائیں وہ بالکل غیر فانی ہیں، ان کوششوں کے باعث دنیا ہمیشہ تک آپ کی احسان مند رہے گی۔[2]

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کے مذکورہ وصف کی طرف قرآن کریم کے اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾[3]

ترجمہ: (لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

آپ ﷺ کے محسن انسانیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، آپ نے انسان کو انسانیت کا راستہ دکھایا، چھوٹے بڑے، باپ بیٹے، مرد عورت، ضعیف وناتواں کی تمیز سکھائی، دنیا میں انسان اور ایک کامیاب اور مہذب انسان کے اوصاف سکھائے، زندگی گزارنے کے آداب اور طریقہ سکھایا، ہر شخص کے حقوق متعین کیے، ہر شخص کو اس کا مناسب مقام دیا۔ غیر مسلموں کو مسلمان بنانے، ان کو جہنم سے بچانے اور مستحق جنت بنانے میں اپنے آپ اور اپنے صحابہ کے اوپر مظالم کے پہاڑ توڑنا برداشت کیا، دن رات آپ کی یہی حسرت رہی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو کر جہنم سے بچ جائیں، زمانہ جاہلیت کے برائیوں کا خاتمہ کر دیا۔ تباہ وبرباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی عطا کی۔ فرقہ واریت اور تعصب کی جڑیں اکھاڑ دیں، اور عدل وانصاف کا بے مثال نظام قائم کیا، کمزوروں کو طاقتور، جاہلوں کو دنیا کا امام بنایا، اسی لیے دشمن کو بھی آپ کے محسنِ انسانیت کا اعتراف کرنا پڑا۔

۶۔ جلیل القدر رسول ﷺ

مسٹر کسلوزان کہتا ہے کہ بلاکسی شک وشبہ کے کہا جاسکتا ہے کہ محمد نبی اور اللہ قادر مطلق کے رسول تھے، اور نہ صرف

---

[1] نقوش رسول ﷺ، ۴۹۵/۴

[2] ایضاً

[3] سورۃالتوبہ: ۱۲۸/۹

رسول بلکہ جلیل القدر اور عظیم الشان رسول تھے جنہوں نے ملتِ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ [۱]

برطانوی مصنف جے ڈبلیو گراف لکھتا ہے کہ قرآن وہ واحد کتاب ہے جس کے الہامی ہونے پر بے شمار تاریخی دلائل موجود ہیں، اور محمد وہ واحد رسول ہیں جن کی زندگی کا کوئی حصہ ہم سے مخفی نہیں، اسلام ایک ایسا فطری مذہب ہے جو اوہام و خرافات سے پاک ہے، قرآن نے اس مذہب کی تفصیل پیش کی اور رسول نے اس پر عمل کرکے دکھایا، قول و عمل کا یہ حسین امتزاج کہیں اور نظر نہیں آتا۔ [۲]

مورخ آرونیگ اپنی کتاب 'دی لائف آف محمد' میں لکھتا ہے کہ نبی آخر الزمان محمد بلند ترین اخلاق کے حامل، مفکر بے مثال، اور بہت ہی صائب الرائے تھے۔ آپ کی گفتگو معجزانہ ہوا کرتی تھی، بہت بڑے بزرگ اور مقدس ترین نبی تھے۔ [۳]

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کے اس وصف "جلیل القدر اور صاحب عظمت رسول" کی طرف قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں واضح اشارہ پایا جاتا ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ [۴]

ترجمہ: یہ پیغمبر جو ہم نے (مخلوق کی اصلاح کے لیے) بھیجے ہیں، ان کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا، اور ان میں سے بعض کو اس نے بدرجہا بلندی عطا کی۔

مطلب یہ ہے کہ تھوڑی بہت فضیلت تو مختلف انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر دی گئی ہے، لیکن بعض انبیائے کرام کو دوسروں پر بدرجہا زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور یہ نبی کریم ﷺ کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔ بلکہ تفسیر قرطبیؒ میں ترجمان القرآن حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما اور امام شعبی اور امام مجاہد رحمہا اللہ جیسے مفسرین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہی ہے۔ [۵]

---

(۱) نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۹۲

(۲) مقام رسول ﷺ، ص: ۶۰

(3) The Life of Mahomet, Washington Irving, p. 275

(۴) سورۃ البقرۃ: ۲/۲۵۳

(۵) الجامع لاحکام القرآن، محمد بن احمد القرطبی، دار الکتب العربیہ، مصر، ۱۹۶۷ء، طبع اول، ۳/۲۴۹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کی روایت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

((فضلت على الأنبياء بستّ أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، وأحلت لی الغنائم، وجعلت لی الأرض طهور أو مسجدا، وأرسلت إلى الخلق كافة، وختم بی النبيون)) [1]

ترجمہ: مجھے چھ باتوں میں انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جامع (مختصر بات کہنے کی صلاحیت دی گئی۔ مجھے رعب کے ذریعے نصرت بخشی گئی میرے لیے اموال غنیمت حلال کیے گئے۔ میرے لیے زمین کو مسجد بھی بنا دیا گیا اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں) اور میری آمد سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

۷۔ کامیاب اور ممتاز پیغمبر

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے کہ تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیات میں محمد سب سے کامیاب ہیں۔ [۲] ہند کے مشہور مؤرخ لالہ لاجپت رائے [۳] لکھتا ہے کہ مجھے یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں کہ میرے دل میں پیغمبر اسلام کے لیے نہایت عزت ہے، میری رائے میں ہادیانِ دین ورہبرانِ بنی نوع انسان میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ [۴]

قرآن مجید کی صراحت

قرآنی تصریحات کی روشنی میں بھی آپ ﷺ افضل الانبیاء ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے مذکورہ وصف "سب سے کامیاب وممتاز پیغمبر" کی طرف قرآن کریم کی درج ذیل آیات اور بحیثیت مجموعی پورے قرآن میں اشارات پائے جاتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا؛ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ

---

[1] سنن الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغنیمۃ، حدیث نمبر: ۴، ۱۲۳/۱۵۵۳؛ مسند احمد، حدیث نمبر: ۲، ۴۱۱/۹۳۲۶

[۲] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۰

[۳] لالہ لاجپت رائے (Lala Lajpat Rai:1865-1928) ہندوستان کے مشہور اور معروف انقلابی لیڈر اور تحریک آزادی ہند کے مجاہد تھے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ ادیب اور مورخ بھی تھے۔ہندوستان کی آزادی کے لیے ان کی سیاسی جدوجہد تاریخ کے سنہری حروف میں لکھی جاتی ہے۔

https://ur.wikipedia.org/wiki/لالہ_لاجپت_رائے, Retrieved on: 20-1-2017, at 6:00 p.m

[۴] ایضاً، ۴/۴۸۵

نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا؛ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾[1]

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یقین جانو، ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطا کردی ہے، تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کردے، اور تاکہ اپنی نعمت تم پر مکمل کردے، اور تمہیں سیدھے راستے پر لے چلے، اور (تاکہ) اللہ تمہاری ایسی مدد کرے جس کے نتیجے میں تم سب پر غالب آجائے۔

مذکورہ آیات اگرچہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں، لیکن الفاظ قرآنی میں اللہ تعالی نے آپ کو مطلق فتح اور کامیابی کی بشارت دی، اور ساتھ ہی نصرتِ الٰہی کے نتیجے میں سب پر غالب آنے کا بھی ذکر فرمایا۔ تقریباً اس کے قریب قریب مضمون سورۃ النصر کی ابتدائی آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے، اور اس پر ادائے حمد و شکر کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ، وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾[2]

ترجمہ: جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے، اور (اے نبیؐ) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اور اُس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

۸۔ عظیم مصلح

ڈاکٹر گلیوڈیا کہتا ہے کہ آپ ہر شخص سے ہر وقت ملنے کے لیے تیار تھے، آپ کی فیاضی و سیر چشمی غیر محدود تھی، اصلاح قوم کی فکر میں ہمہ وقت مصروف و منہمک رہتے تھے، آپ نے قوم کے لیے بہترین مثال پیش کی، مزاج میں تمکنت و نخوت نام کو بھی نہ تھی، یہاں تک کہ آپ صحابہ کرام کو تعظیم و تکریم کے رسمی آداب سے منع فرما دیتے تھے۔[3]

روسی فلاسفر کاؤنٹ ٹاسٹائی لکھتا ہے کہ محمد ان عظیم الشان مصلحین میں سے ہیں جنھوں نے اتحاد امم کی بہت بڑی خدمت کی ہے، ان کے فخر کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ انہوں نے وحشی انسانوں کو نورِ حق کی جانب ہدایت کی، اور ان کو ایک اتحادی و صلح پسندی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والا بنا دیا، اور ان کے ترقی و تہذیب کے راستے کھول دیے، اور حیرت انگیز

---

[1] سورۃ الفتح: ۴۸/۱، ۳

[2] سورۃ النصر: ۱۱۰/۱، ۳

[3] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۰

بات یہ ہے کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فرد واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا۔[۱]

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کے اس وصف 'مصلح' کا قرآن کریم کی اُن آیات میں صراحت موجود ہے، جہاں نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ یہ آیات درج ذیل ہیں:

۱۔ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾[۲]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کریں، انہیں پاک صاف بنائیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

۲۔ ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾[۳]

ترجمہ: (اللہ) وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اُس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

مذکورہ آیات میں ''وَيُزَكِّيهِمْ'' سے اصلاحِ اعمال واخلاق اور اصلاحِ ظاہر و باطن مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشہور زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی ایسی اصلاح و تربیت کی کہ ان کو ہدایت کے ایسے چمکدار اور بلند ستارے بنا دیے جن سے قیامت تک راہ حق وہدایت کے طلبگار اپنی کامیاب منزل کی راہ متعین کر سکتے ہیں، اور جن کو گمراہی کی کوئی بادل چھپا نہیں سکتا، اور نہ کسی گمراہ کی تھوک ان تک پہنچ سکتی ہے، بلکہ وہ پلٹ کر خود تھوکنے والے کی منہ پر آ پڑتی ہے۔

---

[۱] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۱

[۲] سورۃ آل عمران: ۳/۱۶۴

[۳] سورۃ الجمعۃ: ۶۲/۲

۹۔ معاشرتی اور بین الاقوامی عظیم انقلاب کے بانی

مشہور مؤرخ ارکھاٹ لکھتا ہے کہ اصول شرع اسلام میں سے ہر ایک اصل کو دیکھیے تو بذاتہ ایسی عمدہ اور مؤثر ہے کہ شارع اسلام کے شرف وفضیلت کے لیے قیامت تک کے لیے کافی ہے، اسلام نے اصول کے مجموعہ سے ایک ایسا نظامِ سیاست قائم کر دیا ہے جس کی قوت اور متانت کے سامنے تمام سیاسی نظام ہیچ ہیں۔ جبکہ جارج برناڈ شا کے مطابق موجودہ انسانی مصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد اس دنیا کے ڈکٹیٹر بنیں۔ اور مشہور مصنف تھامس کارلائل نے حضرت محمد کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے خاکِ عرب کے ذرّے ذرّے کو ڈائنامیٹ بنا دیا، بلا شبہ اس سے دنیا بھر کی سلطنتوں، بادشاہتوں، اور حکومتوں کی بنیادیں ہل گئیں، اور تمدن وتہذیب اور اخلاق کا ایک نیا دور شروع ہوا، حضرت محمد نے تمام دنیا سے پس افتادہ عربوں میں کیا روح پھونکی جس سے وہ اس قدر طاقت ور بن گئے۔ [۱]

مصنف ریمنڈ لیروگ لکھتا ہے کہ نبی عربی اُس معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی ہے جس کا سراغ اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا، انہوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جسے تمام کرہ ارض پر پھیلنا تھا، اور جس میں سوائے عدل واحسان کے کسی اور قانون کو رائج نہیں ہونا تھا، ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مساوات، باہمی تعاون اور عالمگیر اخوت پر مشتمل ہے۔ [۲]

برہمو سماج کے لیڈر شری شردھے پرکاش دیوجی کہتا ہے کہ جس طرح دنیا میں اور بزرگ اپنے جال اور بزرگی کا ایک مستحکم ستون قائم کر گئے ہیں، اسی طرح محمد بھی اپنی فضیلت کا ایسا جھنڈا کھڑا کر گئے ہیں کہ جو ہمیشہ اُن کے لیے یادگار رہے گا، یعنی یہی اسلام کا جھنڈا جس کے نیچے اس وقت پچاس کروڑ (اور آج تو ایک ارب سے بھی زائد، بلکہ دنیا کی پوری آبادی کا پانچواں حصہ مسلمان ہیں) کے قریب دنیا کے آدمی پناہ گزین ہیں، اور ان کے نام پر جان دینے کے لیے مستعد کھڑے ہیں، یہ اُن کی فضیلت کا بڑا عالی شان نشان ہے۔ [۳]

موجودہ دور میں دنیا میں معاشی ومعاشرتی انقلاب کے بانی گویا اس بات کے قائل ہیں کہ ان کا انقلاب محدود زمانے اور مکاں کے لیے تھا مگر محمد ﷺ نے جس طرح لوگوں کے اذہان وقلوب پر اثر ڈالا وہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔

فرانس کے انقلاب کے بانی 'روسو' [۴] لکھتا ہے کہ حضرت محمد ایک صحیح دماغ رکھنے والے انسان اور بلند مرتبہ سیاسی

---

[۱] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۲

[۲] ایضاً، ۴/۴۸۳

[۳] ایضاً، ۴/۴۸۴

[۴] ژاں ژاک روسو (Jean-Jacques Rousseau:1712-1778) انسانی مساوات کا مبلغ جینوا کا ایک فلسفی اور انشاپرداز، جس کی تحریریں فرانس میں انقلاب برپا کرنے کا سبب بنیں۔ ایک معزز خاتون مادام وارنس کی سرپرستی میں موسیقی، فلسفے اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مدبر تھے، انہوں نے جو سیاسی نظام قائم کیا وہ نہایت شاندار تھا۔ [1]

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کے اس وصف "معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی" کی طرف قرآن کریم کی درج ذیل آیات میں اشارہ ملتا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا﴾ [2]

ترجمہ: اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ تعالی نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پس اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عموماً جس انسانی معاشرے اور خصوصاً عرب معاشرے کے بارے میں جس انقلاب کا ذکر فرمایا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ شر سے خیر کی طرف یہ انقلاب اللہ تعالی کے فضل اور ارادے سے ہوا ہے، تاہم اسباب کے درجہ میں یہ سارا کام رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر انجام پایا ہے، اور اس عظیم انقلاب میں انہوں نے بے انتہا مشقتیں، طرح طرح کی اذیتیں اور اپنوں اور غیروں کی دشمنیاں برداشت کی ہے، اور آپ کے زیر سایہ ہزاروں صحابہ اس میں آپ کے ساتھ شریک تھے، تب جا کر اللہ کے فضل و کرم سے انسانیت کے دل و دماغ کا یہ عظیم انقلاب رونما ہوا، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ غزوہ حنین کے غنائم کی تقسیم کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ، أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلالا فَهَدَاكُمُ اللَّهُ بِي، وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللَّهُ بِي، وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللَّهُ بِي؟" كلما قال شيئا قالوا: الله ورسوله أمنّ)) [3]

(گزشتہ سے پیوستہ) سیاسیات کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۷۶۲ء میں معروف تصنف معاہدہ عمرانی لکھی جس میں حکومت اور معاشرے کے اصولوں پر تبصرہ کیا۔ وہ کہتا ہے کہ انسان فطری طور پر آزاد اور نیک پیدا ہوا ہے لیکن معاشرہ اسے بدی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسے رومانیت کا بانی بھی سمجھا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

https://en.wikipedia.org/wiki/Jean-Jacques_Rousseau, Retrieved on: 21-1-2017, at 2:00 p.m

[1] نقوش رسول ﷺ، ۴۸۹/۴

[2] سورۃ آل عمران: ۱۰۳/۳

[3] تفسیر القرآن العظیم، ۹۰/۲

ترجمہ: اے انصار کی جماعت! کیا تم گمراہ نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے واسطے سے تمہیں ہدایت عطا فرمائی؟ اور تم (مختلف فرقوں میں) بٹے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے واسطے سے تمہیں ملا (کر ایک امت بنا) دیا؟، اور تم فقیر تھے، پس میرے ذریعہ اللہ نے تمہیں غنی کر دیا؟۔ آپ جب بھی کچھ پوچھتے تو انصار اس کے جواب میں کہتے جاتے: اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان ہے۔

آپ ﷺ کے اس خطاب کے مخاطب اگرچہ اس وقت انصار صحابہ تھے، لیکن اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو آپ کی بعثت کے وقت تمام انسانیت کی یہی حالت تھی، فرقہ واریت اور جہالت کا دور دورہ تھا، انسانیت تباہی کے دھانے پر تھی، انسانی اقدار کی پامالی عروج پر تھی۔ نبی کریم ﷺ کی محنت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ڈوبتی ہوئی انسانیت کو ستاروں پر پہنچا دیا اور مایوسی کی رات امیدوں کی سحر میں بدل گیا۔

۱۰۔ خدا کے سچے نبی اور رسول

ڈاکٹر جے ڈبلیو لیٹنر کہتا ہے کہ اگر سچے رسول میں ان علامتوں کا پایا جانا ضروری ہے کہ وہ ایثارِ نفس اور اخلاصِ نیت کی جیتی جاگتی تصویر ہو، اور اپنے نصب العین میں یہاں تک محو ہو کہ طرح طرح کی سختیاں جھیلے، انواع و اقسام کی صعوبتیں برداشت کرے، لیکن اپنے مقصد کی تکمیل سے باز نہ آئے، ابنائے جنس کی غلطیوں کو فوراً معلوم کرے اور ان کی اصلاح کے لیے اعلیٰ درجے کی دانش مندانہ تدابیر سوچے، اور ان تدابیر کو قوت سے فعل میں لائے تو میں نہایت عاجزی سے اس بات کے اقرار کرنے پر مجبور ہوں کہ محمد خدا کے سچے نبی تھے اور ان پر وحی نازل ہوئی تھی۔[1]

ایک مسیحی عالم لکھتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک روشن چراغ تھے، رحمۃ للعلمین اور صاحبِ خلق عظیم تھے کہ انہی اوصاف سے بالآخر ان کی کوشش بار آور اور سعی مشکور ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی صفاتِ حمیدہ، فضائلِ حسنہ، خُلقِ عظیم، شرافت و نجابت، بلکہ منصبِ رسالت کا انکار بھی محال ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ وہ ایک عظیم الشان، ذی قدر اور بلند مرتبہ انسان تھے، مرسَل تھے، مأمور من اللہ تھے، اور ان میں وہ الٰہی روشنی اور حقیقی نور پر تو فگن تھا جو دنیا میں آکر ہر شخص کو منور کرتا ہے، اور کچھ ہم پر موقوف نہیں، بلکہ بیشتر غیر مسلم مصنفین باوجود مخالفت اور دشمنی کے آپ ﷺ کی خوبیوں کا اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ بعضوں نے صاف الفاظ میں ان کا مأمور من اللہ اور رسول اللہ ہونا تسلیم کیا ہے۔[2]

مسٹر سیل محقق کہتا ہے کہ میں نے اپنی تحقیقات میں کوئی ثبوت ایسا نہیں پایا جس سے حضرت محمد کے دعویٰ رسالت

---

[1] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۲

[2] ایضاً، ۴/۴۸۳

میں شبہ ہو سکے یا ان کی مقدس ذات پر مکر و فریب کا الزام لگایا جا سکے۔[1]

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کے رسول اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، قرآن کریم نے مختلف مقامات پر 'وإنک لمن المرسلین' کا مہر بار بار لگا کر اس کو اور بھی شک وشبہ سے بالاتر کر دیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ آج کے زمانے میں کوئی ادنی عقل رکھنے والا غیر متعصب انسان اگر آپ کی رسالت کے صرف عقلی دلائل اور معجزات کو بھی سامنے رکھے تو وہ آپ کی رسالت میں بالکل شک نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل میں چند غیر مسلموں کی زبانی آپ ﷺ کی بے ساختہ اعترافِ رسالت کے کچھ نمونے آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں، جن سے قرآن کریم کا یہ دعویٰ آج بھی سو فیصد ثابت ہوتا ہے جو قرآن نے آج سے سوا چودہ سو سال پہلے کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ [2]

ترجمہ: وہ اس (پیغمبر) کو اچھی طرح پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، لیکن یقین رکھیئے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے حق کو جان بوجھ کر چھپا رکھا ہے۔

۱۱۔ رحمتِ عالم

پروفیسر چیتن دت آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے پاک محمد! اے حضرت مصطفی! اے عرب دیش کے برگزیدہ یوگی (عابد)! قربان جاؤں میں تیرے قدموں پر، اگر نہ ہوتا تیرا وجود تو کس طرح سے رحمت کا نزول ہوتا قبائل عرب پر، حقیقت میں تُو تھا ایک رحمت من الرحمن سارے جہاں کے واسطے۔ اے امی نادار و امین شاندار! میں صدقے ہو جاؤں تیرے میٹھے نام پر، آتا ہے تیرا نام جب میری زبان پر، تو شہد کی مٹھاس سے بڑھ کر حلاوت پیدا ہوتی ہے میرے انگ انگ پر، دے

درشن (یعنی آجا) تو کم از کم ایک دفعہ اس ہند کے دیش میں، تاکہ مٹ جائیں غلطیاں ساری جن میں پڑھ گئی ہے امت تیری۔[3]

انگلستان کا مشہور نامہ نگار مسٹر ڈی رائیٹ لکھتا ہے کہ محمد صرف اپنی ذات اور قوم کے لیے نہیں بلکہ دنیائے ارضی کے لیے برِ رحمت تھے، آپ نے مدتوں مساعدت کا سلسلہ جاری رکھا، اور سر توڑ کوشش کی کہ ذات پات کا تفرقہ مٹ جائے، اور یہی

---

[1] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۷

[2] سورۃ البقرۃ: ۲/۱۴۶، ۱۴۷

[3] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۴

سبب ہے کہ آج اسلام کے اندر ذات، نسل اور قوم کے امتیاز کا نام ونشان نہیں ہے، دشمنان احمد باوجود تعصب میں اندھے ہونے کے اس کے اقرار پر پابہ زنجیر ہیں کہ انہوں نے اپنے مشن کو پایا تکمیل تک پہنچایا۔

تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں ہے جس نے احکامِ خداوندی اس مستحسن طریقے سے انجام دیے ہو، جبکہ محمد نے اپنے فرائض کو بطریقہ احسن پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔[1]

مسٹر جے۔کے۔کور کہتا ہے کہ کیا کبھی آپ نے اس بات کا خیال کیا ہے کہ حضرت محمد کا دل کیسا تھا؟ ہم اندھے ہیں اور ہمارا یہ تصور سراسر غلط ہے کہ وہ ایک ایسے انسان تھے جو صرف جہادِ کافر، انتقام اور موت کے موضوع پر تقریریں فرمایا کرتے تھے۔ حضرت محمد کا دل ایک بچے کی طرح نازک اور نرم، اور ایک ماں کی طرح خطا معاف کر دینے والا تھا، فی الحقیقت وہ ایک خداداد عطیہ تھے۔[2]

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کی ذات تمام مخلوقات کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ آپ ﷺ کا رحمتِ عالم، بلکہ رحمت للعالمین ہونا قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے ثابت ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ [3]

ترجمہ: ہم نے آپ کو نہیں بھیجا، مگر عالمین کے لیے رحمت بنا کر۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ [4]

ترجمہ: (لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

---

[1] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۷

[2] ایضاً، ۴/۴۸۶

[3] سورۃ الانبیاء: ۱۰۷

[4] سورۃ التوبۃ: ۹/۱۲۸

آپ ﷺ کی ذات سراپا رحمت تھی۔آپ ﷺ نے توفتح مکہ کے موقع پر اپنے جانی دشمنوں اور حضرت امیر حمزہؓ کے قاتلوں کو بھی معاف فرمادیا تھا۔ جس ایک مقصد ان کے دلوں کو اسلام اور مسلمین کے نرم کرنا بھی تھا۔ بصورت دیگر ان کے لیے اللہ بہتر حساب لینے والا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (۱)

ترجمہ: اور تم میں سے جو (ظاہری طور پر) ایمان لے آئیں ہیں، ان کے لیے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔

۱۲۔اتحاد و مساوات کے بانی

پنڈت شیو نرائن بڑے دعوے کے ساتھ کہتا ہے کہ وحشی جنگجو عربوں کو وحدت کی لڑی میں پرونے اور ایک زبردست قوم کی صورت میں کھڑا کردینے کے لیے ایک مہاپُرش (عظیم انسان) کا ظہور ہوا، اندھی تقلید کے کالے پردے پھاڑ کر اس نے تمام قوموں کے دلوں پر واحد خدا کی حکومت قائم کی، وہ انسانی لال کون تھا؟ محمد ﷺ۔ (۲)

سوامی ویکانند اپنی کتاب [The Great teachers of the world] میں لکھتے ہیں کہ دنیا میں پیغمبر مساوات حضرت محمد تشریف لائے، تو پوچھتے ہو، کیا ان کا مذہب اچھا ہے؟ اگر ان کا مذہب اچھا نہ ہوتا تو پھر وہ زندہ کیسے رہتا، صرف اچھے اور نیک انسان ہی کو حیات دوام ملتی ہے، محمد مساوات اور انسانی اخوت کے علمبر دار تھے۔ (۳)

آپ ﷺ کی صداقت و حق گوئی کی طاقت کا ہی یہ مظہر ہے کہ آج آپ ﷺ کے الہٰی دین کی تعلیمات اور ہدایات کو ماننے والے اور چاہنے والے بکثرت موجود ہیں۔

قرآن مجید کی صراحت

قرآن کریم نے سورۃ الحجرات میں پورے عالم کے مسلمانوں کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کرتے ہوئے اعلان کیا اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ (۴)

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۶۱/۹

(۲) نقوش رسول ﷺ، ۴۸۵/۴

(۳) ایضاً، ۴۸۹/۴

(۴) سورۃ الحجرات: ۱۰/۴۹

ترجمہ: تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں،اس لیے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وكونوا عباد الله إخواناً، ألمسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره التقوى ها هنا ويشير إلى صدره ثلاث مرات بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه))(1)

ترجمہ: اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے دشمن کے لیے اکیلے چھوڑتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہوتا ہے(اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرمایا) کسی شخص کے برا ہونے لیے بس اتنا بھی کافی ہے کہ وہ کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

اس روایت میں آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بن کے رہنے کی تلقین فرمائی اور ہر مسلمان کے مال، جان اور عزت وآبرو کو دوسرے مسلمان پر مکمل حرام کردیا، حتی کہ کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنا بھی عنداللہ کسی کے بُرا ہونے کے لیے کافی سمجھا۔ خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں آپ نے تمام مسلمانوں کو اخوت اور بھائی چارہ کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو کسی بھی طرح پریشان کرنے سے منع فرمایا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رنگ ونسل، ذات پات اور زبان وقومیت کی بنیاد پر فرقہ واریت اور تعصب کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا، اور مساوات کی ایسی مضبوط بنیاد رکھی جو قیامت تک کے لیے کافی ہے۔ صرف تقویٰ کی بنیاد پر فضیلت کو جائز رکھا، اور حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ کے نتیجے میں کوئی افضیلت کا دعویٰ کر ہی نہیں سکتا، جیسا کہ سویا ہوا شخص اپنی زبان سے نیند کا دعویٰ کر ہی نہیں سکتا، اگر کوئی دعویٰ کرے گا تو اس کا مطلب ہر ایک پر واضح ہوگا کہ اپنے مدعیٰ سے بالکل خالی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن وحدیث نے مساوات اور اخوت کا جو نظام رائج کیا ہے، اللہ تعالی کے بعد اس کا کریڈٹ نبی کریم ﷺ کو جاتا ہے، جیسا کہ غزوہ حنین کے غنائم کی تقسیم کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

---

(1) صحیح مسلم، كتاب البرّ والصلة والادب، باب تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِهِ وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ، حدیث نمبر: ۶۷۰۶، ۴/ ۱۹۸۶

((يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ، أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلالا فَهَدَاكُمُ اللهُ بِي، وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللهُ بِي، وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمْ اللهُ بِي؟ كلما قال شيئا قالوا: الله ورسوله منّ)) [1]

ترجمہ: اے انصار کی جماعت! کیا تم گمراہ نہیں تھے تو اللہ تعالی نے میرے واسطے سے تمہیں ہدایت عطا فرمائی؟ اور تم (مختلف فرقوں میں) بٹے ہوئے تھے تو اللہ تعالی نے میرے واسطے سے تمہیں ملا (کر ایک امت بنا) دیا؟، اور تم فقیر تھے، پس میرے ذریعہ اللہ نے تمہیں غنی کر دیا؟۔ آپ جب بھی کچھ پوچھتے تو انصار اس کے جواب میں کہتے جاتے: اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان ہے۔

۱۳۔ خوبصورت وخوب سیرت شخصیت

جارج سیل [2] اپنی انگریزی ترجمہ قرآن 'ٹو دی ریڈر' میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ میں نیک اور فاضل 'سپین ہمیس' کی جرأت کی تحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتا، جس نے تسلیم کیا ہے کہ محمد کامل طور پر فطری قابلیتوں سے آراستہ تھے، شکل میں نہایت خوبصورت اور سیرت میں نہایت فہیم، دور رس عقل والے، پسندیدہ خوش اطوار، غرباء پرور، ہر ایک سے متواضع، دشمنوں کے مقابلے میں صاحبِ استقلال وشجاعت، سب سے بڑھ کر یہ کہ خدائے تعالی کے نام کے نہایت ادب واحترام کرنے والے تھے۔ جھوٹی قسم کھانے والوں، زانیوں، سفاکوں، جھوٹی تہمت لگانے والوں، فضول خرچی کرنے والوں، لالچیوں اور جھوٹی گواہی دینے والون کے خلاف نہایت سخت تھے۔ بردباری، صدقہ وخیرات، رحم وکرم، شکر گزاری، والدین اور بزرگوں کی تعظیم کی نہایت تاکید کرنے والے اور خدا کی حمد وتعریف میں نہایت کثرت سے مشغول رہنے والے تھے۔ [3]

شریعت کی صراحت

نبی کریم ﷺ کی خوبصورتی کے بارے میں قرآن کی کوئی آیت مجھے معلوم نہ ہو سکی، البتہ صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ کا چہرہ تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھا اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔ [4]

---

[1] تفسیر القرآن العظیم، ۹۰/۲

[2] جارج سیل (George Sale: 1697-1736) برطانیہ کا مشہور مستشرق اور وکیل تھا۔ ۱۷۳۴ء میں قرآن کے پہلے انگلش ترجمے کے لیے معروف ہے۔ ملاحظہ ہو:

https://en.wikipedia.org/wiki/George_Sale, Retrieved on 22-1-2017, at 10:00 a.m

[3] نقوش رسول، ۴۸۶/۴

[4] الخصائص الکبری، ۱۲۲/۱

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الخصائص الکبری میں ابو نعیمؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تمام لوگوں سے بڑھ کر حسن عطا فرمایا تھا، اور ہمارے نبی ﷺ کو اتنا حسن دیا گیا تھا کہ اتنا کسی کو نہیں دیا گیا تھا، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو تو صرف آدھا حسن دیا گیا تھا اور نبی کریم ﷺ کو پورا حسن دیا گیا تھا۔[۱]

۱۴۔ فصاحت وبلاغت میں یکتا

فرانسیسی ادیب الفریڈ ڈیلمر ٹائن لکھتے ہیں کہ عالم الہیات، فصاحت وبلاغت میں یکتائے روزگار، بانی مذہب، آئین ساز، سپہ سالا، عبادت الہی میں لاثانی، دینی حکومت کے بانی یہ ہے محمد رسول اللہ، جن کے سامنے پوری انسانیت ہیچ ہے۔[۲]

شریعت کی صراحت

کنزالعمال میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ :

''كان النبي صلى الله عليه و سلم من أفصح العرب وكان يتكلم بالكلام لا يدرون ما هو حتى يخبرهم''[۳]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ تمام عرب میں سب سے زیادہ فصیح تھے، چنانچہ کبھی ایسا کلام کرتے تھے کہ آپ کے سمجھائے بغیر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

۱۵۔ عظیم عاقل وعادل شخصیت

سر فلیکڈ لکھتا ہے کہ محمد کی عقل ان عظیم ترین عقلوں سے تھی، جن کا وجود دنیا میں عنقا کا حکم رکھتا ہے، وہ معاملہ کی تہہ تک پہلی نظر میں پہنچ جایا کرتے تھے، اپنے خاص معاملات میں نہایت ہی ایثار اور انصاف سے کام لیتے۔ دوست ودشمن، امیر وغریب، قوی اور ضعیف ہر ایک کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک کرتے تھے۔[۴]

مشہور فرانسیسی مؤرخ موسیو سید، یوں رقمطراز ہے کہ محمد رسول اللہ یوں تو محض امی تھے، مگر عقل ورائے میں یگانہ روزگار تھے۔[۵]

---

[۱] الخصائص الکبری، ۲/۲۷۱

[۲] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۸۸

[۳] کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، علی بن حسام الدین المتقی الھندی، کتاب الفضائل من قسم الافعال، باب فضائلہ المتفرقۃ، حدیث نمبر: ۳۵۴۷۱، ۱۲/۴۲۱

[۴] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۹۱

[۵] ایضاً، ۴/۴۹۴

شریعت کی صراحت

اس سلسلے میں مجھے بہت سوچ وبچار کے باوجود قرآن کریم کی آیت معلوم نہ ہو سکی، البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک مرفوع روایت میں اس کی صراحت موجود ہے کہ 'افضل الناس' وہ ہوتا ہے جو 'اعقل الناس' ہو۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا کہ وہ تمہارے نبی کریم ﷺ ہیں۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے افضل وہ ہوتا ہے جوان میں سب سے زیادہ سمجھدار ہو۔ اور وہ (اعقل الناس) تمہارے نبی ﷺ ہیں۔ [1]

علامہ سیوطیؒ نے وہب ابن منبہؒ کا ایک بہت عجیب قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے شروع سے لے کر اس کے ختم ہونے تک تمام لوگوں کو جتنی عقل عطافرمائی ہے، اس کی حیثیت نبی کریم ﷺ کے عقل کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے دنیا کے تمام ریت کے سامنے ریت کے ایک دانے کی، آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند اور زیادہ صائب الرائی ہیں۔ [2]

۱۶۔ بہترین سیاستدان اور قانون دان

انگریز مؤرخ فینل اپنی کتاب [Life of the Holy Muhammad] میں لکھتا ہے کہ محمد نے ایک ایسا بہترین سیاسی قانون دنیا کے سامنے پیش کیا، جو صدیوں سے مختلف قوموں اور اقطاعِ عالم کے بسنے والوں کے قلوب پر حکومت کرتا چلا آرہاہے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ آپ کا ایک معجزانہ کرشمہ ہے کہ جس نے بڑے بڑے فاتحین اور معزز مذہبی پیشواؤں کو نیچا کر دکھایا۔ [3]

قرآن مجید کی صراحت

درج ذیل آیاتِ کریمہ آنحضرت ﷺ کے منصب قضاوت وحکمرانی پر فائز ہونے کو اور بھی واضح کر دیتی ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا؛ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي

---

[1] بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، نور الدین الہیثمی، مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ مدینہ منورہ، ۱۹۹۲ء، طبع اول، کتاب الادب، باب ما جاء فی العقل، حدیث نمبر: ۸۳۷، ۸۱۲/۲

[2] الخصائص الکبریٰ، ۱/ ۱۱۵

[3] نقوش رسول ﷺ، ۴۹۳/۴

شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾[۱]

ترجمہ: بے شک اللہ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو، اللہ تمہیں مناسب ترین نصیحت کرتا ہے، یقیناً اللہ تو ہر بات کو خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو ان کی جو تم میں سے اولو لامر ہیں ، پھر اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اس کہ اللہ اور اس کو رسول کی طرف پلٹا دو اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روز آخرت پر۔

یہ آیت اور اس طرح کی دوسری آیات اس بات کی ترجمان ہیں کہ اللہ نے پیغمبر ﷺ اور اولوالامر کو اسلام میں رسمی اور قانونی طور پر حاکم تسلیم کیا ہے۔اور اسی وجہ سے ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔

۱۷۔پوپ اور قیصر سے زیادہ طاقتور

مشہور عیسائی مؤرخ ریورنڈ باسورتھ سمتھ لکھتا ہے کہ مذہب اور حکومت کے رہنما اور گورنر کی حیثیت سے پوپ اور قیصر کی دونوں شخصیات حضرت محمد ﷺ کے ایک وجود میں جمع تھی۔آپ پوپ تھے مگر پوپ کی ظاہر داریوں سے پاک،آپ قیصر تھے مگر قیصر کے جاہ وحشم سے بے نیاز۔اگر دنیا میں کسی شخص کو یہ کہنے کا حق ہے کہ اس نے باقاعدہ فوج، شاہی محل کے بغیر اور لگان کی وصولی کے بغیر صرف خدا کے نام پر دنیا میں امن وانتظام قائم رکھا،تو وہ صرف حضرت محمد ﷺ ہیں،آپ کو اس ساز وسامان کے بغیر ہی سب طاقتیں حاصل تھی۔[۲]

قرآن مجید کی صراحت

نبی کریم ﷺ کے وسیع اختیارات کا اندازہ قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے لگایا جاسکتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ [۳]

---

[۱] سورۃ النساء: ۴/۵۸،۵۹

[۲] نقوش رسول ﷺ، ۴/۴۹۵

[۳] سورۃ الاحزاب: ۳۳/۳۶

ترجمہ: جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کردیں تو نہ کسی مؤمن مرد کے لیے اس کی گنجائش ہے، نہ کسی مؤمن عورت کے لیے کہ اُن کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جس کسی نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [۱]

ترجمہ: نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو، اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کردیں۔

مذکورہ دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی اتھارٹی اتنی وسیع ہے کہ باہمی تنازعات میں آپ سے فیصلہ کرانا بھی ضروری ہے، اور پھر اس فیصلے پر دل سے مکمل طور پر رضامند ہونا بھی ضروری ہے، اور اس کی مخالفت کرنے میں سخت نقصان اور گمراہی کا خدشہ ہے۔

۱۸۔ جہاں کے لیے باعثِ فخر

ڈاکٹر ایسٹن اپنی کتاب [Life of the Holy Prophet] میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرکے صفات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"اے شہرِ مکہ کے رہنے والے! اور آباواجداد کے مجد و شرف کو زندہ کرنے والے! اے سارے جہاں کو غلامی کی ذلت سے نجات دلانے والے! دنیا آپ پر فخر کررہی ہے، اور خدا کی اس نعمت پر شکر ادا کررہی ہے۔ اے ابراہیم خلیل اللہ کی نسل سے! اے وہ کہ جس نے عالم کے لیے اسلام کی نعمت بخشی! تمام لوگوں کے قلوب کو متحد کردیا، اور خلوص کو اپنا شعار بنایا۔ وہ جس نے اپنے دین میں اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، کی تعلیم دی! ہم آپ کا بہت ہی شکریہ ادا کرتے ہیں، اور بہت ہی مرہون منت ہے۔" [۲]

---

[۱] سورۃ النساء: ۶۵/۴

[۲] نقوش رسول ﷺ، ۴۹۰/۴

قرآن مجید کی صراحت

آپ ﷺ کی ذات نہ صرف عالم کے لیے فخر ہے بلکہ عالمین کے لیے رحمت کا باعث ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾[1]

ترجمہ: اے محمدؐ، ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔

ان بحث کی روشنی میں اس بات کی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ قدیم کتب کا مطالعہ قرآن کریم کی روشنی میں کرنا انتہائی ضروری ہے۔ ویسے بھی قرآن کریم گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے صحائف کی تصدیق کرتا ہے مگر ان میں بے انتہا تحریف کے سبب درست اور غلط کی کسوٹی ہمارے پاس قرآن کریم ہی ہے۔ اسی تناظر میں ختمی مرتبت رسول برحق ﷺ کی صفات و کمالات کا ان قدیم کتب میں مطالعہ بھی قرآن کریم کی روشنی میں کیا جائے تو حق مزید آشکار اور مدلل ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ کے نبی آخر الزمان، اور آپ ﷺ کے کامل ترین انسان ہونے میں کوئی شائبہ بھی باقی نہیں رہتا جیسا کہ اس کا اعتراف قبلاً غیر مسلم علماء و مفکرین کی آراء میں ذکر کیا گیا ہے۔

---

(۱) سورۃ الانبیاء: ۲۱/۱۰۷

خلاصہ ونتائج بحث

۱۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بغیر ہدایت کے نہیں چھوڑا۔بغیر ہدایت کے زندگی بسر کرنا ممکن نہیں اور بہتر زندگی وہ ہوگی جو ہدایت ربانی کی روشنی میں بسر کی جائے گویا مذہب اس ہدایت کا نام ہے جو انسان کو زندگی بسر کرنے کیلئے ایک واضح نظام حیات فراہم کرتا ہے۔ابتدائے آمد آدمؑ سے لے کر آج تک ہمیں کوئی ایسا انسانی حلقہ نہیں ملتا جو بغیر ہدایت کے زندگی بسر کر رہا ہو۔ خالق کائنات نے جب انسان کو یہ ہدایت کی کہ زندگی میرے فراہم کردہ اصولوں کے تحت بسر کرنا تو پھر ہر دور میں اس کا اہتمام کیا گیا اور ہر قوم کو یہ سہولت فراہم کی گئی کہ اس کے لیے ہدایت کا سامان مہیا ہو۔انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے ساتھ کتب بھی نازل فرمائیں تاکہ راہ بھٹکتی انسانیت کو ہر پل رہنمائی میسر رہے۔یہاں تک کہ رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفی ﷺ کو مبعوث فرما کر اس سلسلے کو مکمل فرمادیا اور اس دنیا کے اختتام تک ایسا اہتمام کر دیا کہ اب خالقِ کائنات کی ہدایت پہنچانے کے لیے کسی خاص شخص کی ضرورت باقی نہیں رہی بلکہ ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد کر دی گئی ہے کہ وہ ان ابدی اصولوں پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے۔مذہب انسان کی بنیادی ضرورت ہے جسے پورا کرنے کے لیے انسان نے اپنا سفر جاری رکھا۔یہاں تک کہ اس نے منزلِ مقصود کو پالیا۔تاریخِ انسانی میں کوئی معاشرہ، کوئی تمدن،اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو مذہب سے بالکل بے نیاز رہی ہو۔یوں تو دنیا میں مذہب کے مختلف تصورات موجود ہیں مگر جس انداز سے اسلام نے مذہب کو پیش کیا ہے وہ بے مثال ہے۔اسلام کا دیا گیا تصورِ مذہب فکری، عملی، معاشی، سماجی غرض یہ کہ تمام شعبہ ہائے زندگی کی مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔مذہب کے ہوتے ہوئے اسے دوسری تمام طاقتوں سے بے نیاز قرار دیتا ہے،اس کی زنگی میں آنے والے تمام مسائل کا حل بھی پیش کرتا ہے۔

۲۔ تورات وانجیل میں حضور کائنات ﷺ کے خصوصی مقام و منصب اور عالمگیر نبوت کے حوالے سے وضاحت سے ذکر موجود ہے۔ان کتابوں میں آپ ﷺ کی فضیلت اور خصوصیات کے تذکرے کا مقصد یہ ہے کسی کو آخری اور عالمگیر نبوت کی پہچان میں کوئی دقت پیش نہ آئے، اور ہر کوئی آسانی سے پہچان کر اتباع اور پیروی سے بہرہ مند ہو۔یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر صحف و کتبِ سابقہ میں آپ ﷺ کی خوبیوں اور صفات سے بھرا پڑا ہے۔یہود و نصاریٰ کو بھی ان کارناموں سے آگاہ کر دیا گیا تھا جو سید الانبیاء ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد انجام دینے تھے۔آپ ﷺ کا ذکر تو ایک طرف آپ ﷺ کے صحابہ کا تذکرہ بھی کر دیا گیا تھا۔ تورات وانجیل میں آپ ﷺ کے فضائل و کمالات، آپ ﷺ کی شریعت کے خصائص اس کے علاوہ انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لئے آپ ﷺ کے کارناموں اور اقدامات کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ بائبل میں چونکہ آپ ﷺ کا ذکر کثرت سے اور نام لے کر کیا گیا ہے اور اسی کی بنیاد پر خلفاء راشدین کے دور میں عیسائی اکثریت کے جن علاقوں یعنی عراق، شام، فلسطین اور مصر وغیرہ میں جب مسلمان پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان پیش

گوئیوں کی تصدیق پر اسلام قبول کر لیا۔تاہم اس کے بعد بائیبل خاص کر انجیل میں اس حوالے سے بڑے پیمانے پر تحریفات کی گئیں۔اس کے باوجود یہ کتاب آپ ﷺ کی بعثت کی پیش گوئی کرتی ہے۔ان تحریفات کی بنیاد پر حضور ﷺ کا نام ترجمے در ترجمے کے عمل سے بدل دیا گیا۔ان کتب میں کہیں آپ ﷺ کے شہر کا تذکرہ تو کہیں آپ ﷺ کے اصحاب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ابھی بھی انجیل میں ایسی آیات ہیں جن کی پیش گوئی کا اطلاق سوائے حضور ﷺ کے کسی پر نہیں کیا جا سکتا۔حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا قرآن و انجیل کی پیش گوئیوں کے مطابق ہونا اتنا قطعی ہے کہ یہی بات اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو بار بار یاد دلائی کہ حضور ﷺ ان پیش گوئیوں کے مصداق ہیں جو تمہارے پاس موجود ہیں۔یعنی بائیبل کی یہ پیش گوئیاں اگر کسی نبی پر صادق آتی ہیں تو وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ ہی کی ذات بابرکات ہے۔

۴۔حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا جس طرح قرآن و حدیث کی صریح نصوص سے ثابت ہے۔اسمیں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں کہ ختمِ نبوت اساس ایمان ہے۔جس طرح قرآن و حدیث سے پتا چلتا ہے کہ انبیاءؑ میں سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں اسی طرح آپ کی نبوت و ختمِ نبوت کا تذکرہ آسمانی کتب تورات و انجیل میں بھی موجود ہے۔آپ ﷺ کی ختم نبوت وہ بنیادی پتھر ہے جس پر اسلام کی عظیم الشان عمارت قائم ہے اور اگر اسے ہٹا دیا جائے تو یہ عمارت نیچے گر جائے گی۔بنی اسرائیل میں کوئی ایسا نبی نہیں گزرا جس نے اپنے متعلق یہ دعویٰ کیا ہو کہ خاتم النبیین ہے جبکہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنے متعلق یہ دعویٰ فرمایا تھا۔اور یہی بات حضرت عیسیٰؑ نے بھی تماثیل سے لوگوں کو سمجھائی۔یہ تماثیل آنحضرت ﷺ کی صداقتِ دین،اور ختمِ نبوت کے متعلق ہیں۔

۵۔الہامی کی طرح غیر الہامی کتب میں بھی آپ ﷺ کا تذکرہ موجود ہے۔ہندومت اور بدھ مت کی کتب مقدسہ میں آنحضرت ﷺ کے والد، والدہ کا نام، جائے پیدائش، خاندان، تاریخ پیدائش، شادی، پہاڑی غار میں جانا، ہجرت، براق، معراج، جنگ، چار خلفاء سے تائید وغیرہ سب چیزوں کا تذکرہ موجود ہے۔ان کے اپنے ریشوں اور اوتاروں نے ہمیشہ یہی کہا:

بنا محمد نیا پار نہ ہوئے

حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بشارات کا مظہر ہیں۔اگر ہندو اپنے ریشوں اور اوتاروں کی تعلیمات پر عمل کر لیں تو ایک انقلاب عظیم برپا ہو جائے۔دنیا میں ہر طرف امن وآشتی ہو جائے۔

٦۔دیگر مذاہب کی طرح بدھ مت میں بھی پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مسلمانوں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔بدھ دھرم کو اپنی اصل میں اگر مبنی بر حق مذہب تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننے میں شاید کوئی تردد نہ کیا جاسکے کہ یہ پیش گوئیاں کسی الوہی تعلیم کے نتیجے میں دی گئی ہیں۔اور بدھا نے بھی دیگر چنیدہ بزرگوں کی طرح اپنا فرض نبھاتے ہوئے بعد میں آنے والے پیروکاروں کو دین حق کی طرف اشارات دے دیے تاکہ آخری نبی کا ظہور ہو تو وہ گمراہ نہ ہو سکیں۔بلکہ مہاتمابدھ کے محمد رسول ﷺ کے حق میں یہ خطابات قابلِ غور ہیں۔جیسا کہ دوسرا بدھ،ایک قدوس،ایک نور علیٰ نور، حکمت سے معمور،رازِ شریعت پر آگاہ، سرورِ عالم،

سردارِ کونین، معلم صداقتِ ابدی۔ لیکن بدھ مذہب میں ہندو مذہب کے برعکس اس قدر وسعتِ قلبی نہیں ملتی کہ ان پیشگوئیوں اعتراف ہی کرلیا جائے یاان کو زیرِ بحث لایا جائے۔

اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ بدھ مت کے پیروکاروں کی ایک غالب اکثریت ایسے علاقوں میں رہتی ہے جہاں مسلمان نہیں ہیں اور اگر ہیں تو بہت کم تعداد میں اور نہایت غیر مؤثر۔ مسلمانوں کے علاقے میں رہنے والے بدھا کے پیروکاروں کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ نہایت اقلیت میں ہیں جس کے نتیجہ میں اپنے مذہب کی حفاظت کا داعیہ قوی ہونا فطری ہے اور مذہب کی حفاظت کا داعیہ جب پیدا ہو جائے تو دوسرے مذاہب کی بڑائی کا اعتراف نہ کرنا اور اپنے مذہب کے بلند ہونے کا احساس بالکل طبعی ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہی وجہ ہے کہ ہندوں کے برعکس بدھ مت میں بدھا کی ان پیش گوئیوں کے حوالے سے مسلمانوں کے خیالات کی کبھی تائید سامنے نہیں آئی۔

۷۔ زرتشت مذہب کی کتب میں آنحضرت ﷺ کا نام استوت اریتایعنی تعریف کرنا بیان کیا گیا ہے۔ ان کی دیگر پیش گوئیوں کے مصداق میں بھی آنحضرت ﷺ کی ذات کے علاوہ کسی اور کو ثابت کرنا محال ہے۔ اسی طرح دنیا کے نامور مفکرین، مصنفین اور سوانح نگاروں نے آپ ﷺ کی ذات اور اعمال کے حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک طرف عالمِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے تو دوسری طرف منصف محققین رسول اللہ ﷺ کے خواص کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔

۸۔ سابقہ مذاہب کی کتب میں رسول اللہ ﷺ کے اعمال واوصاف، کمالات کو اگر قرآن مجید سے تقابل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں گہری مماثلت موجود ہے، جو قرآن مجید کے زندہ معجزہ ہونے اور آپ ﷺ کی حقانیت پر پختہ دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ عظمتِ رسول کی گواہی قرآن مجید اور اقوام عالم کے مفکرین ببانگ دہل دے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی ذات مقدسہ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں اور پہنائیوں کے لحاظ سے کوئی شخصی سیرت ہی نہیں بلکہ ایک عالمگیر اور بین الاقوامی ہستی ہے، جو تمام جہانوں کے لیے ایک مجسم اور مکمل دستورِ حیات ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید اور سیرتِ محمدی دونوں ہی بحرِ ناپید کنار ہیں۔ کوئی انسان یہ چاہے کہ ان کے تمام معانی اور فوائد و برکات کا احاطہ کرے تو اس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ جس چیز کی کوشش کی جاسکتی ہے وہ بس یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو آدمی ان کا زیادہ سے زیادہ فہم حاصل کرلے اور ان کی مدد سے روحِ دین تک رسائی پائے۔

دنیا جب تک آباد ہے سیرتِ نبویہ ایک زندہ عامل کی حیثیت سے قائم رہے گی اور دنیا کے ترقی پذیر تمدن اور تبدل پذیر حالات میں آپ ﷺ ہمہ گیر و جامع اسوہ حسنہ کے کسی ایک پہلو کو کبھی اہمیت حاصل رہے گی تو کبھی کس اور پہلو کو۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است

رحمۃ للعالمین انتہا است (اقبال)

تجاویز و سفارشات

۱۔ اسلام کے مخلص علماء دانشور حضرات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ قدیم مذاہب کی کتب کا باریک بینی سے مطالعہ کریں اور قرآن مجید و مستند کتبِ سیرت کو کسوٹی بناتے ہوئے ان کتب میں موجود درست تعلیمات کا تعین کریں۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی روش اور سیرت پر چلتے ہوئے علماء اسلام پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عالمگیر رسالت کا پرچار کریں، اور علمی انداز میں باقی مذاہب کے ماننے والوں کو بھی انہی کی مقدس کتب میں موجود رسول اللہ ﷺ کی صفات اور حقانیت کی طرف متوجہ کریں۔

۳۔ عربی، انگریزی، اور جدید یورپی زبانوں کے اندر سیرت اور قدیم مذاہب پر ہونے والے کام کو عمومی استفادہ کے لئے اردو زبان میں منتقل کیا جائے۔ اس کام کے لیے مختلف علمی ادارے اور شخصیات متوجہ ہوں۔

۴۔ جدید دور کی علمی زبان اور اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے علمی موضوعات پر تحقیق کر کے معاشرے میں اس کی تطبیق سیرتِ طیبہ کی روشنی میں کی جائے۔ اور جہاں ضرورت پڑے اجتہاد کر کے عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

۵۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر رسول اللہ ﷺ کی شخصیت بالخصوص دوسرے مذاہب کی کتب کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کی شخصیت و کردار پر روشنی ڈالنے کے لیے تحقیقی کام اور کانفرنسز، سیمینارز کا انعقاد کرایا جائے۔

۶۔ ملک میں سیرتِ رسول ﷺ کی تعلیمات کو نصاب کے ذریعہ فروغ دیا جائے۔

۷۔ امت مسلمہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائے۔ بنیادی اختلافات کے باوجود جو اوامر مشترک ہیں ان کی بنیاد پر باہمی اشتراک پر عمل پیرا ہوتے ہوئے معاندانہ طرزِ عمل ختم کیا جائے۔ اور ایسے معاملات سے اجتناب کی ضرورت ہے جو اسلام کے خلاف ممد و معاون ہوں۔

۸۔ آج دنیا امن کی متلاشی ہے۔ تمام انسانوں کے مابین امن اور اخوت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام انبیاء کرامؑ کا احترام لازم ہے۔

۹۔ بین المذاہب مکالمے کی فضا پیدا کرنا از حد ضروری ہے۔ بہترین علمی ماحول میں مذاہب کے علماء کے درمیان علمی مکالمے دنیا میں امن و امان کے قیام میں ایک نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ تمام مذاہب کا یکساں طور پر احترام کیا جائے۔ مذہبی بنیادوں پر کسی سے ناانصافی، اور زیادتی نہیں ہونی چاہیئے۔ باہمی مفاہمت کے لیے مکالمے، ڈائیلاگ، اور کانفرنسز میز کی حد تک نہ ہوں بلکہ عملی اقدامات کرتے ہوئے ممالک کے درمیان، مذاہب کے درمیان اختلافات کو ختم کیا جائے تاکہ دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔

۱۱۔ ایسے موضوعات پر کام کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے جن سے اعلی انسانی اقدار کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ تعمیرِ سیرت کا فریضہ انجام دیا جائے اور نظامِ اقدار کی آبیاری ہو۔

۱۲۔ قرآن کریم، سیرتِ نبوی، اور مختلف مذاہب کو سمجھنے کے لیے مربوط نکات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے ایسے موضوعات پر مزید ریسرچ کرنے کے لیے ریسرچرز کی حوصلہ افزائی کی جائے، جن پر کام کرنا انفرادی اور اجتماعی تربیت کا باعث بنے۔

۱۳۔ تمام مطبوعہ، سمعی وبصری ذرائع ابلاغ کو اسلام کی تبلیغ، نشرواشاعت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے اور بیرونی ذرائع ابلاغ کے اسلام مخالف پراپیگنڈہ کے تدارک کے لیے اعلی سطح پر لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

۱۴۔ مذاہبِ عالم اور ان کی مذہبی کتب کا مطالعہ کرنے اہتمام کرنا چاہئے۔ ایسے مواد کو شرکیہ تصور کرنے کے بجائے ان میں تحقیقات کرنے کی ضرورت ہے، اور ان کا قرآن کی تعلیمات سے موازنہ کر کے مطالعہ کیا جائے تو کافی ثمر آور ہو گا۔

۱۵۔ دیگر سماوی وغیر سماوی ادیان کی کتب میں متعدد موضوعات کی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تحقیق کی جانی چاہئے تا کہ اہلِ علم ان تعلیمات سے مستفید ہوں۔

۱۶۔ دیگر مذہب کے پیروکار سے اچھے مراسم استوار کر کے انہیں قریب لایا جائے تا کہ اسلام کے متعلق ان کے اذہان میں موجود شکوک وشبہات اور مغالطوں کا احسن طریقے سے تدارک کیا جاسکے۔

فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست اعلام

فہرست اماکن

فہرست اصطلاحات

فہرست مصادر و مراجع

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱.	مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ---	الفاتحہ	۳	۷
۲.	اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ---	الفاتحہ	5	۲۲۷
۳.	وَإِذا تَوَلّٰى سَعىٰ فِى الأَرضِ لِيُفسِدَ فيها---	البقرۃ	۲۰۵	۳۰۰
۴.	كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ---	البقرۃ	۲۱۳	XI
۵.	آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ---	البقرۃ	۲۸۵	۱۱۲
۶.	وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإسلام دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ---	آل عمران	۳	۱۰،۱۰۷
۷.	فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ---	النساء	۶۵	۴۰۳
۸.	مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ---	النساء	۸۰	۱۱۱
۹.	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه---	النساء	۱۳۶	۲۲۸
۱۰.	وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ---	النساء	۱۴۶	۷
۱۱.	وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ---	النساء	۱۵۷	۷۰
۱۲.	اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ---	المائدۃ	۳	۹،۲۳۱
۱۳.	يَهْدِيْ بِهِ اللهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَه---	المائدۃ	۱۶	۱۰۱
۱۴.	نَحْنُ أَبْنَاءُ اللهِ وَ أَحِبّاءُه---	المائدۃ	۱۸	۱۰۹
۱۵.	اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ---	المائدۃ	۴۴	۶۰
۱۶.	وَاٰتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ---	المائدۃ	۴۶	۹۱
۱۷.	وَكَذٰلِكَ نُرِى اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ---	الانعام	۷۵	۱۴
۱۸.	وَأَنَا أَوَّلُ المسْلمِيْنَ---	الانعام	۱۶۳	۱۰۳
۱۹.	خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ---	الاعراف	۳۱	۱۰۸
۲۰.	لَقَدْ أَرْسَلْنا نُوحاً إِلى قَوْمِهِ---	الاعراف	۵۹	۳۴۱
۲۱.	اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ---	الاعراف	۱۵۷	۹۱،۱۷۵
۲۲.	أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ---	الانفال	۹	۳۴۹
۲۳.	هُوَ الَّذِى اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ---	التوبۃ	۳۳	۱۰،۲۴
۲۴.	وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ---	التوبۃ	۶۱	۳۹۷،۳۵۵
۲۵.	لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ---	التوبۃ	۱۲۸	۳۵۵،۳۸۷،۳۹۶

۲۶.	وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ---	یونس	۴۷	XI
۲۷.	أُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ المسلمِيْنَ---	یونس	۷۲	۱۰۳
۲۸.	اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْه تَوَكَّلُوْا---	یونس	۸۴	۱۰۳
۲۹.	تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهَآ---	هود	۴۹	۲۱۸
۳۰.	وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرَاهِيْمَ بِالْبُشْرٰى---	هود	۶۹	۲۲۱
۳۱.	إِنَّآ أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ---	یوسف	۲	۱۱۰
۳۲.	وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ---	الرعد	۷	۲۰،۳۶۱
۳۳.	وَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ---	ابراهیم	۳۷	۱۷۶
۳۴.	إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ---	الحجر	۱۵	۱۱۲
۳۵.	وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ---	النحل	۱۴	۱۱۱،۳۸۶
۳۶.	وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ---	النحل	۴۴	۳۸۵
۳۷.	وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثىٰ ظَلَّ---	النحل	۵۸	۱۰۷
۳۸.	سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا---	الاسراء	۱	۳۳۵،۳۶۰
۳۹.	وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا---	مریم	۵۷	۲۱۹
۴۰.	يَا قَوْمِ اعْبُدُاللّٰه---	المؤمنون	۲۳	۲۰
۴۱.	يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ---	المؤمنون	۵۱	۲۲۲
۴۲.	تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ---	الفرقان	۱	۳۶۳،۳۳۷
۴۳.	قال أنارسول ربّ العٰلمين---	الشعراء	۱۶	۲۲۱
۴۴.	وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِى---	الشعراء	۵۲	۳۴
۴۵.	وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ---	الشعراء	۱۹۲	۱۱۱
۴۶.	وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِى كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْل---	النمل	۲۳	۲۰
۴۷.	فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا---	الروم	۳۰	۱۹
۴۸.	وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ---	الاحزاب	۳۶	۴۰۲
۴۹.	مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ---	الاحزاب	۴۰	۳۵۰،۲۲۵،۲۱۵
۵۰.	إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ---	الاحزاب	۵۶	۳۳۹
۵۱.	يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ---	الاحزاب	۵۹	۲۲۳
۵۲.	وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا---	سبا	۲۸	۳۹۶،۳۶۳،۳۳۷
۵۳.	وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ---	فاطر	۲۴	۱۹

۵۴.	وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ،لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ---	فصلت	۴۲،۴۱	۳۵۷
۵۵.	مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ---	الفتح	۲۹	۳۷۶
۵۶.	وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى---	النجم	۴،۳	۳۷۰
۵۷.	وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ---	الحديد	۲۷	۹۱
۵۸.	وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُه اَحْمَدُ---	الصف	۶	۸۸
۵۹.	هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ---	الجمعة	۲	۳۶۹،۳۹۱،۳۵۶
۶۰.	وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ---	القلم	۴	۳۸۲،۳۵۷
۶۱.	وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ---	الحاقة	۴۴	۳۷۱
۶۲.	إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ---	المزمل	۱۵	۳۷۰
۶۳.	عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ---	النباء	۱۔۳	۲۱۸
۶۴.	اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ---	العلق	۱	۱۰۹
۶۵.	إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ---	النصر	۱۔۳	۳۶۲،۳۷۳،۳۹۰

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
۱.	إرموا بنی اسماعیل! فإنّ أباكُمْ كَانَ رامياً---	الجامع الصحیح	۱۸۵
۲.	إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ---	صحیح مسلم	۲۸۲
۳.	إنّ مثلی ومثل الأنبياء من قبلی---	الجامع الصحیح	۳۵۰،۲۳۳
۴.	إنَّا امَّة اميَّة لا نَكتُب ولا نَحسب---	صحیح مسلم	۱۷۸
۵.	أنا محمد، وأنا احمد وأنا الماحی الذی يمحی ---	صحیح مسلم	۲۳۴
۶.	إنّما بُعِثْتُ لأتمّم مكارِمَ الأَخْلاقِ---	کنزالعمال	۳۴۲،۱۱۵
۷.	إنما بقاؤكم فيما سلف قبلكم من الأمم---	الجامع الصحیح	۲۰۳
۸.	بني الإسلام على خمس شهادة أن لا إله ---	الجامع الصحیح	۱۱۴
۹.	تقاتلكم اليهود فتسلطون عليهم حتىٰ يقول---	الجامع الصحیح	۳۹
۱۰.	رَأْسُ الأَمْرِ الإِسْلاَمُ وَعَمُودُهُ الصَّلاَةُ ---	سنن الترمذی	۱۱۷
۱۱.	سيكون فی أمتی ثلاثون كذابون---	سنن الترمذی	۲۳۶
۱۲.	فضلت على الأنبياء بستّ أعطيت جوامع الكلم---	سنن الترمذی	۳۸۹
۱۳.	لا نبوة بعدی الاالمبشرات، قيل وما المبشرات---	مسند احمد	۲۳۵
۱۴.	لاتقوم الساعةُ حتىٰ تقاتلُوااليهود---	الجامع الصحیح	۳۸
۱۵.	لولا أن الر سل لا تقتل---	سنن ابوداؤد	۳۰۰
۱۶.	الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ---	الجامع الصحیح	۱۰۱
۱۷.	مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً ، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ---	الجامع الصحیح	۱۱۹
۱۸.	من تعلّم الرمی ثمّ تركه فليسَ مِنّی---	کنزالعمال	۱۸۶
۱۹.	مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ---	الجامع الصحیح	۱۱۸
۲۰.	نحن الآخرون السابقون---	الجامع الصحیح	۲۰۴
۲۱.	والذی نفسی بيده ليوشكن ان ينزل---	الجامع الصحیح	۷۲
۲۲.	وكونوا عباد الله إخوانا المسلم أخو المسلم---	صحیح مسلم	۳۹۸
۲۳.	يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ ---	مسند احمد	۲۶
۲۴.	ياعلی أنت منّی بمنزلة هارون من موسىٰ---	سنن الترمذی	۲۳۶

فہرست اعلام

نمبر شمار	نام شخصیت	صفحہ نمبر
۱.	آرتھر شوپنہار	۳
۲.	آریوس	۷۸
۳.	آگسٹائن	۸۱
۴.	ابن تیمیہ، امام	۷۸
۵.	ابن حنفیہ، محمد	۲۳۸
۶.	ابن عباس، عبداللہ	۱۷۷، ۴۰۱
۷.	ابوالکلام آزاد	۶
۸.	ابونعیم	۲۸۸، ۴۰۰
۹.	ابی جبل	۲۴۶
۱۰.	ارکھاٹ	۳۹۲
۱۱.	الازہری، محمد کرم شاہ	۱۰۶
۱۲.	اسٹوریس	۴۵
۱۳.	اگنائیس	۷۲
۱۴.	ام معبد	۱۸۳
۱۵.	انندا	۲۵۷، ۲۸۹
۱۶.	اوکلمن	۹۵
۱۷.	ایتھر	۴۵
۱۸.	ایل باشم	۱۳۴
۱۹.	اینٹوکس چہارم	۳۶
۲۰.	بابومکٹ دھاری پرشاد	۳۸۱

۲۱.	بخت نصر	۲۴۹،۲۴۸،۳۶،۵۷
۲۲.	برناباس	۹۵،۹۶،۹۷
۲۳.	برنارڈشا، جارج	۳۰۷
۲۴.	برونائیٹ ہیڈ	۳،۲۲
۲۵.	بغوی شافعی	۲۲۳
۲۶.	پطرس	۹۳،۹۴،۷۴،۷۷
۲۷.	پنڈاریکا	۲۸۶،۲۸۷
۲۸.	پولوس	۱۷۹،۱۶۰،۹۷،۷۴
۲۹.	پیلاطس	۸۰،۳۷
۳۰.	تراجن بادشاہ	۷۲
۳۱.	تھیوڈور ہرزل	۳۷
۳۲.	جارج سیل	۳۹۹،۳۱۸،۹۷،۹۸
۳۳.	جان کالون	۷۶
۳۴.	جان ہس	۷۵
۳۵.	جان ہنری	۷۶
۳۶.	جسٹن مارٹر	۸۵
۳۷.	جولین ہکسلے	۱۲
۳۸.	جے۔ ڈبلیو گراف	۳۸۸
۳۹.	جیروم	۹۵،۷۳،۷۵
۴۰.	جیمز ایچ لیوبا	۳
۴۱.	چیتن دت	۳۹۵
۴۲.	حکیم پنڈت کرشن	۳۸۱
۴۳.	خازن	۲۳۱
۴۴.	خان، محمد یوسف	۱۱۴

۴۵.	خسرو پرویز	۳۶۷
۴۶.	خلیل سعادت	۹۸،۹۹
۴۷.	خورشید احمد، پروفیسر	۱۱۵
۴۸.	داؤد ظفر ندیم	۲۸۶
۴۹.	دیانند سرسوتی	۱۲۴،۲۶۳
۵۰.	ڈاکٹر اسرار احمد	۸
۵۱.	ڈاکٹر ایسٹن	۴۰۳
۵۲.	ڈاکٹر شبلے	۳۸۳
۵۳.	ڈبلیو گولڈسیک	۱۶۱
۵۴.	ڈی لامارٹن، الفانسو	۳۰۵
۵۵.	ڈی لیسی اولیری	۳۱۹
۵۶.	ڈیوڈ بن گوریان	۳۸
۵۷.	رابرٹ وین ڈی ویئر	۳۲
۵۸.	راجہ اشوک	۱۲۴
۵۹.	راجہ رادھا پرشاد سہنا	۳۸۲
۶۰.	رازی، فخر الدین	۱۰۴
۶۱.	راون	۱۳۴،۱۲۹
۶۲.	رحبعام شاہ	۵۷
۶۳.	روچی رام ممبر	۳۸۷
۶۴.	روسو	۳۹۲
۶۵.	ریمنڈ لیروگ	۳۹۲
۶۶.	زونگلی	۷۵
۶۷.	سائرس	۳۶
۶۸.	سدھارتھ	۱۴۰

۶۹.	سرای بی ٹیلر	۲
۷۰.	سر فلیکڈ	۴۰۰
۷۱.	سروپ بھٹنا گر فیروز آبادی	۳۸۰
۷۲.	سطیح	۲۰۵
۷۳.	سقراط	۱۷۹،۲۱
۷۴.	سولون	۲۱
۷۵.	سیبتر	۲۱
۷۶.	سیسق شاہ	۵۷
۷۷.	سینٹ پال	۳۱۴،۹۹
۷۸.	سینٹ پیٹر	۹۴
۷۹.	شری رام چندر	۱۲۸
۸۰.	شنکراچاریہ	۱۲۴
۸۱.	شہرستانی، محمد عبدالکریم	۲۸
۸۲.	شوکانی	۲۵۸،۲۳۲
۸۳.	طحاوی، ابو جعفر	۲۴۰
۸۴.	طیطس	۵۸
۸۵.	العامری، محمد ابکالی	۱۶۹
۸۶.	غلام ملر	۷۹
۸۷.	فرامرینو	۹۷
۸۸.	فرید وجدی	۲
۸۹.	الفریڈ ڈیلمر ٹائن	۴۰۰
۹۰.	فینل	۴۰۱
۹۱.	القرضاوی، محمد یوسف	۱۰۶
۹۲.	قسطنطین	۹۰،۷۳

.۹۳	قیس بن ذریح	۱۹۴
.۹۴	قیصراوگٹس	۶۹
.۹۵	کارلائل، تھامس	۳۰۸،۳۹۲
.۹۶	کانٹ	۲
.۹۷	کاؤنٹ ٹاسٹائی	۳۹۰
.۹۸	کرشن جی	۱۲۹
.۹۹	کے۔ایس راما، کرشناراؤ	۳۲۴
.۱۰۰	کیرانوی، رحمت اللہ	۵۱،۶۰،۵۷،۹۲
.۱۰۱	کیرن آرمسٹرانگ	۱۸
.۱۰۲	گاندھی، مہاتما	۱۲۱،۳۲۳
.۱۰۳	گستاولی لیبان	۱۲۲
.۱۰۴	مارٹن لوتھر	۷۷
.۱۰۵	مارکس ڈاڈ	۳۸۲
.۱۰۶	ماؤنٹ، پروفیسر	۳۸۲
.۱۰۷	مایتریا	۲۸۹
.۱۰۸	مائیکل ایچ ہارٹ	۳۱۳
.۱۰۹	محمد اسد	۲۴
.۱۱۰	محمد حلیم انصاری	۹۸
.۱۱۱	محمد شفیع، مفتی	۱۰۳
.۱۱۲	مسیلمہ کذاب	۲۳۷،۳۰۰
.۱۱۳	منٹگمری واٹ	۳۱۲
.۱۱۴	منک ہاؤس	۹۸
.۱۱۵	مہاتما سیتادھاری	۳۸۰
.۱۱۶	مہاتما نارائن	۳۸۴

۱۱۷.	مہاراجہ بھوج	۱۳۵
۱۱۸.	موبذان	۲۰۵
۱۱۹.	موریس بوکائی	۹۵
۱۲۰.	موسیٰ بن میمون	۴۰
۱۲۱.	موسیوسیدیو	۴۰۱
۱۲۲.	ندوی، سید سلیمان	۱۰۹
۱۲۳.	ندوی، معین الدین احمد	۱۰۸
۱۲۴.	نہرو، جواہر لال، پنڈت	۱۲۱،۱۲۲
۱۲۵.	ہیرودیس	۶۹
۱۲۶.	واشنگٹن اورنگ	۳۲۰
۱۲۷.	والٹیئر	۲۱
۱۲۸.	ولیم شلنگ ورتھ	۷۶
۱۲۹.	ولیم میور	۳۲۱،۲۸۳،۲۶۷
۱۳۰.	ویدپرکاش	۲۷۱،۲۷۳،۲۷۴،۲۷۹
۱۳۱.	ویکلف	۷۵
۱۳۲.	یزدگرد	۲۸۶
۱۳۳.	الیگزینڈر برزن	۲۸۵

فہرست اماکن

نمبر شمار	نام جگہ	صفحہ نمبر
۱.	اجودھیا	۱۲۸
۲.	اسور	۱۶۲
۳.	انطاکیہ	۵۷
۴.	ایشیائے کوچک	۹۴
۵.	ایلام	۲۴۶
۶.	بابل	۱۴،۳۱،۳۶،۵۷
۷.	بلخ	۳۰۳،۳۶۵
۸.	بلغاریہ	۷۷
۹.	بلقان	۷۳
۱۰.	بنارس	۱۴۱
۱۱.	بیت اللحم	۶۴،۶۵،۶۹
۱۲.	بیلاروس	۷۷
۱۳.	جمنا	۱۲۳،۱۶
۱۴.	حمات	۲۴۷،۲۴۶
۱۵.	دریائے جیحون	۱۲۳
۱۶.	دریائے نیل	۱۶
۱۷.	ذوالمجاز	۲۹۰
۱۸.	سماریہ	۳۶
۱۹.	سیتھیا	۶۴
۲۰.	سنبھل	۲۷۳
۲۱.	صنعاء	۲۴۶

۲۲.	طوس	۳۰۳،۳۶۵
۲۳.	فرات	۳۳
۲۴.	کپرس	۹۶
۲۵.	کسی نارا	۱۴۱
۲۶.	کمبوڈیا	۱۴۲
۲۷.	کنعان	۳۳،۳۰،۱۶۵،۲۷۵
۲۸.	کونسٹانس	۷۵
۲۹.	کوہ البرز	۱۵۱
۳۰.	کوہ سینا	۵۴،۱۶۵،۱۹۳
۳۱.	کوہ صیہون	۱۵
۳۲.	کوہ طور	۵۳،۱۵،۱۶۴
۳۳.	کوہ فاران	۱۴،۱۶۴،۱۶۵،۳۷۱
۳۴.	کیلاش پربت	۱۵
۳۵.	گلیلی	۶۵
۳۶.	گنگا	۱۶،۱۲۹،۱۲۳
۳۷.	لاؤس	۱۴۲
۳۸.	لمبنی	۱۴۰
۳۹.	متقہ	۱۹۰
۴۰.	میسوپوٹیما	۱۵
۴۱.	ناصرہ	۶۹،۶۵،۶۳
۴۲.	نیقیہ	۹۰،۷۳
۴۳.	ہڈلی	۹۸
۴۴.	ہستناپور	۱۳۵
۴۵.	یروشلم	۶۹،۵۸،۵۷،۳۶،۱۶۶

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ نمبر
۲۔	آواگون	۱۲۶،۱۷
۳۔	ابوی نظام	۱۳
۴۔	اجداد پرستی	۱۷
۷۔	اقانیم	۷۸
۸۔	امہاتی نظام	۱۳
۹۔	ایسٹر	۸۶
۱۰۔	اینی مزم	۱۲،۱۳
۱۱۔	پری اینی مزم	۱۳،۱۲
۱۲۔	تازی	۲۸۶
۱۳۔	تری مورتی	۱۲۵
۱۴۔	ٹوٹم ازم	۱۷،۱۶،۱۲
۱۵۔	جاپ	۱۲۷
۲۰۔	دین قیم	۸،۱۹،۲۲
۲۱۔	دیوالی	۱۲۸،۱۲۶
۲۳۔	روح الارواح	۱۲۵
۲۴۔	سفر الاویون	۵۴
۲۵۔	سفر التکوین	۵۳
۲۶۔	سفر الخلیفہ	۵۳
۲۷۔	سفر العدد	۵۴
۲۹۔	عرفان	۱۴۱،۱۴۳
۳۱۔	عقیدہ تناسخ	۱۲۷،۱۲۶
۳۲۔	عقیدہ حلول و تجسیم	۷۹

۳۳۔	عقیدہ مصلوبیت	۸۰
۳۴۔	علم الانسان	۲۱
۳۵۔	علوم شرعیہ	۱۷۹
۳۶۔	علوم عقلیہ	۱۷۹
۳۹۔	مراقبہ	۱۴۱
۴۲۔	یگیہ	۱۲۷
۴۳۔	یوم سبت	۴۷،۴۹
۴۴۔	یوم کفارہ	۴۷

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

عربی کتب

- ابنِ اثیر، علی بن محمد بن عبد الکریم الجزری، الکامل فی التاریخ، طبع اول، بیروت: دار صادر، ۱۹۹۲ء
- ابن احمد المکی، مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، ط-ن، کوئٹہ: مکتبہ اسلامیہ، ۱۴۰۷ھ
- انطوان وحید نعیم، ألهائمون والمتیمون العرب: قصص وأشعار وحکایات، طبع اول، بیروت: دار الکتاب العربی، ۲۰۱۰ء
- ابن تیمیہ، احمد بن عبد العلیم، الجواب الصحیح لمن یدل دین المسیح، ط-ن، ریاض: دار العاصمہ، ۱۹۹۹ء
- ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، المحلی، ط-ن، بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، ۱۴۰۸ء
- ابن خازن، علی بن محمد، لباب التاویل فی معانی التنزیل، ط-ن، بیروت: دار المعرفۃ، ۲۰۰۰ء
- ابن عساکر، علی بن حسن، تاریخِ مدینہ دمشق، ط-ن، بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۵ء
- ابن فارس، احمد بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، ط-ن، قاہرہ: مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۹ھ
- ابن قیم، محمد بن ابی بکر، زاد المعاد، ط-ن، کویت: مکتبۃ المنار الاسلامیہ، ۱۹۹۴ء
- ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، طبع سوم، بیروت: مکتبۃ المعارف، ۱۴۱۰ھ
- ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ط-ن، ریاض: دار السلام، ۱۹۹۸ء
- ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، السیرۃ النبویۃ، ط-ن، بیروت: دار المعرفۃ، ۱۹۷۶ء
- ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، طبع اول، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۶ء
- ابن ہشام، سیرۃ النبی ﷺ، طبع ثالث، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۹۰ء
- ابو الحسن علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد، طبع اول، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ
- ابو جعفر الطحاوی، احمد بن محمد بن سلامہ، العقیدۃ السلفیۃ، ط-ن، مصر: دار المعارف، ۱۴۲۱ھ
- ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، الفقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری، طبع اول، قاہرہ: مصطفیٰ البابی، س-ن
- ابو عمر احمد بن زید، المصطفیٰ فی الصحائف المقدسہ، طبع اول، قاہرہ: دار العلم، ۱۹۹۸ء
- ابو جودۃ، محمد جان وہبی، الاسلام ورسولہ فی التوراۃ والانجیل، ط-ن، تہران: دار الھادی، س-ن
- ابو ہلال العسکری، الفروق اللغویہ، طبع اول، قاہرہ: دار العلم والثقافت، ۱۹۹۷ء
- احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، طبع اول، بیروت: دار القلم، ۱۹۹۶ء

- احمد بن حنبل، مسند احمد، ط۔ن، قاہرہ: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ
- الازدی، محمد بن حسن بن درید، جمہرۃ اللغۃ، طبع اول، بیروت: دار صادر، ۱۴۲۵ھ
- ازہری، محمد بن احمد بن ابو منصور، التھذیب فی اللغۃ، طبع دوم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۱ء
- اسماعیل بن عباد، المحیط فی اللغۃ، طبع اول، بیروت: عالم الکتب، ۱۹۹۴ء
- بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، طبع اول، ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء
- البستانی، بطرس، دائرۃ المعارف، ط۔ن، بیروت: دار المعرفۃ، ۱۹۰۷ء
- بغدادی، عبدالطیف، قبس من القرآن فی صفات الرسول الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تہران: مؤسسہ فرہنگی تبیان، ۲۰۰۴ء
- البغوی، حسین بن مسعود بن محمد، معالم التنزیل، ط۔ن، بیروت: دار المعرفۃ، ۱۴۰۷ھ
- بیضاوی، عبداللہ بن عمر بن محمد، انوار التنزیل، طبع دوم، بیروت: مؤسسۃ الاعلمی، ۱۴۱۰ھ
- البیومی، محمد رجب، محمد فرید وجدی: الکاتب الاسلامی والمفکر الموسوعی، طبع اول، دمشق: دار القلم، ۲۰۰۳ء
- بیہقی، احمد بن حسن ابو بکر، دلائل النبوۃ، طبع اول، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۸ء
- الترمذی، محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ، سنن الترمذی، طبع اول، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۱ء
- التمیمی، محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، طبع ثانی، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۳ء
- جبران مسعود، الرائد، معجم لغوی عصری، ط۔ن، بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۶۷ء
- الجرجانی، علی بن محمد، کتاب التعریفات، ط۔ن، قاہرہ: دار الفضیلۃ، س۔ن
- الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح، طبع اول، مصر: دار الکتب العربی، س۔ن
- الحاکم، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، طبع ثانی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء
- حسان بن ثابت، دیوان حسان بن ثابت، طبع الثانی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۴ء
- الحلی، حسن بن یوسف، مناہج الیقین فی اصول الدین، ط۔ن، تہران: دار الاسوۃ، ۱۴۱۵ھ
- حلی، حسن بن یوسف، الباب الہادی عشر، طبع دوم، تہران: مؤسسہ مطالعات اسلامی، ۱۹۷۵ء
- الحموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، طبع ثانی، بیروت: دار صادر، ۱۹۹۵ء
- الخراسانی، سعید بن منصور، سنن،، طبع الاول، الھند: الدار السلفیۃ، ۱۴۰۳ھ
- الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن الدارمی، طبع اول، بیروت: دار الکتب العربی، ۱۴۰۷ھ
- الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، طبع اول، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۲ء
- راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، کراچی: نور محمد، اصح المطابع، کارخانہ تجارت، ۱۹۶۱ء

- زبیدی، محمد مرتضی، تاج العروس من جواہر القاموس، طبع اول، بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۴ء
- الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح المواهب اللدنیہ، ط-ن، بیروت: عالم الکتب، ۱۹۹۲ء
- زمخشری، محمود بن عمر بن محمد، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، طبع ثالث، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ
- الزہری، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، طبع اول، بیروت: دار صادر، ۱۹۶۸ء
- السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، طبع اول، بیروت: دار الکتاب العربی، س-ن
- السعدی، ابو جیب، القاموس الفقهي لغة واصطلاحا، ط-ن، دمشق: دار الفکر، ۱۴۰۸ھ
- السیوطی، جلال الدین عبد الرحمان ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، طبع اول، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۵ء
- الشلبی، احمد، مقارنۃ الادیان، ط-ن، قاہرہ: مکتبۃ النہضۃ، ۱۹۸۴ء
- شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل، ط-ن، قاہرہ: مکتبہ الحسین التجاریہ، ۱۹۴۸ء
- شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، طبع اول، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ
- صالح بن عبد اللہ بن حمید، نضرۃ النعیم في مکارم أخلاق الرسول الکریم، طبع رابع، جدہ: دار الوسیلہ للنشر والتوزیع، س-ن
- الصالحي، محمد بن یوسف، سبل الھدی والرشاد، طبع اول، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، س-ن
- الصنعانی، عبد الرزاق بن ھمام، مصنف، طبع ثانی، بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ
- طباطبائی، محمد حسین، تفسیر المیزان، طبع اول، بیروت: مؤسسۃ الاعلمی، ۱۹۹۷ء
- الطبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، ط-ن، مدینہ منورۃ: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ
- طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، طبع اول، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ
- طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، طبع اول، بیروت: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ
- طریحی، فخر الدین بن محمد، مجمع البحرین، ط-ن، تہران: احمد حسینی، ۱۳۶۲ھ
- الغزالی، محمد بن محمد، الاقتصاد فی الاعتقاد، طبع اول، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ
- الغزالی، محمد، التعصب والتسامح بین المسیحیۃ والاسلام، ط-ن، قاہرہ: دار الکتب الحدیثیہ، ۱۹۶۵ء
- فاضل مقداد، النافع یوم الحشر، ط-ن، بیروت: مؤسسہ مطالعات اسلامی، ۲۰۰۲ء
- الفراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، طبع اول، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳ء
- فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس، ط-ن، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۹ء
- الفیومی، احمد بن محمد بن علی، المصباح المنیر، طبع السابع، قاہرہ: دار لکتب العلمیہ، ۱۹۲۸ء
- قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، ط-ن، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۹۹ء

- القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، طبع اول، مصر: دار الکتب العربیہ، ۱۹۶۷ء
- القزوینی، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، طبع اول، بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۸ھ
- قسطلانی، احمد بن محمد، المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، ط۔ن، قاہرہ: المکتبۃ التوقیفیۃ، ۲۰۱۰ء
- القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، طبع اول، دار السلام ریاض، ۲۰۰۰ء
- الکتاب المقدس: عہد نامہ جدید، ط۔ن، بیروت: جمعیۃ الکتاب المقدس، ۱۹۹۳ء
- کیرانوی، رحمت اللہ، اظہار الحق، طبع اول، بیروت: المکتبہ العصریہ، ۲۰۰۲ء
- اللاجی، عبد الاحد، اوصاف الانبیاء فی الصحائف، طبع اول، بیروت: مکتبہ القرآن، ۱۹۱۰ء
- ماوردی، علی بن محمد، اعلام النبوۃ، طبع اول، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۷ء
- مبارک پوری، صفی الرحمان، الرسالۃ النبویۃ والبشارۃ بمحمد ﷺ، طبع اول، جدۃ: دار کنوز المعرفہ، س۔ن
- المتقی، علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ط۔ن، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۹ء
- مجموعۃ المؤلفین، المعجم الوسیط، ط۔ن، قاہرہ: مجمع اللغۃ العربیۃ، ۱۹۷۲ء
- المقدسی، محمد بن عبد الواحد، الاحادیث المختارۃ، طبع اول، مکۃ المکرمۃ: مکتبۃ النھضلۃ الحدیثۃ، ۱۴۱۰ھ
- میثم بحرانی، قواعد المرام فی علم الکلام، طبع ثانی، بیروت: مرکز تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۹ء
- النسائی، احمد بن شعیب بن علی، السنن الکبریٰ، طبع اول، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ
- نیشابوری، احمد بن محمد، مجمع الامثال، ط۔ن، بیروت: دار المعرفہ، ۲۰۱۰ء
- وجدی محمد فرید، تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ، طبع قاہرہ، ۱۹۴۸ء
- وجدی، محمد فرید، دائرۃ معارف القرآن، طبع اول، بیروت: المکتبۃ الجدیدۃ، ۱۹۹۶ء

اردو کتب

- آخری نبی ﷺ بائیبل کی روشنی میں، لاہور: اسلامی مشق
- آر۔کے نارائن، مہابھارت، (مترجم: نعیم احسن)، طبع اول، لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۱۳ء
- آزاد، ابو لاکلام، مولانا، اسلام اور جمہوریت، لاہور: طیب پبلشرز، سن ندارد
- آزاد، ابوالکلام، مولانا، ترجمان القرآن، اشاعتِ چہارم، دہلی: ساھتیہ اکادمی، ۱۹۸۹ء
- آزاد، ابوالکلام، مولانا، انبیائے کرام، طبع اول، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن

- ابن حنیف، بھارت، ط۔ن، ملتان: بیکن بکس، س۔ن
- اپنشد (اردو ترجمہ: شنکر بھاشیہ)، ط۔ن، لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۸ء
- اچاریہ کوتلیہ چانکیہ، ارتھ شاستر، (مترجم: سلیم اختر)، ط۔ن، لاہور: نگارشات، ۱۹۹۹ء
- احسان الحق، رانا، یہودیت و مسیحیت، طبع اول، لاہور: مسلم اکادمی، ۱۹۸۱ء
- احمد دیدات، ہندومت، بدھ مت اور اسلام، (مترجم: پروفیسر مفتی محمد وسیم اکرم القادری)، ط۔ن، لاہور: مشتاق بک کارنر، س۔ن
- اختر احمد، دنیا پر کون سا دین غالب آئے گا؟، طبع اول، راولپنڈی: گولڈن بکس، ۲۰۰۷ء
- اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، لاہور: غلام علی اینڈ سنز
- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبع اول، لاہور: دانش گاہِ پنجاب، ۱۹۶۶ء
- الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، طبع اول، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۴۱۸ھ
- اسرار احمد، ڈاکٹر، مطالبات دین، طبع اول، لاہور: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۲۰۰۲ء
- اسرار الرحمان، اسلام اور مذاہب عالم، طبع اول، لاہور: ایور نیو بک پیلس، س۔ن
- الیگزینڈر برزن (مترجم: ڈاکٹر امجد علی بھٹی)، بدھ مت اور اسلام (تاریخی، ثقافتی اور تقابلی مطالعے)، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء
- امانت رسول، محمد، مذہب انسان کی ضرورت ہے، لاہور: طلحہ پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء
- امورر نجن مہاپتر، فلسفہ مذہب، (مترجم: یاسر جواد)، ط۔ن، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۱ء
- انجیل برناباس، (مترجم: بشیر محمود)، ہزارہ: دار العلوم اسلامیہ، ۱۹۷۴ء
- انجیل برناباس، (مترجم: مولانا محمد حلیم انصاری)، طبع اول، لاہور: ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۳ء
- انجیل برنباس، (مترجمہ عربی: ڈاکٹر خلیل سعادت)، ط۔ن، لاہور، ۱۹۱۶ء
- اے ایل باشم، ہندوستانی تہذیب کی داستان، لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۴ء
- ایس ایم ناز، مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن
- ایس این داس گپتا، ہسٹری آف انڈین فلاسفی، (مترجم: موہن لعل ماتھر) حیدر آباد دکن: دار الطبع عثمانیہ، ۱۹۴۵ء
- ایف ایس خیر اللہ، قاموس الکتاب، طبع اول، لاہور: مسیحی کتب خانہ، ۱۹۹۶ء
- ایف سی بکٹ، دی کرسچن ریلجن، ط۔ن، لندن: آکسفورڈ پبلی کیشنز، ۱۸۹۲ء
- بخاری، ساحر، تقابل ادیان، لاہور: عبد اللہ برادرز، ۲۰۰۴ء

- بدر الحسن، مولوی، ویدوں پر ایک سرسری نظر، دہلی: لبرٹی آرٹ پریس پٹوڈی ہاؤس، ۱۹۹۳ء
- بدھ کی تعلیمات، (مترجم: ہاگیتاہیروشی)، جاپان: کوسائیڈو پرنٹنگ کمپنی لمیٹڈ، ۱۹۸۷ء
- برناباس کی انجیل، (مترجم: آسی ضیائی)، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۷۴ء
- بشیر احمد، بائیبل کا تحقیقی جائزہ، راولپنڈی: اسلامک سٹڈی فورم، ۲۰۰۰ء
- بشیر محمود اختر، مطالعہ بائبل و قرآن، اشاعت اول، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۶ء
- البیرونی، ابوریحان، کتاب الھند، (مترجم: سید اصغر علی)، لاہور: نگارشات پبلشرز، ۱۹۹۸ء
- پادری خورشید عالم، اردو تاریخ کلیسا، دہلی
- پاریکھ، عبدالکریم، قوم یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں، طبع اول، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۶۹ء
- پروفیسر غلام رسول چیمہ، مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، لاہور: علمی کتب خانہ، ۱۹۷۸ء
- ثاقب، محمد عمران، فارقلیط (اسمہ احمد ﷺ) طبع اول، لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۱ء
- ثاقب، محمد عمران، بائیبل اور محمد رسول اللہ ﷺ، طبع اول، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۱۱ء
- جالندھری، بشیر احمد، آخری نبی اور تورات موسوی، طبع اول، شورکوٹ: مکتبہ محمودیہ، س۔ن
- جہان امام ربانی، اقلیم اول، طبع اول، کراچی: امام ربانی فاؤنڈیشن، س۔ن
- جی۔این۔امجد، اسلام اور دنیا کے مذاہب، لاہور: مفید عام کتب خانہ، س۔ن
- چریاکوٹی، عنایت رسول عباسی، بُشریٰ، اشاعت اول، لاہور: ہجرہ انٹرنیشنل پبلشرز، ۱۹۸۴
- الحقانی، محمد عبدالحق، تفسیر المنان المشہور بہ تفسیر حقانی، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۹ء
- خالد محمود، مذہب کا نظریاتی مطالعہ، لاہور: مقبول اکیڈیمی، ۱۹۸۸ء
- خدوخیل، شریں زادہ، بعثت نبوی پر مذاہب عالم کی گواہی، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۲۰۰۶ء
- خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، ط۔ن، کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی، ۲۰۱۲ء
- دیدات، احمد، شیخ، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، (مترجم: مصباح اکرم) لاہور: عبداللہ اکیڈیمی، ۲۰۱۰ء
- دیدات، احمد، شیخ، کنفیوشس، زرتشت اور اسلام، (مترجم: مصباح اکرم)، لاہور: مشتاق بک کارنر، ۲۰۱۰ء
- ڈاکٹر گستاولی لیبان فرانسیسی، تمدن ہند، (مترجم: مولوی سید علی بلگرامی) بھارت: مطبع شمسی آگرہ، س۔ن
- ذاکر نائیک، ڈاکٹر، اسلام اور ہندومت کا تقابلی مطالعہ، (مترجم: خالد جاوید مشہدی)، طبع دوم، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۱ء
- ذاکر نائیک، ڈاکٹر، تقابل ادیان، (مترجم فیضان محمد)، ط۔ن، لاہور: اسلام بک ڈپو، س۔ن
- ذاکر نائیک، ڈاکٹر، مختلف مذاہب میں تصورِ خدا، (مترجم: سید خالد جاوید مشہدی)، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۳ء

- ذوقی شاہ، کتب سماوی پر ایک نظر، ط۔ن، لاہور: اقبال اکیڈیمی، ۲۰۰۷ء
- رابرٹ ونڈی وئیر، ہندومت، (مترجم: ملک اشفاق)، ط۔ن، لاہور: بک ہوم، ۲۰۰۷ء،
- رابرٹ وین ڈی وئیر، یہودیت، (مترجم: ملک اشفاق)، ط۔ن، لاہور: بک ہوم، ۲۰۰۴ء
- رحمت اللہ کیرانوی، بائبل سے قرآن تک، (مترجم: اکبر علی)، کراچی: مکتبہ دارالعلوم، ۲۰۱۰ء
- رشید احمد، تاریخ مذاہب، ط۔ن، کوئٹہ: قلات پبلشرز، ۲۰۱۰ء
- رضوی، آل احمد، سید، مذاہب عالم میں تذکرہ خیر الانام، طبع اول، اسلام آباد: ماڈرن بک ڈپو آبپارہ، ۱۹۹۱ء
- ریمنڈ ایبا، پرنسپلز آف کرسچن ورشپ، لندن: آکسفورڈ پبلی کیشنز، ۱۹۶۰ء
- زین العابدین، قاضی، قاموس القرآن قرآنی ڈکشنری، ط۔ن، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء
- ساجد میر، عیسائیت تجزیہ و مطالعہ، طبع اول، لاہور: دارالسلام، س۔ن
- سرسید احمد خان، الخطبات الاحمدیہ، طبع اول، لاہور: ادارہ دعوۃ الفرقان، س۔ن
- سرہندی، وارث، علمی اردو لغت، ط۔ن، لاہور: علمی کتب خانہ، ۱۹۸۳ء
- سرہندی، وارث، قاموس مترادفات، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۱ء
- سرسوتی، سوامی دیانند، رگ وید (ایک مطالعہ)، (مترجم: نہال سنگھ)، ط۔ن، لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۱۱ء
- سرہندی، احمد، مکتوبات ربانی، حصہ دوم مکتوب نمبر ۹۴، کراچی: دارالاشاعت، س۔ن
- سندر لال، پنڈت، گیتا اور قرآن، ط۔ن، لاہور: نگار پاکستان خدا نمبر، ۱۹۶۹ء
- سوامی دیانند سرسوتی، ستیارتھ پرکاش، (اردو ترجمہ: انوار حقیقت، مترجم: چموپتی)، لاہور: گورودت بھون، ۱۹۴۶ء
- سیالوی، محمد اشرف، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین ﷺ، ط۔ن، جہلم: اہل السنۃ پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء
- سید نواب علی، تاریخ صحف سماوی، ط۔ن، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، س۔ن
- سینٹ آگسٹائن، دی سٹی آف گاڈ، ط۔ن، لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی، ۲۰۰۹ء
- شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، (مترجم: مولانا خلیل احمد) طبع اول، لاہور: کتب خانہ شان اسلام، س۔ن
- شاہد مختار، مسیحیت، طبع اول، لاہور: شاہد پبلی کیشنز، س۔ن
- شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۷۹ء
- شیبۃ الحمد، عبدالقادر، الادیان والفرق والمذاہب المعاصرۃ، (مترجم: ابوعبداللہ محمد شعیب)، طبع اول، لاہور: دارالسلام، ۲۰۰۷ء
- صدق کمال، اسلام اور تعمیرِ شخصیت، طبع اول، لاہور: مکتبۃ المصباح، ۲۰۰۵ء

- صدیق دیندار، سرورِ عالم ﷺ، (مترجم: سید امام صاحب)، ط۔ن، کراچی: دیندار انجمن، س۔ن
- صدیقی، صفدر حسین، اسلامی نظریہ حیات، ط۔ن، لاہور: اسلامک بکس سینٹر، ۲۰۰۰ء
- صدیقی، عبدالمجید، مذہب اور تجدید مذہب، اشاعت اول، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۰ء
- صدیقی، مظہر الدین، اسلام اور مذاہب عالم، طبع اول، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۸ء
- صدیقی، نعیم، محسن انسانیت، طبع اول، لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۸ء
- طاہر ستار، دنیا کی سو عظیم کتابیں، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۸۶ء
- عابد ارشاد، انجیل اور محمد ﷺ، ط۔ن، کراچی: اسلامک بک سنٹر، س۔ن
- عبدالرشید، اسلامی ریاست، ط۔ن، کراچی: علمی کتاب گھر، ۱۹۷۳ء
- عبدالرشید، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، طبع اول، کراچی: طاہر سنز اردو بازار، ۱۹۸۸ء
- عبدالمجید، مطالعہ تقابل ادیان، ط۔ن، لاہور: تاج بک ڈپو، ۱۹۸۴ء
- عثمانی، شمس نوید، اگر اب بھی نہ جاگے تو، ط۔ن، لاہور: صفہ پبلشرز، ۲۰۰۰ء
- غلام ملر، مسیح، ایمان و عمل، فیروز پور، ۲۰۰۵ء
- فاروقی، عماد الحسن آزاد، دنیا کے بڑے مذاہب، طبع اول، جہلم: بک کارنر شوروم، ۲۰۱۳ء
- فلاحی، انیس احمد، مولانا، مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ، ط۔ن، لاہور: مکتبہ قاسم العلوم، ۲۰۰۸ء
- فیروز الدین، فیروز اللغات، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۸۸ء
- قادری، ڈاکٹر سید حسین صاحب، امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق، ط۔ن، دہلی: ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۱ء
- القادری، محمد طاہر، عقیدہ ختم نبوت، اشاعت چہارم، لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء
- القرضاوی، یوسف، ڈاکٹر، اسلامی نظام کے خدوخال، (مترجم: ابو ظفر احمد انصاری)، طبع اول، لاہور: ادارہ دراسات الاسلامیہ، ۱۹۸۸ء
- قریشی، مشتاق احمد، آسمانی صحیفے اور قرآن کریم، طبع اول، کراچی: نئے افق پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء
- کاندھلوی، محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، لاہور: مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۹۲ء
- کتاب مقدس، ط۔ن، لاہور: بائبل سوسائٹی، انار کلی، س۔ن
- کرپالوی، طالب حسین، سیرت النبی ﷺ زبور اور تورات کی روشنی میں، ط۔ن، لاہور: اسلامیہ دار التبلیغ، ۱۹۹۴ء
- کرسٹوفر کرین برنٹن، تاریخ تہذیب، (مترجم: غلام رسول مہر)، طبع اول، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۵ء
- کرشن کمار/خالد ارمان، گوتم، (مترجم: پرکاش دیو)، لاہور: مشتاق بک کارنر، ۲۰۱۰ء

- کلارک، شارٹ ہسٹری آف چرچ، لندن: میتھیو اینڈ کو، ۱۹۵۷ء
- کلام مقدس: عہد عتیق، کاتھولک بائیبل کمیشن پاکستان، ۲۰۰۷ء
- کمال الدین، خواجہ، ینابیع المسیحیت، لاہور: مسلم بک سوسائٹی، ۱۹۶۲ء
- کمبوہ، محمد اکرم، مقام رسول ﷺ اپنوں اور غیروں کی نظر میں، ط۔ن، لاہور: دار الکتاب، ۲۰۰۵ء
- کنٹری آن دی ہولی بائیبل، نیدر لینڈ: جے۔ آر ڈ میلو، ۱۹۸۴ء
- کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، اعجاز عیسوی جدید، طبع اول، لاہور: ادارہ اسلامیات، س۔ن
- گروپر شاد، انٹروڈکشن ٹودی سٹڈی آف ہندوازم، کراچی: آکسفورڈ پریس، ۱۹۹۸ء
- گولڈسیک، پادری، الکفارہ، لاہور: پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، ۱۹۵۸ء
- لکھنوی، مہذب، مہذب اللغات، ط۔ن، لکھنو: محافظ اردو بک ڈپو، ۱۹۶۸ء
- لیوس مور، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، (مترجم: یاسر جواد/سعدیہ جواد)، لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۱۳ء
- مارس ریلٹن، اسٹڈیزان کرسچین ڈاکٹرائن، ط۔ن، لاہور: پاکستان بائیبل سوسائٹی، ۲۰۰۹ء
- مبارک پوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم، طبع اول، لاہور: المکتبہ السلفیۃ، ۲۰۰۰ء
- محمد اسد، علامہ، اسلام اور مغرب، (مترجم: محمد جبل)، طبع اول، کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۲۰۰۵ء
- محمد اکرم رانا، ڈاکٹر، بین الاقوامی مذاہب، طبع اول، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۱ء
- محمد امین الحق، سید، بائیبل اور قرآن، شیخوپورہ، ۱۹۳۷ء
- محمد تقی عثمانی، عیسائیت کیا ہے، ط۔ن، کراچی: دار الاشاعت، ۲۰۰۱ء
- محمد حفیظ سید، ڈاکٹر، گوتم بدھ، طبع اول، لاہور: بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء
- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہ ﷺ، (مترجم: نذیر حق)، ط۔ن، دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۰۳ء
- محمد سرور خان، رانا، سیرت سرور کونین ﷺ، طبع اول، لاہور: رانا سرور خان پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء
- محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، کراچی: ادارۃ المعارف، ۲۰۰۱ء
- محمد طفیل، نقوش رسول ﷺ، لاہور: ادارہ فروغِ اردو، ۱۹۸۳ء
- محمد یحیٰ خان، پیغمبر اسلام ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں، لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۱۱ء
- محمد یوسف خان، پروفیسر، تقابل ادیان، طبع اول، لاہور: بیت العلوم، س۔ن
- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، س۔ن
- المسدوسی، احمد عبد اللہ، مذاہب عالم ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ، طبع اول، کراچی: مکتبہ خدام ملت، ۱۹۵۸ء

- مسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، تاریخ المسعودی (ترجمہ: مروج الذہب ومعاون الجواہر)، طبع اول، کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۸۵ء
- مل مین، ہسٹری آف کرسچنٹی، لندن: کیمبرج پریس، ۱۹۸۹ء
- ملک کریم بخش، اسلام اور مذاہب عالم، ط۔ن، لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س۔ن
- منصورپوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمت العالمین ﷺ، ط۔ن، لاہور: عبداللہ اکیڈیمی، ۲۰۱۲ء
- مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۹ء
- مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۹۲ء
- مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، دینیات، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۱ء،
- مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، سیرت سرور عالم، طبع دوم، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۶ء
- مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ط۔ن، لاہور: اسلامک بک پبلشرز، ۱۹۸۵ء
- مولوی محمد انور، تاریخ الانبیاء، طبع اول، لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۶ء
- ناس، جان بی، تاریخ جامع ادیان، (مترجم فارسی) علی اصغر حکمت، چاپ سوم، تہران: انتشارات پیروز، ۱۹۸۶ء
- ندوی، ابوالحسن علی، تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، طبع اول، کراچی: مجلس نشریات اسلام، س۔ن
- ندوی، سید سلیمان، اُرض القرآن، ط۔ن، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۱۳۳۶ھ
- ندوی، سید سلیمان، سیرۃ النبی ﷺ، طبع اول، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۱ء
- ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، ط۔ن، لاہور: ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۰ء
- ندوی، محسن عثمان، مطالعہ مذاہب، طبع اول، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۹ء
- نہرو، جواہر لعل، تلاش ہند، ط۔ن، لاہور: ادارہ تحقیقات، س۔ن
- ہزاروی، محمد شریف، اسرائیل کیوں تسلیم کیا جائے؟، ط۔ن، لاہور: الجمعیۃ پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء
- ودیارتھی، عبدالحق، مولانا، تورات موسوی میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں بین بشارات، لاہور: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، س۔ن
- ودیارتھی، عبدالحق، مولانا، میثاق النبیین، ط۔ن، بمبئی: دارالاشاعت کتب اسلامیہ، ۱۹۳۶ء
- ول ڈیورانٹ، ہندوستان، (مترجم: رشید طیب)، ط۔ن، لاہور: تخلیقات، س۔ن
- ویدپرکاش اپادھیائے، ڈاکٹر، کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ، ط۔ن، لاہور: گرین ویو سوسائٹی، ۲۰۰۱ء
- یعقوب حسن، کتاب الہدیٰ، ط۔ن، کراچی: شمع ادب اردو بازار، ۲۰۰۰ء

English Books

- A-J -Arberry, Aspects of Islamic Civilization, US: University of Michigan Press, 1967
- An Encyclopedia of Religion, New York: the Philosophical library, 1945
- Annie Besant, The Life and Teachings of Muhammad, Madras:1932
- B-N -Head, Scienc and the Modern World, London: 1933
- Bosworth Smith, Mohammad and Mohammadanism, London: Smith, Elder & Co ,1876
- C.A. More, A source book of Indian Philosophy, Pinceton University Press, 1957
- Christian Cherfils, Bonaparte et Islam, France: Pedone Edition, 1914
- Collier's Encyclopedia, 1979
- De Lacy O'Leary, Islam at the Crossroads, London: Kegan Paul, 1923
- Edward Gibbon and Simon Ocklay, History of the Saracen Empire, London: 1870
- Encyclopedia of Americana, USA: Grolier Incorporated, Inc, 1984
- Encyclopedia of Religion and Ethics, New York: Charles Schribner's Sons, 1908
- Ernest Edward kellett , A Short History of Religions, UK: Penguin, 1962
- George Bernard Shaw, The Genuine Islam, London: 1936
- George Sale, To the Reader: The Koran, London: J. B. Lippincott & Co.1860
- Good News Bible, American Bible Society, New York: 1961
- H.G -Wells, Muhammad and Islam: In the Outline of History, University of Michigan Library:1920
- James A -Michener, Islam: The Misunderstood Religion, New Yark:1955
- James H -Leuba, God or Man, London: 1934
- James strong, A Concise Dictionary of Words in the Greek Testament, New York: The Methodist book corner, 1984
- John Davenport, An Apology for Mohammed and the Koran, London: J-Davy & Sons, 1869
- John kitto, Cyclopedia of Biblical literature, Edinburgh: Adam and Charles Black, 1881
- John William Draper, A History of the Intellectual Development of Europe, New York: Harper and Brothers Publishers,1836
- Juan E. Campo, Encyclopedia of Islam, New York: Facts on File, Inc.2009
- K.S. Ramakrishna Rao, Muhammad:The Prophet of Islam, Chennai: Islamic Foundation Trust, 1989
- Karen Armstrong, History of God, London: Heineman, 1993
- Karen Armstrong, Muhammad:A Biography of the Prophet, New York: Harper Collins Publishers, 1993

- Mahatma Gandhi,Young India, Madras:1924
- Manan Sharma, Budhism (Teachings of Buddha), Diamond pocket books,(P) ltd,2002
- Maurice Bucaille, The Bible the Quran and science, (Translation: Alastair D-pannell and the auther), Lahore: Idara-e-Islamiyat
- Max Muller, The Sacred Books of the East, New Delhi: Motilal Banarsidass, Edition: 2, 1967
- Michael H -Hart, The 100, A Ranking of the Most Influential persons in History, New York: Hart Publishing Company, Inc. 1978
- Montgomery Watt, Mohammad at Mecca, London: Oxford University Press, 1953
- New Testament Monarch Notes and Study Guides, New York: Unicoi J-Violi, 1964
- Paul Carus, The Gospel Of Buddah, London: The Open Court Publishing Company, 1915
- Prof -Fransis Johnson,The World Book Encyclopedia, New York: 1979
- Rig-Veda, Book 8, HYMN VI (6) Indra
- Ronald Jhonstone, Religion and Society,UK: Englewood cliffs, Inc. 1975
- S-Nigosian, Zoroastrian Faith: Tradition and modern Research, Canada: McGill-Queen's Press, 1993
- Sarojini Naidu, Ideals of Islam: Speeches and Writings, Madaras: 1918
- Shubhra Sharma, Dr, Upanishad, New Dehli, 1985
- Stanley Lane-Poole, Introduction In: Speeches and Table Talk of the Prophet Muhammad, London: Macmillan & Co. 1882
- T-K -Cheyne and J -Sutherland Black, Encyclopedia Biblica, London: The Macmillan & co., 1902
- The American people’s Encyclopedia, Chicago:1960
- The Hurchmans Family Bible, London society for promoting Christian knowledge
- The Koran, (Translation by George Sale), London and New York: 1890
- The New Bible dictionary, The inter- varsity fellowship, London: 1963
- The New Encyclopedia of Britannica, Inc. USA: 1986
- The New Encyclopedia of Britannica, USA: 1986
- The Vedas, Dhamric Scriptures Team, New Dwhli, India, 2002
- Thomas Caryle, Heros and Heros Worship, London: Chapman and Hall,1869
- Washington Irving, The Life of Mahomet, Leipzig: Bernard Tauchnitz,1850

رسائل و جرائد اور ویب سائٹس

- احمد اللہ ناز سندھو، ''قرآن کا تذکرہ بائیبل میں''، ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، جون ۱۹۸۴ء، شمارہ: ۴۱، ص: ۳۹۹-۴۰۰
- شاہ جہان پوری، ابو سلمان، ''زرتشت اور ان کا مذہب''، ماہنامہ الرحیم، حیدر آباد، نومبر ۱۹۶۵ء، شمارہ ۵: ۶، ص: ۵/ ۳۹۲
- کلیار، ظفر اقبال، ''بائبل اور بشارات سید المرسلین''، ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، جون ۱۹۹۶ء، ص: ۱۹/۲۶
- گھکڑ یالوی، فاروق اعظم، ''غزواتِ نبوی اور انسانی اقدار''، ماہنامہ دار العلوم، مئی ۲۰۰۷ء، شمارہ ۹۱: ۵، ص: ۴۴
- محمد ذکی، ڈاکٹر، ''وہ نبی'' سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری۔ مارچ، ۱۹۸۲ء، ص: ۱/ ۳۰
- مکی، مختار احمد، ''حضرت محمد ﷺ کی رسالت قدیم مذہبی کتابوں میں''، ماہنامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، یوپی (انڈیا) جون ۲۰۰۱ء، ص: ۲۰/ ۳۳

- https://daleel-pk
- https://en.wikipedia.org
- https://studybuddhism.com
- https://studybuddhism.com
- www.biography.com
- www.hadawal.blogspot.com
- www.holybooks.com

****